

وَلَقَدْ مَكِّنَّا الْقُرْآنَ لِلذِّكْرِ

تفسیر روح البیان ترجمہ تقدیس الایمان

تفسیر قرآن

حضرت علامہ محمد اسماعیل حقانی فاضل دیوبند بریلوی رحمہ اللہ

مترجم: علامہ قاضی محمد عبداللطیف قادری

بانی و مہتمم: ایچ ایم ڈی گریٹ برادرز U.K.

نظر ثانی: استاذ العلماء حضرت علامہ محمد منشا تائش قصوی

عبداللہ مالک کدھی

مہیاں مارکیٹ، مغربی سٹریٹ اردو بازار لاہور

مرکز العلوم الاسلامیہ اکیڈمی

قرآن و سنت کا عظیم ادارہ

Boys & Girls

January 2025

جہاں اسلامی و عصری علوم کا عظیم امتزاج

مختصر تعارف

شعبہ ناظرہ: **298**

شعبہ حفظ: **188**

طلباء

Boys

شعبہ تجوید: **12**

شعبہ درس نظامی: **132**

شعبہ ناظرہ: **235**

شعبہ درس نظامی: **40**

طالبات **Girls**

انہیں شعبہ جات میں **450** سے زائد طلباء و طالبات اسکول کی تعلیم میٹرک تک حاصل کر رہے ہیں نیز کم و بیش **100** طلباء جامعہ میں رہائش پذیر ہیں جن کے طعام، قیام اور میڈیکل کا مکمل خرچ مدرسہ برداشت کرتا ہے

شعبہ درس نظامی و تجوید **20** اساتذہ

شعبہ حفظ و ناظرہ **25** اساتذہ

اسٹاف

شعبہ عصری علوم یعنی اسکول کالج و کمپیوٹر **28** اساتذہ

**Male
Female**

خادم و چوکیدار **07**

باورچی **03**

کل طلباء و طالبات کم و بیش **905** اور مکمل اسٹاف **83** افراد پر مشتمل ہے

ادارے کے تحت مدرسہ کی تین عمارتیں، مزید بادی مسجد (گٹوگی بیٹھادر کراچی) اور قادری مسجد (کھارادر کراچی) کا انتظام بھی چل رہا ہے

DONATION

Contact: **03009253509**
03219253509

03343918546
03352361882

وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْآنَ لِلذِّكْرِ
ہم نے نصیحت حاصل کرنے کے لیے قرآن کو آسان بنا دیا ہے۔ (سورۃ القمر)

تفسیر روح البیان

ترجمہ

تقدیس الایمان

تفسیر قرآن : حضرت علامہ محمد اسماعیل حقّی آفندی بروسوی رحمۃ اللہ علیہ

مترجم : علامہ قاضی محمد عبداللطیف قادری

بانی و مہتمم: الحکمۃ ٹرسٹ گریٹ ہاورڈ U.K.

نظر ثانی : استاذ العلماء حضرت علامہ محمد منشا تابش قصوری

پارہ 25 تا 27

عَبْدُ اللَّهِ كِيَانِي

میاں مارکیٹ، غزنی سٹریٹ اردو بازار لاہور

فون: 042-37241382

جملہ حقوق بحق مترجم محفوظ ہیں

تفسیر روح البیان ترجمہ تقدیس الایمان	☆.....	نام کتاب
حضرت علامہ محمد اسماعیل حقی آفندی بروسوی رحمۃ اللہ علیہ	☆.....	تفسیر قرآن
علامہ قاضی محمد عبداللطیف قادری	☆.....	ترجمہ و تخریج
بانی و مہتمم: الحکمة ٹرسٹ گریٹ ہاورڈ U.K.	☆.....	
استاذ العلماء حضرت علامہ محمد منشا تابش قصوری	☆.....	نظر ثانی
علامہ قاضی محمد سعید الرحمن قادری 95065270300	☆.....	پروف ریڈنگ
علامہ قاضی طاہر محمود قادری، علامہ قاضی مظہر حسین قادری	☆.....	
مولانا مقصود الہی، مولانا حافظ غالب چشتی	☆.....	
قاری محمد اسلام خوشابی 0306-6628331	☆.....	پروف ریڈنگ قرآن
(رجسٹرڈ پروف ریڈر محکمہ اوقاف حکومت پنجاب)	☆.....	
حافظ شاہد خاقان 58416220311/0321	☆.....	کمپوزنگ
2021	☆.....	اشاعت اول
10	☆.....	مجلدات

ہدیہ

گورنمنٹ آف پاکستان کے احکامات کے مطابق حضور نبی کریم ﷺ کا نام مبارک جہاں بھی آئے گا وہاں ساتھ خاتم النبیین ﷺ کا لفظ لازمی آئے گا۔ حکومت کے اسی حکم کو مد نظر رکھتے ہوئے اس کتاب میں جہاں جہاں حضور نبی کریم ﷺ کا ذکر مبارک آیا ہے وہاں ساتھ خاتم النبیین ﷺ لکھ دیا گیا ہے۔ تاہم اگر کہیں لکھنے سے روک گیا ہو تو قارئین سے التماس ہے کہ آپ ﷺ کے نام مبارک کے ساتھ خاتم النبیین ﷺ ہی لکھا اور پڑھا جائے۔ شکریہ ادارہ

ضروری وضاحت

ایک مسلمان جان بوجھ کر قرآن مجید، احادیث رسول ﷺ اور دیگر دینی کتابوں میں غلطی کرنے کا تصور بھی نہیں کر سکتا بھول کر ہونے والی غلطیوں کی تصحیح و اصلاح کے لیے بھی ہمارے ادارہ میں مستقل شعبہ قائم ہے اور کسی بھی کتاب کی طباعت کے دوران غلطی کی تصحیح پر سب سے زیادہ توجہ دی جاتی ہے۔ لہذا قارئین کرام سے گزارش ہے کہ اگر ایسی کوئی غلطی نظر آئے تو ادارہ کو مطلع فرمادیں تاکہ آئندہ ایڈیشن میں اس کی اصلاح ہو سکے۔ (ادارہ)

فہرست مضامین تفسیر روح البیان (جلد نہم پارہ 25-27)

سبق	تفسیر پارہ پچیسواں
23	نکتہ
23	حکایت
24	حدیث قدسی
25	حدیث شریف
27	سبق
27	تفسیر سورۃ الشوری
27	علم قرآن
27	حدیث شریف
27	سبق
28	حدیث شریف
31	وسیلہ مصطفیٰ ﷺ
34	ارشاد مولا علی
34	حدیث قدسی
34	امت میں تفرقہ
35	کامیابی کے گر
36	فائدہ
38	سبق
40	دنیا و آخرت
41	سبق
42	سبق
43	سبق

75	کتے کی پیدائش	44	حدیث
76	قیامت تین ہیں	45	حدیث شریف
77	حدیث شریف		تفسیر سورۃ الزخرف
79	فائدہ	47	فائدہ
82	اول کائنات حضور ﷺ کی ذات ہے	49	تین حالتیں
	تفسیر سورۃ الدخان	50	صوفیانہ فائدہ
86	اس امت کی بخشش کے اوقات و مقامات	50	نکتہ
87	شفاعت کا اذن عام	51	حدیث شریف
89	قریش قحط کی زد میں	53	خواب اور تعبیر
89	قریش کی عاجزی اور زاری	54	فضل عائشہ
92	بنی اسرائیل مصر میں	56	غلط تقلید کی مذمت
96	حدیث شریف	56	صحیح تقلید کی تعریف
101	عذاب کا حال	57	حدیث شریف
103	حور کے ساتھ عقد میں مہر	59	فیضانِ نظر حضرت علی رضی اللہ عنہ پر
103	جنت میں دس چیزیں نہیں	61	فرمان مولیٰ علی
	تفسیر سورۃ الجاثیہ	62	حدیث شریف
107	غلطی فہمی کا ازالہ	71	موسیٰ علیہ السلام کی لکنت
108	شان نزول	72	اولیاء کرام علیہم السلام کی گستاخی
111	حدیث شریف	72	قصہ
		74	حکایت

150	دوسری مرتبہ
153	فائدہ
	تفسیر سورہ محمد ﷺ
157	نبوی دعا
157	حق کی تعریف
158	دیدار مصطفیٰ ﷺ کیسے ہوتا ہے
158	چار طریقے ہیں
159	حدیث شریف
160	اللہ تعالیٰ کی مدد و قسم
163	شان نزول
164	شان مصطفیٰ ﷺ
167	فائدہ
168	علامات قیامت
168	حدیث شریف
168	امام کلبی نے قیامت کی علامات لکھیں
169	حدیث شریف
169	مومن و منافق کی پہچان
170	نزول احکام کی ترتیب
170	حدیث
171	محبوب خدا کے بے ادب

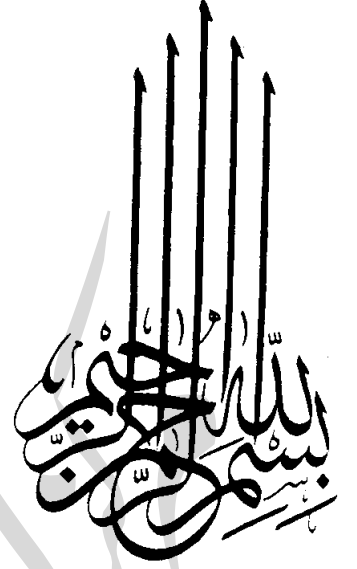
114	شان محمد ﷺ
120	مسلمانوں کا عقیدہ
121	ایصال ثواب صحیح ہے
122	حدیث شریف
125	ظن اور یقین میں فرق
126	یقین کے مراتب
128	حدیث قدسی
	تفسیر پارہ چبیسواں
130	فائدہ
130	سوال
134	وہم کا ازالہ
138	اولیاء کی شان
138	بے عمل عالم
139	رضاعت کا ثبوت
139	نبوت کیلئے چالیس سال کا ہونا ضروری نہیں
140	شان صدیق اکبر رضی اللہ عنہ
142	حدیث شریف
144	کفار کی ارواح
145	عذاب کا نمونہ
150	وسیلے کا جواز

198	فاتح خیبر علی	173	فائدہ
199	غزوہ حنین کے اسباب	174	مومن کی موت کا خوش منظر
199	عمرہ کی ادائیگی	174	حضور ﷺ منافقوں کو جانتے تھے
201	قریش پشیمان ہو گئے	175	پردہ چاک ہو گیا
202	کفار تین وجہ سے سزا کے مستحق ہوئے	177	حدیث شریف
204	منافقین کا شعور	178	حدیث قدسی
205	صلح کی ایک عجیب شرط		تفسیر سورۃ الفتح
206	عظمت مصطفیٰ ﷺ	181	شان نزول
207	دو نام ذاتی ہیں	181	قصہ
207	حدیث شریف	185	نکتہ
208	صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی عظمت	186	شان نزول
	تفسیر سورۃ الحجرات	188	بیت کا قصہ
209	شان نزول	190	صلح کے اسباب
209	تین مقاموں پر آگے چلنا جائز ہے	190	صلح کی پیش کش
210	تخصیص	191	کفار سے صلح مسلمانوں کو ناپسند تھی
212	امہات المؤمنین کے حجرات	194	شان صدیق اکبر رضی اللہ عنہ
212	پکارنے والے	196	فرمان رسول
213	شان نزول	196	سب سے افضل
213	ایک روایت یوں ہے	197	خیبر اور یشرب
217	اخوت دینی کے حقوق	198	نافرمانی کی سزا

246	وہم کا ازالہ	218	شان نزول
249	عالم کا سونا عبادت ہے	219	ازالہ وہم
249	شان نزول	219	حدیث شریف
249	ایصال ثواب پر حدیث	220	ختم نبوت
259	زمین سات ہیں	220	شان نزول
261	نصیحت کے دس موتی	223	استطاعت کی تین اقسام
	تفسیر سورۃ طور	223	حدیث شریف
264	فائدہ	225	طوال مفصل
264	معراج کی رات	225	اوساط مفصل
265	پراثر آیت	225	قصار مفصل
269	حدیث شریف	225	بدعت حسنہ
272	کاہن		تفسیر سورۃ ق
273	یاد رہے	226	شان رسالت
277	منکرین عذاب قبر	226	بارہ کا ہندسہ
279	صبح کی نماز کا درجہ	228	انبیاء کرام علیہم السلام جسموں سمیت زندہ ہیں
279	وتر کی نماز	234	جناب صدیق اکبر کا یقین
	تفسیر سورۃ النجم	236	شان نزول
280	شان نزول	243	سب سے پہلے حضور ﷺ اپنی قبر سے باہر آئیں گے
280	غی اور ضلال میں فرق		تفسیر سورۃ الذریت
281	گستاخ نبی کی کہانی	245	حدیث شریف

338	حضرت بلال رضی اللہ عنہ کی شان
341	تین قسمیں
344	حکایت
345	شان نزول
353	کھیتی بڑھانے کا وظیفہ
355	منکرین عذاب قبر پر حجت
358	مداحنت اور مدارات میں فرق
361	یقین کی تعریف
361	دعائے نبوی ﷺ
362	ائمہ کرام کے ارشادات
362	بھوک کا بہترین علاج
362	فضیلت سورہ واقعہ
	تفسیر سورہ الحديد
363	سب سے اعلیٰ ذکر
368	جناب عیسیٰ علیہ السلام کا خوبصورت کلام
369	افضلیت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ
369	اجماع صحابہ
375	فضیل بن عیاض کی توبہ کا سبب
379	وسیلہ مصطفیٰ ﷺ

284	معراج کی رات
289	دنیا کی مذمت
290	شان نزول
293	ایک واقعہ
	تفسیر سورہ القمر
299	واقعہ شق قمر
314	معجزہ نبوی ﷺ
	تفسیر سورہ الرحمن
317	فائدہ
318	نکتہ
320	تخلیق آدم
320	جن کی تخلیق
325	انسان بڑا عاجز ہے
329	شان نزول
330	دل کی آبادی
336	شب معراج اور رفر فرف
337	واقعہ
	تفسیر سورہ الواقعة
338	فائدہ



پارہ 25 تا 27

تفسیر روح البیان

ترجمہ

تقدیس الایمان

إِلَيْهِ يُرَدُّ عِلْمُ السَّاعَةِ ۖ وَمَا تَخْرُجُ مِنْ ثَمَرَاتٍ مِّنْ أَكْمَامِهَا

اسی کی طرف پھیرا گیا علم قیامت کا۔ اور نہیں نکلتا کوئی پھل اپنے غلاف سے

وَمَا تَحْمِلُ مِنْ أُنْثَىٰ وَلَا تَضَعُ إِلَّا بِعِلْمِهِ ۖ وَيَوْمَ يُنَادِيهِمْ أَيْنَ

اور نہیں حمل رکھتی کوئی مادہ اور نہ کوئی جنتی ہے مگر اس کے علم میں ہے۔ اور جس دن آواز دیگا ان کو کہاں ہیں

شُرَكَاءِي ۖ قَالُوا أَدْنٰكَ ۖ مَا مِنَّا مِنْ شَهِيدٍ ۚ ﴿٢٤﴾

میرے شریک تو کہیں گے تجھے بتا دیا نہیں ہم میں کوئی گواہ

(آیت نمبر ۲۴) اسی ذات کی طرف لوٹایا جاتا ہے علم قیامت کا۔ یعنی جب کوئی قیامت کے متعلق پوچھے تو

اسے یہی کہا جاتا ہے کہ اللہ ہی جانتا ہے اور چھلکوں سے پھل نہیں نکلتے۔ جیسے اخروٹ۔ بادام اور پستہ وغیرہ۔ اور نہیں اٹھاتی پیٹ میں کوئی مادہ اور نہ وہ جنتی ہے مگر یہ سب باتیں اللہ تعالیٰ کے علم میں ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کے علم میں یہ باتیں نہیں ہیں۔ کیونکہ پھل کے پکنے اور حاملہ کے حمل کو وہی اچھی طرح جانتا ہے اور ہر ایک کے کامل یا ناقص ہونے زیا مادہ ہونے کو بھی وہ جانتا ہے۔ بلکہ کائنات کے ذرے ذرے کا اسے علم ہے۔

نکتہ: قیامت کے علم کے ساتھ حمل وضع کا ذکر اس لئے کیا ہے تاکہ معلوم ہو کہ وہ ہر مرنے والے کے ٹھکانے

کو جانتا ہے کہ جنہوں نے قیامت کے دن دوبارہ زندہ ہونا ہے۔ دوسری بات یہ کہ جب کوئی قیامت کے متعلق سوال کرے کہ وہ کب ہے تو اس کا ایک ہی جواب ہے کہ اس کا علم صرف اللہ تعالیٰ کے پاس ہے۔ بلکہ بہتر ہے کہ تمام قسم کے علوم اللہ تعالیٰ ہی کے سپرد کرے۔ کیونکہ وہ سب سے زیادہ جاننے والا ہے۔

حکایت: ابو منصور کو خیال ہوا کہ معلوم نہیں میری بقایا زندگی کتنی ہے تو ایک رات خواب میں پانچ کا اشارہ ہوا

تو تمام علماء نے کہا۔ اس سے مراد پانچ سال پانچ ماہ۔ امام اعظم رحمہ اللہ نے فرمایا۔ اس میں اشارہ ان پانچ علوم کی طرف ہے۔ جن کو صرف اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے۔ (۱) قیامت کا علم۔ (۲) ماں کے پیٹ میں کیا ہے۔ (۳) بارش کب ہوگی۔ (۴) کل کیا کرے گا۔ (۵) کس جگہ موت آئے گی۔

وَضَلَّ عَنْهُمْ مَّا كَانُوا يُدْعُونَ مِنْ قَبْلُ وَظَنُّوا مَا لَهُمْ مِنْ مَّحِيصٍ ﴿٣٨﴾

اور گم ہو جائیں گے ان سے جن کو تھے پوجتے اس سے پہلے اور یقین کریں گے کہ نہیں ان کی کوئی بھاگنے کی جگہ

لَا يَسْمُ الْإِنْسَانُ مِنْ دُعَاءِ الْخَيْرِ وَإِنْ مَسَّهُ الشَّرُّ فَيُوسُ قَنُوطٌ ﴿٣٩﴾

نہیں اکتاتا بندہ مانگنے اچھائی سے۔ اور اگر پہنچے اسے برائی تو ناامید آس ٹوٹا ہو جاتا ہے۔

(آیت نمبر ۳۸) محبوب انہیں وہ وقت یاد دلائیں۔ جب انہیں اللہ تعالیٰ آواز دے کر فرمائے گا۔ کہاں ہیں وہ جنہیں تم اپنے گمان میں میرے شریک سمجھتے تھے۔ تو وہ جواب میں کہیں گے۔ ہم نے تمہیں پہلے ہی بتا دیا کہ ہم میں نہیں ہے کوئی جو اس کی گواہی دے۔ کیونکہ جب سے ہم نے ان کا یہاں برا حال دیکھا۔ ہم تو ان سے بیزار ہو گئے اور یہ سوال ان سے بطور زجر و توبیخ ہوگا۔

فائدہ: بلکہ اس وقت وہ شرک سے ہی انکار کر دیں گے کہ ہم نے شرک کیا ہی نہیں۔ وہ تو اب جان بچانے کیلئے کئی جھوٹ بول دیں گے۔ **فائدہ:** قیامت کے دن جب اللہ تعالیٰ کی صفت قہاریت کا ظہور ہوگا تو اس وقت انہیں یقین ہو جائے گا کہ اب شرک والوں کی خیر نہیں۔ اب کہیں بھاگ کر جانے کی کوئی جگہ بھی نہیں۔

فائدہ: البتہ جو لوگ دنیا میں ارباب لطف ہیں ان پر آخرت میں لطف و کرم ہوگا۔

سبق: عقل مند پر لازم ہے کہ وہ اللہ ہی کی طرف بھاگ کر پہنچے۔ (ففرؤا الی اللہ) اللہ تعالیٰ کی طرف بھاگ کر جانے والا انس ہی پائے گا۔ اللہ تعالیٰ اپنے انس کرنے والے پر لطف و کرم فرماتا ہے۔

اور گم ہو جائیں گے ان سے وہ جن کو وہ دنیا میں پوجتے تھے۔ چونکہ وہ جن بتوں کو پوجتے تھے وہ تو دنیا میں ہی رہ گئے۔ اب وہ کہاں نظر آئیں۔ لہذا اب اور کہیں بھاگ کر جانے کی کوئی جگہ نہیں ہے۔ نہ واپس اس دنیا کی طرف جا سکتے ہیں بلکہ دنیا تو ختم ہی ہو جائے گی۔ لہذا بہتر یہی ہے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں جا کر کوئی عذر و معذرت کی جائے۔

(آیت نمبر ۴۹) انسان خیر کی طلب سے نہیں تھکتا۔ اس سے مراد اکثر افراد ہیں یعنی اکثر بندے خیر ہی کے طالب ہیں۔ اور رحمت چاہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی رحمت سے کافر ہی ناامید ہوتا ہے۔ دعا خیر سے مراد خیریت مانگنا۔ نعمت کی وسعت چاہنا اور اسباب معیشت کی فراوانی چاہنا۔ اب معنی یہ ہے کہ کافر مال و اسباب کا کتنا حریص ہے کہ ہر وقت دنیا کا مال مانگنے میں لگا رہتا ہے۔ تھکتا بھی نہیں۔ نہ اس کے طلب کی کوئی انتہاء ہے۔

وَلَّيْنُ اَذْقَنُهُ رَحْمَةً مِّنَّا مِنْۢ بَعْدِ ضَرَّآءَ مَسَّتْهُ لَيَقُولَنَّ هَذَا لِیۤ ۙ

اور اگر چکھائیں اسے رحمت اپنی بعد تکلیف کے جو اسے پہنچی۔ تو ضرور کہے گا یہ تو میرا حق ہے

وَمَا اَظُنُّ السَّاعَةَ قَائِمَةً ۙ وَلَّيْنُ رُجِعْتُ اِلٰی رَبِّیۡ اِنَّ لِیۤ عِنْدَهُ لَلْحُسْنٰی ؕ

اور نہیں میرا گمان کہ قیامت قائم ہوگی اور اگر لوٹایا گیا طرف اپنے رب کے بے شک میری اس کے ہاں ضرور خوبی ہے۔

فَلَنَنْبِئَنَّ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا بِمَا عَمِلُوْا وَلَنَذِیْقَنَّهُمْ مِّنۢ عَذَابٍ غَلِيْظٍ ۝۵۰

تو ضرور ہم بتائیں گے کافروں کو جو انہوں نے عمل کئے اور ضرور مزہ چکھائیں گے عذاب گاڑھے کا۔

(بقیہ آیت نمبر ۴۹) فائدہ: اسی طرح جو اللہ تعالیٰ کا عاشق اور محبت ہے۔ اس کی بھی خیر کی انتہاء نہیں وہ ہمہ وقت رب کی رضا چاہنے میں لگا رہتا ہے اور اس کی طلب سے نہیں تھکتا۔ دنیا دار کا حال یہ ہے۔ کہ اسے اگر برائی پہنچے تو وہ اللہ تعالیٰ کے فضل و رحمت سے انتہاء درجہ نا امید ہو جاتا ہے۔ یعنی اگر اسے کوئی بیماری۔ بھوک یا کوئی پریشانی آجائے تو پھر راحت ملنے سے امید ختم کر دیتا ہے۔ حالانکہ اگر امید میں رہتا تو اس کا بھلا ہوتا۔ اس لئے کہ دکھ کے بعد سکھ ضرور آتا ہے۔ فائدہ: اس میں اشارہ ہے کہ انسان اپنے رب سے اس فانی دنیا اور اس کے اسباب اپنے رب سے مانگتا رہتا ہے۔ اگر اس کی عبادت بھی کرتا ہے تو اس میں بھی اس کا کوئی نہ کوئی دنیوی مقصد ہوتا ہے اور کسی آرزو کے پورا کرنے کیلئے وہ عبادت کرتا ہے۔ اسی لئے ایسے شخص کا اگر مقصد پورا نہ ہو۔ بالآخر ناامیدی کے گڑھے میں گر کر ہلاک اور تباہ ہو جاتا ہے۔

(آیت نمبر ۵۰) اور اگر ہم اسے اپنی رحمت کا مزہ چکھائیں اپنی طرف سے۔ اس کے بعد جو اسے تکلیف آئی۔ یعنی ہم اس کا دکھ درد دور کر کے بیماری سے صحت دیں یا تنگی تھی تو کشادگی دے کر پریشانی سے نجات دے دیں تو وہ ضرور یہ کہے گا کہ یہ جو کچھ مجھے ملا ہے۔ یہ تو میرا حق بنتا تھا۔ میں اس کا حقدار تھا۔ اس لئے یہ مجھے ملا ہے۔ یا میں نے فلاں نیکی کی تھی اس کا مجھے پھل ملا ہے۔ یا اس کا یہ مطلب ہو کہ یہ تو صرف مجھے ہی ملنا تھا۔ کسی دوسرے کی اتنی قسمت کہاں اور پھر وہ یہ سمجھتا ہے کہ یہ اب نعمت ہمیشہ میرے پاس ہی رہے گی۔ لیکن وہ بد نصیب اتنا نہیں سمجھتا کہ اسے یہ خیر و بھلائی محض اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے ملی ہے۔ لیکن وہ جاہل اور بے خبر اپنا استحقاق ظاہر کر کے اپنے منعم (نعمتیں دینے والے) کو ہی چھوڑ دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے تو یہ فضل و رحمت اس لئے کیا تھا کہ وہ اس کا شکر گزار بندہ بنے۔ اس لئے کہ اگر وہ چاہے تو اپنی نعمت چھین بھی سکتا ہے۔

وَإِذَا أَنْعَمْنَا عَلَى الْإِنْسَانِ أَعْرَضَ وَنَا بِجَانِبِهِ ۚ وَإِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ

اور جب انعام کر دیں بندے پر تو منہ پھیر لیتا ہے۔ اور ایک طرف ہٹ جاتا ہے۔ اور جب پہنچے اسے تکلیف

فَذُوْ دُعَاءٍ عَرِيْضٍ ۝۵۱

تو دعائیں کرتا ہے لمبی چوڑی۔

(بقیہ آیت نمبر ۵۰) آگے فرمایا کہ وہ کہتا ہے کہ میرا گمان نہیں کہ قیامت قائم ہوگئی۔ جیسا کہ محمد ﷺ کا گمان ہے۔ لیکن اگر بالفرض قیامت قائم ہوئی اور میں مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کر کے اپنے رب کی طرف لوٹایا گیا۔ تو بھی میرے لئے اس کے پاس بھلائی ہی ہوگی۔ کیونکہ دنیا میں جیسے نعمتوں اور جن کرامتوں کا مستحق تھا وہ ملی ہیں تو آخرت میں بھی وہ نعمتیں مجھے ملیں گی۔ **فائدہ:** وہ شخص کتنا بڑا بے وقوف ہے جو دنیا میں ملنے والی نعمتوں کو اپنا استحقاق سمجھتا ہے۔ اور اسی کو آخرت پر قیاس کر رہا ہے۔ مولا علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں۔ لوگ ابھی نیند میں ہیں۔ جب مریں گے تو پھر بیدار ہو جائیں گے۔

فائدہ: بحر العلوم میں عذاب غلیظ کا معنی جو سخت ہو اور عظیم بھی ہو۔ یعنی ہم ان کافروں کو ایسے سخت اور گاڑھے عذاب میں ڈالیں گے جو ہر عذاب سے بڑا عذاب ہے۔ چونکہ دنیا میں ان کا خیال تھا کہ ہماری دنیا کی عزت و جاہت کی طرح آخرت میں عزت افزائی ہوگی۔ ہم اسی طرح معزز و مکرم ہونگے۔ لیکن آخرت میں معاملہ ان کی سوچ کے خلاف ہو جائیگا کیونکہ آخرت میں مال نہیں دیکھا جائیگا کہ دنیا میں کتنا مال کمایا۔ بلکہ عقیدہ اور اعمال دیکھے جائیں گے۔ اور اللہ تعالیٰ نے قرآن میں بتا دیا۔ کہ ابرار جنت میں اور فجار جہنم میں جائیں گے۔

(آیت نمبر ۵۱) اور جب ہم انسان پر انعام و اکرام کی نوازش کرتے ہیں تو وہ شکر کرنے سے منہ پھیر لیتا ہے۔

فائدہ: یہ کافر کی ناشکری کا دوسرا رخ بیان ہو رہا ہے۔ یعنی اسے انعامات راس نہیں آتے۔ وہ اکڑتا ہے اور سمجھتا ہے۔ میرا کوئی کیا بگاڑ سکتا ہے۔ اسے نعمتیں دینے والا یاد نہیں رہتا اور وہ کفران نعمت شروع کر دیتا ہے اور دور ہٹ کر ایک طرف ہو جاتا ہے یا تکبر سے شکر و طاعت کی طرف مائل نہیں ہوتا اور نفس کے عجب میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ اپنے معمولی دنیوی جاہ و جلال سے غلط خیالات میں گھر جاتا ہے۔ اس لئے نہ وہ اللہ کا شکر ادا کرتا ہے۔ نہ اس کے فضل و کرم کو یاد کرتا ہے۔ آگے فرمایا کہ جب اس متکبر کو کوئی بلا و مصیبت یاد کھ پہنچتا ہے تو پھر وہ لمبی چوڑی دعائیں مانگنا شروع کر دیتا ہے۔

قُلْ أَرَأَيْتُمْ إِنْ كَانَ مِنْ عِنْدِ اللَّهِ ثُمَّ كَفَرْتُمْ بِهِ مَنْ أَضَلُّ مِمَّنْ

فرمادو بھلا بتاؤ اگر ہو یہ قرآن اللہ کی طرف سے۔ پھر کفر کیا تم نے اس سے کون بڑا گمراہ ہے اس سے

هُوَ فِي شِقَاقٍ بَعِيدٍ ۝۵۲

جو ضد میں دور ہے۔

(آیت نمبر ۵۲) اے محبوب انہیں فرمائیں کہ بھلا بتاؤ اگر یہ قرآن اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہو (جیسا کہ فی الواقع ہے) اور تم نے اس میں غور و فکر کئے بغیر ہی اس سے کفر کر لیا حالانکہ اس میں ایمان لانے کے دلائل بڑے مضبوط تھے۔ جیسا کہ تم محسوس کرتے ہو تو پھر اس سے بڑھ کر کون گمراہ ہوگا اور بہت بڑے اختلاف میں اور کون ہوگا۔ جو یہ کہے کہ یہ قرآن بناوٹی ہے۔ یا قصے کہانیوں والی کتاب ہے۔ اس سے بڑھ کر قرآن کے ساتھ کفر کیا ہوگا اور اللہ تعالیٰ سے مقابلہ اور اس کی مخالفت اس سے زیادہ کیا ہوگی۔ بلکہ یہ تو اللہ تعالیٰ سے دوری کی دلیل ہے۔

فائدہ: اس سے معلوم ہوا کہ بلا و مصیبت ہو یا رحمت و نعمت دکھ ہو یا سکھ سب اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے۔ لہذا جو بندہ دکھ سکھ میں اور خوشی میں اپنے مالک و مولیٰ کا شکر کرے اور دکھ میں صبر کرے۔ تو سمجھو وہ ہدایت والا ہے اور اگر ناشکری کرے۔ جزع فزع کرے۔ رسوائی کا اظہار کرے تو وہ بد بخت اللہ تعالیٰ سے انتہائی دور اور گمراہ ہے۔ **حدیث قدسی:** اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ جب میرے بندے کو جسم یا مال یا اولاد میں سے کسی چیز پر مصیبت آتی ہے اور وہ صبر جمیل سے اس کا استقبال کرتا ہے تو قیامت کے دن مجھے اس کے حساب یا اعمال تولنے سے شرم آئیگی۔ (رواہ احمد)۔ **حدیث شریف** میں ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کسی بندے سے پیار فرماتا ہے تو اسے کسی مصیبت یا تکلیف میں مبتلا فرما دیتا ہے۔ اگر وہ اس پر صبر کرے اور راضی بہ رضا مولیٰ ہو جائے تو اللہ تعالیٰ اسے اپنے خاص بندوں میں شامل فرما دیتا ہے۔ (احیاء العلوم)

اسی لئے انبیاء و اولیاء اکثر بلاء و مصیبت میں ہی رہے۔ دنیا دار الحمتہ ہے اور ایک حدیث میں فرمایا۔ دنیا مومن کیلئے قید خانہ ہے تو پھر وہ دنیا میں کیسے راحت پاسکتا ہے۔ اس لئے اللہ والا کبھی قلت مال میں کبھی دکھ میں کبھی مصیبت میں گرفتار رہتا ہے۔ کئی کئی بیماریوں میں مبتلا ہوتا ہے اور اس حالت میں خوش ہوتا ہے۔ آخرت میں اسے بہت بڑی راحت ملے گی۔ کافر دنیا و آخرت میں ذلیل و خوار ہے والا ہے۔

سبق: مسلمان کیلئے ضروری ہے کہ وہ ہمیشہ صراط مستقیم پر قائم رہے اور ادھر ادھر ڈگمگانے سے بچے۔

سَنُرِيهِمْ آيَاتِنَا فِي الْأَفَاقِ وَفِي أَنْفُسِهِمْ حَتَّىٰ يَتَبَيَّنَ لَهُمْ أَنَّهُ

جلد ہم انہیں دکھائیں گے اپنی نشانیاں دنیا میں اور ان کے نفوس میں۔ یہاں تک کہ واضح ہو جائے گا ان پر کہ وہ

الْحَقُّ ۚ أَوَلَمْ يَكْفِ بِرَبِّكَ أَنَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ شَهِيدٌ ﴿۵۳﴾

حق ہے۔ کیا یہ کافی نہیں کہ تمہارا رب بے شک ہر چیز پر گواہ ہے

أَلَا إِنَّهُمْ فِي مَرِئَةٍ مِّنْ لِّقَاءِ رَبِّهِمْ ۚ أَلَا إِنَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ مُّحِيطٌ ﴿۵۴﴾

خبردار بے شک انہیں شک ہے ملنے کا اپنے رب کو۔ خبردار بے شک وہ ہر چیز کو گھیرنے والا ہے۔

(آیت نمبر ۵۳) بہت جلد ان کفار مکہ کو ہم اپنی آیات کی حقیقت بتائیں گے۔ یا اس سے مراد اللہ تعالیٰ کی کارگریاں جو اللہ تعالیٰ کی ذات اور اس کی وحدانیت پر دلالت کرتی ہیں اور خود انسان کے اندر یعنی جو اس جسم کے اندر ہیں کیونکہ وہ بھی ایک پورا جہان ہے۔ گویا ایک جہان وہ ہے جو انسان کے باہر ہے جو بڑا جہان ہے اور ایک انسان کے اندر ہے جو چھوٹا جہان ہے۔ فائدہ: آفاق سے مراد آسمان اور زمین کے کنارے ہیں۔ یعنی کائنات کے ذرے ذرے میں اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور قدرت کی نشانی موجود ہے یا اس سے مراد آنے والے حوادث کی خبریں ہیں جن کی نشان دہی حضور ﷺ نے پہلے سے ہی کر دی۔ جو بالکل سچ ثابت ہوئیں وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے تھیں۔

آگے فرمایا۔ یہاں تک کہ ان پر واضح ہو جائیگا کہ اللہ تعالیٰ کی ذات بالکل برحق ہے کہ اس کائنات میں زمین و آسمان، چاند، سورج اور ستارے، رات، دن، روشنی اور اندھیرا۔ پھر سمندر دریا اور نہریں۔ جو سب ایک اندازے سے چل رہے ہیں۔ یہ سب بتاتے ہیں کہ کوئی ذات انہیں چلا رہی ہے۔ اسی لئے آگے فرمایا کہ تجھے کیا یہ بات کافی نہیں کہ تیرا رب ہر چیز پر شاہد ہے۔ یعنی ہر جگہ موجود ہے اور وہی اس سارے نظام کو چلا رہا ہے۔ فائدہ: انسان اگر غور کرے تو اس کے اندر اللہ تعالیٰ نے اس کے چھوٹے سے جسم میں ایک جہاں سمودیا ہے۔ (وفی انفسکم) کہہ کر بتادیا کہ میں خود بھی تمہارے اندر موجود ہوں۔ کیا تم دیکھتے نہیں ہو۔

(آیت نمبر ۵۴) خبردار بے شک یہ کفار اپنے رب کی ملاقات سے شک میں ہیں۔ یعنی انہیں قیامت کے قائم ہونے اور حساب و کتاب اور جزاء و سزا میں ابھی شک ہے۔ خبردار بے شک اللہ تعالیٰ ہر ایک چیز کو گھیرے میں لینے والا ہے۔ جب وہ ان سب کو گھیرے میں لے لے گا۔ تو پھر ان کا شک نکل جائیگا۔

سورة کا اختتام : ۷ امور خہ دسمبر بمطابق ۷ ربيع الاول بروز ہفتہ بعد نماز صبح

حَمَّ ۱ عَسَقَ ۲ كَذَلِكَ يُوحَىٰ إِلَيْكَ وَإِلَى الَّذِينَ مِنْ قَبْلِكَ ۚ اللَّهُ

اسی طرح وحی فرماتا ہے آپ کی طرف اور ان کی طرف جو آپ سے پہلے ہوئے اللہ تعالیٰ

الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ۳ لَهُ مَا فِي السَّمَوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ ۚ وَهُوَ

عزت و حکمت والا ہے۔ اسی کا ہے جو کچھ آسمانوں اور جو زمین میں ہے۔ اور وہ

الْعَلِيُّ الْعَظِيمُ ۴

بلندی و عظمت والا ہے۔

(آیت نمبر ۱-۲) حم۔ عسق: یہ حروف مقطعات ہیں۔ ان دونوں کو الگ الگ آیات کے ساتھ لکھنے میں حوامیم کی ترتیب سے الگ رکھنے کی طرف اشارہ ہے۔ فائدہ: القاموس میں ہے۔ حم سے بعض سورتوں کا آغاز ہوتا ہے۔ اس کے متعلق بعض بزرگوں نے کہا کہ یہ اسم اعظم ہے یا قسم ہے۔ یا الرحمن کا مخفف ہے۔

علم قرآن: ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے تمام فتنوں کو ان حروف سے جان لیا۔ (قال الثعلبی) ان حروف کی مزید تفصیلات فیوض الرحمن میں دیکھ لیں۔

(آیت نمبر ۳) اسی طرح اللہ تعالیٰ آپ کی طرف وحی فرماتا ہے۔ جیسے پہلے انبیاء کی طرف وحی ہوئی۔ یعنی فرشتے ہی پہلے انبیاء کرام علیہم السلام کی طرف بھی وحی لاتے تھے۔ اب بھی وہی وحی لے کر آتے ہیں اور وحی بھیجنے والی اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔ العزیز اور الحکیم دونوں اللہ تعالیٰ کی صفات ہیں جو وحی بھیجنے والے کی بلند شان پر دلالت کرتی ہیں کیونکہ یہ اس کے کمال قدرت اور علم کے بعد واقع ہوئیں۔ عزیز کا معنی غالب ہے اور حکیم کا معنی حکمت والا ہے۔

(آیت نمبر ۴) اسی کا ہے جو آسمانوں اور جو زمین میں ہے۔ یعنی تمام عالم علویہ یعنی عرش علیٰ تک اور عالم سفلیہ یعنی تحت الثریٰ تک سب اسی کا ہے۔ بنایا بھی اسی نے اور ملکیت بھی اسی کی ہے۔

تَكَادُ السَّمَوَاتُ يَتَفَطَّرْنَ مِنْ فَوْقِهِنَّ وَالْمَلَائِكَةُ يُسَبِّحُونَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ

قریب ہے کہ آسمان پھٹ پڑیں ان کے اوپر اور فرشتے تسبیح کہتے ہیں اپنے رب کی حمد کے ساتھ۔

وَيَسْتَغْفِرُونَ لِمَنْ فِي الْأَرْضِ ۗ إِلَّا إِنَّ اللَّهَ هُوَ الْغَفُورُ الرَّحِيمُ ⑤

اور بخشش مانگتے ہیں زمین والوں کیلئے۔ خبردار بے شک اللہ ہی بخشنے والا مہربان ہے۔

(بقیہ آیت نمبر ۴) آگے فرمایا کہ وہ علوی یعنی بہت بلند شان والا ہے اور عظیم یعنی بہت بڑی سلطنت والا ہے اور بہت بڑی قدرت و حکمت والا ہے۔ یعنی وہ اتنی بلند شان والا ہے کہ جہاں تک عقلوں کی رسائی نہیں ہے۔ نہ کوئی اور ایسی ذات ہے جو اس کو یا اس کی صفات کو پاسکے۔ یقیناً وہ ایک عظیم ذات ہے کہ نہ اس کی صفات جیسی کسی میں صفات ہیں۔ نہ اسکے افعال جیسے کسی کے افعال ہیں۔ اس کے سامنے ہر چیز ہیچ ہے۔ جس کو جو بھی عزت شان اور بلندی ملی ہے۔ وہ اسی ذات کی عطا کردہ ہے۔ جیسے انبیاء کرام علیہم السلام یا اولیاء کرام رضی اللہ عنہم نے اسی سے مرتبے پائے۔

(آیت نمبر ۵) قریب ہے کہ آسمان اللہ تعالیٰ کی عظمت و جلال سے پھٹ جائیں۔ یعنی قیامت کی ہولناکی اور ہیبت اس قدر عظیم ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ڈر اور خوف ناک سے آسمان بھی پھٹ جائیں۔ باوجود اتنی بڑی مخلوق ہونے کے اور اتنے بلند ہونے کے اللہ تعالیٰ کی عظمت و جلال کے سامنے وہ بھی ٹکڑے ہو جائیں (تو انسان ان کے مقابلے میں کیا ہے)۔ اللہ تعالیٰ کی اس سے بھی بہت بڑی نشانیاں ہیں۔ جیسے عرش اور کرسی اور وہ فرشتے جن کی تسبیح اور تکبیر و تہلیل سے سارا ماحول گونج رہا ہے۔ علاوہ ازیں اور بھی آیات ہیں۔ جن کی حقیقت کو اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔

آگے فرمایا کہ فرشتے اپنے رب کی حمد کیساتھ اس کی تسبیح پڑھتے ہیں۔ یعنی جو صفات اللہ کی شان کے لائق نہیں ان سے نفی اور جو اس کی شان کے لائق ہیں بیان کرتے ہیں اور وہ فرشتے زمین والوں کیلئے بخشش کی دعا کرتے ہیں۔ یعنی دعا میں وہ مسلمانوں کی اللہ تعالیٰ کے ہاں سفارش کرتے ہیں۔ چونکہ دوسرے مقام پر مومنوں کا ذکر ہے۔ کہ فرشتے بخشش کی دعا صرف مومنوں کیلئے کرتے ہیں۔ اس لئے کہ غیر مسلم کیلئے بخشش کی دعا کرنا منع ہے۔

آگے فرمایا۔ خبردار ہو جاؤ اور یقین رکھو کہ اللہ تعالیٰ اپنے خاص بندوں کے گناہ بخش دیتا ہے اور ان پر رحم فرماتا ہے۔ یعنی جنت کی نعمتوں کے ساتھ اپنا قرب وصال سے بھی وہ نوازے گا۔

وَالَّذِينَ اتَّخَذُوا مِنْ دُونِهِ أَوْلِيَاءَ اللَّهُ حَفِیْظٌ عَلَيْهِمْ وَمَا أَنْتَ

اور جنہوں نے بنایا اس کے سوا اوروں کو ولی اللہ تعالیٰ کی نگاہ ہے ان پر۔ اور نہیں تم

عَلَيْهِمْ بِوَكِيلٍ ⑥ وَكَذَلِكَ أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ قُرْآنًا عَرَبِيًّا لَتُنْذِرَ أُمَّ الْقُرَىٰ

ان پر ذمہ دار۔ اور اسی طرح وحی کی ہم نے طرف آپ کے قرآن عربی کی تاکہ ڈرائیں آپ مکہ والوں

وَمَنْ حَوْلَهَا وَتُنْذِرَ يَوْمَ الْجُمُعِ لَا رَيْبَ فِيهِ ؕ فَرِيقٌ فِي الْجَنَّةِ

اور جو اس کے گرد ہیں اور ڈرائیں دن اکٹھے ہونے سے نہیں شک اس میں۔ ایک فریق جنت میں

وَفَرِيقٌ فِي السَّعِيرِ ④

اور ایک فریق دوزخ میں ہے۔

(آیت نمبر ۶) جن لوگوں نے اللہ تعالیٰ کے سوا اوروں کو اللہ تعالیٰ کا شریک بنالیا۔ یعنی وہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کے ساتھ بتوں کی عبادت بھی ملا دیتے ہیں۔ تو اللہ تعالیٰ ان کے اعمال اور احوال کو دیکھ رہا ہے۔ یعنی سب کچھ اس کے علم میں ہے۔ ان سے بالکل غافل نہیں ہے۔ ان کے برے اعمال کی انہیں سزا دے گا۔ دوسرے مقام پر اس کی تائید کرتے ہوئے فرمایا کہ رب تعالیٰ نہ بھولا ہے نہ بھٹکا۔ سب کچھ کتاب میں موجود و محفوظ ہے۔ آگے فرمایا۔ اے محبوب آپ ان پروکیل بن کر نہیں گئے۔ کہ ان کے معاملات آپ زبردستی ٹھیک کرائیں۔ اس لئے کہ اس کے بارے میں آپ سے پوچھ گچھ نہیں ہوگی۔ آپ کی ذمہ داری صرف یہ ہے کہ آپ انہیں آخرت کے عذاب سے ڈرائیں اور لوگوں تک اللہ تعالیٰ کے احکام پہنچائیں۔ (وہ کام آپ نے کر دیا)۔

سبق: عقل مند وہ ہے جو اللہ تعالیٰ سے دوستی کرے اور اسی سے محبت کرے اور اسی سے تعلق قائم رکھے۔

(آیت نمبر ۷) اسی طرح ہم نے آپ کی طرف وحی کی اس قرآن کی جو عربی زبان میں ہے۔ اس لئے کہ یہی آپ کی اور آپ کی قوم والوں کی زبان ہے تاکہ وہ آسانی سے اسے سمجھ جائیں۔ تاکہ آپ انہیں اللہ کے عذاب سے ڈرائیں۔ شاید وہ کفر و شرک سے باز آئیں۔ مکہ مکرمہ کو ام القریٰ اس لئے کہا گیا ہے کہ ساری زمین کی اصل یہی جگہ بیت اللہ والی زمین ہے۔ یہاں سے زمین کی ابتداء ہوئی۔ ام کا معنی اصل بھی ہے۔

وَلَوْ شَاءَ اللَّهُ لَجَعَلَهُمْ أُمَّةً وَاحِدَةً وَلَكِنْ يُدْخِلُ مَنْ يَشَاءُ

اور اگر چاہتا اللہ تو کر دیتا ان کو امت ایک۔ لیکن داخل فرماتا ہے جسے چاہے

فِي رَحْمَتِهِ وَالظَّالِمُونَ مَا لَهُمْ مِنْ وَلِيٍّ وَلَا نَصِيرٍ ۝۸

اپنی رحمت میں۔ اور ظالموں کا نہ کوئی دوست ہے اور نہ مددگار

(بقیہ آیت نمبر ۷) حضور ﷺ اصل کائنات اسی لحاظ سے ہیں کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے میری روح کو پیدا کیا۔ پھر اس سے تمام روح اور نفس پیدا ہوئے۔ اس معنی کے لحاظ سے آپ امی ہیں۔ یعنی سب روحوں کی اصل۔ آگے فرمایا کہ آپ مکہ شریف اور اس کے ارد گرد والوں کو ڈرسانے لیں۔

فائدہ: امام قشیری فرماتے ہیں کہ اس سے مراد پوری روئے زمین ہے کیونکہ مکہ مکرمہ پوری زمین کے سنٹر میں ہے اور ارد گرد کی پوری زمین اس کی حد ہے۔

آگے فرمایا کہ آپ جمع ہونے والے دن سے یعنی قیامت کی ہولناکی اور جہنم کے عذاب سے ڈرائیں کہ اس دن اولین و آخرین سب کو جمع کیا جائیگا۔ یعنی تمام زمین و آسمان والے اور تمام روح اور سب جسم اکٹھے ہونگے اور اس بات میں کوئی شک و شبہ نہیں ہے کہ سب ڈرائے ہوئے اور ڈرانے والے۔ عوام و خواص۔ جنتی اور دوزخی سب جمع ہونگے۔ سب کا حساب ہوگا جنہیں آج شک ہے اس دن ان کا بھی شک نکل جائے گا۔ آگے فرمایا کہ اس دن ایک گروہ جو صاحب ایمان ہوں گے۔ وہ جنت میں جائیں گے اور دوسرا گروہ کفار کا جہنم میں جائیں گے۔ سچے شعلوں والی آگ کو کہا جاتا ہے۔ یعنی حساب و کتاب کے بعد سب کو الگ الگ کر کے اپنے مقام کی طرف بھیج دیا جائیگا۔

حدیث شریف میں ہے ایک مرتبہ حضور ﷺ کے دونوں مبارک ہاتھوں میں دو کتابیں تھیں۔ دائیں ہاتھ والی کتاب کے متعلق فرمایا۔ اس کتاب میں تمام جنتیوں کے نام ہیں اور بائیں ہاتھ والی کتاب میں دوزخیوں کے نام ہیں۔ صحابہ نے پوچھا پھر عمل کا کیا فائدہ تو فرمایا۔ عمل کئے جاؤ اور سیدھی راہ پر چلے چلو۔ جنتی وہی ہے جس کا آخری عمل نیکی ہوگا اور دوزخی کا خاتمہ برے عمل پر ہوگا۔ (تفسیر معالم التنزیل و تفسیر بغوی)

(آیت نمبر ۸) اور اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو سب کو ہدایت پر جمع کر لیتا۔ یعنی سب کو ایک دین پر کر دیتا۔ ہدایت پر یا گمراہی پر۔ لیکن وہ جسے چاہتا ہے۔ اپنی رحمت (جنت) میں داخل فرماتا ہے اور جسے عذاب دینا چاہتا ہے۔

أَمْ اتَّخَذُوا مِنْ دُونِهِ أَوْلِيَاءَ ۚ قَالَ اللَّهُ هُوَ الْوَلِيُّ وَهُوَ يُحْيِي الْمَوْتَىٰ ۚ

یا بنایا انہوں نے اس کے سوا کو والی تو اللہ ہی والی ہے اور وہ زندہ کرے گا مردوں کو۔

وَهُوَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ۙ ⑨

اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔

(بقیہ آیت نمبر ۸) اسے دوزخ میں داخل فرمائے گا۔ یعنی ہر کام اس کے ارادے سے متعلق ہے۔ گویا دو گروہ ہو گئے۔ جو گروہ جہنم کی طرف جائیگا وہ عدل کی وجہ سے اور جو جنت کی طرف جائے گا وہ اللہ کے فضل کی وجہ سے۔ آگے فرمایا کہ ظالموں کا کوئی والی نہیں جو ان کے تمام کاموں میں کام آئے۔ یا انہیں عذاب سے بچائے اور نہ ان کا کوئی مددگار ہے جو ان کی مدد کر کے کسی طرح کا انہیں فائدہ پہنچا سکے۔

فائدہ: اس سے معلوم ہوا۔ جنت یا جہنم میں داخلہ بندوں کے اپنے اعمال و عقائد کے مطابق ہوگا۔

فائدہ: اس میں یہ بھی اشارہ ہے کہ انسان رحمت الہی پر نگاہ رکھے۔ پھر جب اس کی رحمت حاصل ہو تو اس پر اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء اور شکر کرے تو کفر اور گناہوں سے خود بخود نفرت ہو جائیگی۔

(آیت نمبر ۹) یا ان کفار و مشرکین نے اللہ کے سوا یعنی ان پتھروں اور مٹی کے ڈیلوں کو خدا بنا لیا ہے جب کہ وہ کسی کام نہیں آ سکتے۔ یہ تو کفار کی بدبختی ہے کہ اتنی بڑی ذات کو چھوڑ کر پتھروں اور مٹی کے ڈیلوں کو اپنا کفیل سمجھ لیا ہے۔ وہ کسی کو کیا فائدہ دے سکتے ہیں۔ آگے انہیں یقین دھانی کرائی گئی کہ اللہ ہی تمہارا ولی ہے جو تمہارے سب کام بناتا ہے۔ خیر و شر۔ نفع و ضرر کا وہی مالک ہے۔ وہی سب کا یار و مددگار ہے۔ اور وہی فریادرس ہے۔ آگے اس کی دلیل بیان فرمائی کہ وہی ہے جو مردے زندہ کرتا ہے۔ اس کائنات میں اور کوئی ایسا نہیں ہے۔ جو مردے زندہ کر سکے۔ یہی بات ابراہیم علیہ السلام نے نمرود کو فرمائی۔ میرا رب وہ ہے جو زندہ بھی کرتا ہے اور مارتا بھی ہے۔ آگے فرمایا کہ وہ ہر چیز پر قادر ہے لہذا اصل کفیل وہی ہے۔ کسی دوسرے میں یہ قدرت نہیں ہے۔ کہ وہ کفیل کہلا سکے۔

سبق: لہذا بندے پر لازم ہے کہ وہ اپنے پروردگار کے آگے گڑ گڑا کر دعائیں مانگے تاکہ اسے مطلوب حاصل ہو اور بتوں وغیرہ سے کوئی امید نہ رکھے کہ وہ کسی کام آئیں گے۔ تمام چھوٹے سے چھوٹے اور بڑے سے بڑے کام بنانے والا صرف اللہ تعالیٰ ہے۔

وَمَا اخْتَلَفْتُمْ فِيهِ مِنْ شَيْءٍ فَحُكْمُهُ إِلَى اللَّهِ ۚ ذَلِكُمُ اللَّهُ رَبِّي

اور جس میں اختلاف کیا تم نے کچھ۔ تو اس کا فیصلہ اللہ پر ہے۔ یہ ہے اللہ میرا رب

عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ مَدَىٰ وَآلِيهِ اُنْيَبُ ⑩

اسی پر میں نے بھروسہ کیا۔ اور طرف اس کے میں نے رجوع کیا۔

(آیت نمبر ۱۰) اے میرے محبوب کے غلامو۔ تمہارا کفار سے جو اختلاف ہے۔ یعنی تم ان کے ساتھ دین کے جس معاملے میں الجھ رہے ہو یا وہ تم سے الجھ رہے ہیں۔ ان باتوں کا فیصلہ اللہ کے پاس ہے۔ کہ حق پر کون ہے اور باطل پر کون ہے۔ پھر وہ ہی فیصلہ فرمائے گا کہ حق والوں کو ثواب اور باطل والوں کو عذاب دے گا۔

مسئلہ: اس سے مراد ائمہ یا مجتہدین کا اختلاف نہیں ہے۔

فائدہ: عجم الدین کبیری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس میں علماء کے مسائل شرعیہ کا اختلاف بھی مراد نہیں۔ چونکہ ان کا فیصلہ قرآن، حدیث، اجماع اور قیاس سے ہوتا ہے۔

آگے فرمایا۔ بہت بڑی عظمت و شان والی ذات اللہ تعالیٰ کی جو میرا رب ہے۔ میں صرف اسی پر بھروسہ کرتا ہوں اس کے علاوہ اور کسی پر میرا بھروسہ نہیں ہے اور میں صرف اسی کی طرف رجوع کرتا ہوں۔ یعنی جب مجھے مشکلات آتی ہیں تو ان کو دفع کرنے کیلئے میں صرف اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرتا ہوں۔ جس کی برکتوں سے مجھے دشمنوں پر غلبہ فتح و نصرت حاصل ہوتا ہے۔

سبق: انسان پر لام ہے کہ وہ اپنا ہر معاملہ کو اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دے۔

فَاطِرُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ ۖ جَعَلَ لَكُمْ مِنْ أَنْفُسِكُمْ أَزْوَاجًا وَمِنَ الْأَنْعَامِ

پیدا کرنے والا آسمانوں اور زمین کو۔ بنائے تمہارے لئے تم میں سے ہی جوڑے اور چوپایوں میں بھی

أَزْوَاجًا ۚ يَذُرُوكُمْ فِيهِ ۚ لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ ۚ وَهُوَ السَّمِيعُ الْبَصِيرُ ۝

زوجہ۔ تمہاری نسل پھیلاتا ہے اس میں نہیں ہے اس کی مثل کوئی چیز۔ اور وہ سننے دیکھنے والا ہے

لَهُ مَقَالِيدُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ ۚ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَشَاءُ وَيَقْدِرُ ۚ

اسی کے لئے چابیاں ہیں آسمانوں اور زمین کی۔ پھیلاتا ہے رزق جس کیلئے چاہتا ہے اور تنگ کرتا ہے۔

إِنَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ ۝

بے شک وہ ہر چیز کو جاننے والا ہے۔

(آیت نمبر ۱۱) وہ وہی رب تعالیٰ ہے جو آسمانوں اور زمین کا پیدا کرنے والا ہے اور اسی ذات نے تمہاری ہی جنس سے تمہارے جوڑے یعنی تمہاری عورتیں بنائیں۔ اور اسی طرح جانوروں کے بھی جوڑے بنائے اور جانور محض تمہارے نفع کے لئے بنائے اور وہ پھیلاتا ہے تمہاری نسل کو یعنی انسانوں اور حیوانوں کے جوڑے اس لئے پیدا کئے تاکہ تمہاری نسل خوب پھیلے۔ اور اللہ تعالیٰ کی مثل کوئی شے نہیں۔ یعنی اس کی ذات جیسی کوئی ذات ہو سکتی ہی نہیں۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نہ جسم ہے نہ عرض۔ بلکہ ذات تو بڑی شے ہے اس کے ناموں جیسا کسی کا نام نہیں۔ نہ اس کی صفات جیسی کسی کی صفات ہیں۔ اگر کسی میں نام یا صفت کی موافقت ہوتی بھی ہے تو وہ صرف لفظی طور پر ہی ہے۔ آگے فرمایا وہی ہر چیز کو سننے اور سب کو دیکھنے والا ہے۔ فائدہ: بندہ لفظ سمیع سے یوں حظ اٹھائے۔ یعنی یہ عقیدہ رکھے کہ اللہ تعالیٰ سب کچھ سن رہا ہے۔ اس لئے زبان کو فضول بولنے سے روک رکھے کہ کہیں اللہ تعالیٰ میری فضول بات سے ناراض نہ ہو جائے اور وہ سب کچھ دیکھ رہا ہے۔ لہذا جس طرح زبان پر کنٹرول ضروری ہے۔ اسی طرح کانوں کو بھی لغو چیزوں کے سننے سے پرہیز کرے۔ اگر سننا ہے تو اللہ تعالیٰ کا کلام قرآن سنے یا رسول اللہ کی حدیث سنے۔

(آیت نمبر ۱۲) آسمانوں اور زمین کی چابیاں یعنی اللہ تعالیٰ کے خزانوں کی چابیاں اسی کے پاس ہیں۔ اس

لئے ان میں تصرف بھی وہی کر سکتا ہے۔ یعنی ہر چیز پر اس کا اپنا قبضہ و اختیار ہے۔

شَرَعَ لَكُمْ مِنَ الدِّينِ مَا وَصَّى بِهِ نُوحًا وَالَّذِي أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ وَمَا وَصَّيْنَا
نَكَالِي تَهَارَے لئے دین میں وہ راہ جس کی وصیت کی نوح نے اور جو وحی کی ہم نے آپ کی طرف۔ اور جس کا حکم دیا ہم نے
بِهِ اِبْرَاهِيمَ وَمُوسَى وَعِيسَى أَنْ أَقِيمُوا الدِّينَ وَلَا تَتَفَرَّقُوا فِيهِ ؕ
ابراہیم اور موسیٰ اور عیسیٰ کو کہ قائم رکھیں دین کو اور نہ تفرقہ کریں اس میں۔
كَبُرَ عَلَى الْمُشْرِكِينَ مَا تَدْعُوهُمْ إِلَيْهِ ؕ اللَّهُ يَجْتَبِي إِلَيْهِ مَنْ يَشَاءُ
یہ گراں ہے مشرکوں پر جس کی طرف تم انہیں بلاتے ہو۔ اللہ چن لیتا ہے اپنے لئے جسے چاہے

وَيَهْدِي إِلَيْهِ مَنْ يُنِيبُ ﴿۱۳﴾

اور ہدایت دیتا ہے اپنی طرف جو رجوع کرے۔

(بقیہ آیت نمبر ۱۲) بعض مشائخ نے فرمایا۔ آسمان کی کنجیاں اس کے علوم غیبیہ ہیں۔ آگے فرمایا کہ وہ جس کیلئے
چاہتا ہے۔ رزق بڑھا دیتا ہے۔ اور جس کیلئے چاہتا ہے رزق تنگ کر دیتا ہے اور وہ ہر چیز کو جاننے والا ہے۔ اس لئے
کہ اس کا علم ہر چیز پر جاوی ہے۔ وہ جس کے ساتھ جیسے چاہتا ہے معاملہ کرتا ہے۔
حدیث شریف میں ہے کہ جنت کی کنجی ”لا الہ الا اللہ“ ہے۔ اور اس کے دندا نے نماز روزہ وغیرہ ہے۔
(مشکوٰۃ شریف)۔ لہذا کلمہ کے ساتھ نماز روزے وغیرہ کا اہتمام ضروری ہے۔

وسیلہ مصطفیٰ ﷺ: ہم اللہ تعالیٰ سے اس کا فیض اور اس کی عطا مانگتے ہیں۔ محمد مصطفیٰ ﷺ کے طفیل۔

(آیت نمبر ۱۳) اے امت مصطفیٰ ﷺ تمہارے لئے توحید۔ دین اسلام شرائع و احکام کا ایک روشن راستہ
مقرر فرما دیا گیا ہے۔ اسی بات کی جناب نوح علیہ السلام کو وصیت کی یعنی انہیں ہم نے تاکید کی حکم دیا۔

فائدہ: جناب نوح کا ذکر اس لئے کیا کہ وہ سب سے پہلے نبی اور رسول ہیں۔ جنہوں نے شرعی امور کا سب
سے پہلے اجراء کیا۔ فائدہ: اور اس کے بعد صرف حضور ﷺ کا ذکر مبارک اس لئے کیا کہ آپ تمام انبیاء و مرسلین
میں سب سے افضل ہیں۔ (۲) ان دونوں کا ذکر اس لئے کیا تا کہ کفار کو معلوم ہو کہ دین حق وہی ہے جو نوح علیہ السلام سے
چلتا ہوا آ رہا ہے اور نبی ﷺ کے وسیلے سے ہمیں مل رہا ہے۔ آگے فرمایا کہ یہ وہی دین ہے جس کی ہم نے ابراہیم

موسیٰ اور عیسیٰ علیہ السلام کو وصیت کی۔ کہ تم اس دین پر قائم رہو۔

فائدہ: یہ پانچوں انبیاء کرام علیہم السلام اولوالعزم ہیں۔ انہیں تاکید حکم دیا گیا کہ تم دین کو قائم رکھو۔ یعنی توحید طاعت پر۔ کتابوں پر ایمان لانا۔ رسولوں اور قیامت پر ایمان لانا اور ان پر مضبوطی سے قائم رہو اور جدا جدا نہ ہو اس دین میں یہ خطاب صرف امت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہے۔ **فائدہ:** معلوم ہوا کہ تمام انبیاء کرام علیہم السلام اصول دین میں مشترک ہیں۔ سب نے بدل و جان اس کی خدمت کی اور اپنی اپنی امتوں کو اس کی دعوت دینے میں بھرپور کوشش کی۔ اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ”ان الدین عند اللہ الاسلام“۔

فائدہ: اللہ تعالیٰ نے اقامت دین کیلئے متحد و متفق اور مجتمع ہونے کی تاکید فرمائی اور مختلف ہونے سے منع فرمایا۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کی مدد کا ہاتھ جماعت پر ہے جو الگ ہو اوہ ہلاک ہوا۔ **ارشاد مولا علی:** کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں۔ اے مسلمانو! متفرق نہ ہونا۔ متحد و متفق رہنا اللہ تعالیٰ کی رحمت ہے اور متفرق ہونا اللہ کا عذاب ہے۔ آگے فرمایا کہ مشرکوں پر یہ بات سخت بھاری ہے کہ جو تم انہیں اللہ وحدہ لا شریک کی طرف دعوت دیتے ہو اور انہیں بتوں کی پوجا سے روکتے ہو تو وہ اس بات کو بڑی مصیبت سمجھتے ہیں کہ اتنے سارے خداؤں کو چھوڑ دیں اور صرف ایک خدا کو کیسے پوجیں۔

فائدہ: حضرت قتادہ فرماتے ہیں کہ ”لا الہ الا اللہ“ کی دعوت اور شہادت شیطان اور اس کے چیلوں پر سخت گراں ہے۔ آگے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ جس کیلئے چاہتا ہے۔ اسے اس کلمہ کی آپ کی طرف سے دی ہوئی دعوت قبول کرنے کیلئے منتخب فرماتا ہے۔ یعنی اس کے اختیار کو اسلام قبول کرنے کی طرف پھیر دیتا ہے اور اللہ تعالیٰ اسے ہی ہدایت دیتا ہے۔ جو اس کی طرف رجوع کرتا ہے۔ یعنی خود اسلام کی طرف متوجہ ہوتا ہے۔

انابت: توبہ کا نتیجہ ہے۔ جس کی توبہ قبول ہوتی ہے اس کی یہی نشانی ہے کہ اسے اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع نصیب ہو جاتا ہے۔ **سبق:** مومن پر لازم ہے کہ ہر آن اور ہر گھڑی اپنی استطاعت کے مطابق قرب الہی کیلئے کوشش کرتا رہے۔ اس لئے کہ گناہ ہو جانا تو اس کی فطرت سے ہے۔ اس سے بچنا بہت مشکل ہے۔ جب تک کہ اس کی اطاعت نہ کی جائے اور اگر اطاعت کے ساتھ استغفار اور توبہ کو بھی ملا لیا جائے تو اور زیادہ بہتر ہے۔

حدیث قدسی: اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جو بندہ ایک بالشت میرے قریب ہو۔ میں ایک گز اس کے قریب ہوتا ہوں اور جو ایک گز میرے قریب ہو۔ میں دو گز اس کے قریب ہوتا ہوں اور جو میری طرف چل کر آئے تو میں اس کی طرف دو گز آتا ہوں۔ (ریاض الصالحین)

وَمَا تَفَرَّقُوا إِلَّا مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَهُمُ الْعِلْمُ بَغْيًا بَيْنَهُمْ ۚ وَلَوْلَا

اور نہیں تفرقہ ڈالا مگر اس کے بعد جو آ گیا ان کے پاس علم حسد سے آپس میں۔ اور اگر نہ

كَلِمَةً "سَبَقْتُ مِنْ رَبِّكَ إِلَىٰ أَجَلٍ مُّسَمًّى لِّقَضَىٰ بَيْنَهُمْ ۚ وَإِنَّ

بات گزری ہوتی تیرے رب کی تاوقت مقرر تو فیصلہ ہو گیا ہوتا ان میں۔ اور بے شک

الَّذِينَ أُوْرَثُوا الْكِتَابَ مِنْ بَعْدِهِمْ لَفِي شَكٍّ مِنْهُ مُرِيبٌ ﴿۱۴﴾

جو وارث ہوئے کتاب کے ان کے بعد ضرور شک میں ہیں دھوکہ ڈالنے والے۔

(آیت نمبر ۱۴) اور یہود و نصاریٰ جدا جدا نہ ہوئے۔ مگر اس کے بعد کہ ان کے پاس علم آ گیا۔ یعنی اس کے باوجود کہ انہیں اللہ کے رسول ﷺ اور ان کے لائے ہوئے قرآن مجید کی حقانیت پر دلائل کا انہوں نے اپنی کتابوں میں مشاہدہ کیا اور انہیں بالکل اپنی کتابوں کے موافق پایا۔ لیکن اس کے باوجود انہوں نے انکار کر دیا اور ایمان نہ لایا۔ اس کی وجہ اور کوئی بھی نہیں صرف آپس میں بغاوت تھی اور بغاوت کی وجہ۔ مال اور جاہ طلبی۔ مرتبہ اور شہرت کی ہوس تھی۔ اور اس کے علاوہ ان پر حمیت جاہلیت کا بھوت بھی سوار تھا۔ حضور ﷺ پر ایمان نہ لانے کی وجہ یہ نہیں تھی کہ انہیں حضور ﷺ کی رسالت پر شک یا شبہ یا لاعلمی اور بے خبری تھی۔ بلکہ اصل وجہ اقتدار کی ہوس تھی۔ کہ جس نے انہیں ایمان لانے سے روکا ہوا تھا۔ کہ اگر ایمان لے آئے۔ تو پھر اس رسول کی ہر بات ماننی پڑے گی۔

آگے فرمایا کہ اگر تمہارے رب کی بات پہل نہ کر گئی ہوتی۔

فائدہ: یہاں کلمہ الہی سے مراد وہ وعدہ الہی ہے جو اللہ تعالیٰ نے حضور ﷺ سے کیا کہ میں سابقہ امتوں کی طرح آپ کی امت کو عذاب میں مبتلا نہیں کروں گا۔ انہیں موقع دوں گا ایک وقت مقرر تک۔ جو صرف اللہ تعالیٰ کو ہی معلوم ہے یا اس سے مراد قیامت یا موت کا دن ہے تو فرمایا۔ اگر وہ وعدہ نہ ہوتا تو ابھی ان کا فیصلہ ہو جاتا یعنی سابقہ قوموں کی طرح یہ بھی ہلاک ہو جاتے اور ان کی جڑ کٹ جاتی۔ آگے فرمایا کہ بے شک وہ لوگ جو ان کے بعد کتاب کے وارث بنائے گئے۔ وہ اس کتاب یعنی قرآن کے بارے میں شک کر رہے ہیں اور شک بھی ایسا جو انہیں اضطراب میں ڈالنے والا ہے۔ یہ اس لئے ایمان نہیں لاتے کہ ان پر بغاوت اور تکبر سوار ہے۔ حالانکہ انہیں یقین ہے کہ رسول کریم ﷺ اور قرآن مجید دونوں برحق ہیں۔

فَلِذَلِكَ فَادُعْ ۚ وَاسْتَقِمْ كَمَا أُمِرْتَ ۚ وَلَا تَتَّبِعْ أَهْوَاءَهُمْ ۚ وَقُلْ

تو اسی لئے بلاؤ اور ثابت قدم رہو جیسا حکم دیئے گئے۔ اور نہ پیروی کریں ان کے خواہشات کی اور فرمادیں

أَمِنْتُ بِمَا أَنْزَلَ اللَّهُ مِنْ كِتَابٍ ۚ وَأُمِرْتُ لِأَعْدِلَ بَيْنَكُمْ ۚ اللَّهُ رَبُّنَا

میں ایمان لایا اس پر جو اتارا اللہ نے کتاب میں۔ اور مجھے حکم ہے کہ میں انصاف کروں تم میں۔ اللہ ہی ہمارا

وَرَبُّكُمْ ۚ لَنَا أَعْمَالُنَا وَلَكُمْ أَعْمَالُكُمْ ۚ لَا حُجَّةَ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ ۚ

اور تمہارا رب ہے ہمارے لئے ہمارے عمل اور تمہارے لئے تمہارے عمل کوئی نہیں حجت ہمارے اور تمہارے درمیان

اللَّهُ يَجْمَعُ بَيْنَنَا ۚ وَإِلَيْهِ الْمَصِيرُ ۝ ۱۵

اللہ ہی جمع کرے گا ہم سب کو اور اسی کی طرف پھرنا ہے

(آیت نمبر ۱۵) اے محبوب آپ اس دین متین کی طرف لوگوں کو دعوت دیں۔ یعنی جو لوگ متفرق ہیں۔ یا

شک مریب میں ہیں۔ انہیں دین اسلام کی طرف بلائیں۔

فائدہ: حضور ﷺ کی زبان مبارک سے اس دین کا پیغام لوگوں تک پہنچانا اور اس کا حکم دینا دعوت حق کا

موجب ہے۔ اگر لوگ اس دین کو قبول کر لیں گے اور صحیح طور پر قائم ہو جائیں گے تو متفرق ہونے سے بچ جائیں گے۔

امت میں تفرقہ: اس آیت میں اشارہ ہے کہ امت تہتر فرقوں میں بٹ جائیگی۔ انہیں سنت پر چلنے کی

دعوت دینا اور قرآن و حدیث سے ان کے مذاہب کا رد کرنا بھی اس دعوت میں شامل ہے۔ اہل سنت کے علاوہ تمام

مذاہب اہل بدعت ہیں۔ بری بدعت بدعتیہ ہونا ہے۔ کل بدعت ضلالت سے مراد بری بدعت ہے۔ بدعت حسنہ تو

سنت کی ایک قسم ہے۔ (فتاویٰ رشیدیہ)

آگے فرمایا کہ جیسے آپ کو حکم ہوا آپ استقامت دکھائیں یہ اصل میں امت کو حکم دیا گیا کہ دینی امور کو پورا

کرو۔ حقوق اللہ صدق دل سے ادا کرو۔ اور ان کفار مکہ کے باتیں نہ سنیں نہ ان کی خواہشات پر چلیں۔ کفار کی باتوں

میں نہ آنا۔ حدیث میں ہے۔ ہر چیز کیلئے کوئی آفت ہے۔ دین کیلئے آفت خواہشات نفسانی پر چلنا ہے۔

وَالَّذِينَ يُحَاجُّونَ فِي اللَّهِ مِنْ بَعْدِ مَا اسْتَجِيبَ لَهُ حُجَّتُهُمْ

اور جو جھگڑتے ہیں اللہ کے بارے میں اس کے بعد کہ جو اسے مان لیا ہے (مسلمانوں نے) تو اب ان کی حجت

دَاحِضَةٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَعَلَيْهِمْ غَضَبٌ وَلَهُمْ عَذَابٌ شَدِيدٌ ﴿١٦﴾

محض بے ثبات ہے ان کے رب کے ہاں۔ اور ان پر غضب ہے اور ان کیلئے عذاب ہے سخت

(آیت نمبر ۱۶) اور وہ لوگ جو جھگڑا کرتے ہیں اللہ تعالیٰ کے بارے میں۔ فائدہ: یعنی دین کے معاملے میں

نبی کریم ﷺ سے جھگڑتے ہیں۔ اس کے بعد کہ بہت لوگوں نے اسے قبول کیا اور خوشی سے اس دین میں داخل ہو گئے۔ اس لئے کہ اس کے دلائل اور براہین بالکل واضح ہیں۔

فائدہ: اسے استجاب سے تعبیر کرنے کی وجہ یہ ہے کہ اس سے پہلے لفظ دعوت آیا ہے چونکہ دعوت کے بعد

استجاب کا لفظ آتا ہے۔ جو یہاں زیادہ موزوں بھی ہے۔ اصل میں تو قبول کرنا وہی ہے۔ جو روز میثاق میں قبول ہو چکا

ہے۔ جب اللہ تعالیٰ نے تمام ارواح سے پوچھا۔ (الست برکم) کیا میں تمہارا رب نہیں۔ تو جنہوں نے لفظ (بلی) کہا۔ انہوں نے گویا۔ اسی وقت قبول کر لیا۔ پھر جب عالم ارواح سے عالم اجسام اور ابدان میں آئے تو اکثر وہ وعدہ

بھول گئے اس لئے انبیاء کرام علیہم السلام تشریف لائے کہ وہ وعدہ یاد کرائیں لیکن لوگ حجت بازی کرنے اور خواہ مخواہ

جھگڑنے لگے اور جو لوگ خوش تھے۔ انہوں نے ایمان قبول کر کے اپنے وعدے اور اقرار کی تصدیق کر دی۔

آگے فرمایا کہ ان کی حجت باطل اور بے کار ہے۔ اس لئے کہ اسے حجت کہنا ان کے زعم باطل کی وجہ سے ہے۔

چونکہ وہ اپنی ہٹ دھرمی پر ڈٹے ہوئے ہیں۔ اس لئے ان پر اللہ تعالیٰ کا بہت بڑا غضب ہے اور ان کے کفر و گمراہی کی

وجہ سے ان کے لئے سخت ترین عذاب ہے۔ اس سے مراد جہنم کی آگ کا عذاب ہے۔

علامہ اسماعیل حقی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ان پر عذاب شدید اس لئے ہوگا کہ انہوں نے دین حق اور قرآن مجید

سے منہ موڑا۔ جو ان کے لئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے عظیم رحمت اور نعمت تھی۔ تو جب انہوں نے اس عظیم نعمت و رحمت

سے منہ موڑا۔ تو اللہ تعالیٰ کے عذاب اور سزا کے مستحق ہو گئے (اللہ تعالیٰ ہمیں اس سے محفوظ فرمائے آمین) اور یہ سزا در

اصل ان کے اعمال و احوال کے نتائج ہیں اور ثمرات ہیں۔ (زمین میں جیسا بیج ڈالا جائے ویسا ہی پھل ملتا ہے جو کا ثمر

گندم نہیں ہوتا)۔

اللَّهُ لَطِيفٌ ۖ بِعِبَادِهِ يَرْزُقُ مَنْ يَشَاءُ ۚ وَهُوَ الْقَوِيُّ الْعَزِيزُ ۝ (۱۹)

اللہ تعالیٰ مہربان ہے اپنے بندوں پر رزق دیتا ہے جسے چاہتا ہے اور وہ قوت والا عزت والا ہے

(بقیہ آیت نمبر ۱۸) سبق: ایمان خوف اور امید کے درمیان ہے۔ یعنی مومن قیامت کا ڈر بھی رکھتے ہیں اور انہیں رحمت کی امید بھی ہے اور وہ جانتے ہیں کہ قیامت برحق ہے۔ لہذا لازماً آئے گی۔ بلکہ مومن تو اس کے منتظر ہیں کہ اس دن ہمیں جلوہ خدا بھی ہوگا۔ اور جلوہ مصطفیٰ بھی۔ آگے فرمایا خبردار بے شک جو لوگ قیامت کے بارے میں جھگڑا اور فساد کرتے ہیں اور اس سرکشی سے اس کا انکار کرتے ہیں۔

فائدہ: چونکہ جھگڑے کی بنیاد شک ہے۔ اسی شک کی وجہ سے وہ جھگڑا کرتے ہیں۔ وہی لوگ گمراہی میں بہت دور نکل گئے ہیں۔ ضلال کو بعد سے موصوف کرنا مجاز عقلی ہے۔ یعنی جو شخص گمراہی میں بہت دور نکل جائے وہ ازلی گمراہ ہے۔ کیونکہ وہ قیامت کو بعید از قیاس سمجھتا ہے۔

چھ باتوں کے علاوہ کبھی جلد بازی نہ کی جائے: (۱) نماز کا جب وقت ہو جائے۔ (۲) مردہ دفنانے میں۔ (۳) بالغ لڑکی کا نکاح کرنے میں۔ (۴) فرائض کے ادا کرنے میں۔ (۵) مہمان کو کھانا دینے میں۔ (۶) گناہ کے بعد توبہ کرنے میں بے شک جلدی کی جائے۔ لیکن باقی کام غور و فکر سوچ سمجھ کر کئے جائیں:-

خدا اور مصطفیٰ ﷺ کی محبت اصل ہے: ایک اعرابی نے عرض کی۔ قیامت کب ہے۔ آپ نے پوچھا کہ تو نے قیامت کیلئے کیا تیاری کی۔ عرض کی اور تو کچھ نہیں۔ البتہ اللہ اور اس کے رسول سے محبت ہے فرمایا تو قیامت کے دن اس کے ساتھ ہوگا۔ جس سے تجھے محبت ہوگی۔

(آیت نمبر ۱۹) اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر لطف و کرم فرمانے والا ہے کہ ان پر بے حساب فیوض و الطاف فرماتا ہے کہ وہ انہیں جب چاہے۔ جتنا چاہے۔ جیسے چاہے رزق عطا فرماتا ہے۔ سب اس کی مشیت کا تقاضا ہے۔ آگے فرمایا وہ بہت بڑی قدرت و طاقت والا اور ہر چیز پر غالب ہے اس پر کوئی غالب نہیں آ سکتا۔ (لطف و کرم کی مزید تفصیلات فیوض الرحمن میں دیکھیں)۔

مَنْ كَانَ يُرِيدُ حَرْثَ الْآخِرَةِ نَزِدْ لَهُ فِي حَرْثِهِ : وَمَنْ كَانَ يُرِيدُ حَرْثَ
جو چاہے کھیتی آخرت کی ہم بڑھاتے ہیں اس کی کھیتی میں اور جو چاہتا کھیتی

الدُّنْيَا نُؤْتِهِ مِنْهَا وَمَا لَهُ فِي الْآخِرَةِ مِنْ نَصِيبٍ ۝۲۰

دنیا کی ہم دیتے ہیں اسی سے اور نہیں اس کا آخرت میں کوئی حصہ

(آیت نمبر ۲۰) جو آخرت کی کھیتی چاہتا ہے۔ یعنی نیک اعمال کر کے ان کا بدلہ اور ثواب آخرت میں لینا چاہتا ہے۔ جہاں ایک کے بدلے دس بلکہ سات سو گنا تک ملتا ہے تو اس کے متعلق فرمایا۔ ہم اس کی کھیتی میں اضافہ کر دیتے ہیں۔

فائدہ: کاشفی فرماتے ہیں۔ جیسے ایک دانہ کھیت میں ڈالنے سے سینکڑوں دانے ملتے ہیں۔ اسی طرح نیک مسلمان کے اعمال صالحہ پر ثواب میں روز افزوں ترقی ہوتی ہے۔ یہاں تک کہ ایک ایک نیکی بڑھ بڑھ کر احد پہاڑ کے برابر ہو جاتی ہے۔ آگے فرمایا اور جو دنیا کی کھیتی چاہتا ہے۔ یعنی دنیا کا ساز و سامان۔ یا عیش و عشرت چاہتا ہے اور نیک اعمال کر کے وہ دنیا کے اغراض دل میں رکھتا ہے تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ ہم اسے دنیا ہی میں دے دیتے ہیں۔ اگرچہ یہ ضروری نہیں کہ جو وہ چاہے وہ دیں یا جیسے وہ چاہے ایسے ہی ہو جائے۔ دنیا تو مل جاتی ہے لیکن دیتا اللہ تعالیٰ اپنی مرضی سے ہے۔

حدیث شریف: حضور ﷺ نے فرمایا۔ جو صرف آخرت چاہے۔ اللہ تعالیٰ اس کے دنیا و آخرت کے تمام امور کا کفیل ہوتا ہے اور اسے استغنا کی دولت سے نوازتا ہے اور جس کا مطمع نظر صرف دنیا ہو۔ اللہ تعالیٰ اس کے تمام امور پر آگندہ فرما دیتا ہے اور اسے ہر وقت فقر و فاقہ کا غم دامنگر رہتا ہے اور دنیا بھی اسے اتنی ہی ملتی ہے جو اس کے مقدر میں ہوتی ہے اور اسے آخرت میں کوئی حصہ نہیں ملتا۔ یعنی اسے آخرت میں کسی اچھائی پر ثواب نہیں ملے گا۔ (احیاء العلوم)

أَمْ لَهُمْ شُرَكَاءُ شَرَعُوا لَهُمْ مِنَ الدِّينِ مَا لَمْ يَأْذَنْ بِهِ اللَّهُ وَلَوْلَا
يَا ان کیلئے شراکت ہے جنہوں نے نکالا ان کیلئے کوئی دین نہیں جس کی اجازت دی اللہ نے۔ اور اگر نہ ہوتی
كَلِمَةُ الْفَصْلِ لَقُضِيَ بَيْنَهُمْ ۚ وَإِنَّ الظَّالِمِينَ لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿۲۱﴾
بات فیصلے کی تو ضرور فیصلہ ہو گیا ہوتا ان میں۔ اور بے شک ظالموں کیلئے عذاب ہے دردناک

(آیت نمبر ۲۱) بلکہ ان کے کچھ شریک ہیں جو جنوں اور انسانوں میں سے ہیں۔ یعنی ان مشرکوں کے ہم جنس
انہیں کفر میں اور طرح طرح کے گناہوں میں ان کی مدد کرتے ہیں۔ شیطان نے ان کیلئے تیار کیا ہے فاسد دین۔ جس
کی اللہ تعالیٰ نے اجازت نہیں دی۔ جیسے شرک کرنا۔ قیامت کا انکار کرنا وغیرہ شرع کی مخالفت اور نفسانی خواہشات۔
فائدہ: اللہ تعالیٰ انہیں فاسد امور کی کیسے اجازت دیتا ہے۔ جبکہ وہ ان امور سے منزہ، مبرا اور پاک ہے اور
ان مشرکوں نے خود ہی ان گندے افعال کو دین کا نام دیا ہوا ہے۔ اور بتوں کو خود ہی بنا کر خدا کا شریک ٹھہرا لیا ہے۔
حالانکہ وہی ان کی گمراہی کا سبب ہیں۔

آگے فرمایا کہ اگر کلمہ فصل نہ ہو گیا ہوتا۔ یعنی یہ فیصلہ کن بات کہ دنیا میں انہیں عذاب نہیں ہوگا۔ یا یہ کہ ان کا
فیصلہ بروز قیامت ہوگا کہ جہاں عدل و انصاف سے حق و باطل کا فیصلہ ہو جائیگا۔ تو ابھی کافروں اور مسلمانوں میں فیصلہ
ہو جاتا۔ لیکن یہ فیصلہ اب بروز قیامت ہی ہوگا۔ آگے فرمایا۔ بے شک ظالموں کیلئے دردناک عذاب ہے۔ یعنی سخت
ترین درد سے بھرا ہوا اور دائمی ہے۔

مسئلہ: جو امور شرعیہ کو کہے کہ یہ تو ہمارے لئے عذاب ہیں۔ وہ کافر ہو جاتا ہے۔

مسئلہ: جو کہے کاش یہ نماز روزہ وغیرہ ہم پر فرض نہ ہوتے تو کیا اچھا ہوتا۔ وہ بھی کافر ہو جاتا ہے۔

مسئلہ: یا کہے شکر ہے۔ روزے سے مل گئے۔ یا کئی لوگ حج پر جا کر عجیب عجیب باتیں کرتے ہیں۔ کہ اللہ تعالیٰ

یہاں کسی دشمن کو بھی نہ لائے۔ ایسی باتیں ایمان ضائع کر دیتی ہیں۔

تَرَى الظَّالِمِينَ مُشْفِقِينَ مِمَّا كَسَبُوا وَهُوَ وَاقِعٌ بِهِمْ ؕ وَالَّذِينَ آمَنُوا

تم دیکھو گے ظالموں کو ڈرنے والے اس سے جو انہوں نے کمایا اور وہ پڑنے والا ہے۔ ان پر اور جو ایمان لائے

وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ فِي رَوْضِ الْجَنَّةِ ۚ لَهُمْ مَا يَشَاءُونَ عِنْدَ رَبِّهِمْ ؕ

اور عمل نیک کئے باغات جنت میں ہیں۔ ان کیلئے ہے جو وہ چاہیں گے ان کے رب کے پاس۔

ذَلِكَ هُوَ الْفَضْلُ الْكَبِيرُ ﴿۲۲﴾ ذَلِكَ الَّذِي يُبَشِّرُ اللَّهَ عِبَادَهُ الَّذِينَ آمَنُوا

یہ ہے وہ فضل بڑا۔ یہ ہے جس کی خوش خبری دیتا ہے اللہ اپنے بندوں کو جو ایمان لائے

وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ ؕ قُلْ لَّا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ أَجْرًا إِلَّا الْمَوَدَّةَ فِي الْقُرْبَىٰ ؕ

اور عمل نیک کئے۔ فرمادو نہیں مانگتا تم سے اس پر کوئی اجر مگر محبت قریبوں میں

وَمَنْ يَّقْتَرِفْ حَسَنَةً نَّزِدْ لَهُ فِيهَا حُسْنًا ؕ إِنَّ اللَّهَ عَفُورٌ شَكُورٌ ﴿۲۳﴾

اور جو کرے نیکی ہم بڑھائیں گے اس کیلئے اس میں خوبی ہے بے شک اللہ بخشنے والا قدر دان ہے

(آیت نمبر ۲۲) برز قیامت ان ظالموں یعنی مشرکوں کو دیکھو گے کہ وہ اپنے برے اعمال سے سخت خوف زدہ ہوں

گے۔ اس حال میں کہ ان کے گناہوں کا وبال ضرور ان پر واقع ہوگا۔ یعنی دنیا کی لذات میں جتنے خوش تھے۔ اس سے کئی

گنا زیادہ خوف میں مبتلا ہوں گے۔ اور جو لوگ دنیا میں دین کی وجہ سے پریشان حال رہے وہ آخرت میں مطمئن ہوں

گے۔ آگے فرمایا۔ اور جو لوگ ایمان لانے کے بعد تکلیفات شرعیہ پر عمل پیرا رہے۔ خواہشات نفسانی و شہوانی سے دور رہے

اور تزکیہ نفس اور تصفیہ قلب کیا۔ وہ لوگ جنت کے بہترین مقامات اور اعلیٰ باغات اور بلند درجات میں خوش باش ہوں

گے۔ آگے فرمایا۔ ان کیلئے ان کے رب کے ہاں وہ سب ہوگا جو وہ چاہیں گے یہ اللہ تعالیٰ کا بہت بڑا فضل ہے اور دنیا میں

بھی جو جو نعمتیں استعمال کیں وہ بھی اللہ ہی کا فضل تھا۔ لیکن آخرت میں جو فضل ہوگا۔ وہ بہت بڑا ہوگا۔

(آیت نمبر ۲۳) یہ فضل کبیر اللہ تعالیٰ کی طرف سے وہ عظیم الشان بدلہ ہے۔ جس کی خوشخبری اپنے پیارے

محبوب ﷺ کی زبان مبارک سے اپنے ان بندوں کو سناتا ہے جو ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کئے۔

فائدہ: کاشفی فرماتے ہیں کہ اہل ایمان کو بتایا گیا ہے کہ ان کے اعمال ضائع نہیں ہوئے۔ لہذا ان پر ضروری ہے کہ وہ اعمال صالحہ میں بہت زیادہ کوشش کریں۔ شاعر نے کیا خوب کہا کہ اگر تو کام نہیں کرتا تو اجر کی امید بھی نہ رکھ کیونکہ مزدور کو مزدوری کے مطابق اجر ملتا ہے۔ آگے فرمایا۔ اے محبوب آپ فرمادیں۔ میں تم سے اس وعظ و نصیحت پر کوئی اجر نہیں مانگتا۔

شان نزول: صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے ایک مرتبہ آپس میں مشورہ کیا کہ حضور ﷺ تو ہمہ وقت تبلیغ میں مصروف رہتے ہیں۔ ہمیں ان کے نان و نفقہ کا بندوبست کرنا چاہئے یا آپ سے پوچھ لیا جائے تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت کریمہ نازل فرمائی اور فرمایا کہ آپ انہیں بتادیں کہ میں جو تمہیں احکام خداوندی بتاتا ہوں۔ اس کا کوئی معاوضہ میں تم سے نہیں لیتا اور مجھ سے پہلے جتنے بھی انبیاء کرام تشریف لائے۔ ان میں سے کسی نے بھی معاوضہ نہیں لیا۔ یہاں اجر بمعنی نفع ہے۔ **فائدہ:** نجم الدین کبریٰ فرماتے ہیں کہ رسول خدا ﷺ نے تبلیغ کا معاوضہ بھی نہیں لیا۔ الناموس کی شفاعت فرما کر اسے جنت کا مستحق بنا دیا۔

تبلیغ پر معاوضہ نہ لینے کی وجہ: (۱) یہ ہے کہ دنیا کا مال اخس الاشیاء ہے اور تبلیغ حکام اعز الاشیاء ہے۔ قیمتی موتی مٹی کی ٹھیکریوں کے عوض کوئی نہیں دیتا۔ علماء حقہ کو اس سے سبق حاصل کرنا چاہئے جو علم کو کوڑیوں کے عوض ضائع کر رہے ہیں۔ (۲) معاوضے کا مطالبہ طمع کی تہمت کا موجب ہے۔ منصب نبوت اس تہمت سے قطعی طور پر پاک اور مقدس ہے۔ آگے فرمایا کہ اے قریشیو میں یہ چاہتا ہوں کہ میری قرابت کی وجہ سے میرے ساتھ مودت کرو اور میں تم سے کچھ نہیں مانگتا۔ بس یہی ہے کہ مجھے ایذا کیلئے نہ دو۔ نہ میرے ساتھ دشمنی کرو۔ نہ مجھے ہتاؤ۔ نیز یہ بھی ممکن ہے کہ اس سے مراد حضور ﷺ کی آل سے محبت ہو۔ یعنی میرے قریبیوں سے پیار کرو۔ انہیں اذیت نہ دو۔ **حدیث شریف:** حضور ﷺ سے پوچھا گیا کہ آپ کے وہ قرابت والے کون ہیں جن کی محبت ہم پر واجب ہے۔ تو آپ نے فرمایا: علی، فاطمہ، حسن اور حسین رضی اللہ عنہم ہیں۔ (بخاری: ۳۴۹۷، ترمذی)

فضائل اہل بیت: حضور ﷺ نے فرمایا۔ میری اہل بیت کے ساتھ ظلم کرنے والے پر جنت حرام ہے۔ جو آل محمد کی محبت میں مرے وہ شہید ہے۔ جو محبت اہل میں مرے اس کے گناہ معاف ہیں۔ اہل بیت کی محبت میں مرنے والے مومن کامل ایمان والے ہیں۔ جو اہل بیت کی محبت میں مرے بروز قیامت اہل سنت میں اٹھے گا۔ وغیرہ۔ آل محمد درجہ اول میں ازواج مطہرات ہیں اس کے بعد جناب علی المرتضیٰ، فاطمہ الزہراء، حسن مجتبیٰ اور حسین شہید کربلا رضی اللہ عنہم ہیں۔ (جو لوگ اہل بیت سے ازواج مطہرات کو نکالتے ہیں۔ وہ قرآنی علوم سے جاہل ہیں اس لئے کہ اہل کالفظ سب سے پہلے بیوی کیلئے ہی بولا جاتا ہے۔)

أَمْ يَقُولُونَ افْتَرَى عَلَى اللَّهِ كَذِبًا ۚ فَإِنْ يَشَأِ اللَّهُ يَخْتِمْ عَلَى قَلْبِكَ ۖ

یا کہتے ہیں کہ اس نے گھڑا اوپر اللہ کے جھوٹ۔ تو اگر چاہے اللہ تو مہر لگا دے تمہارے دل پر۔

وَيَسْمَحُ اللَّهُ الْبَاطِلَ وَيُحِقُّ الْحَقَّ بِكَلِمَاتِهِ ۖ إِنَّهُ عَلِيمٌ بِذَاتِ الصُّدُورِ ۝۴۳

اور مٹاتا ہے اللہ باطل کو اور ثابت کرتا ہے حق کو اپنی باتوں سے۔ بے شک وہی جاننے والا ہے راز دلوں کے۔

وَهُوَ الَّذِي يَقْبَلُ التَّوْبَةَ عَنْ عِبَادِهِ وَيَعْفُو عَنِ السَّيِّئَاتِ وَيَعْلَمُ مَا تَفْعَلُونَ ۝۴۴

اور وہی قبول کرتا ہے اپنے بندوں سے۔ اور معاف فرماتا ہے گناہ اور جانتا ہے جو تم کرتے ہو۔

(بقیہ آیت نمبر ۲۳) آل کی بہت قسمیں ہیں: حتیٰ کہ سلیمان فارسی علیہ السلام کو بھی آل میں حضور ﷺ نے

داخل فرمایا۔ (حاکم و طبرانی) بلکہ ایک حدیث کے مطابق سب مومنوں متقیوں کو آل میں داخل کیا گیا۔ (سنن الکبریٰ

للبیہقی) آگے فرمایا جو ایک نیکی بھی کرے گا۔ اس کی نیکی میں بھی اضافہ کریں گے۔ بے شک اللہ تعالیٰ بندوں کے گناہ

بخشنے والا اور مطیع کو پورا ثواب دینے والا ہے۔

(آیت نمبر ۲۴) بلکہ کفار کہتے ہیں کہ محمد ﷺ نے اللہ پر جھوٹ گھڑا ہے۔ یعنی یہ نبوت کا دعویٰ اور نزول قرآن

وغیرہ ان کی اپنی باتیں ہیں اور وہ اپنی بات کو اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کرتے ہیں۔ اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو آپ کو اس

سے روک دیتا۔ بلکہ آپ سے کلام الہی کا صدور ہی نہ ہونے دیتا۔ لیکن جب لحظہ بہ لحظہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے نزول

ہو رہا ہے۔ تو اس کا مطلب یہی ہے کہ یہ قرآن اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل ہوا ہے۔ آگے فرمایا۔ اللہ تعالیٰ کی عادت

ہے کہ وہ باطل کو مٹاتا ہے اور حق کو قائم فرماتا ہے۔ وحی کے ذریعے سے یا قضاء و قدر سے اس لئے اگر انہوں نے (معاذ

اللہ) افتراء اللہ پر کیا ہوتا۔ جیسا کہ کافر کہتے ہیں تو اللہ تعالیٰ نے اس کی ضرورت ممانعت کی ہوتی۔ یا اس کا مطلب ہے کہ

ان جھٹلانے والے بت پرستوں کے باطل امر کو مٹا دے گا اور قرآن کے ذریعے حق کو ثابت کرے گا۔ آگے فرمایا بے

شک وہ سینوں کے بھیدوں کو بھی جاننے والا ہے۔

سبق: انسان پر لازم ہے کہ وہ اپنے قلب اور باطن کی اصلاح کرے۔

(آیت نمبر ۲۵) وہی اللہ تعالیٰ ہے جو اپنے بندوں کی توبہ قبول فرماتا ہے اور ان کی غلطیوں سے درگزر فرماتا

ہے۔ فائدہ: ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں۔ یہ حکم عام ہے۔ جس قسم کا گناہگار ہو۔ کافر ہو یا دشمن ہو جو بھی توبہ سچی

کرے۔ اللہ پاک توبہ قبول فرماتا ہے۔

وَيَسْتَجِيبُ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ وَيَزِيدُهُمْ مِنْ فَضْلِهِ ۚ
اور ان کی دعا قبول کرتا ہے جو ایمان لائے اور عمل کئے نیک اور زیادہ دیگا انہیں اپنے فضل سے۔

وَالْكَافِرُونَ لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيدٌ ﴿۲۶﴾

اور کافروں کیلئے عذاب ہے سخت۔

(بقیہ آیت نمبر ۲۵) حکایت: ایک شخص نے ایک بزرگ سے کہا۔ اگر میں توبہ کروں تو کیا قبول ہوگی۔ تو انہوں نے فرمایا۔ تیری توبہ قبول نہ کرنی ہوتی تو تجھے وہ توبہ کی توفیق ہی نہ دیتا۔

حدیث میں ہے اللہ تعالیٰ ابن آدم سے فرماتا ہے۔ تیرے لئے افسوس ہے۔ گناہ کرتا ہے۔ مگر استغفار نہیں کرتا۔ تاکہ میں تیرے گناہ بخش دوں جو گناہ گار میری رحمت کا امیدوار ہے۔ اے فرشتہ گواہ رہو میں نے اسے بخش دیا (تنبیہ العارفين، سمرقندی) (اس کا یہ مطلب نہیں کہ بندہ خواہ مخواہ گناہ کرے)۔ آگے فرمایا وہ گناہ معاف فرماتا ہے۔ خواہ صغیرہ ہوں یا کبیرہ۔ قیامت کے دن شرک کے علاوہ جس کے وہ چاہے گا۔ سب گناہ معاف فرمائے گا۔ اپنے فضل و کرم سے یا اپنے محبوب بندوں کی سفارش سے۔ یہی اہل سنت کا مذہب ہے۔ آگے فرمایا۔ کہ تم خواہ جس طرح کے کام کرتے ہو وہ جانتا ہے۔ خواہ تمہارے اعمال اچھے ہوں یا برے۔ جو توبہ کرے اسے بخش دیتا ہے۔ توبہ نہ کرنے والے کا معاملہ اس کی اپنی مشیت پر ہے۔ بندے کو چاہئے کہ وہ رب تعالیٰ سے بخشش مانگتا ہی رہے۔

(آیت نمبر ۲۶) اللہ تعالیٰ تو ان لوگوں کی دعاؤں کو قبول فرماتا ہے۔ جو ایمان لائے اور نیک اعمال کئے۔ بروز قیامت ان کی عبادات پر انہیں ثواب عطا فرماتا ہے۔ حدیث شریف: حضور ﷺ نے فرمایا۔ بہترین دعا ”الحمد للہ“ ہے (ترمذی شریف)۔ آگے فرمایا کہ بندہ جب اپنے رب سے مانگتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کو اس کے مانگنے سے بھی بہت زیادہ اپنے فضل سے عطا فرماتا ہے۔ حدیث: حضور ﷺ نے فرمایا۔ بندے کی دعا تین امور سے خالی نہیں۔ (۱) اس کے گناہ بخشے جاتے ہیں۔ (۲) دیر سے قبول ہوتی ہے۔ (۳) قیامت کے دن کیلئے ذخیرہ بن جاتی ہے (رواہ احمد ۴۰۷۰۷ اور الترمذی ۱۶۳۳)۔ ایک اور حدیث (۳) میں فرمایا۔ بندہ جو مانگے یا وہی ملتا ہے یا ذخیرہ بنایا جاتا ہے۔ حدیث (۴) مومن کے ہر نیک عمل پر اسے ثواب ملتا ہے۔ یہاں تک کہ موت کی تلخی کا بھی وہ اجر پاتا ہے۔ حدیث (۵): قیامت کے دن اللہ تعالیٰ بندے سے فرمائے گا تو نے فلاں دعا مانگی وہ اسی وقت قبول ہوئی۔ فلاں دعا مانگی وہ اس وقت قبول نہیں۔ اس کے بدلے تجھے جنت میں بہت بڑا اجر دوں گا۔

وَلَوْ بَسَطَ اللَّهُ الرِّزْقَ لِعِبَادِهِ لَبَغَوْا فِي الْأَرْضِ وَلَكِنْ يُنْزِلُ بِقَدَرٍ

اور اگر وسیع کرتا اللہ رزق اپنے بندوں پر تو بغاوت کرتے زمین میں۔ لیکن وہ اتارتا ہے اندازے سے

مَا يَشَاءُ ۚ إِنَّهُ بِعِبَادِهِ خَبِيرٌ بَصِيرٌ ﴿۲۷﴾

جتنا چاہے بے شک وہ اپنے بندوں سے خبردار دیکھنے والا ہے۔

(بقیہ آیت نمبر ۲۶) اس وقت کہے گا کاش دنیا میں کوئی دعا قبول نہ ہوتی۔ حدیث (۶): حضور ﷺ نے فرمایا۔ جو رب تعالیٰ سے نہ مانگے تو وہ اس سے ناراض ہوتا ہے (ترمذی ۳۳۷۳)۔ حدیث (۷): حضرت سعد نے کہا۔ یا رسول اللہ دعا فرمائیں میری ہر دعا قبول ہو۔ فرمایا حرام سے بچو۔ ہر دعا قبول ہوگی۔ آگے فرمایا۔ کافروں کیلئے سخت ترین عذاب ہے۔ جیسے ایمان والوں کیلئے بہت زیادہ ثواب ہے۔ یہی چیز دلالت کرتی ہے کہ کافروں کے لئے عذاب اور سزا بھی زیادہ ہے۔ لیکن ان کے برے اعمال کے مطابق ہے۔

(آیت نمبر ۲۷) اور اگر اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے رزق کو وسیع فرمادے تو وہ زمین پر باغی ہو جائیں کیونکہ دنیا کا مال و دولت تکبر۔ سرکشی اور فساد کو جنم لیتا ہے اور گناہوں کی طرف میلان ہو جاتا ہے۔ (الا ماشاء اللہ) جسے اللہ تعالیٰ اپنی رحمت فرما کر گناہ سے بچالے۔ پھر عذاب سے بھی بچالے۔

فائدہ: ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ بغاوت کا مطلب یہ ہے کہ گناہوں میں آگے سے آگے نکلنے کی کوشش (پہلے سیکرٹ پیتا تھا پھر مزہ نہیں آتا تو چرس شروع کرتا ہے۔ پھر شراب میں مزا حاصل کرتا ہے) یہ اکثر دیکھنے میں آیا ہے کہ جوانی میں فراغت اور مال و دولت فساد و بغاوت کی طرف لے جاتے ہیں اور فقر و محتاجی انکساری اور تواضع کی طرف لے جاتے ہیں۔ **فائدہ:** لیکن اللہ تعالیٰ کے بعض بندے ہر زمانے میں مال و دولت کے باوجود وہ اللہ تعالیٰ کے خالص و مخلص بندے ہوئے عجز و انکساری میں رہے۔

اصل بات یہ ہے کہ جن لوگوں کے اندر صفات سبھی اور بھی ہیں۔ ان کے پاس جوں ہی مال و دولت کی فراوانی ہوئی وہ باغی اور طاغی ہو گئے۔ جیسے فرعون ہامان اور قارون اور جن لوگوں میں صفات ملکی ہیں۔ ان کے پاس جتنا بھی مال و دولت کی فراوانی ہو۔ منکسر المزاج ہی رہے۔ آگے فرمایا۔ لیکن اللہ تعالیٰ رزق ایک اندازے کے مطابق اتارتا ہے اور بے شک وہ اپنے بندوں کے پوشیدہ اور ظاہری تمام حالات و معاملات کو جانتا ہے۔ اس لئے ان کے اندازے کے مطابق انہیں رزق عطا فرماتا ہے۔

وَهُوَ الَّذِي يُنَزِّلُ الْغَيْثَ مِنْ بَعْدِ مَا قَنَطُوا وَيَنْشُرُ رَحْمَتَهُ ۖ وَهُوَ

اور وہی ہے جو اتارتا ہے بارش بعد اس کے جو ناامید ہوئے۔ اور پھیلاتا ہے اپنی رحمت۔ اور وہی

الْوَلِيُّ الْحَمِيدُ ﴿٢٨﴾

کام بنانے والا خوبیوں والا ہے۔

(آیت نمبر ۲۸) وہ وہ ذات ہے جو لوگوں کی فریادری کر کے بارش نازل فرماتا ہے۔ جس سے انہیں خوش حالی

نصیب ہوتی ہے۔

فائدہ: بارش کبھی نفع بخش ہوتی ہے اور کبھی نقصان اور ضرر کا باعث بن جاتی ہے۔ غیث نفع بخش بارش کو کہا جاتا ہے۔ آگے فرمایا۔ اس کے بعد کہ لوگ ناامید ہو گئے تھے۔ یہ جملہ تذکیر (یاد دہانی کرانے کیلئے بولا گیا ہے کیونکہ جو چیز سخت مایوسی کے بعد حاصل ہو۔ اس سے بہت زیادہ خوشی حاصل ہوتی ہے اور اس پر شکر بھی آدمی کثرت سے ادا کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ بارش اتار کر اپنی رحمت کو ہر طرف پھیلا دیتا ہے یعنی جنگل میں آبادی اور پہاڑوں پر ہر طرف شادابی اور ہریالی پھیل جاتی ہے۔ انسان اور حیوانات سب برابر نفع اٹھاتے ہیں۔ ان کی زندگی پر اچھا اثر پڑتا ہے۔

آگے فرمایا۔ وہی مالک و مولیٰ ہے۔ جو اپنے بندوں پر احسان فرما رہا ہے اور اپنی رحمت پھیلاتا ہے۔ وہ اتنی نعمتیں عطا کرنے والی ذات اس بات کی مستحق ہے کہ اس کی بے حد تعریف کی جائے۔

حکایت: جناب فاروق اعظم رضی اللہ عنہ سے عرض کی گئی۔ قحط سخت زور پر ہے۔ بارش سے لوگ مایوس ہو چکے ہیں۔ اب کیا ہوگا تو آپ نے فرمایا۔ یقیناً بارش ہوگی۔ یعنی آپ نے اسی آیت کو تلاوت کر کے فرمایا کہ جب لوگ مایوس ہو جاتے ہیں تو اللہ تعالیٰ بارش اتار دیتا ہے۔

حدیث شریف میں ہے کہ جب کسی علاقے والے گناہوں اور نافرمانیوں میں لگ جاتے ہیں تو اللہ تعالیٰ ان کی بارش دوسرے علاقے میں برسا دیتا ہے۔ اور ان کو رحمت سے محروم کر دیتا ہے۔ (معالم التنزیل)۔ حدیث شریف: دور فاروق اعظم میں قحط ہوا۔ چند مرتبہ دعا کی گئی۔ مگر بارش نہ ہوئی۔ تو جناب فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔ کل میں ایسے شخص کے ذریعے دعا کراؤں گا۔ کہ اللہ تعالیٰ ضرور بارش عطا فرمائے گا۔ چنانچہ آپ نے اگلے دن حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو بلا کر ان کے وسیلے سے دعا کی۔ تو اللہ تعالیٰ نے اسی وقت تیز بارش اتار دی۔ (بخاری شریف)

وَمِنْ اٰیٰتِهٖ خَلْقُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَثَّ فِيْهِمَا مِنْ دَاۤءٍ ۭ وَهُوَ

اور اس کی نشانیوں سے پیدا کرنا آسمانوں کا اور زمین کا ہے اور جو پھیلا دیئے ان میں چوپائے۔ اور وہ

عَلٰی جَمْعِهِمْ اِذَا يَشَآءُ قَدِيْرٌ ۝۲۹ وَمَا اَصَابَكُمْ مِنْ مُّصِيْبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ

ان کو جمع کرنے پر جب چاہے قدرت رکھتا ہے۔ اور جو پہنچی تمہیں کوئی مصیبت تو وہ بوجہ اس کے جو کمایا

اٰیْدِيْكُمْ وَيَعْفُو عَنْ كَثِيْرٍ ۝۳۰

تمہارے ہاتھوں نے۔ اور معاف فرماتا ہے بہت کچھ۔

(آیت نمبر ۲۹) اللہ تعالیٰ کی قدرت کے دلائل میں آسمان اور زمین کا پیدا کرنا اور ان کے اندر عجیب و غریب مصنوعات بنانا جو بنانے والے کے وجود پر دلالت کرتی ہیں۔ اور پھر اس زمین پر ہر قسم کے جانور پھیلا دیئے اور پھر اس قدر مخلوق کو زمین میں پھیلانے کے بعد جب چاہے گا بروز قیامت انہیں زندہ کر کے اکٹھا کرے گا کیونکہ وہ ایسا کرنے پر بھی قادر ہے۔ اس لئے کہ وہ بڑی قوت و قدرت والا ہے۔

(آیت نمبر ۳۰) اور جو بھی تمہیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی مصیبت پہنچتی ہے۔ یعنی کوئی درد و الم۔ بیماری یا قحط۔ خوف وغیرہ یہاں تک کہ جسم پر کوئی چوٹ یا مال یا اہل و عیال میں کوئی نقص یا تکلیف آتی ہے تو وہ تمہارے اپنے کرتوتوں کی وجہ سے آتی ہے۔ تاکہ بندہ سمجھ جائے اور گناہوں سے باز آ جائے۔

فائدہ: معلوم ہوا کہ انسان کی ہر ایک مصیبت کا سبب اس کا خود کردہ گناہ ہے۔

حدیث شریف میں ہے۔ تقدیر کو دعائال دیتی ہے (رواہ حاکم و الترمذی) اور نیکی کرنا کسی کے ساتھ عمر کو بڑھا دیتی ہے۔ اور کبھی انسان گناہوں کی نحوست سے بھی رزق سے محروم ہو جاتا ہے۔

آگے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ بہت سارے گناہوں کو ویسے بھی بخش دیتا ہے۔ **فائدہ:** بزرگ فرماتے ہیں۔ کہ اگر کسی پر لگاتار مصائب و آلام آجائیں تو وہ یاد کرے کہ مجھ سے کون کون سے گناہ ہوئے۔ یاد آجائیں تو فوراً توبہ استغفار کرے۔ گریہ و زاری کرے۔ تاکہ معافی ہو جائے اور اللہ تعالیٰ کا لطف و کرم حاصل ہو۔ توبہ استغفار سے گناہ بھی معاف اور حالات بھی درست ہو جاتے ہیں۔ ایسے حالات میں چاہئے کہ بندہ کثرت سے استغفار کرے۔

وَمَا أَنْتُمْ بِمُعْجِزِينَ فِي الْأَرْضِ مَدْعٍ وَمَا لَكُمْ مِنْ دُونِ اللَّهِ مِنْ وَلِيٍّ وَلَا نَصِيرٍ ۝۳۱

اور نہیں تم عاجز کرنے والے زمین میں۔ اور نہیں ہے تمہارا سوائے اللہ کے کوئی دوست اور نہ مددگار۔

وَمِنْ آيَاتِهِ الْجَوَارِ فِي الْبَحْرِ كَالْأَعْلَامِ ۝۳۲ إِنَّ يَشَاءُ يُسْكِنِ الرِّيحَ

اور اس کی نشانیوں سے کشتیاں دریا میں مثل پہاڑ کے۔ اگر چاہے تو روک دے ہوا

فَيُظِلُّنَ رَوَاكِدَ عَلَى ظَهْرِهِ ۝۳۳ إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَاتٍ لِّكُلِّ صَبَّارٍ شَكُورٍ ۝۳۴

تو ہو جائیں ٹھہری ہوئی اس کی پیٹھ پر۔ بے شک اس میں ضرور نشانیاں ہیں بڑے صابر شاکر کیلئے۔

(آیت نمبر ۳۱) اور تم ہمیں زمین میں عاجز نہیں کر سکتے کہ گناہ کر کے غائب ہو جاؤ یا کہیں چھپ جاؤ ہم تمہیں تلاش نہ کر سکیں۔ جب اللہ تعالیٰ پکڑنا چاہے گا کوئی بچ کے نکل نہیں سکے گا۔ نہ کوئی اس کے عذاب کو رد کر سکتا ہے۔

فائدہ: اس کے مخاطب تمام اہل عرب ہیں۔ مراد یہ ہے کہ اگر وہ تمہیں کسی مصیبت میں مبتلا کرنا چاہے تو تم نکل کر کہیں نہیں جا سکتے اور اللہ تعالیٰ کے سوا نہ تمہارا کوئی حمایتی ہوگا اور نہ کوئی مددگار جو مصائب سے بچا سکے یا عذاب کو ٹال سکے۔ سبق: عقل مند پر لازم ہے کہ وہ دنیا اور آخرت میں اللہ تعالیٰ سے غفور عافیت کا سوال کرے۔ اگر آزمائش آگئی تو صبر بھی کرے اور استغفار بھی کرے۔

(آیت نمبر ۳۲) اور اللہ تعالیٰ کی وحدانیت قدرت۔ عظمت و حکمت کے دلائل میں سے ایک دلیل دریاؤں میں چلنے والی کشتیاں ہیں جو پہاڑوں کی طرح بڑی بڑی جو خوش گوار ہواؤں یعنی موافق ہواؤں کی وجہ سے چلتی ہیں۔ اصل میں وہ حکم الہی سے چلتی ہیں۔ یعنی وہ منزل مقصود تک صحیح سلامت اللہ کے حکم سے پہنچتی ہیں۔

(آیت نمبر ۳۳) اور اگر اللہ تعالیٰ چاہے تو انہیں چلنے سے روک دے۔ وہ کھڑی کی کھڑی رہ جائیں۔ اور سوار لوگ گرداب میں آ کر پریشان ہو جائیں اور بے شک اس میں۔ یعنی ابھی جو اوپر بیان ہوا کہ بعض دفع کشتیاں چل پڑتی ہیں یا بعض دفع حکم الہی سے رک جاتی ہیں۔ اس میں بہت بڑی نشانیاں ہیں۔ جو اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور قدرت پر سمجھدار کیلئے بہت بڑی دلیلیں ہیں جو اللہ تعالیٰ کی مختلف شانوں پر دلالت کرتی ہیں۔ ہر اس شخص کیلئے جو بہت بڑا صابر ہے۔ یعنی جو طاعت الہی میں مشقتوں اور تکالیف پر بہت زیادہ صبر کرنے والے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ نعمتوں پر بہت ہی شکر گزار ہیں۔

أَوْ يُبْقِهَنَّ بِمَا كَسَبُوا وَيَعْفُ عَنْ كَثِيرٍ ۖ وَيَعْلَمَ الَّذِينَ يُجَادِلُونَ

یا تباہ کردے ان کے کرتوتوں کے سبب اور معاف کرتا ہے بہت کچھ۔ اور جان لیں وہ جو جھگڑتے ہیں

فِي آيَاتِنَا ۚ مَا لَهُمْ مِنْ مَّحِصٍ ۝۳۵

ہماری آیتوں میں۔ نہ ہوگی ان کے لئے بھاگنے کی جگہ۔

(بقیہ آیت نمبر ۳۳) کہ اس کے شکر کی ادائیگی کیلئے وہ اپنے تمام اعضاء کو اس کی طاعت و عبادت میں مشغول رکھتے ہیں۔ **فائدہ:** کاشفی رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ اس سے وہ شکر کرنے والے انسان مراد ہیں جو اللہ تعالیٰ کا نام لیکر کشتی میں سوار ہونے کے بعد ہر طرح کی تکالیف برداشت کرتے ہوئے صبر کرتے ہیں اور دریا کو عبور کرنے کے بعد جب وہ کنارے لگتے ہیں تو بھی وہ اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتے ہیں اور ہو سکتا ہے کہ اس سے مراد ہر مصیبت و تکلیف پر صبر کرنے والا ہو اور ہر نعمت پر شکر کرنے والا ہو۔ اس لئے کہ آئندہ آنے والا مضمون بھی اس کی ہی تائید کرتا ہے۔

سبق: کامل مومن وہی ہوتا ہے جو اپنے اوپر آنے والی تکالیف پر صبر کرتا ہے اور ہر ملنے والی نعمت کا شکر ادا کرتا ہے۔ یہی دو ایمان کے جزء ہیں۔

(آیت نمبر ۳۴) وہ کریم اگر چاہے تو ہوا بند کر کے۔ یا انہیں پانی میں غرق کر کے ہلاک کر دے۔ ان کے گناہوں کے سبب۔ تاکہ اور لوگوں کو عبرت حاصل ہو اور وہ خوف خدا کریں اور گناہوں سے بچیں۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ گناہوں کی نحوست سے سزا بھیجتا ہے یہ اس کا عدل ہے اور بہت لوگوں کو معاف بھی فرما دیتا ہے۔ یہ اس کا فضل ہے کہ ان کے جان و مال ہلاک نہیں ہوتے اور صحیح سلامت بمعہ ساز و سامان گھروں تک پہنچ جاتے ہیں۔

(آیت نمبر ۳۵) اللہ تعالیٰ جانتا ہے ان لوگوں کو جو آیات میں جھگڑا کرتے ہیں اور ان آیات کو جھٹلاتے ہیں اور انہیں دور کرنے یا ان سے دور رہنے کیلئے جدوجہد کرتے ہیں۔ اگر اللہ تعالیٰ چاہے تو انہیں ہلاک کرے اور چاہے تو کچھ لوگوں کو نجات دے دے لیکن اگر ان پر عذاب آ گیا تو پھر بچنے کیلئے ان کے پاس کوئی چارہ نہیں ہوگا۔ یعنی ہوا کی بندش کی وجہ سے کشتیوں کے ٹھہرنے یا گرداب میں پھنسنے سے انہیں کوئی چارہ نظر نہیں ہوتا اس وقت انہیں موت نظر آ رہی ہوتی ہے۔ اسی طرح قیامت کے عذاب سے بھی بچنے کا کوئی چارہ سوائے توبہ استغفار کے نظر نہیں آتا۔

فائدہ: اس سے ماننا پڑے گا کہ نفع یا نقصان دینے والا صرف اللہ تعالیٰ ہے۔ جسے چاہے نفع دے۔ اور جسے

چاہے اس کا نقصان کر دے۔

فَمَا أُوتِيتُمْ مِنْ شَيْءٍ فَمَتَاعُ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَمَا عِنْدَ اللَّهِ خَيْرٌ وَأَبْقَى

تو جو بھی تم دیئے گئے کچھ پس نفع زندگی دنیا کا۔ اور جو پاس اللہ کے وہ بہتر ہے اور باقی ہے۔ ان کیلئے

لِلَّذِينَ آمَنُوا وَعَلَى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُونَ ۝ (۳۶) وَالَّذِينَ يَجْتَنِبُونَ كَبَائِرَ الْإِثْمِ

جو ایمان لائے اور اوپر اپنے رب کے بھروسہ کرتے ہیں۔ اور جو بچتے ہیں کبیرہ گناہوں

وَالْفَوَاحِشَ وَإِذَا مَا غَضِبُوا هُمْ يَغْفِرُونَ ۝ (۳۷)

اور بے حیائیوں سے۔ اور جب غصہ آئے تو وہ معاف کر دیتے ہیں۔

(آیت نمبر ۳۶) پس جو بھی چیزیں تم دیئے گئے ہو یعنی جن چیزوں کو تم بہت چاہتے ہو۔ مال و دولت یا عیش و عشرت کا سامان یا آل اولاد یہ تو سب دنیا کا ساز و سامان ہے۔ یعنی ان سے اس وقت تک ہی نفع اٹھاؤ گے جب تک تم دنیا میں زندہ ہو۔ اس قلیل مدت کے بعد تو فنا ہی فنا ہے۔ فائدہ: مقصد یہ ہے کہ انسان کو جو بھی نعمتیں ملیں ان پر اسے غرور و تکبر کے بجائے۔ چاہئے کہ شکر ادا کرے۔ آگے فرمایا کہ جو کچھ اللہ تعالیٰ کے پاس ہے وہ اس سے ہزار گنا بہتر ہے۔ جس میں نفع ہی نفع ہے۔ کبھی اس پر فنا نہیں وہ ہمیشہ کیلئے باقی ہے۔ فائدہ: دنیوی اشیاء میں دو خرابیاں ہیں: (۱) یا چیز نہیں رہتی یا چیز رہتی ہے تو مالک چل دیتا ہے اور جو کچھ اللہ تعالیٰ کے پاس ہے۔ وہ چیز بھی باقی اور جسے دی گئی وہ بھی باقی۔ ان لوگوں کیلئے جو خالص دل کے ساتھ ایمان لائے اور اپنے رب پر بھروسہ کرتے ہیں۔

شان نزول: حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ نے فرمایا۔ یہ آیت حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے حق میں نازل ہوئی جب جنگ تبوک کے موقع پر انہوں نے اپنا سارا مال راہ خدا میں دے دیا۔

سبق: جسے یہ یقین ہے کہ دنیا اور اس کی نعمتوں کو فنا ہے اور جو رب کے پاس ہیں۔ وہ بہتر بھی ہیں اور باقی بھی ہے تو اسے چاہئے کہ وہ آخرت کو اختیار کرے۔ اور اپنے رب پر توکل کرے۔

(آیت نمبر ۳۷) اور وہ لوگ جو اپنے آپ کو بڑے بڑے گناہوں سے دور رکھتے ہیں۔ جیسے جوا، شراب، جھوٹ، زنا، ناحق قتل وغیرہ کبیرہ گناہ ہوتا ہے جس پر حد قائم ہو اور آخرت میں عذاب کا موجب ہو۔

نکتہ: اگر کبیرہ گناہوں سے اجتناب کیا جائے تو صغیرہ خود ہی بغیر توبہ کئے معاف ہو جاتے ہیں۔ کبیرہ گناہوں میں سرفہرست شرک ہے۔ جیسا کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ اس سے مراد شرک ہے۔

وَالَّذِينَ اسْتَجَابُوا لِرَبِّهِمْ وَأَقَامُوا الصَّلَاةَ وَأَمْرُهُمْ شُورَىٰ بَيْنَهُمْ

اور جنہوں نے مانا حکم اپنے رب کا اور قائم کی نماز اور کام ان کا مشورہ کرنا آپس میں

وَمِمَّا رَزَقْنَاهُمْ يُنفِقُونَ ﴿۳۸﴾

اور اس سے جو دیا ہم نے وہ خرچ کرتے ہیں

(بقیہ آیت نمبر ۳۷) کبیرہ گناہ: (۱) شرک۔ (۲) ناحق قتل۔ (۳) پاکدامن عورت پر بہتان۔ (۴) زنا۔ (۵) جادو کرنا۔ (۶) فساد کرنا۔ (۷) یتیم کا مال کھانا۔ (۸) ماں باپ کی نافرمانی۔ (۹) مکہ میں حرم شریف میں الحاد۔ (۱۰) سود کھانا۔ (۱۱) چوری کرنا۔ (۱۲) شراب پینا۔ (۱۳) ڈاکہ مارنا۔ (۱۴) جھوٹی قسم کھانا۔ (۱۵) اللہ تعالیٰ پر بدگمانی۔ (۱۶) رسول پاک ﷺ کی گستاخی۔ (۱۷) ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کو گالی دینا۔ (۱۸) صغیرہ گناہ بار بار کرنا۔ (۱۹) مزامیر کے ساتھ گانے سننا۔ (۲۰) ظلم کرنا۔ (۲۱) غیبت کرنا۔ (۲۲) لوگوں کے عیب بیان کرنا۔ (۲۳) ماپ تول میں کمی بیشی۔ (۲۴) تکبر کرنا۔ (۲۵) وعدہ پورا نہ کرنا۔ (۲۶) غیر محرم عورتوں کو دیکھنا۔ (۲۷) نماز نہ پڑھنا۔ (۲۸) روزے بلا عذر نہ رکھنا۔ (۲۹) زکوٰۃ نہ دینا۔ (۳۰) استطاعت کے باوجود حج نہ کرنا۔ (۳۱) قرآن پڑھ کر بھلانا۔ (۳۲) گواہی چھپانا۔ (۳۳) جھوٹی گواہی دینا۔ (۳۴) رشتہ داروں سے قطع تعلق۔ (۳۵) دو آدمیوں کو لڑانا۔ (۳۶) غیر اللہ کی قسم کھانا۔ (۳۷) جان بوجھ کر جمعہ چھوڑنا۔ (۳۸) مسلمان کو کافر کہنا۔ (۳۹) ظالم کا ساتھ دینا۔ (۴۰) مشیت زنی کرنا۔ (مزید تفصیلات فیوض الرحمن میں دیکھ لیں)۔

آگے فرمایا کہ وہ ان بے حیائیوں سے بھی بچتے ہیں۔ جن کا پیچھے بیان ہوا اور وہ حوصلہ والے ہیں غصہ کو پی کر غنہ و درگزر سے کام لیتے ہیں۔

(آیت نمبر ۳۸) اور وہ لوگ جو اپنے پیارے رسول ﷺ کی ہر بات کو فوراً اور تہہ دل سے قبول کرتے ہیں اور نماز قائم کرتے ہیں۔ شان نزول: یہ آیت ان کے حق میں نازل ہوئی۔

نکتہ: صرف نماز کا ذکر اس لئے کہ نماز دین کا ستون ہے۔ جس نے اسے قائم رکھا۔ اس کا دین کامل ہے اور تارک نماز نے گویا اپنا دین گرا دیا۔ آگے فرمایا کہ وہ اپنے تمام کام مشورے سے کرتے ہیں۔ ایک دوسرے پر اپنی مرضی نہیں ٹھونستے۔ بلکہ مل کر مشورہ کرتے ہیں۔ مولانا علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ وہ کام بہت اچھا ہے جو مشورے سے ہو۔ بعض بزرگ فرماتے ہیں۔ دانا وہ ہے جو مشورے پر عمل کرے۔ لیکن مشورہ عقل مند سے لینا چاہئے۔

وَالَّذِينَ إِذَا أَصَابَهُمُ الْبَغْيُ هُمْ يَنْتَصِرُونَ ﴿٣٩﴾ وَجَزَاءُ سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ مِّثْلُهَا

اور انہیں جب پہنچے بغاوت تو وہ بدلہ لے لیتے ہیں۔ اور بدلہ برائی کا برائی ہے اس کے برابر۔

فَمَنْ عَفَا وَأَصْلَحَ فَأَجْرُهُ عَلَى اللَّهِ ۚ إِنَّهُ لَا يُحِبُّ الظَّالِمِينَ ﴿٤٠﴾

تو جو معاف کرے اور اصلاح کرے تو اس کا اجر اللہ تعالیٰ پر ہے۔ بے شک وہ نہیں پسند کرتا ظالموں کو۔

وَلَمَنِ انْتَصَرَ بَعْدَ ظُلْمِهِ فَأُولَٰئِكَ مَا عَلَيْهِمْ مِّنْ سَبِيلٍ ۚ ﴿٤١﴾

اور جس نے بدلہ لیا بعد ظلم کے تو وہ ہیں جن پر نہیں کوئی پکڑ۔

(بقیہ آیت نمبر ۳۸) آگے فرمایا کہ جو بھی ہم نے انہیں دیا وہ خیر کی جگہ اسے خرچ کرتے ہیں۔ حدیث

شریف: حضور ﷺ نے فرمایا جہنم کی آگ سے بچو خواہ کھجور کا ایک ٹکڑا کسی غریب کو دے کر بچو۔ (بخاری و مسلم)

(آیت نمبر ۳۹) وہ لوگ کہ جب انہیں کسی ظالم سے ظلم کی تکلیف پہنچے یا کسی نے بغاوت کی تو وہ اس سے بدلہ

لینے میں حد سے تجاوز نہیں کرتے۔ اتنا ہی بدلہ لیتے ہیں۔ جتنا اللہ تعالیٰ نے اجازت دی ہے۔ نکتہ: معاف کرنا دو قسم

ہے: (۱) جس معاف کرنے سے فتنہ ختم ہو اور ظالم اپنے ظلم سے باز آ جائے تو اس موقع پر معاف کرنا موزوں ہے۔

(۲) جب ظالم سے بدلہ لیا جائے۔ تو اتنا ہی جتنا اللہ تعالیٰ کا حکم ہے۔ یہ عین اطاعت ہے۔

(آیت نمبر ۴۰) اور برائی کی سزا برائی کے برابر ہے۔ یعنی کسی کو برائی کی سزا دو تو اتنی ہی جتنی اس نے برائی

کی۔ برائی کا بدلہ لینا برا نہیں بلکہ اچھی خصلت ہے۔ لیکن جس نے برائی کرنے والے کو معاف کر دیا اور درگزر کر کے

اس سے چشم پوشی کی۔ اسی طرح ظالم نے اپنی اصلاح کی۔ یعنی اس نے سچے دل سے توبہ کر لی۔ کہ وہ آئندہ ظلم یا

بغاوت نہیں کرے گا تو اس کا اجر اللہ تعالیٰ کے پاس ہے۔ بے شک اللہ تعالیٰ ظالموں کو پسند نہیں فرماتا۔ حدیث

شریف میں ہے بروز قیامت اعلان ہوگا۔ معاف کرنے والے کہاں ہیں۔ وہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں آ کر اجر

و ثواب حاصل کریں کیونکہ اللہ تعالیٰ معاف کرنے والوں کو جنت میں داخل فرمائے گا۔ (ضحاک)

(آیت نمبر ۴۱) اور البتہ وہ شخص جس نے ظالم سے اپنے ظلم کا انتقام لے لیا۔ حقوق مالیہ سے یا اس کی اصل جنس

سے اگر وہ موجود تھی۔ یا جس نہ تھی لیکن اس کا عوض لے لیا تو اس بدلہ لینے والے پر اب کوئی سزا وغیرہ نہیں ہے۔ اس

لئے کہ انہیں ظالم سے بدلہ لینا۔ شرعاً جائز تھا اور حکم خداوندی کے مطابق تھا۔

إِنَّمَا السَّبِيلُ عَلَى الَّذِينَ يَظْلِمُونَ النَّاسَ وَيَبْغُونَ فِي الْأَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ ؕ

سوائے اس کے نہیں پکڑ ان پر ہے جو ظلم کرتے ہیں لوگوں پر اور بغاوت کرتے ہیں زمین میں ناحق۔

أُولَٰئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿۴۲﴾ وَلَمَنْ صَبَرَ وَغَفَرَ إِنَّ ذَٰلِكَ لَمِنْ

ان ہی کیلئے عذاب ہے دردناک۔ اور البتہ جس نے صبر کیا اور بخش دیا بے شک یہ ہے

عَزَمِ الْأُمُورِ ؕ ﴿۴۳﴾

ہمت کے کاموں سے۔

(آیت نمبر ۴۲) سوائے اس کے نہیں گناہ تو ان لوگوں پر ہے جو لوگوں پر ظلم کرتے ہیں جو ظلم کرنے میں پہل کرتے ہیں۔ یا بدلہ لینے میں حد سے تجاوز کرتے ہیں۔ ان ظلم کرنے والوں اور ناحق فساد کرنے والوں کو جو زمین میں فساد برپا کرتے ہیں۔ یا سرکشی کر کے لوگوں پر حد سے تجاوز کرتے ہیں۔ ان کو ظلم و تجاوز کی وجہ سے دردناک عذاب ہے۔ مسئلہ: معاف کر دینا مندوب ہے لیکن بدلہ لینے میں بھی اسے کوئی گناہ نہیں ہوا۔ اس لئے کہ بعض مقامات پر بدلہ لینا ضروری ہو جاتا ہے کہ جہاں پر بغاوت و مادہ ایذا کو ختم کرنا مقصود ہو۔

حکایت: حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کی مجلس میں ایک شخص نے دوسرے کو گالی دی لیکن وہ غصہ پی گیا اور پسینہ صاف کرتے ہوئے۔ اسی آیت کو تلاوت کرنے لگا۔ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا اس جوان نے اس آیت کا مطلب صحیح سمجھا۔ ورنہ اکثر جاہلوں نے آیت کے معنی کو ضائع کر دیا۔ جو ایسے موقع پر غصہ کو نہیں پیتے۔

(آیت نمبر ۴۳) اور البتہ جو ظلم پر صبر کرے اور ظالم کو معاف بھی کر دے۔ یعنی ظالم سے بدلہ نہ لے اور اس معاملے کو اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دے اور جزع فزع بھی نہ کرے۔ (مولیٰ علی کرم اللہ وجہہ الکریم نے فرمایا۔ جزع فزع صبر سے زیادہ تکلیف دہ ہے)۔ آگے فرمایا کہ مظلوم کا صبر کرنا ہمت کے کاموں سے ہے۔ اس لئے کہ یہ ان امور سے ہے جن کا عزم واجب ہے۔ یعنی بندہ اس امر کو اپنے اوپر لازم سمجھے اور یہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک محمود ہے۔ یعنی اہم ترین صبر ہے اور یہ جو ان مردوں کا کام ہے کہ وہ ہمیشہ ظلم و جفا پر صبر کرنے کی ہمت رکھتے ہیں۔ حدیث شریف: حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ بہادر وہ نہیں جو کسی کو بچھاڑ لے۔ بلکہ بہادر وہ ہے۔ جو غصہ پر قابو پالے۔ (مشکوٰۃ)

وَمَنْ يُضِلِّ اللَّهُ فَمَا لَهُ مِنْ وَلِيٍّ مِّنْ بَعْدِهِ ۖ وَتَرَى الظَّالِمِينَ لَمَّا رَأَوْا

اور جسے گمراہ کر دے اللہ تو نہیں اس کا کوئی والی اس کے بعد۔ اور تم دیکھو گے ظالموں کو جب وہ دیکھ لیں

الْعَذَابَ يَقُولُونَ هَلْ إِلَىٰ مَرَدٍّ مِّنْ سَبِيلٍ ۚ ۞ (۴۳) وَتَرَاهُمْ يُعْرَضُونَ عَلَيْهَا

عذاب تو کہیں گے کیا ہے واپسی کیلئے کوئی راستہ۔ اور تم دیکھو گے کہ پیش کئے جاتے ہیں اس پر

خٰشِعِينَ مِنَ الدَّلِيلِ يَنْظُرُونَ مِنْ طَرَفٍ خَفِيٍّ ۖ وَقَالَ الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّ

جھکے ہوئے ذلت سے دیکھیں گے نگاہوں چھپی سے۔ اور کہیں گے مومن بے شک

الْخٰسِرِينَ الَّذِينَ خَسِرُوا أَنْفُسَهُمْ وَأَهْلِيَهُمْ يَوْمَ الْقِيَمَةِ ۖ أَلَا إِنَّ

نقصان میں رہے وہ جنہوں نے نقصان میں رکھا اپنے آپ اور گھر والوں کو بروز قیامت۔ خبردار بے شک

الظَّالِمِينَ فِي عَذَابٍ مُّقِيمٍ ۞ (۴۴)

ظالم عذاب میں ہمیشہ رہیں گے۔

(آیت نمبر ۴۴) اور جسے اللہ تعالیٰ گمراہ کرے۔ یعنی اس کی نظر عنایت سے گر کر گمراہ ہو جائے پھر اس کے بعد

اس کا کوئی بھی حامی کاربن کر اس کے کام نہیں آئے گا اور تم ظالموں کو دیکھو گے۔ یہاں ظالموں سے مراد مشرک ہیں۔

یا بہت بڑا گناہ گار۔ یہ خطاب ان لوگوں کو ہے۔ جو اس منظر کو دیکھیں گے۔ یعنی جب وہ عذاب کو دیکھیں گے تو وہ اس

وقت کہیں گے۔ کیا کوئی دنیا کی طرف جانے کا راستہ ہے۔ یعنی وہ عذاب دیکھ کر یہ چاہیں گے کہ دنیا کی طرف واپس

چلے جائیں تاکہ کفر و شرک جو پہلے کر چکے اب جا کر اس کا ازالہ کریں تو بہ تائب ہو کر مومن بنیں اور نیک اعمال کریں۔

(اس جملے کی وضاحت پہلے کئی جگہ ہو چکی ہے)۔

(آیت نمبر ۴۵) اے لوگو تم ان مجرموں کو دیکھو گے جب وہ آگ کے سامنے پیش کئے جائیں گے چونکہ پہلے

عذاب کا ذکر ہو چکا ہے اور آخرت کا عذاب آگ میں ہی ہوگا۔ لہذا آگ کا ذکر عذاب میں ضمنا موجود ہے۔ آگ

فرمایا کہ وہ ذلت و خواری کے ساتھ جھکے ہوئے ہونگے اور حقیر ہونگے اور آنکھیں چرا کر آگ کی طرف دیکھ رہے ہوں

گے۔ یعنی ذلت و رسوائی ان پر اس قدر سوار ہوگی کہ وہ آگ کی طرف بھی یوں دیکھیں گے۔

وَمَا كَانَ لَهُمْ مِّنْ أَوْلِيَاءَ يَنْصُرُونَهُمْ مِّنْ دُونِ اللَّهِ ۚ وَمَنْ يُضْلِلِ اللَّهُ

اور نہیں ہیں ان کے کوئی حمایتی جو ان کی مدد کریں سوائے اللہ کے۔ اور جسے گمراہ کرے اللہ

فَمَا لَهُ مِنْ سَبِيلٍ ۚ ﴿۴۱﴾

تو نہیں اس کیلئے کوئی راستہ۔

(بقیہ آیت نمبر ۴۵) جیسے تلوار سے قتل ہونے والا تلوار کو چور آنکھ سے دیکھتا ہے اور سمجھ جاتا ہے کہ میں ابھی اس تلوار سے قتل کیا جاؤں گا۔ لہذا وہ ذلت کی وجہ سے کھل کر تلوار کو دیکھ سکتا ہے نہ آنکھ کو دیکھنے سے روک سکتا ہے۔

فائدہ: علامہ اسماعیل حقی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ جہنمیوں کو مختلف احوال سے گزرنا ہوگا۔ یہ آنکھ چرا کر دیکھنے والا معاملہ ابتدائی مرحلہ ہے۔ پھر وہ اندھے کر کے جہنم میں گرا دیئے جائیں گے۔ یہ تمام حالات روایات صحیحہ میں موجود ہیں۔ اس آیت میں اشارہ ہے کہ انہیں اہل ایمان سے شرمساری ہوگی۔ اس لئے وہ انہیں آنکھ چرا کر دیکھیں گے کہ وہ دیکھ تو نہیں رہے۔ ہماری رسوائی کو۔ کیونکہ جب وہ انہیں دنیا میں وعظ و نصیحت کرتے تھے تو یہ ان کا کہنا نہیں مانتے تھے اور ان کا اگلا اچھا حال دیکھ کر دنیا میں واپسی کی راہ پوچھیں گے۔

آگے فرمایا کہ اس وقت ایمان والے کہیں گے۔ جنہوں نے اللہ تعالیٰ کے حقوق ادا کئے ہوں گے۔ اور آج اپنے اعمال صالحہ کا بدلہ پارہے ہیں کہ بے شک گھانا پانے والے وہ ہیں۔ جنہوں نے اپنے آپ کو گھائے میں رکھا۔

فائدہ: کاشفی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ ان کا گھانا یہ ہے کہ بت پرستی کر کے جہنم میں ٹھکانا بنایا اور ان کے اہل و عیال بھی اس لئے گھائے میں رہے کہ وہ بھی ان ہی کے کہنے پر بت پرستی کرتے رہے۔ **فائدہ:** ابن الملک نے شرح المشارق میں لکھا کہ اہل کفر کا اطلاق ازواج و اولاد اور غلاموں پر ہوتا ہے۔ آگے فرمایا بے شک ظالم ہمیشگی کے عذاب میں رہیں گے جو ان سے کبھی جدا نہیں ہوگا۔

(آیت نمبر ۴۶) ان کے اللہ کے سوا کوئی بھی وہاں مددگار نہیں ہوں گے۔ جو انہیں عذاب سے بچا سکیں۔ یعنی وہ غیر اللہ جن سے دنیا میں اپنی امیدیں وابستہ رکھتے تھے کہ آخرت میں وہ ان کی مدد کریں گے۔ ان سے ناامید ہو جائیں گے۔ آگے فرمایا۔ جسے اللہ تعالیٰ گمراہ کرے۔ اس کیلئے ہدایت ملنے کی کوئی راہ نہیں۔ جس پر وہ چل کر نجات حاصل کر سکے۔

اَسْتَجِیْبُوا لِرَبِّکُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ یَّاتِیَ یَوْمٌ لَا مَرَدَّ لَهُ مِنَ اللّٰهِ ؕ مَا لَکُمْ

حکم مانو اپنے رب اس سے پہلے کہ آجائے وہ دن کہ نہیں ملنا اس کا اللہ کی طرف سے۔ نہیں ہے تمہاری

مِّنْ مَّلَاجٍ یَّوْمَئِذٍ وَمَا لَکُمْ مِّنْ نَّکِیْرٍ ﴿۴۶﴾

کوئی پناہ اس دن اور نہ تمہیں ہو اس سے انکار

(بقیہ آیت نمبر ۴۶) فائدہ: امام نجم الدین رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔ جسے اللہ تعالیٰ گمراہ کرے۔ اسے غیر اللہ کی خدمت میں مشغول کر دیتا ہے۔ پھر اس کیلئے کوئی ایسی راہ نہیں رہتی جس پر وہ چل کر اللہ تعالیٰ تک پہنچ سکے۔ (اور جسے ہدایت دینا چاہتا ہے۔ اسے اپنے خاص بندے کی خدمت میں بھیج دیتا ہے۔)

سبق: عبادت میں غیر اللہ کا خیال بھی نہیں آنا چاہئے۔ فائدے میں وہی رہا۔ جس نے ہدایت پائی اور جو گمراہ ہوا وہ بہت بڑے گھائے میں رہا۔ اور یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے۔ وہی ہر ایک کا کفیل ہے۔ بندے پر لازم ہے کہ وہ ہمہ وقت اللہ تعالیٰ سے ہدایت کا اور عنایت الہی کا سوال کرتا ہی رہے۔ یہاں تک کہ وہ اپنے نفس امارہ کو ظلمات سے نکال کر تجلیات روحانیہ تک لے جائے اور وہ اسے ایسے راستے پر لے جائے جو اسے ہر قسم کی ہلاکتوں سے بچائے۔

حکایت: ایک بوڑھا آدمی حج کیلئے جا رہا تھا۔ میقات پر پہنچ کر اس نے جب احرام باندھ کر کہا۔ لبیک تو آواز آئی لا لبیک۔ پاس کھڑے نوجوان نے کہا۔ چچا یہ آواز آپ کو آئی۔ بوڑھے شخص نے کہا ہاں مجھے ہی آئی ہے اور آج ہی نہیں۔ بلکہ کئی سالوں سے جب بھی آ کر لبیک کہتا ہوں یہی آواز سنتا ہوں کہ تیرا حج قبول نہیں۔ نوجوان نے کہا۔ پھر آپ کس لئے یہ مشقت اٹھاتے ہیں۔ چھوڑ دیں یہاں نہ آیا کریں۔ تو بوڑھے شخص نے کہا۔ اس کے علاوہ اور کون سا دروازہ ہے۔ جہاں جا کر کھٹکھٹاؤں۔ لہذا جب تک زندگی ہے۔ میں اسی دروازے پر آتا رہوں گا اتنا کہنا تھا کہ فوراً غیب سے آواز آئی۔ جاہم نے تیرے سب حج قبول کر لئے۔

(آیت نمبر ۴۷) تم اپنے رب کی دعوت کو قبول کر لو۔ یعنی جب وہ تمہیں اپنے پیارے رسول ﷺ کی زبان مبارک سے ایمان کی دعوت دیتا ہے تو قبول کر لو اس سے پہلے کہ جب اللہ تعالیٰ کا وہ دن آجائے کہ پھر اس کا رد کرنا ناممکن ہو۔ کوئی اس سے بچانے والا نہ ہو سو اللہ تعالیٰ کے۔ پھر اس دن تمہارے لئے کوئی پناہ بھی نہ ہو۔ نہ کہیں بھاگ کر نکل سکو۔ یعنی تمہیں عذاب الہی سے چھٹکارا ہی نہ ہو۔ اور تمہیں اس سے انکار بھی نہ ہو سکے۔ اس لئے کہ جو جو اعمال تم کر رہے ہو۔ وہ سب اعمال نامے تو اللہ تعالیٰ کے پاس محفوظ ہیں۔ اعمال کے علاوہ سارے اعضاء بھی بندے کے خلاف گواہی دیں گے۔

فَإِنْ أَعْرَضُوا فَمَا أَرْسَلْنَاكَ عَلَيْهِمْ حَفِظًا ۚ إِنَّ عَلَيْكَ إِلَّا الْبَلَاغُ ۚ

پھر اگر وہ منہ پھیر لیں تو نہیں بھیجا ہم نے آپ کو ان پر نگاہ بان۔ نہیں ہے آپ پر مگر پہنچانا

وَأَنَّا إِذَا أَذَقْنَا الْإِنْسَانَ مِنَّا رَحْمَةً فَرِحَ بِهَا ۚ وَإِنْ تُصِبْهُمْ سَيِّئَةٌ

اور بے شک جب چکھائیں ہم انسان کو اپنی طرف سے رحمت خوش ہوتا ہے اس پر۔ اور اگر پہنچے انہیں برائی

بِمَا قَدَّمَتْ أَيْدِيهِمْ فَإِنَّ الْإِنْسَانَ كَفُورٌ ﴿۲۸﴾

بوجہ اس کے جو آگے بھیجا ان کے ہاتھوں نے۔ بے شک انسان بڑا ناشکرا ہے

(بقیہ آیت نمبر ۲۷) **فائدہ:** نجم الدین کبریؒ فرماتے ہیں۔ یہ فرمان (استجیبوا الربکم) عوام کیلئے ہے۔ انہیں چاہئے کہ وہ وعدہ الہی کی وفا کریں اور ذات حق کے ساتھ قائم ہوں اور اس کی مخالفت چھوڑیں اور اس سے موافقت کریں۔ خواص کی استجابت یہ ہے کہ وہ ہمہ وقت اس کی بارگاہ میں سر تسلیم خم رہیں۔ دنیا اور اس کی زیب و زینت اور خواہشات نفسانی سے روگرداں رہیں۔ ان کے متعلق فرمایا: (واللہ یدعوالی دار السلام) کہ اللہ تعالیٰ انہیں سلامتی والے گھر کی طرف بلاتے ہیں۔

خاص الخاص کی استجابت یہ ہے کہ وہ دونوں جہانوں کی اغراض دل سے نکال کر صدق طلب کے ساتھ حضرت حق جل جلالہ کی طرف متوجہ ہوں۔ مقصود حاصل کرنے اور وصال الہی پانے کیلئے اپنے وجود کو پورے طور پر خرچ کریں۔ جیسے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: (وداعیماً الی اللہ باذنبہ) کہ وہ حکم الہی سے اللہ تعالیٰ کی طرف بلاتا ہے۔ **فائدہ:** استجابت کا دروازہ آج کھلا ہوا ہے۔ جو جلد بند ہو جائیگا۔ ہم بے خبر ہوں گے۔ پھر یہ مہلت چھن جائیگی۔

(آیت نمبر ۲۸) اے محبوب اگر وہ روگردانی کرتے ہیں اور آپ کی بات نہیں مانتے تو فکر نہ کریں۔ ہم نے آپ کو ان پر نگران بنا کر نہیں بھیجا۔ آپ کی ڈیوٹی ہمارا پیغام ان تک پہنچانا ہے۔ وہ آپ نے پہنچا دیا ہے۔ آگے ہم جانیں اور وہ جانیں۔

سبق: لہذا بندے پر لازم ہے کہ ان امور کو دفع کرے جو ہلاک کرنے والے ہیں اور نجات دینے والے امور کے حاصل کرنے میں جلدی کرے۔ اس کا طریقہ یہی ہے کہ وہ اپنے نفس کی اصلاح کرے اور اپنے اخلاق و افعال کو اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق کرے۔ اس لئے کہ یہ سرکش نفس بندے کو افلاس اور خسارے کی طرف ہی لے جاتا ہے۔

لِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ ۚ يَهَبُ لِمَنْ يَّشَآءُ

اللہ ہی کی بادشاہی آسمانوں اور زمین کی۔ پیدا کرتا ہے جو چاہے۔ دیتا ہے جسے چاہے۔

اِنَّا نَاثًا وَيَهَبُ لِمَنْ يَّشَآءُ الذُّكُوْرَ ۙ (۴۹)

بیٹیاں اور دیتا ہے جسے چاہے بیٹے۔

(بقیہ آیت نمبر ۴۸) اس لئے ضروری ہے کہ نفس کو قابو میں رکھے۔ کیوں کہ عذاب نفس کی شرارت سے ہوگا۔ پھر وہاں نہ مددگار ہوگا۔ نہ کوئی ٹھکانہ۔ کہ جہاں جا کر پناہ لے اور جو تبلیغ رسالت کو قبول کرتے ہیں۔ ایسے حضرات کو محفوظ رکھا جاتا ہے۔ اور بے شک ہم جب انسان کو اپنے رحمت چکھاتے ہیں۔ یعنی اسے صحت۔ مال و دولت یا امن و عافیت سے نوازتے ہیں تو وہ اس سے خوش ہو جاتا ہے۔

دنیا و آخرت: انسان کو جب معمولی سی نعمت ملتی ہے تو وہ اس سے اتنا خوش ہوتا ہے کہ اپنے مقابلے میں کسی کو نہیں سمجھتا اور یہ سمجھتا ہے کہ بہت بڑی کامیابی حاصل ہو گئی ہے۔ اسے یہ بھی جاننا چاہئے کہ یہ نعمت آخرت کی نعمتوں کے مقابلے میں ایسے ہے۔ جیسے قطرہ دریا کے مقابلے میں۔ اس لئے اسے چکھنے سے تعبیر کیا گیا۔

آگے فرمایا کہ اگر اسے برائی پہنچے۔ یعنی کوئی مصیبت۔ بیماری یا بھوک یا خوف وغیرہ جب کہ یہ تکالیف اور مصائب اس کی اپنی بد اعمالیوں کی وجہ سے آئی ہیں۔ انسان عجیب ہے۔ اپنی پریشانیوں۔ تکلیفوں کو یاد کرتا ہے۔ اپنے رب کو یاد نہیں کرتا۔ اور اگر رب کو یاد کرتا بھی ہے تو مصائب میں یاد کرتا ہے۔ خوشی میں یاد نہیں کرتا اور یہ بھی نہیں سوچتا کہ یہ مصائب میری اپنی بد اعمالیوں کی وجہ سے ہیں تو جو دنیا کے مصائب برداشت نہیں کر سکتا وہ آخرت کے مصائب کیسے برداشت کرے گا۔

(آیت نمبر ۴۹) آسمانوں اور زمین کی بادشاہی درحقیقت اللہ تعالیٰ کی ہے وہ جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے۔ جیسی صورت چاہتا ہے پیدا کرتا ہے۔ جسے چاہتا ہے لڑکیاں دیتا ہے اور لڑکے نہیں دیتا۔ پہلے لڑکی کا ذکر فرمایا تا کہ جاہلیت کی رسم ختم ہو۔ حدیث شریف: وہ عورت خوش نصیب ہے۔ جس کی پہلی اولاد لڑکی ہو۔ ایک حدیث میں ہے بچوں سے نہ گھبرایا کرو۔ میں بھی تو بچیوں کا باپ ہوں۔ (رواہ ابن عساکر والدیلی)

آگے فرمایا جسے چاہے لڑکے عطا کرتا ہے۔ لہذا اللہ تعالیٰ کے کسی فعل پر اعتراض کرنے کا کسی کو حق نہیں۔

أَوْزَوْجَهُمْ ذُكْرَانًا وَأُنثَىٰ ۚ وَيَجْعَلُ مَنْ يَشَاءُ عَقِيمًا ۚ إِنَّهُ عَلِيمٌ قَدِيرٌ ﴿٥٠﴾

یا جوڑے دیتا ہے بیٹے اور بیٹیوں کے۔ اور کرتا ہے جسے چاہے بانجھ بے شک وہ علم و قدرت والا ہے۔

وَمَا كَانَ لِنَبِيٍّ أَنْ يَكْلِمَهُ اللَّهُ إِلَّا وَحِيًا أَوْ مِنْ وَرَاءَ حِجَابٍ أَوْ يُرْسِلَ

اور نہیں ہے کسی انسان کو کہ بات کرے اس سے اللہ تعالیٰ مگر وحی سے یا پیچھے سے پردے کے یا بھیجتا ہے

رَسُولًا فَيُوحِيَ بِإِذْنِهِ مَا يَشَاءُ ۚ إِنَّهُ عَلَىٰ حَكِيمٍ ﴿٥١﴾

فرشتہ کہ وحی اس کے حکم سے جو وہ چاہے بے شک وہ بلندی والا حکمت والا ہے

(آیت نمبر ۵۰) جسے وہ چاہے لڑکے لڑکیاں دونوں دے یا جوڑا جوڑا دے دے۔ آگے فرمایا کہ بے شک وہ علم والا بڑی قدرت والا ہے۔ کہ وہ سب کام اپنے علم و قدرت و حکمت اور مصلحت کے تحت کرتا ہے۔ جسے جو دیا۔ اس کی مصلحت کو وہی جانتا ہے۔ کاشفی عیسیٰ فرماتے ہیں کہ وہ بہتر جانتا ہے کہ کس کو کیا دینا ہے۔

حدیث میں ہے اولاد کی خوشبو جنت کی خوشبو ہے اور ایک اور حدیث میں فرمایا اولاد دنیا میں نور اور آخرت میں سرور ہے (احیاء العلوم)۔ مسئلہ: اولاد کی پیدائش پر مبارک باد دینا سنت ہے۔

(آیت نمبر ۵۱) کسی فرد بشر کیلئے ثابت نہیں کہ کلام کرتا ہو اس کے ساتھ اللہ تعالیٰ مگر بذریعہ وحی کے۔ وحی بمعنی فہم والہام۔ فائدہ: امام راغب فرماتے ہیں۔ وحی وہ کلمہ الہیہ ہے۔ جو انبیاء علیہم السلام کی طرف بذریعہ فرشتہ یا بذریعہ القاء کے ہوتا ہے۔ فائدہ: علامہ اسماعیل حق بنی فرماتے ہیں۔ وحی والہام ایک ہی چیز ہے صرف نبی کی طرف ہو تو اسے وحی کہتے ہیں۔ اور ولی کی طرف ہو تو اسے الہام کہتے ہیں۔ نبی کی طرف وحی ہو تو یہی معنی مذکور ہوتا ہے اور غیر نبی کی طرف وحی کی نسبت ہو جو اسے الہام یا القاء کہتے ہیں۔ آگے فرمایا کہ یا پردے کے پیچھے سے یعنی نظر آئے بغیر۔ یہاں پردے کا ذکر کلام سننے والے کیلئے ہے۔ نہ کہ اللہ تعالیٰ کے لئے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ سے کوئی چیز چھپ نہیں سکتی۔ اس لئے کہ پردے میں تو وہ چھپے جو جسم رکھتا ہو۔ اللہ تعالیٰ جسم سے پاک ہے۔ موسیٰ کلیم اسی وجہ سے ہیں کہ وہ طور پر اللہ تعالیٰ سے ہمکلام ہوئے۔ اس کی حقیقت کیفیت کو اللہ تعالیٰ جانتا ہے یا موسیٰ علیہ السلام۔ کاشفی عیسیٰ فرماتے ہیں۔ جبریل علیہ السلام اور اللہ تعالیٰ کے درمیان بھی حجاب ہے لیکن حبیب خدا ﷺ نے اللہ تعالیٰ کو بغیر حجاب کے دیکھا بھی اور کلام بھی کیا۔ درمیان میں حقیقت محمدیہ تھی۔ وہ بطور پردہ نہیں بلکہ بطور شیشہ کے۔

وَكَذَلِكَ أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ رُوحًا مِّنْ أَمْرِنَا ۚ مَا كُنْتَ تَدْرِي مَا الْكِتَابُ
 اور اسی طرح ہم نے وحی کی آپ پر جان افزا چیز کی اپنے علم سے۔ نہیں تھے آپ جانتے کوئی کتاب
 وَلَا الْإِيمَانُ وَلَكِن جَعَلْنَاهُ نُورًا نَّهْدِي بِهِ مَن نَّشَاءُ مِنْ عِبَادِنَا ۚ
 اور نہ شرعی احکام کو لیکن ہم نے بنایا اسے نور تاکہ ہدایت دیں اس سے جسے چاہیں اپنے بندوں سے

وَأَنَّكَ لَتَهْدِي إِلَى صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ ﴿۵۲﴾

اور بے شک ضرور آپ راہ بتاتے ہیں راستے سیدھے کی۔

(بقیہ آیت نمبر ۵۱) آگے فرمایا یا اللہ تعالیٰ نبی کے پاس فرشتہ بھیجتا ہے۔ خواہ جبریل ہوں یا کوئی اور فرشتہ۔
 فرشتہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے پیغمبر کی طرف وحی اتارتا تھا جو حکم اللہ تعالیٰ دیتا تھا وہ فرشتہ رسول علیہ السلام کے پاس لاتا تھا۔
 حدیث شریف میں ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں۔ جب حضور ﷺ پر وحی اترتی تو میں دیکھتی کہ
 سخت سردی میں بھی آپ پسینہ پسینہ ہو جاتے۔ بے شک اللہ تعالیٰ بلند و بالا ہے اور حکمت والا ہے کہ اس کا ہر فعل مبنی
 بر حکمت ہے۔ شان مصطفیٰ ﷺ یہ ہے کہ آپ نے اللہ تعالیٰ کو بلا حجاب بالمشافہ دیکھا اور بات کی۔ فائدہ: بروز
 قیامت اور جنت میں سب مسلمان اللہ تعالیٰ کا دیدار کریں گے جیسے چوہدویں کے چاند کو دیکھا جاتا ہے۔ (بخاری)

(آیت نمبر ۵۲) جس طرح ہم نے سابقہ انبیاء کرام علیہم السلام کی طرف وحی کی اسی طرح ہم نے آپ کی طرف بھی
 وحی کی۔ اپنے حکم سے ایک روح بھیجا۔ اس سے مراد قرآن مجید ہے۔ اس لئے کہ یہ دلوں کیلئے روح ہے۔ اسی طرح
 قرآن دلوں کو پاکیزہ زندگی عطا کرتا ہے۔ جیسے علم نافع جو جہالت کیلئے بمنزلہ موت کے ہے۔ علم جہالت کو دور کرتا
 ہے۔ فائدہ: امام راغب فرماتے ہیں۔ قرآن روح اس لئے ہے کہ وہ حیات اخروی کا سبب ہے۔

آگے فرمایا۔ آپ اس سے پہلے نہیں جانتے تھے کہ ایمان کیا ہے اور کتاب کیا ہے۔ انبیاء پیدائش سے وصال
 تک معصوم تھے۔ اور صاحب ایمان۔ تمام کبیرہ اور صغیرہ گناہوں سے پاک تھے۔ اور حضور ﷺ قرآن اور ایمان کو
 اجمالی طور پر جانتے تھے۔ مگر تفصیلاً نزول قرآن کے بعد جانتے تھے۔ ابن قتیبہ نے کہا۔ اہل عرب دین اسماعیل علیہ السلام
 پر عمل پیرا تھے۔ حضور ﷺ بھی ان ہی احکام پر عمل کرتے تھے۔ یا اس کا یہ معنی ہے کہ آپ ذاتی طور پر کتاب اور ایمان
 کو نہیں جانتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو ان سے روشناس کرایا۔

صِرَاطِ اللَّهِ الَّذِي لَهُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ ۚ اَلَا اِلٰى اللَّهِ تَصِيْرُ الْأُمُوْر ۝ (۵۲)

راستہ اللہ کا جس کا ہے جو آسمانوں میں اور جو زمین میں ہے۔ خبردار اللہ تعالیٰ کی طرف پھرتے ہیں سب کام

(بقیہ آیت نمبر ۵۲) آگے فرمایا۔ لیکن ہم نے اسے نور بنایا جس کے ذریعے ہم جسے چاہیں ہدایت دیتے ہیں۔ یعنی اس نور ایمان کو قبول کرنے کی توفیق دیتے ہیں اپنے بندوں میں سے جسے چاہیں اور اے میرے محبوب آپ بھی اس نور کے ذریعے ہدایت دیتے ہیں سیدھی راہ کی طرف۔ اس سے مراد اسلام ہے۔ علامہ حقی رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔ بے شک حضور ﷺ ہادی ہیں کیونکہ آپ قرآن کی طرح نور ہیں۔ اسی مناسبت سے جو آپ کو قرآن و ایمان سے تھی یہ کہا گیا کہ آپ کے اخلاق کا نام ہی قرآن ہے۔

(آیت نمبر ۵۳) اللہ تعالیٰ کا راستہ۔ وہ اللہ تعالیٰ کی ذات جس کے قبضہ قدرت میں زمین و آسمان ہیں۔ یعنی اللہ تعالیٰ کا راستہ وہ عظیم الشان ضراط مستقیم ہے۔ بندوں کو چاہئے کہ وہ اسی راہ پر چلیں۔

فائدہ: بعض مشائخ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ہم نے ازل میں سب کو ایمان کی دعوت دی۔ جس نے قبول کی وہ ہدایت پر ہے۔ جس نے انکار کیا وہ ہلاک ہوا۔

آگے فرمایا۔ خبردار اللہ تعالیٰ ہی کی طرف سب امور لوٹتے ہیں۔

اختتام سورۃ شوریٰ: مورخہ ۲۲ دسمبر

بمطابق ۲۲ ربیع الاول بروز ہفتہ بعد نماز عشاء

حَمَّ ۱۰ وَالْكِتَابِ الْمُبِينِ ۱۱ اِنَّا جَعَلْنَاهُ قُرْءَانًا عَرَبِيًّا لَّعَلَّكُمْ

قسم ہے کتاب روشن کی ۔ بے شک ہم نے بنایا یہ قرآن عربی زبان میں تاکہ

تَعْقِلُونَ ۱۲ وَاِنَّهُۥ فِيۤ اِمِّ الْكِتَابِ لَدَيْنَا لَعَلٰی حَكِيْمٌ ۱۳

تم سمجھو ۔ اور بے شک یہ اصل کتاب سے ہے ہمارے پاس ضرور بلندی و حکمت والا۔

(آیت نمبر ۱) حم۔ علامہ اسماعیل حقی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ دو حرف اللہ تعالیٰ کے ناموں حنان اور منان کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔ حنان کا معنی ہے کسی کو اپنی طرف متوجہ کرنے والا اور منان کا معنی ہے بن مانگے عطا فرمانے والا۔ اور سب پر احسان کرنے والا۔

(آیت نمبر ۲) قسم ہے کتاب کی جو بالکل واضح اور ظاہر ہے یعنی اس کتاب کے ذریعے طریقہ ہدایت ظاہر ہوا۔ یادین کے ابواب میں جو ضروری ہیں۔ انہیں یہ کتاب واضح کرتی ہے۔

فائدہ: حضرت سہل فرماتے ہیں۔ قرآن نے گمراہی سے ہدایت کو اور شر سے خیر کو ظاہر کیا اور نیک بختوں کی سعادت اور بد بختوں کی شقاوت کو ظاہر کیا۔

(آیت نمبر ۳) ہم نے اس قرآن کو عربی میں بنایا۔ یعنی اس قدیم کلام کو عربی لغت میں اتارنا تاکہ تم سمجھ جاؤ کہ یہ کسی انسان کا بنایا ہوا کلام نہیں۔ نہ اس میں کوئی بناوٹی قصے کہانیاں ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اس کی قسم اس لئے کھائی کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں اس سے بلند مرتبہ اور اعلیٰ کتاب ہے ہی نہیں۔

(آیت نمبر ۴) اور بے شک یہ کتاب تمام کتابوں کے مرکز یعنی لوح محفوظ میں تھی۔ پھر یہ کتاب ہمارے ہاں سے تمہارے پاس آئی اور یہ تمام کتب سماویہ میں بڑی قدر و منزلت اور شان والی ہے اور بہت بڑی حکمتوں سے بھری ہوئی ہے یا یہ محکم کتاب ہے۔ چونکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے آئی۔ اس لئے یہ ارفع اور اعلیٰ درجے والی کتاب ہے۔

أَفَنَضْرِبُ عَنْكُمُ الذِّكْرَ صَفْحًا أَنْ كُنْتُمْ قَوْمًا مُّسْرِفِينَ ⑤ وَكَمْ أَرْسَلْنَا

کیا ہم پھر ادیں گے تم سے ذکر کا پہلو اس لئے کہ تم لوگ ہو حد سے بڑھنے والے۔ اور کتنے ہی بھیجے ہم نے

مِنْ نَّبِيِّ فِي الْأَوَّلِينَ ⑥ وَمَا يَأْتِيهِمْ مِنْ نَّبِيٍّ إِلَّا كَانُوا بِهِ يَسْتَهْزِءُونَ ④

پیغمبر اگلوں میں۔ اور نہیں آئے ان کے پاس کوئی نبی مگر تھے اس کے ساتھ ٹھٹھے کرتے۔

(آیت نمبر ۵) قرآن پاک کی عظمت و شان یہ ہے کہ یہ عربی لوگوں میں عربی زبان میں اترا۔ تاکہ وہ اسے سمجھ لیں اور اس پر ایمان لائیں اور اس کے مطابق عمل کریں تو کیا تمہارا یہ خیال ہے کہ ہم تمہیں کھلا چھوڑ دیں اور قرآن تم سے دور کر دیں۔ **فائدہ:** قرآن مجید کو ذکر کہا گیا کہ یہ ذکر کی طرح ہے کہ ہر وقت اسے ذکر کی طرح پڑھا جاتا ہے۔ یہی اس کی حکمت کا تقاضا ہے لیکن تم اس سے روگرداں ہو کیونکہ تم گناہوں میں منہمک ہو کر حد سے تجاوز کر گئے ہو۔ ان گناہوں کی نحوست ہے کہ تمہارا دل یہی چاہتا ہے کہ تمہیں قرآنی احکام نہ سنائے جائیں۔ جس گمراہی پر ڈٹے ہوئے ہو۔ تم اسی حال میں مرو۔ تاکہ ہمیشہ کے عذاب میں مبتلا ہو۔ لیکن پھر ہماری رحمت کی وسعت جانو کہ ہم نے تمہیں مہلت دے دی اور تمہیں حق والا راستہ دکھانے کیلئے تمہارے پاس پیغمبر اور قرآن بھیج دیا ہے تاکہ تم صراط مستقیم پر چلو۔

(آیت نمبر ۶) کتنے ہی انبیاء کرام علیہم السلام ہم نے پہلی قوموں کی طرف بھیجے یعنی گذشتہ قوموں میں لاکھ سے بھی زیادہ انبیاء کرام علیہم السلام کو بھیجا۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ پر نہ نبی بھیجنا لازم ہے نہ کتاب بھیجنا۔ یہ تو اس کی مہربانی ہے بندوں پر تاکہ لوگ آسانی سے صراط مستقیم کو پا کر اس پر چل سکیں اور اپنی آخرت سنوار سکیں۔

(آیت نمبر ۷) سابقہ امتوں کو بھی یہی بیماری تھی اور اسی بری عادت کے عادی تھے کہ جب بھی ان کے پاس کوئی نبی تشریف لاتے اور انہیں دعوت تو حید دیتے تو وہ ان کی تکذیب بھی کرتے اور ان سے استہزاء (ٹھٹھے مذاق) شروع کر دیتے۔ اس لئے اے محبوب اگر اب بھی کفار آپسے استہزاء کرتے ہیں تو گھبرائیں نہیں۔ گویا حضور ﷺ کو تسلی دی جا رہی ہے کہ یہ مشکلات تو پہلے نبیوں پر بھی آتی تھیں۔ **فائدہ:** پہلے انبیاء علیہم السلام کا ذکر اس لئے کیا کہ جب مصیبت عام ہوتی ہے تو ہلکی محسوس ہوتی ہے دنیا میں۔ **قاعدہ:** جہاں دوست ہوتے ہیں وہاں دشمن بھی ہوتے ہیں۔ جہاں صدیق ہوتے ہیں وہاں زندیق بھی ہوتے ہیں۔ جہاں صادق ہوئے ہیں وہاں کاذب بھی۔ اس لئے مخالفوں سے گھبرانا نہیں چاہئے۔

فَاهْلَكْنَا أَشَدَّ مِنْهُمْ بَطْشًا وَمَضَى مَثَلُ الْأَوَّلِينَ ۝ وَلَئِنْ سَأَلْتَهُمْ

پھر ہلاک کیا ہم نے ان کو جو زیادہ سخت تھے ان میں پکڑ والے اور گزر گیا حال پہلوں کا اور اگر تو ان سے پوچھے

مَنْ خَلَقَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ لَيَقُولُنَّ خَلَقَهُنَّ الْعَزِيزُ الْعَلِيمُ ۝ ۹

کہ کس نے پیدا کیا آسمانوں اور زمین کو۔ تو ضرور کہیں گے پیدا کیا ان کو عزت و علم والے نے۔

(آیت نمبر ۸) پھر ہم نے ان کے جو سخت غالی سرکش اور بدترین لوگ تھے۔ انہیں ہلاک و تباہ کر دیا۔ اس سے مراد فرعون نمرود وغیرہ ہیں۔ یا مراد قریش مکہ کے سردار ہیں۔ جو بدر کی لڑائی میں جن جن کر مار دیئے گئے۔ امام راغب فرماتے ہیں۔ بطش کا معنی شے کو سخت شدت سے پکڑنا۔ یعنی ہم نے ان سرکشوں کو شدت کے ساتھ پکڑا اور ہلاک کر دیا تو ان کی شان و شوکت ان کے کوئی کام نہ آئی نہ ہمارا کچھ بگاڑ سکے۔ اس آیت میں بھی حضور ﷺ کو تسلی دی گئی اور اسلام دشمن طاقتوں کو وعید بھی سنائی گئی۔ اللہ تعالیٰ باغیوں سرکشوں اور طاغیوں کو تباہ و برباد کر کے بعد میں آنے والوں کیلئے نصیحت کا موقع فراہم کر دیتا ہے۔ اسی لئے فرمایا کہ قرآن مجید میں پہلے لوگوں کے حالات و واقعات کو بار بار بیان کیا گیا۔ جیسے قوم نوح، قوم عاد، قوم ثمود اور قوم لوط کے واقعات بیان ہوئے۔ تاکہ یہ اہل مکہ ان سے عبرت پکڑیں۔

تین حالتیں: (۱) اطاعت میں مشغول ہوگا تو نفع پائے گا۔ (۲) گناہوں میں لگ جائے گا تو پشیمانی اٹھائے گا۔ (۳) غفلت کرے گا تو اس کا انجام خراب ہوگا۔

(آیت نمبر ۷) اے محبوب اگر آپ ان سے پوچھیں۔ یعنی ان قریش مکہ سے سوال کریں کہ آسمانوں اور زمینوں کو کس نے بنایا تو وہ اعتراف کرتے ہوئے ضرور کہیں گے کہ انہیں اس ذات نے بنایا جو سب پر غالب ہے اپنی ملک اور حکم کے لحاظ سے اور وہ زبردست ذات ہے۔ یعنی اپنی مخلوق کے تمام احوال سے باخبر ہے کسی اور میں یہ قدرت نہیں۔ فائدہ: اس آیت میں گویا ان کی جہالت کا بیان ہے۔ اس لئے کہ جب وہ اللہ تعالیٰ کی صنعت و قدرت کا اقرار کرتے ہیں اور اسے قوی اور علیم مانتے ہیں تو پھر وہ اس کے سوا کو کیوں پوجتے ہیں۔ فائدہ: معلوم ہوا کہ انسان کی فطرت میں معرفت الہی موجود ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جب تمام روحوں سے ازل میں پوچھا گیا کہ کیا میں تمہارا خدا نہیں تو سب نے کہا کیوں نہیں۔ یعنی تو ضرور ہمارا خدا ہے اور بچہ جب پیدا بھی ہوتا ہے تو اسی فطرت اسلام پر پیدا ہوتا ہے۔ آگے اس کا خاندان یا ماحول اسے غلط راستے پر ڈال دیتا ہے۔

الَّذِي جَعَلَ لَكُمُ الْأَرْضَ مَهْدًا وَجَعَلَ لَكُمْ فِيهَا سُبُلًا لَّعَلَّكُمْ تَهْتَدُونَ ۝ ۱۰

جس نے بنایا تمہارے لئے زمین کو بچھونا۔ اور بنائے تمہارے لئے اس میں راستے تاکہ تم راہ پاؤ۔

وَالَّذِي نَزَّلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً بِقَدَرٍ فَأَنشَرْنَا بِهِ بَلْدَةً مَّيْتًا ۝

اور وہ جس نے اتارا آسمان سے پانی ایک اندازے سے۔ پھر زندہ کیا اس سے شہر مردہ۔

كَذَلِكَ تُخْرَجُونَ ۝ ۱۱

اسی طرح تم بھی نکالے جاؤ گے۔

(آیت نمبر ۱۰) اللہ تعالیٰ کی وہ ذات ہے کہ جس نے تمہارے لئے زمین کو بچھونا بنایا۔ اسی لئے دوسرے مقام پر فرمایا فرش بنایا۔ تاکہ تم اس پر قرار پاسکو۔ یعنی آرام کے ساتھ اس پر بیٹھ سکو۔ نیند کر سکو۔ آگے فرمایا کہ اس (اللہ تعالیٰ) نے اس میں راستے بھی بنادیئے۔ تاکہ تم ان پر دین و دنیا کے کاموں کیلئے سفر کر سکو اور ان راستوں پر چل بھی سکو۔ سبیل اس راستے کو کہا جاتا ہے۔ جس پر آسانی سے چلا جائے۔ آگے فرمایا تاکہ تم اپنے مقاصد کیلئے ان پر چلنے کیلئے صحیح راہ پاسکو۔ یعنی جن جن شہروں یا علاقوں میں جانا چاہو۔ وہاں سہولت کے ساتھ پہنچ جاؤ۔

صوفیانہ فائدہ: اس میں یہ بھی اشارہ ہے کہ تم اس دنیا میں رہ کر جنت کی راہ پاسکو۔ یا اللہ تعالیٰ تک پہنچنے کا صحیح راستہ حاصل کر سکو۔ جو کہ انسان کا مقصود اصلی ہے اور حق تعالیٰ تک رسائی کیلئے ہی تو اللہ تعالیٰ نے انبیاء کرام علیہم السلام کو بھیجا اور کتابیں اتاریں تاکہ آسانی کے ساتھ حق تک پہنچنے کا راستہ مل جائے۔

(آیت نمبر ۱۱) اللہ تعالیٰ کی ذات وہ ہے کہ جس نے آسمان سے اس قدر پانی اتارا۔ جس قدر بندوں کیلئے نفع مند تھا۔ اور جس سے بندوں کو کوئی نقصان بھی نہ ہو۔ یعنی بندوں کی حاجت اور مصلحت کے مطابق اتارا۔ نہ اتنا زیادہ کہ انہیں غرق کر دے۔ نہ اتنا کم کہ کھیتیاں بھی سرسبز نہ ہو سکیں۔ اگر کبھی کبھی سیلاب آ کر سب کچھ تباہ کر جاتے ہیں۔ تو اس میں بندوں کی آزمائش ہوتی ہے یا گناہوں کی سزا ہوتی ہے۔ آگے فرمایا کہ ہم نے زندہ کر دیا اس پانی کی وجہ سے مردہ شہروں کو۔ یعنی خشک اور ویران جگہوں کو سبزہ زار بنا دیا۔ آگے فرمایا کہ تم بھی اپنی قبروں سے زندہ کر کے یوں ہی اٹھائے اور نکالے جاؤ گے۔ **فکتہ:** یعنی اللہ تعالیٰ ہر طرح کی قدرت رکھتا ہے۔ قیامت کے دن مردوں کو زمین سے نکالنا۔ اس عظیم قدرت والے رب تعالیٰ کے سامنے کچھ بھی نہیں۔

وَالَّذِي خَلَقَ الْأَزْوَاجَ كُلَّهَا وَجَعَلَ لَكُم مِّنَ الْفُلْكِ وَالْأَنْعَامِ مَا تَرْكَبُونَ ۝ (۱۲)

اور وہ جس نے پیدا کئے جوڑے تمام۔ اور بناائیں تمہارے لئے کشتیاں اور چوپائے جن پر تم سوار ہوتے ہو

لَتَسْتَوِيَ عَلَى ظُهُورِهِ ثُمَّ تَذْكُرُوا نِعْمَةَ رَبِّكُمْ إِذَا اسْتَوَيْتُمْ عَلَيْهِ وَتَقُولُوا

تاکہ سیدھے بیٹھو اور ان کی پیٹھوں پر پھر یاد کرو نعمت اپنے رب کی جب ٹھیک بیٹھ جاؤ اس پر۔ اور کہو

سُبْحَانَ الَّذِي سَخَّرَ لَنَا هَذَا وَمَا كُنَّا لَهُ مُقْرِنِينَ ۝ (۱۳)

پاک ہے وہ ذات جس نے قابو میں کیا ہمارے لئے اس کو۔ اور نہیں تھے ہم اسے بس میں کرنے والے۔

(آیت نمبر ۱۲) اور وہ ذات جس نے مخلوق میں تمام قسم کے جوڑے بنائے خصوصاً جو زمین میں سے پودے نکلتے ہیں۔ ان کے بھی جوڑے بنائے۔ اور ان کے اپنے نفسوں میں بھی مرد و عورت کے جوڑے بنائے۔ اور ان میں بھی جنہیں وہ نہیں جانتے۔ **فائدہ:** ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا۔ ازواج سے اشیاء کی جنسیں مراد ہیں۔ یا ہر قسم کے انواع۔ جیسے میٹھا کٹھا، نرمادہ، سیاہ و سفید، یادائیں بائیں، آگے پیچھے، گرمی سردی، دن رات، خوشگی و تری، زمین و آسمان وغیرہ۔ آگے فرمایا تمہارے لئے دریا میں چلنے والی کشتیاں بناائیں اور جانور بنائے۔ جیسے اونٹ گھوڑا وغیرہ جن پر تم سواری کرتے ہو خشکی اور دریاؤں میں۔ یہ تمام قادر قدر کی قدرت کی نشانیاں ہیں۔

(آیت نمبر ۱۳) تاکہ جب تم سوار یوں کی پیٹھوں پر اور کشتیوں میں سوار ہو۔ پھر تم اپنے رب کی نعمتوں کو یاد کرو جو اس نے تم پر کیں اور جب تم ان پر بیٹھ جاتے ہو سیدھے ہو کر تو تم رب کا دل کے ساتھ ذکر کرو۔ کیونکہ اصل ذکر ذکر قلبی ہے جو اللہ تعالیٰ کے ہاں بھی معتبر ہے۔ **حدیث شریف** میں ہے کہ اللہ تعالیٰ تمہاری صورتوں اور عملوں کو نہیں دیکھتا بلکہ وہ تمہارے دلوں اور نیتوں کو دیکھتا ہے (مشکوٰۃ)۔ اسی لئے فرمایا کہ تم اسے یاد کرو یعنی پوری توجہ اور غور و فکر سے اس کا ذکر کرو اور جو اللہ تعالیٰ نے تمہیں یہ اتنی اعلیٰ سوار یوں جیسی نعمتیں دی ہیں ان کو دیکھ کر دینے والے کو یاد کرو اور اس کی مہربانیوں کا اعتراف کرو اور دل و زبان سے اس کی حمد کہو۔ پاک ہے وہ ذات جس نے اس سواری کو ہمارے قابو میں دیا۔ تاکہ ہم اس پر سوار ہو کر بروبحر کا سفر آسانی کے ساتھ طے کر سکیں اور ہمیں اس کے قابو کرنے کی کوئی طاقت نہ تھی یعنی ہم کہاں اس لائق یا اس قابل تھے کہ ہم ان سوار یوں پر سوار ہوتے۔ یہ محض اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت و حکمت سے انہیں ہمارے تابع کر دیا۔

وَأَنَّا إِلَىٰ رَبِّنَا لَمُنْقَلِبُونَ ﴿١٣﴾ وَجَعَلُوا لَهُ مِنْ عِبَادِهِ جُزْءًا

اور بے شک ہم طرف اپنے رب کے پلٹ کر جانے والے ہیں اور بنائے اس کیلئے اس کے بندوں سے ٹکڑے ٹکڑے

إِنَّ الْإِنْسَانَ لَكَفُورٌ مُّبِينٌ ﴿١٤﴾

بے شک انسان ضرور ناشکرا ہے کھلا۔

(بقیہ آیت نمبر ۱۳) سبق: بندے کو چاہئے کہ وہ نعمت دینے والے کے سامنے اپنی عجز و انکساری کا اظہار کرے ورنہ نعمت دینے والا واپس بھی لے سکتا ہے۔ نعمت کے حق کی ادائیگی یہی ہے۔ کہ بندہ اپنے مالک حقیقی کو پہچانے۔ اور اس کے آگے جھکا رہے۔

(آیت نمبر ۱۴) اور بے شک ہم اپنے رب کریم کی طرف لوٹ کر جانے والے ہیں۔ یعنی مرنے کے بعد قبر تک لوگوں سے کندھوں پر سوار ہو کر جب قبر میں جائیں گے۔ گویا یہ دنیا میں انسان کی آخری سواری ہے۔ پھر نماز جنازہ ہے۔ اس کے بعد انسان قبر میں رب کے حوالے ہو جاتا ہے۔ سبق: ہر انسان پر لازم ہے کہ وہ اپنے سفر آخرت کی پوری تیاری رکھے۔ اس لئے کہ اسے بہت بڑا سفر درپیش ہے۔ لہذا اس پر ضروری ہے کہ اس بڑے سفر کیلئے زاد راہ اپنے ساتھ لے لے۔ خواہ اس کیلئے کتنی ہی مشکلات اٹھانی پڑیں۔

(۲) لازم ہے کہ انسان ایک لحظہ بھی یاد خدا سے غافل نہ ہو۔ اور اس کی ملاقات کیلئے ہمہ وقت تیار رہے اور یقین رکھے کہ اللہ تعالیٰ اس کے بالکل قریب ہے اور اپنی ہر سانس کو آخری سانس سمجھے۔ اگر نفس امارہ پر قابو پالے تو یہ اللہ تعالیٰ کی سب سے بڑی نعمت ہے۔ اس پر اللہ تعالیٰ کا شکر کرے۔ ورنہ اس کی مخالفت کرتا رہے۔ فائدہ: مذکورہ دونوں آیات سواری کا وظیفہ ہیں۔ حدیث شریف: حضور ﷺ جب سواری پر سوار ہوتے تو یہ مذکورہ کلمات ادا فرماتے اور تین دفعہ تکبیریں کہتے (رواہ مسلم)۔ حضور ﷺ نے فرمایا۔ جو بندہ یہ کلمات سواری پر سوار ہوتے وقت پڑھے اس کے تمام گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔

(آیت نمبر ۱۵) مشرکوں نے اللہ تعالیٰ کیلئے اپنے گندے خیالوں میں لڑکیوں کا باپ ہونا ثابت کیا۔ یہاں جزء بمعنی انسان کی اولاد بہت سارے مفسرین نے یہی معنی کیا ہے۔ اولاد ماں باپ کا جز ہی ہے۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا فاطمہ میرے جسم کا ٹکڑا ہے (بخاری شریف) تو مشرکین نے (معاذ اللہ) اللہ تعالیٰ کیلئے لڑکے اور لڑکیاں ثابت کیں لیکن امام راغب اس کے خلاف ہیں۔

أَمْ اتَّخَذَ مِمَّا يَخْلُقُ بَنَاتٍ وَأَصْفَاكُمْ بِالْبَنِينَ ۖ وَإِذَا بُشِّرَ أَحَدُهُمْ

کیا جتنی اس نے اپنی مخلوق میں سے بیٹیاں اور چنے تمہارے لئے بیٹے اور جب خوشخبری دی جائے ان میں کسی کو

بِمَا ضَرَبَ لِلرَّحْمَنِ مَثَلًا ظَلَّ وَجْهُهُ مُسْوَدًّا وَهُوَ كَظِيمٌ ۝۱۵

اس کی جو بیان کی رحمان کیلئے اس نے مثال۔ ہو جاتا ہے چہرہ اس کا سیاہ کالا اور وہ کڑھتا ہے۔

(بقیہ آیت نمبر ۱۵) آگے فرمایا کہ بے شک انسان بہت بڑا ناشکرا ہے یا انسان کفر کو زیادہ ظاہر کرنے والا ہے۔ اسی لئے مسلمانوں کو حکم ہے وہ کفار کی باتیں سن کر کہیں (سبحان اللہ عما یصفون)۔

(آیت نمبر ۱۶) کیا اللہ تعالیٰ نے اپنے لئے اتنی ساری مخلوق میں سے اپنے لئے صرف لڑکیاں ہی پسند کیں اور تمہارے لئے لڑکے پسند کئے۔

فائدہ: یہ گویا انکار و توجیح ہے یعنی ان کے حال پر تعجب ظاہر کیا گیا ہے کہ پہلی بات تو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف اولاد کی نسبت ہی کرنا بہت برا ہے اور دوسری بات یہ کہ لڑکیوں کو حقیر جان کر اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کرنا تو اور ہی زیادہ برا ہے اور یہ کہنا کہ یہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ یہ اس سے بھی برا ہے۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ کو اس سے بری جاننا از حد ضروری ہے۔ کچھ شرم و حیا ہونی چاہئے کہ جو صفات اللہ تعالیٰ کیلئے بالکل محال اور ممتنع ہیں وہی اس کی ذمہ لگانا کتنی بڑی جرات ہے۔ بلکہ حماقت ہے۔

(آیت نمبر ۱۷) حالانکہ تم لڑکیوں کو اتنا مبغوض سمجھتے ہو کہ اگر کسی کے گھر میں لڑکی پیدا ہو جائے تو فوراً اسے جا کر زندہ درگور کر آتے ہیں۔ تمہاری جہالت اور حماقت کا تو یہ حال ہے کہ اگر کسی کو لڑکی پیدا ہونے کی خوش خبری دی جائے (جو وہ رحمٰن کی طرف منسوب کرتے ہیں) تو ایسی خبر سن کر اس کا چہرہ سیاہ ہو جاتا ہے اور وہ اندر اندر کڑھنے لگتا ہے اور اپنے آپ کو لوگوں کے سامنے ذلیل اور خسیس سمجھتا ہے۔ (یعنی اللہ تعالیٰ مشرکین مکہ کے کرتوت کو ظاہر فرماتے ہیں کہ تمہاری عقل اتنی بھی نہیں کہ تم اللہ تعالیٰ کے بارے میں کیا کہہ رہے ہو تمہارے جو منہ آتا ہے وہی نکال دیتے ہو)۔

خواب اور تعبیر:

اگر کوئی شخص خواب میں دیکھے کہ اس کا چہرہ سیاہ ہے تو اس کی تعبیر یہی ہے کہ اس کے ہاں لڑکی پیدا ہوگی یہ بیماری آج بھی ہے کہ لڑکی پیدا ہونے پر اتنی خوشی نہیں ہوتی جتنا لڑکے پر خوشی ہوتی ہے۔

أَوْ مَنْ يَنْشَوْنَ فِي الْحَلِيَّةِ وَهُوَ فِي الْخِصَامِ غَيْرُ مُبِينٍ ۝۱۸ وَجَعَلُوا

کیا جو پروان چڑھے زیور میں اور وہ جھگڑے میں صاف بیان نہ کر سکے۔ اور بنایا انہوں نے

الْمَلَائِكَةِ الَّذِينَ هُمْ عِبَادُ الرَّحْمَنِ إِنَّا إِذَا أَشْهَدُوا خَلَقَهُمْ سَتَكَبُّ

فرشتوں کو جو بندے ہیں رحمن کے انہیں عورتیں کہا۔ کیا وہ حاضر تھے ان کی پیدائش کے وقت۔ جلد لکھی جائے گی

شَهَادَتُهُمْ وَيُسْأَلُونَ ۝۱۹

ان کی گواہی اور ان سے سوال ہوگا۔

(آیت نمبر ۱۸) تو کیا وہ کہ جس کی پرورش آرائش سنگار میں ہوئی ہو یا بقول کاشفی مرحوم کے کہ جس کی پرورش ناز و نعمت میں ہوئی اور اسے جنگ میں حاضر ہونے کی قوت و ہمت نہ ہو اور وہ جھگڑا کرتے وقت جھگڑنے میں بھی اپنے دعویٰ کے اثبات پر حجت قائم کرنے کی قدرت نہ رکھتا ہو۔ یعنی اسے گفتگو کا سلیقہ بھی نہ آتا ہو۔ جیسے عورتیں جھگڑنے میں عموماً تیز ہوتی ہیں لیکن بات کو صحیح بیان نہیں کر سکتیں۔ بہت ہی کم عورتیں فصاحت و بلاغت میں قادر الکلام ہوتی ہیں۔ **فضل عائشہ** : احنف فرماتے ہیں میں نے چاروں خلفاء کے بعد حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے بڑھ کر کسی کو فصیح و بلیغ نہیں دیکھا۔ جن کے متعلق حضور ﷺ نے فرمایا۔ تیسرا حصہ دین عائشہ سے حاصل کرو۔ (مسند الفردوس)

فائدہ : بحر العلوم میں ہے کہ اس آیت سے ثابت ہوا کہ ذی عقل اور قلب سلیم والا زینت میں زندگی گزارنا پسند نہیں کرتا۔ **حدیث** میں حضور ﷺ نے فرمایا۔ ناز و نعمت سے بچو (رواہ البیہقی)۔ اس لئے کہ بندگان خدا ناز و نعمت اور بناؤ سنگار سے دور رہتے ہیں۔ انہیں اتنی فرصت ہی نہیں کہ وہ ان بکھیڑوں میں پڑیں۔

(آیت نمبر ۱۹) اور ان کافروں نے فرشتوں کو جو رحمن کے بندے ہیں اور اللہ کی اجمل و اکرم و اکمل مخلوق کو کم درجہ مخلوق یعنی عورتیں بنایا۔ حالانکہ فرشتے جو ہمہ وقت بازگاہ الہی میں عبادت و اطاعت میں مشغول و مصروف ہیں۔ انہیں کہا یہ اللہ تعالیٰ کی لڑکیاں ہیں۔ یہ عقیدہ انہیں باپ دادا سے ملا تھا۔ چونکہ کفار و مشرکین کے عقائد جھوٹ اور جہالت پر مبنی تھے۔ اٹکل بچو سے ایک عقیدہ گھڑا ہوا تھا۔ یا کاہنوں اور نجومیوں نے انہیں جو کچھ بتایا انہوں نے جو کہا ان کے تابع داروں نے اسی کو اپنا عقیدہ بنالیا۔ حالانکہ اصل عقیدہ وہی ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے انبیاء کرام علیہم السلام کی طرف اتارا گیا۔ لیکن بد بختوں نے اپنی مرضی کا عقیدہ گھڑ لیا۔

وَقَالُوا لَوْ شَاءَ الرَّحْمَنُ مَا عَبَدْنَاهُمْ ۚ مَا لَهُمْ بِذَلِكَ مِنْ عِلْمٍ ؕ

اور بولے اگر چاہتا رحمن تو نہ ہم عبادت کرتے ان کی۔ نہیں ہے انہیں اس کا کوئی علم

إِنْ هُمْ إِلَّا يَخْرُصُونَ ۚ (۲۵) أَمْ اتَّيْنَاهُمْ كِتَابًا مِنْ قَبْلِهِ فَهُمْ بِهِ مُسْتَمْسِكُونَ (۲۱)

نہیں وہ مگر اٹکل دوڑاتے۔ یاد دی ہم نے انہیں کوئی کتاب اس سے پہلے۔ تو وہ اسے تھامے ہوئے ہیں۔

(بقیہ آیت نمبر ۱۹) آگے فرمایا کہ یہ جو کہتے ہیں کہ فرشتے اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں ہیں تو کیا فرشتوں کی پیدائش کے وقت یہ لوگ وہاں حاضر تھے کہ یہ اپنا آنکھوں دیکھا حال بتا رہے ہیں۔ اگر وہاں موجود تھے۔ پھر تو وہ بات کرنے کے حق دار ہیں۔ ورنہ انہیں معلوم ہونا چاہئے کہ ان کی گواہی ان کے اعمال نامے میں لکھ دی جائیگی۔ یعنی ان کی تمام باتیں کراما کا تبین لکھ رہے ہیں اور بروز قیامت ان سے ان کی تمام باتوں کے متعلق پوچھا جائیگا۔

فائدہ: اس میں ان کے لئے وعید ہے اور انہیں کہا گیا کہ آج ہی اپنے برے عقیدے سے توبہ کرلو۔

(آیت نمبر ۲۰) کافر کہتے تھے کہ اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو ہم ان فرشتوں کی پوجا نہ کرتے۔ **فائدہ:** یہ کفار کا ایک اور مقولہ ہے۔ یعنی فرشتوں کی پوجا اللہ تعالیٰ کی مرضی سے ہم کر رہے ہیں۔ اگر ہمارا یہ عمل برا ہوتا تو اللہ تعالیٰ نے ہمیں روک دیا ہوتا۔ جب اس نے نہیں روکا۔ اس کا مطلب یہی ہے کہ وہ اس سے راضی ہے۔ یہ بات بھی ان کی جہالت بلکہ حماقت پر دلالت کرتی ہے۔ انبیاء کرام علیہم السلام نے اللہ تعالیٰ کا پیغام دیا مگر وہ نہیں مانے۔

اسی لئے آگے فرمایا۔ انہیں ان باتوں کا کوئی علم نہیں۔ یعنی وہ جو یہ بات کہہ رہے ہیں کہ ان کے اعمال اللہ تعالیٰ کی مشیت اور مرضی سے ہیں۔ انہیں اس کا کوئی علم نہیں۔ آگے فرمایا۔ یہ اٹکل پچو مارتے اور جھوٹی باتیں کرتے ہیں۔ وہ صرف ظن اور تخمینے سے ایسی باتیں کر رہے ہیں۔ اس طرح کی باتیں کرنے والا درحقیقت جھوٹا ہوتا ہے۔

(آیت نمبر ۲۱) کیا ہم نے انہیں کوئی کتاب دی ہے۔ یعنی قرآن کی طرح کوئی کتاب اتاری یا رسول کریم ﷺ کی تشریف آوری سے پہلے کسی نبی یا رسول نے یہ بات انہیں بتائی کہ وہ اللہ تعالیٰ کی مشیت اور رضا سے غیر اللہ کی پوجا کر رہے ہیں۔ (معاذ اللہ)۔ اور وہ اس سے تمسک کر رہے ہیں۔ یہ بات تو بالکل واضح ہے کہ ان کے پاس اس کی کوئی دلیل نہیں کیونکہ عیسیٰ علیہ السلام کے بعد اور قرآن سے پہلے ان کے پاس کوئی کتاب آسمانی نہیں آئی کہ اس سے وہ مسائل نکالتے۔ اس لحاظ سے نہ ان کے پاس کوئی عقلی دلیل تھی نہ نقلی۔

بَلْ قَالُوا إِنَّا وَجَدْنَا آبَاءَنَا عَلَىٰ أُمَّةٍ وَإِنَّا عَلَىٰ آثَارِهِم مُّهُتَدُونَ ﴿۲۲﴾

بلکہ کہنے لگے ہم نے پایا اپنے باپ دادا کو اس دین پر اور ہم ان کے نشانوں پر چل رہے ہیں۔

وَكَذَٰلِكَ مَا أَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ فِي قَرْيَةٍ مِّنْ نَّذِيرٍ إِلَّا قَالَ مُتْرَفُوهَا ۖ

اس طرح نہیں بھیجے ہم نے آپ سے پہلے کسی بستی میں کوئی ڈرانے والے مگر کہا اس کے امیروں نے۔

إِنَّا وَجَدْنَا آبَاءَنَا عَلَىٰ أُمَّةٍ وَإِنَّا عَلَىٰ آثَارِهِم مُّقْتَدُونَ ﴿۲۳﴾

کہ ہم نے پایا اپنے باپ دادا کو ایک دین پر۔ اور بے شک ہم ان کے نشان کے پر چلتے ہیں۔

(آیت نمبر ۲۲) جب بھی ان سے پوچھا جاتا کہ تمہارے پاس غیر اللہ کی پرستش پر کیا دلیل ہے، تو ان کے پاس ایک ہی جواب تھا کہ بے شک ہم نے اپنے باپ دادا کو اسی دین پر پایا۔ وہ اسی عقیدے پر جمے ہوئے تھے۔ یا ان کا اسی بات پر اجماع تھا۔ وہ یہی کہتے تھے کہ بے شک ہم باپ دادا کے ہی کے نقش قدم پر چلتے ہیں۔

غلط تقلید کی مذمت: اعتقادات میں اور اصول دین میں تقلید کرنا ویسے ہی ناجائز ہے۔ البتہ عبادات اور معاملات میں کسی امام کی تقلید ضروری ہے۔ عقیدے میں نظر و استدلال لازم ہے۔ یعنی بندہ اشیاء میں سے اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور قدرت کو پہچانے۔ جوں ہی مخلوق میں وہ کسی چیز کو دیکھے تو کہے سبحان اللہ۔ یہ تو اللہ تعالیٰ ہی کر سکتا ہے۔ **فائدہ:** علم ضروری علم نظری سے اعلیٰ و افضل ہے۔ اس لئے کہ علم ضروری کبھی زائل نہیں ہوتا قاعدہ ہے کہ مشاہدہ کے بعد کسی اور واسطہ کی ضرورت نہیں رہتی۔ شاعر کہتا ہے۔ حرم میں رہنے والوں کو قبلہ نما کی ضرورت نہیں۔ **فائدہ:** غیر مقلدین کفار کے اس قول سے تقلید کے ناجائز ہونے کو ثابت کرتے ہیں۔ اس کیلئے میری کتاب صلوٰۃ الاحناف کو پڑھ لیں۔

صحیح تقلید کی تعریف: تقلید کا مطلب ہے۔ بغیر دلیل پوچھے کسی کی بات کو ماننا۔ شرعی فروعی مسائل میں تقلید جائز ہے۔ **مسئلہ:** مقلد کا ایمان احناف اور اہل ظواہر کے ہاں صحیح اور درست ہے۔ یعنی جو امور اس پر واجب ہیں۔ مثلاً صانع کے وجود اور اس کی صفات اور رسولوں کو اور جو وہ لے کر آئے انہیں جو معتبر مانتا ہے ایسے شخص کا ایمان قابل قبول ہے۔ (باپ دادا مسلمان شرع کے موافق ہوں۔ تو ان کی تقلید درست ہے۔)

(آیت نمبر ۲۳) ایسے لوگ جن کا اوپر بیان ہوا۔ جو دلائل سے بھی عاجز ہیں اور غلط تقلید میں گرفتار ہیں۔ ان کے متعلق فرمایا۔ اے محبوب ہم نے آپ سے پہلے کوئی رسول نہیں بھیجا مگر اس بستی کے لیڈروں نے یہی کہا۔

لَ اَوَّلُوْا جُنُكُم بِاٰهْدٰی مِّمَّا وَجَدْتُمْ عَلَیْہِ اَبَآءُكُمْ ؕ قَالُوْا اِنَّا رَمَیَا اَکْرَچہ میں لایا تمہارے پاس زیادہ ہدایت والی اس سے جس پر پایا تم نے باپ دادا کو۔ تو بولے ہم

بِمَا اُرْسِلْتُمْ بِہِ کُفِرُوْنَ ﴿۴۳﴾

جو بھی تم دے کر بھیجے گئے اس کے منکر ہیں۔

(بقیہ آیت نمبر ۲۳) کہ ہم نے اپنے باپ دادا کو اسی طریقہ اور دین پر پایا۔ اور ہم ان کے طریقے اور دین پر چلیں گے۔ چونکہ ان کے آباء بھی اندھی تقلید والے تھے کہ وہ بھی اپنے باپ دادا کے طریقے پر چلتے تھے۔ اور ان کے پاس کوئی دلیلیں وغیرہ نہیں تھی۔ وہ تقلید بری ہے کہ جس پر کوئی حجت و برہان نہ ہو۔ جو محض خواہشات نفسانی سے ہو۔ حدیث شریف میں ہے کہ ان لوگوں کا کیا حال ہوگا جو دنیا داروں کی طرف راغب اور عبادت گزاروں سے متنفر ہیں (کنز العمال ج ۱۸)۔ اگر وہ قرآن کے حامل ہیں تو ان کی طبائع اس کے موافق نہیں۔ اس لحاظ سے وہ بعض آیات پر ایمان لاتے ہیں۔ بعض پر نہیں۔ یہ ایسے لوگ ہیں جو آخرت کی تجارت کے لئے کوشش نہیں کرتے۔ جس تجارت میں کبھی کوئی نقصان نہیں۔ محققہ: بعض بزرگ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے دنیوی امور اپنے ذمہ میں لئے ہیں اور اخروی امور کے بارے میں لوگوں سے مطالبہ کیا ہے۔ (لیکن افسوس کہ ہم نے دنیوی امور اپنے ذمہ لے لئے اور اخروی امور اللہ تعالیٰ پر چھوڑ دیئے)۔ سبق: عقل والا وہ ہے۔ جو ہدایت یافتہ بزرگوں کی اقتداء کرتا ہے اور آخرت کو آباد کرنے کیلئے وہ اللہ تعالیٰ کی عبادت و ریاضت میں پوری کوشش کرتا ہے۔ جیسے یقین والوں کا طریقہ ہے۔

(آیت نمبر ۲۳) ان ڈرانے والوں میں سے ایک رسول نے اپنی امت سے فرمایا۔ یعنی جب کفار نے بت پرستی کی یہ وجہ بیان کی کہ ہم تو اپنے باپ دادا کے دین پر چلتے ہیں تو اس نبی نے فرمایا کہ اگرچہ میں تمہارے پاس اس سے زیادہ ہدایت والا دین لایا ہوں (جو تمہارے باپ دادا والے دین سے بہت اعلیٰ ہے) کیا پھر بھی تم باپ دادا کے دین پر چلو گے۔ خواہ تمہارے باپ دادا گمراہ تھے لیکن ان کافروں نے ایک ہی جواب دیا کہ ہم اپنے آباء کی تقلید پر ڈٹے ہوئے ہیں اور اپنی گمراہی پر خوش ہیں اور رسولوں کو مایوس کن جواب دیا۔ کہ ہم نہ تمہیں مانتے ہیں۔ نہ تمہارے لائے ہوئے دین کو۔ معلوم ہوا بری تقلید وہ ہے جو نبی کے فرمان کے مقابل ہو۔ ایسی تقلید کے بارے میں شاعر نے کہا۔ مخلوق کو ایسی تقلید نے برباد کیا۔ ایسی تقلید والوں پر سو بار لعنت ہو۔ لیکن بعض لوگوں نے اچھی تقلید کو بھی برا کہنا شروع کر دیا۔ (اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں سے بھی بچائے)۔

فَانْتَقَمْنَا مِنْهُمْ فَأَنْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكْذِبِينَ ۚ (۲۵)

پھر بدلہ لیا ہم نے ان سے پھر دیکھا کیا ہوا انجام جھٹلانے والوں کا ۔

وَإِذْ قَالَ إِبْرَاهِيمُ لِأَبِيهِ وَقَوْمِهِ إِنَّنِي بَرَاءٌ مِّمَّا تَعْبُدُونَ ۖ (۲۶)

اور جب فرمایا ابراہیم نے اپنے باپ اور قوم سے میں تو بیزار ہوں تمہارے معبودوں سے ۔

إِلَّا الَّذِي فَطَرَنِي فَإِنَّهُ سَيَهْدِينِ (۲۶)

مگر وہ ذات جس نے مجھے پیدا کیا وہ مجھے جلد راہ دکھائے گا۔

(آیت نمبر ۲۵) پھر ہم نے ان غلط اور ناجائز تقلید کرنے والوں سے انتقام لیا۔ پھر ان کیلئے عذر کا موقع نہ چھوڑا۔ پھر دیکھ تو سہی ان جھٹلانے والوں کا کیا انجام ہوا۔ لہذا اے محبوب آپ اپنی قوم کی تکذیب سے نہ گھبرائیں۔ آپ کا پروردگار ان سے بھی بدلہ لے لے گا۔ اس لئے کہ وہ ہر چیز پر قادر ہے۔ ہر شیء پر اس کا غلبہ ہے۔ مولیٰ علی فرماتے ہیں۔ نیک بخت وہ ہے جو دوسروں سے سبق حاصل کرے۔ یعنی جب ایک آدمی کو سزا ملے تو دیکھنے والے اس سے نصیحت حاصل کریں کہ اگر ہم نے بھی ایسا ہی کام کیا تو ہماری بھی خیر نہیں۔ حدیث شریف: حضور ﷺ نے فرمایا۔ مومن ایک سوراخ سے دو دفعہ نہیں ڈسا جائیگا (بخاری و مسلم)۔ شیخ سعدی رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔ ترجمہ: اگر تجھے دکھا اٹھانے کی ہمت نہیں تو بچھو کے بل میں انگلی نہ دے۔

(آیت نمبر ۲۶) اور جب ابراہیم علیہ السلام نے اپنے باپ آذر کو فرمایا۔ جو بت بنانا (اور پوجنا) تھا اور اس قوم سے فرمایا جو اپنے آباء کی تقلید میں بت پرستی پر قائم تھی۔ بے شک میں بیزار ہوں۔ ان سے جن کی تم پوجا کرتے ہو۔ یہ بات ابراہیم علیہ السلام نے اس لئے فرمائی کہ آپ انہیں توحید کے متعلق بے شمار دلائل و براہین دے چکے تھے۔ تاکہ وہ صحیح اعتدال والے مسلک پر چلیں اور غلط آباء کی غلط تقلید چھوڑ دیں۔ کیونکہ ان کے اوپر والے آباء کا اصل مسلک توحید پرستی تھا جو بہت اچھا اور اعلیٰ مسلک تھا۔ بعد میں شیطان نے ان کے آباء کو غلط راستے پر ڈال دیا۔ اس لئے فرمایا کہ میں تمہارے معبودوں سے سخت بیزار ہوں۔

(آیت نمبر ۲۷) مگر وہ ذات جس نے مجھے پیدا کیا۔ یعنی میں اس ذات کو ماننا ہوں جس نے مجھے عدم سے وجود بخشا۔ چونکہ مشرکین اللہ تعالیٰ کے ساتھ بتوں کو بھی خدا سمجھ کر ان کی پوجا کرتے تھے۔ اس لئے فرمایا۔ میں صرف ایک ذات وحدہ لا شریک کی عبادت کرتا ہوں۔ جس نے مجھے پیدا بھی کیا اور وہی مجھے ہدایت پر ثابت بھی رکھے گا۔

جَعَلَهَا كَلِمَةً بَاقِيَةً فِي عَقِبِهِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ ﴿٢٨﴾

در رکھی یہ بات باقی ان کی نسل میں شاید وہ باز آئیں۔

لَمْ مَتَّعْتُ هَؤُلَاءِ وَآبَاءَهُمْ حَتَّىٰ جَاءَهُمُ الْحَقُّ وَرَسُولٌ مُّبِينٌ ﴿٢٩﴾

بلکہ میں نے نفع دیا ان کو اور ان کے باپ دادا کو یہاں تک کہ آگیا ان کے پاس حق اور رسول بیان والا۔

وَلَمَّا جَاءَهُمُ الْحَقُّ قَالُوا هَذَا سِحْرٌ وَإِنَّا بِهِ كَافِرُونَ ﴿٣٠﴾

اور جب آیا ان کے پاس حق تو بولے یہ جادو ہے اور بے شک ہم اس کے منکر ہیں۔

(آیت نمبر ۲۸) ابراہیم علیہ السلام کلمہ باقیہ ہیں یعنی توحید پر ثابت قدم رہنے کی وجہ سے ان کی تعریف قیامت تک آنے والے لوگوں میں باقی رکھی کہ ہر مذہب والا ان کی تعریف کرتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آپ کی اولاد میں بے شمار انبیاء تشریف لائے اور غیر انبیاء میں بھی اکثریت اسلام پر قائم رہی۔ آگے فرمایا کہ ابراہیم علیہ السلام کی تعریف اس لئے باقی رکھی تاکہ کم از کم اولاد تو لوٹ کر ان کے مسلک پر آجائے۔ پھر اور لوگ بھی انہیں دیکھ کر آجائیں گے۔

فیضان نظر حضرت علی رضی اللہ عنہ: بعض مشائخ نے فرمایا۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ جب والدہ ماجدہ کے پیٹ مبارک میں تھے۔ تو فرماتی ہیں کہ میں اگر کسی بت کو سجدہ کرنا چاہتی تو وہ انہیں ایسا کرنے سے روک دیتے تھے۔

(آیت نمبر ۲۹) بلکہ میں نے ان کافروں کو ایک زمانہ تک نفع پہنچایا۔ یعنی ان اہل مکہ کو اور ان کے باپ دادا کو لمبی عمریں دیں۔ اور وہ نعمتیں عطا کیں۔ اسی وجہ سے وہ مغرور ہوئے اور خواہشات و شہوات نفسانیہ میں منہمک ہو کر کلمہ توحید سے روگرداں ہو گئے اور بت پرستی میں لگ گئے۔ یہاں تک کہ ان کے پاس حق یعنی قرآن مجید آگیا اور شان والے رسول تشریف لائے۔ جن کی رسالت ظاہر اور معجزات واضح اور روشن تھے۔

(آیت نمبر ۳۰) اور جب ان کے پاس حق یعنی قرآن مجید آگیا۔ تاکہ انہیں توحید کا پتہ چلے اور ان کی غفلت ختم کرے تو وہ بجائے قبول کرنے کے کفر و سرکشی میں آگے بڑھ گئے اور کتاب و نبی ﷺ کو ہلکا سمجھنے لگے اور کہنے لگے یہ تو جادو ہے۔ حق یعنی قرآن کو جادو کہہ دیا۔ حالانکہ باطل کو حق کر کے دکھانے کا نام جادو ہے اور انہوں نے حق کو ہی جادو کہہ دیا اور مزید کہا کہ ہم اس کے منکر ہیں۔ اس لئے کہ ہمیں یقین نہیں ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے۔ اس لئے اس کو جھٹلادیا۔

وَقَالُوا لَوْلَا نُزِّلَ هَذَا الْقُرْآنُ عَلَى رَجُلٍ مِّنَ الْقَرْيَتَيْنِ عَظِيمٍ ۝۳۱

اور بولے کیوں نہ اتارا گیا یہ قرآن اوپر ایسے مرد کے ان دو بستیوں میں جو بڑے ہے۔

أَهُمْ يَقْسِمُونَ رَحْمَتَ رَبِّكَ ۚ نَحْنُ قَسَمْنَا بَيْنَهُمْ مَّعِيشَتَهُمْ فِي الْحَيَاةِ

کیا وہ بانٹتے ہیں رحمت تیرے رب کی۔ ہم نے بانٹا ان میں ان کی عیش کا سامان زندگی

الدُّنْيَا وَرَفَعْنَا بَعْضَهُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجَاتٍ لِّيَتَّخِذَ بَعْضُهُم بَعْضًا سُخْرِيًّا ۚ

دنیا میں۔ اور بلند کیا ان میں ایک کو دوسرے پر کئی درجے۔ تاکہ بنائیں ایک دوسرے کو ہنسی مزاح۔

وَرَحْمَتُ رَبِّكَ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُونَ ۝۳۲

اور رحمت تیرے رب کی بہتر ہے اس سے جو جمع کرتے ہیں۔

(بقیہ آیت نمبر ۳۰) حدیث شریف: حضور ﷺ نے فرمایا۔ میرا ہر امتی جنت میں جایگا۔ سوائے اس

کے جس نے انکار کیا۔ پوچھا گیا۔ کس نے انکار کیا۔ فرمایا۔ جس نے میری اور اطاعت کی وہ جنت میں جایگا اور جس

نے میری نافرمانی کی اس نے انکار کیا (رواہ البخاری)۔ (اور جس نے نبی کریم ﷺ کا انکار کیا وہ دوزخ میں جایگا)

(آیت نمبر ۳۱) کفار مکہ نے کہا۔ کیوں نہیں اتارا گیا یہ قرآن کسی ایسے مرد پر جو ان دو بستیوں (مکہ و طائف)

میں سے کسی سردار یا مالدار بڑے آدمی پر۔ جو مالی مرتبے کے لحاظ سے سب سے بڑا ہو۔ اس پر قرآن اتر اہوتا۔ لوگ

اس کے پاس آ کر کھاتے اور پھر ہدایت پاتے۔ یعنی مکہ میں ولید پر یا طائف میں عروہ بن مسعود پر اترتا۔ یا مرادھی کہ

دو شہروں میں سکونت پذیر ایک شخص پر جیسے عروہ بن مسعود کے مکانات اور دکانیں مکہ شریف میں بھی تھیں اور طائف

میں بھی۔ دونوں جگہ آتا جاتا تھا۔ فائدہ: یہ بات انہوں نے محض حسد کی بناء پر کہی تھی۔ ان کا اصل مقصد تھا کہ نبوت

درسالت اور صاحب قرآن ہونے کا منصب کسی دنیا دار کو ملنا چاہئے تھا۔

(آیت نمبر ۳۲) کیا انہوں نے آپ کے رب کی رحمت کو آپس میں تقسیم کر لیا ہے۔ یا نبوت و رسالت کی کنجیاں

ان کے ہاتھ میں ہیں کہ جسے چاہیں وہ دیں۔ ہم نے ہی ان کی معاش کو ان میں تقسیم کیا ہے۔ یعنی دنیا کی زندگی میں یہ

غذا وغیرہ اور ان کے رزق کی تقسیم وغیرہ یہ سب کچھ ہم ہی تقسیم کرتے ہیں۔

بعض کو ضعیف بعض کو قوی بنایا۔ اسی طرح بعض کو غنی اور بعض کو فقیر بنایا۔ بعض حاکم اور بعض محکوم ہیں۔ یہ ہم نے بعض کو بعض پر بلند درجے دیئے ہیں۔ اور سب کے مختلف درجے ہیں۔ جیسے جیسے حکمت الہیہ کا تقاضا ہوا۔ اسی طرح سب کو حصہ ملا۔ تو یہ مختلف درجات اس لئے بنائے تاکہ وہ ایک دوسرے سے کام لے سکیں تاکہ امیر غریبوں سے کام لیں اور ایک دوسرے کی معاش کا سبب بنیں۔ تاکہ ایک دوسرے کی مدد بھی ہو اور دنیا کا قوام بھی صحیح رہے۔ آگے فرمایا کہ تیرے رب تبارک و تعالیٰ کی رحمت یعنی نبوت و رسالت جو دونوں جہانوں کی سعادت کا موجب ہیں۔ وہ بہتر ہیں اس سے جو وہ فانی دنیا کیلئے اسباب اور رزق جمع کرتے ہیں۔ یہ بھی اللہ تعالیٰ کی عظیم رحمت ہے۔

فائدہ: اس میں یہ اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ جس طرح فقیروں کو مال و دولت سے نوازتا ہے۔ اس طرح علماء کو حقائق قرآن اور اس کے اسرار رموز سے بہرہ ور کرتا ہے۔ درس و تدریس سے بے شمار اسرار رموز حاصل ہوتے ہیں تو جس طرح مالی درجات مختلف ہیں اسی طرح علم ولایت کے درجات بھی متفاوت ہیں لیکن یہ تینوں نبوت۔ ولایت اور علم دنیا کے علوم و مال و دولت اور رزق سے ہزار ہا گنا بہتر ہے۔

فرمان مولیٰ علی: ہم اللہ تعالیٰ کی تقسیم پر خوش ہیں کہ اس نے ہمیں علم سے نوازا اور جاہلوں کو مال

دیا۔

اخروی معیشت کے اسباب:

- (۱) ایمان۔ (۲) صدق۔ (۳) ارادہ۔ (۴) علم۔ (۵) خدمت۔ (۶) توبہ۔ (۷) انابت۔ (۸) محبت۔
- (۹) شوق۔ (۱۰) معرفت۔ (۱۱) توحید۔ (۱۲) فراست۔ (۱۳) کرامت۔ (۱۴) ارادت۔ (۱۵) قناعت۔
- (۱۶) توکل۔ (۱۷) رضا۔ (۱۸) تسلیم۔

وَلَوْلَا أَنْ يَكُونَ النَّاسُ أُمَّةً وَاحِدَةً لَجَعَلْنَا لِمَنْ يَكْفُرُ بِالرَّحْمَنِ

اور اگر یہ (ڈر) نہ ہوتا کہ ہوں گے لوگ ایک جماعت پر تو ہم کر دیتے ان کو جو منکر ہیں رحمن کے

لِبُيُوتِهِمْ سُقْفًا مِّنْ فِضَّةٍ وَمَعَارِجَ عَلَيْهَا يَظْهَرُونَ ۖ (۳۳) وَلِبُيُوتِهِمْ

ان کے گھروں کے چھت چاندی کے۔ تو سیڑھیاں لگا کر اس پر وہ چڑھتے۔ اور ان کے گھروں کے

أَبْوَابًا وَسُرُورًا عَلَيْهَا يَتَكَبَّرُونَ ۖ (۳۴)

دروازے اور تختے چاندی کی ان پر وہ تکبر لگاتے۔

(آیت نمبر ۳۳) اگر لوگوں سے یہ ڈرنہ ہوتا کہ وہ کافروں کے پاس نعمتیں دیکھ کر یہ نہ سمجھتے کہ دولت دنیا کفر میں ہے۔ لہذا وہ بھی اسے ہی جمع کرنے میں مشغول ہو کر کفر کے ساتھ ملکر ایک ہی جماعت بن جائیں گے۔ تو جو رحمن کے منکر ہیں۔ ہم ان کے گھروں کی چھتوں کو چاندی کا کر دیتے۔ کیونکہ ہمارے نزدیک دنیا آخرت کے مقابلے میں انتہائی قلیل بلکہ ذلیل چیز کا نام ہے اور کفار بھی اللہ تعالیٰ کی بدترین مخلوق ہیں یعنی سب سے کم تر۔ اس کی حقارت اور ذلالت کی وجہ سے کفار جیسی ذلیل قوم کو ہی دے دی۔ اسی طرح ان کافروں کیلئے چھت پر چڑھنے کیلئے ان کی سیڑھیاں بھی چاندی کی بنا دیتے تاکہ وہ ان پر چڑھ کر ظاہر ہوتے۔ فائدہ: دنیا کی ذلت کا مطلب یہ ہے کہ دنیا مقصود بالذات نہیں ہے۔ البتہ یہ مقصود بالذات کا سبب ضرور ہے۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے اس دنیا کو دارالاقامت یا دارالجزاء نہیں بنایا۔ بلکہ اسے کوچ کا گھر بنایا ہے اور آزمائش و امتحان کا گھر بنایا ہے۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے کثرت سے مال دنیا کفار کو دیا ہے یا جاہلوں کو یہ مال دیا۔ انبیاء و اولیاء اس سے دور رہے۔

سبق: عقل والا وہی ہے۔ جو دنیا سے صرف اتفاقاً مدہ حاصل کرے۔ جتنی اسے ضرورت ہے۔

حدیث شریف: حضور ﷺ نے فرمایا۔ اگر لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ دنیا اللہ تعالیٰ کے نزدیک صرف

اتنی وقعت رکھتی ہے۔ جیسا مکھی کا پر ہے تو کسی کافر کو یہ ایک ذرہ برابر کوئی چیز نہ ملتی۔ (رواہ الترمذی)

(آیت نمبر ۳۴) اور ان کے گھروں کے دروازوں کو بھی چاندی۔ بلکہ ان کے اوپر اور نیچے بھی سب چاندی کا ہو جاتا اور ان کے تختے اور چار پائیاں بھی چاندی کے بنا دیتے اور وہ ان تختوں پر بیٹھ کر تکبر لگاتے تو ان کو جیل خانے سے نجات مل جاتی کیونکہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ دنیا مومن کیلئے قید خانہ ہے۔ تو قیدی قید خانے سے نکل کر خوش ہوتے ہیں۔

وَزُخْرَفَاءَ وَإِنْ كُلُّ ذَلِكَ لَمَّا مَتَاعُ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَالْآخِرَةُ عِنْدَ رَبِّكَ

طرح طرح کی آرائش ہے۔ بے شک یہ سب ساز و سامان حیات دنیوی کا ہے اور آخرت تیرے رب کے ہاں

لِلْمُتَّقِينَ ۳۵

متقیوں کیلئے ہے۔

(آیت نمبر ۳۵) دنیا کو زخرف کہا گیا۔ زخرف کا اصل معنی تو خوبصورتی ہے۔ لیکن استعارہ کے طور پر (اور چاندی کے مقابل) اس کا معنی سونے کا کیا گیا۔ یعنی ان کیلئے ہر طرح زیب و زینت کا سامان انہیں حاصل ہو کہ گھروں کے چھت اور دروازے سونے اور چاندی کے ہوں یا ایک حصہ سونے اور ایک حصہ چاندی کا ہو۔ بہر حال سونا ہوا چاندی ہو۔ یہ سب دنیا ہی کی زیب و زینت ہے۔

حدیث قدسی میں ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ اگر میرے مومن بندے کو پریشانی نہ ہوتی تو میں کافر کے بدن پر لوہے کی پٹی چڑھا دیتا اور اس میں پوری دنیا کی چیزیں ڈال دیتا۔ یعنی ہر طرح سے صحت مند بنا دیتا اور ایک حدیث میں ہے کہ میں لوہے کا تاج اس کے سر پر رکھ دیتا۔ پھر اسے کبھی درد سر نہ ہوتا۔

آگے فرمایا۔ بے شک یہ سب کچھ دنیا کا ساز و سامان ہے۔ جس سے صرف دنیا میں ہی نفع اٹھایا جائیگا۔ لیکن اسے دوام حاصل نہیں۔ اور سوائے پشیمانی کے اور کچھ اس سے حاصل نہیں۔ آگے فرمایا کہ آخرت کی تمام نعمتیں جن کا کوئی وصف بیان نہیں کر سکتا۔ وہ سب پرہیزگاروں کیلئے ہیں جو تیرے رب کے خزانے میں ہیں۔

فائدہ: اگر مال دنیا بجائے کافر کے مسلمانوں کو ہی دیا جاتا تو مسلمان ہونے والا صرف مال دنیا کی وجہ سے مسلمان ہوتا۔ اور یہ منافقین کا اسلام ہے۔ مخلصین کا اسلام نہیں۔ اللہ تعالیٰ تو خالص ایمان کو قبول فرماتا ہے جو ایمان محض رضاء الہی کے ہوگا۔ وہی قبول ہوگا۔ اور اسی پر اجر و ثواب بھی ملے گا۔

حضور ﷺ کا فقر اختیار ہی تھا۔ حضور ﷺ نے فرمایا۔ میں چاہتا تو اللہ تعالیٰ مجھے قیصر و کسریٰ والی بادشاہی عطا فرماتا۔ (شرح ترغیب)۔ لیکن اگر حضور ﷺ دولت مند ہوتے تو لوگ آپ کی وجہ سے نہیں بلکہ دولت کی وجہ سے مسلمان ہوتے تو ان کا اسلام بھی منافقانہ ہوتا۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے دنیا میں اپنے محبوب کو فقر و فاقہ میں رکھا۔ تاکہ فقراء و مساکین کے دلوں کو بھی تسلی ہو۔

وَمَنْ يَعْشُ عَنْ ذِكْرِ الرَّحْمَنِ نُقِيضْ لَهُ شَيْطَانًا فَهُوَ لَهُ قَرِينٌ ﴿۳۱﴾

اور جسے چڑ ہے یاد خدا سے تو ہم مقرر کرتے ہیں اس پر شیطان کو تو وہ اس کا ساتھی ہے۔

وَأَنَّهُمْ لَيَصْدُوْنَهُمْ عَنِ السَّبِيلِ وَيَحْسَبُوْنَ أَنَّهُمْ مُّهْتَدُوْنَ ﴿۳۲﴾ حَتَّىٰ إِذَا

اور بے شک وہ ضرور روکتے ہیں انہیں سیدھی راہ سے سمجھتے ہیں کہ وہ (صحیح) راہ پر ہیں۔ یہاں تک کہ جب

جَاءَنَا قَالِ يَلَيْتَ بَيْنِي وَبَيْنَكَ بُعْدَ الْمَشْرِقَيْنِ فَبِئْسَ الْقَرِينُ ﴿۳۳﴾

آئیگا ہمارے پاس تو کہے گا کاش میرے اور تیرے درمیان دوری ہو مشرق و مغرب کی کیا برا ہے ساتھی۔

(آیت نمبر ۳۱) جو ذکر الہی سے منہ پھیرے۔ یعنی جہاں اللہ تعالیٰ کا ذکر ہو رہا ہو۔ تو وہ وہاں ذکر کو اچھا سمجھنے کے بجائے اس کی مخالفت میں لگ جائے یا خواہشات و شہوات میں منہمک ہو جائے تو ہم اس پر شیطان کو مسلط کر دیتے ہیں۔ یعنی شیطان اس کا ساتھی بن کر ایسا اس کے ساتھ چٹ جاتا ہے۔ جیسے انڈے کے ساتھ چھلکا۔ **فائدہ:** تو وہ شیطان اسے ہدایت کے بجائے گمراہی کی طرف لے جاتا ہے۔ نیکی کے بجائے برائی کی طرف لے جاتا ہے۔ **حدیث شریف:** حضور ﷺ نے فرمایا۔ جس کیلئے اللہ تعالیٰ برائی کا ارادہ کر لے تو اس کی موت سے پہلے اس پر شیطان کو مسلط کر دیتا ہے تو پھر اسے نیکی بری لگتی ہے اور برائی اچھی لگتی ہے۔ (مسند الفردوس) اسی برائی پر عمل پیرا رہتا ہے۔ لہذا وہ اس کا کتنا ہی برا ساتھی ہے۔

(آیت نمبر ۳۲) پھر وہ شیاطین جو ان پر مسلط ہوتے ہیں۔ وہ اسے اللہ تعالیٰ کی راہ یعنی صراطِ مستقیم سے روکتے ہیں۔ اور وہ سمجھتے یہی ہیں کہ ہم ہی ہدایت والے ہیں۔ ہمیں کسی اور ہدایت کی ضرورت نہیں ہے۔ جیسے کفار مکہ اپنے آپ کو ہدایت پر سمجھتے تھے۔ الثانی کریم ﷺ کو وہ صابی یعنی گمراہ اور ہدایت سے دور سمجھتے تھے۔ معاذ اللہ

(آیت نمبر ۳۸) یہاں تک کہ جب وہ قرآن یا اسلام سے روگردانی کرنے والے شیاطین کے ساتھی جو اپنے آپ کو ہدایت پر سمجھتے ہیں ہمارے پاس آئیں گے۔ اس وقت وہ اپنے ساتھی شیطان کو دیکھ کر کہیں گے۔ کاش دنیا میں ہمارے اور اس کے درمیان فیصلہ و مشرقوں کا ہوتا۔ یعنی ہمارے درمیان اتنا فاصلہ ہوتا۔ جتنا مشرق اور مغرب کے درمیان فاصلہ ہے۔ آگے فرمایا کہ وہ بہت برا ساتھی ہے جو اسے غلط راستے پر لگا رہا ہے۔ اور اسے جہنم تک پہنچا کر ہی چھوڑتا ہے۔

كَذٰلِكَ نَـدَّ وَآوَرْنٰهَا قَوْمًا اٰخَرِيْنَ ﴿٢٨﴾ فَمَا بَكَتْ عَلَيْهِمُ السَّمَآءُ وَالْاَرْضُ

اسی طرح ہوا۔ اور وارث بنایا ہم نے قوم دوسری کو۔ پھر نہ روئے ان پر آسمان اور زمین

وَمَا كَانُوْا مُنْظَرِيْنَ ؕ ﴿٢٩﴾ وَلَقَدْ نَجَّيْنَا بَنِيۤ اِسْرَآءِیْلَ مِنَ الْعَذَابِ الْمُهِیْنِ ﴿٣٠﴾

اور نہ تھے مہلت دیئے گئے۔ تحقیق نجات دی ہم نے بنی اسرائیل کو عذاب ذلت والے سے

(آیت نمبر ۲۸) اور اسی طرح ہم نے ان سے نعمتیں چھین لیں اور وہ نعمتیں ہم نے اوروں کو عطا کر دیں اور ہم نے انہیں مال پر اس طرح تصرف عطا کیا۔ جس طرح وارث کو مال پر تصرف کی قدرت دی جاتی ہے اور ایسوں کو وارث بنایا۔ جو نہ ان کے رشتہ دار تھے۔ نہ کوئی قریبی تعلق والے یعنی ان کے مال کا وارث اور ان کے مکانات پر قبضہ بنی اسرائیل کو دے دیا۔ بعض لوگوں نے کہا ہے کہ بنی اسرائیل کو نہیں بلکہ کوئی تیسری قوم ہے۔ جنہیں وارث بنایا گیا۔ (غالباً یہ بات زیادہ صحیح ہے کیونکہ موسیٰ علیہ السلام بمعہ بنی اسرائیل تیرہ کے جنگل میں چالیس سے زیادہ سال رہے۔ اور موسیٰ علیہ السلام کی وفات بھی وہیں ہوئی۔ اس وقت تک وہ وہیں رہے۔ (واللہ اعلم)

(آیت نمبر ۲۹) فرعونیوں کی ہلاکت پر کسی نے ماتم نہیں کیا۔ نہ آسمان رویانہ زمین۔ گویا ان کا وجود اللہ تعالیٰ کے نزدیک کسی شمار میں ہی نہ تھا کیونکہ کسی معتبر چیز پر رویا جاتا ہے۔ آسمان وزمین کا رونا تخیل کے طور پر ہے۔ یعنی کوئی قدر و منزلت والی شخصیت مرے تو کہا جاتا ہے اس پر تو ہر چیز روئی ہے۔ **حافظہ:** یعنی کافر ایسا ذلیل و خوار ہے کہ اس پر کوئی بھی نہیں روتا۔ **حدیث:** مومن کے مرنے پر جس دروازے سے اس کا رزق آتا ہے اور آسمان کے جس دروازے سے اس کے اعمال جاتے تھے۔ وہ آسمانی دروازے بھی روتے ہیں (تفسیر درماثور تفسیر جلالین)۔ اس پر اور کئی شواہد ہیں۔ امام عالی مقام امام حسین علیہ السلام کی شہادت پر آسمان کے کنارے ایک ماہ تک سرخ رہے۔ یعنی صرف روئے نہیں بلکہ خون کے آنسو روئے آگے فرمایا اور نہ وہ مہلت دیئے گئے۔ یعنی جب وہ غرق ہونے لگے تو بہت معافیاں مانگیں۔ مگر کوئی بات نہ سنی گئی۔

(آیت نمبر ۳۰) اور البتہ تحقیق ہم نے چھٹکارا دلادیا بنی اسرائیل کو (یعنی قبطیوں کو غرق کر کے) بنی اسرائیلیوں کو رسوا کرنے والے عذاب سے نجات دلائی کہ اس ظالم نے انہیں غلام بنایا ہوا تھا۔ ان کے بچوں کو قتل کرتے۔ اور عورتوں کو خدمت کیلئے زندہ چھوڑتے تھے۔ باقیوں مردوں عورتوں سے خدمت اور پوجا کرواتے تھے۔

مِنْ فِرْعَوْنَ إِنَّهُ كَانَ عَلِيًّا مِّنَ الْمُسْرِفِينَ ﴿٣١﴾ وَلَقَدْ اخْتَرْنَاهُمْ

فرعون سے کہ بے شک وہ تھا متکبر حد سے بڑھنے والوں سے۔ تحقیق ہم نے چنا انہیں

عَلَىٰ عِلْمٍ عَلَى الْعَالَمِينَ ﴿٣٢﴾ وَآتَيْنَاهُمْ مِّنَ الْآيَاتِ مَا فِيهِ بَلَاءٌ مُّبِينٌ ﴿٣٣﴾

جان بوجھ کر جہاں والوں پر۔ اور دیں ہم نے ان کو وہ نشانیاں جن میں انعام تھے واضح۔

(آیت نمبر ۳۱) یعنی فرعون سے نجات دی کیونکہ وہ سراپا عذاب تھا۔ وہ لوگوں کو حد سے بڑھا کر عذاب دیتا تھا۔ یا معنی ہے کہ فرعون کے عذاب سے نجات دی کیونکہ وہ عذاب فرعون ظالم کے حکم سے دیا جاتا تھا۔ آگے فرمایا کہ بے شک وہ متکبر اور حد سے تجاوز کرنے والا تھا۔ یعنی کفر و ظلم کی تمام حدیں اس نے عبور کیں۔

فائدہ: اس کے سرف ہونے کی یہی بڑی دلیل ہے کہ انتہائی حقیر خسیس ہونے کے باوجود اس نے الوہیت کا دعویٰ کر دیا۔ **فائدہ:** اس آیت میں فرعون اور اس جیسے دوسرے کفار کی سخت مذمت ہے۔ جن کے مغز میں تکبر کا خمار تھا۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جو کسی مسلمان کی حقارت کرے۔ اللہ اسے ذلیل و خوار کر دیتا ہے۔

(آیت نمبر ۳۲) اور بنی اسرائیل کو ہم نے علم کیلئے فضیلت دی تمام جہانوں میں یا معنی ہے۔ اپنے علم و دانشمندی کے ساتھ انہیں فضیلت دی کیونکہ اللہ تعالیٰ ہی تمام علم کا مالک ہے۔ یا معنی ہے کہ ہم نے انہیں منتخب کیا۔ علوم کیلئے۔ **فائدہ:** عالمین سے مراد ہے کہ اس زمانے کے تمام لوگوں پر بنی اسرائیل کو فضیلت دی کیونکہ ان میں ہزاروں انبیاء کرام علیہم السلام تشریف لائے۔ ان کی وجہ سے بنی اسرائیل کو فضیلت دی۔ ان کا اپنا کوئی کمال نہیں۔

امت محمدیہ کی فضیلت تمام امتوں پر ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ”کنتم خیر امة“ تم بہترین امت ہو۔ (آیت نمبر ۳۳) اور ہم نے انہیں اپنی بے شمار نشانیاں عطا کیں۔ مثلاً۔ دریا میں رستہ بنانا۔ بادلوں کا سایہ کرنا۔ من و سلویٰ کا ملنا۔ وغیرہ۔ جو اس سے پہلے کسی کو نصیب نہ ہوئیں۔ آگے فرمایا کہ اس میں ان کیلئے واضح انعام تھا۔ یا معنی ہے کہ انہیں خوش حالی اور بد حالی میں آزمایا۔ فرعون کے شکنجے میں بد حالی تھی۔

حدیث شریف: حضور ﷺ نے انصار کو دیکھ پوچھا تم مومن ہو تو انہوں نے عرض کی ہاں۔ فرمایا تمہارے ایمان کی علامت کیا ہے۔ عرض کی۔ نعمت پر شکر اور دکھ پر صبر کرتے ہیں تو فرمایا رب کعبہ کی قسم تم واقعی مومن ہو۔ (کشف الاسرار)

إِنَّ هَؤُلَاءِ لَيَقُولُونَ ۖ (۳۷) إِنَّ هِيَ الْأَمَوتُنَا الْأُولَى وَمَا نَحْنُ بِمُنشَرِينَ (۳۸)
بے شک یہ ضرور کہتے ہیں۔ نہیں ہے یہ مگر مرنا ہمارا ایک دفعہ اور نہیں ہم اٹھائے جائیں گے۔

فَاتُّوا بِأَبَائِنَا إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ (۳۹)

تو لے آؤ ہمارے باپ دادا کو اگر ہو تم سچے۔

(آیت نمبر ۳۴) بے شک یہ لوگ کفار مکہ کہتے ہیں۔ کفار مکہ کو فرعون کے ساتھ اس لئے جوڑا کہ وہ بھی کفر و ضلالت پر اصرار کرتا تھا۔ یہ بھی اسی پر اصرار کرتے ہیں اور ان کو جیسے عذاب سے ڈرایا گیا۔ ایسے ہی انہیں بھی ڈرایا گیا۔ جو کچھ فرعونی کہتے تھے۔ وہی کچھ یہ بھی کہتے ہیں۔ زمانہ الگ الگ ہے۔ بولی ان کی ایک ہی ہے۔

(آیت نمبر ۳۵) سب کفار نے یہی کہا نہیں ہے مگر مرنا پہلی ہی مرتبہ یعنی جب انہیں قیامت کے دن دوبارہ زندہ ہونے کے بارے میں بتایا گیا تو انہوں نے اس بات کو بعید سمجھا۔ اور وہ اس بات کے سخت منکر ہو گئے کہ دوبارہ بھی زندہ ہونا ہے۔ اس لئے انہوں نے آگے کہا کہ ہم قیامت کے دن دوبارہ نہیں اٹھائے جائیں گے۔

(آیت نمبر ۳۶) کہنے لگے کہ اگر واقعی دوبارہ زندہ ہونا ہے تو پھر ہمارے آباء و اجداد کو زندہ کر کے لے آؤ۔ اگر تم اپنے دعوے میں سچے ہو۔ یعنی انہوں نے حضور ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے یہ مطالبہ کیا کہ تم قصی بن کلاب کو جو ان کا سردار تھا اور ان کی مشکلات میں مدد کیا کرتا تھا۔ اس کو زندہ کر کے دکھا دو۔

فائدہ: کاشفی رحمۃ اللہ فرماتے ہیں۔ کفار کا یہ مطالبہ جہالت پر مبنی تھا۔ اس لئے کہ حضور ﷺ نے فرمایا۔ دوبارہ قیامت کے دن زندہ ہونا ہے اور انہوں نے دنیا میں ہی مطالبہ کر دیا۔ اگرچہ یہ دنیا میں بھی ہونا محال نہیں کیونکہ جناب عیسیٰ علیہ السلام نے نوح علیہ السلام کے بیٹے کو زندہ کیا۔ جسے مرے ہوئے چار ہزار سال گزر گئے تھے اور بھی کئی مردے زندہ کئے۔ حضور ﷺ نے والدین کو زندہ کیا اور وہ مسلمان ہوئے ایک روایت کے مطابق چچا کو بھی زندہ کیا۔ دادا عبدالمطلب کو بھی زندہ کیا۔ اور وہ حضور ﷺ پر ایمان لائے۔ (اگرچہ اس میں علماء کا اختلاف بھی ہے)۔

فائدہ: جن کے زندہ کرنے کا کفار نے کہا۔ حضور کی دعا سے وہ بھی زندہ ہو جاتے۔ لیکن کافر سابقہ عادت کے مطابق پھر بدل جاتے۔

أَمْ خَيْرٌ أَمْ قَوْمٌ تَبِعَ، وَالَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ، أَهْلَكْنَاهُمْ إِنَّهُمْ كَانُوا مُجْرِمِينَ ﴿۳۷﴾

کیا وہ بہتر ہیں یا قوم تبع کی اور جو ان سے پہلے تھے۔ ہم نے انہیں ہلاک کیا بے شک وہ تھے مجرم۔

وَمَا خَلَقْنَا السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا لِلْعَيْنِ ﴿۳۸﴾

اور نہیں پیدا کیا ہم نے آسمانوں اور زمین کو اور جو ان کے درمیان ہے کھیل تماشا۔

مَا خَلَقْنَاهُمَا إِلَّا بِالْحَقِّ وَلَكِنْ أَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُونَ ﴿۳۹﴾

نہیں پیدا کیا ہم نے انہیں مگر حق کے ساتھ۔ لیکن اکثر ان میں نہیں جانتے۔

(آیت نمبر ۳۷) کیا یہ کفار قریش مال و دولت کے لحاظ سے بہتر ہیں یا تبع کی قوم اس سے مراد یمن کا بادشاہ ہے۔ جس سے قریش اچھی طرح واقف تھے۔ آگے فرمایا اور وہ لوگ جو ان سے پہلے ہوئے۔ یعنی قوم تبع سے پہلے قوم عاد قوم ثمود یا ان جیسے دوسرے کفار جو بڑے متکبر اور سرکش تھے۔ بڑی قوت والے جو دولت و قوت میں قریش مکہ سے بڑھ کر تھے۔ جب انہوں نے نافرمانی کی تو پھر ہم نے انہیں ہلاک کر کے نیست و نابود کر دیا۔ اس لئے کہ وہ بہت بڑے مجرم تھے۔ گناہوں اور نافرمانیوں میں حد سے گذرے ہوئے تھے۔ اور وہ تباہی اور ہلاکت کے ہی مستحق تھے۔ یہ کفار مکہ کو بتایا جا رہا ہے کہ تم ان کے مقابلے میں کچھ بھی نہیں ہو۔ اپنے گناہوں اور جرموں کی وجہ سے تم بھی ہلاکت کے قریب پہنچ چکے ہو۔

(آیت نمبر ۳۸) اور نہیں پیدا کیا ہم نے آسمانوں کو اور زمینوں کو مگر حق کے ساتھ۔ یعنی انہیں بے کاریا بے مقصد نہیں بنایا۔ یا کھیل تماشے کیلئے نہیں بنایا۔ جیسے بچے کھیل کر جب فارغ ہوں تو اس کھیل سے انہیں کوئی فائدہ وصولی نہیں ہوتا۔ زمین و آسمان اور اس کے درمیان کی تمام چیزیں ایک خاص مقصد کیلئے بنائی گئی ہیں۔ جس کا بیان اگلی آیت میں ہے۔

(آیت نمبر ۳۹) نہیں پیدا کیا ہم نے آسمانوں زمینوں کو مگر حق کے ساتھ۔ بلکہ کائنات میں جو بھی ہم نے پیدا کیا اس کا تعلق حق کے ساتھ ہے۔ حق سے مراد ایمان طاعت بعثت اور جزاء پر ایمان ہے۔ آگے فرمایا لیکن اکثر ان اہل مکہ میں غافل ہیں۔ یا فکر نہ ہونے کی وجہ سے وہ بے علم ہیں۔ یعنی انہیں حقیقت حال کا علم نہیں۔

فائدہ: اس سے معلوم ہوا کہ بعثت و جزاء نہ ہو تو اس جہان کی تخلیق عبث ہوتی ہے۔ چونکہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو ایمان و طاعت کا مکلف بنایا ہے۔ پھر ایک دن رکھا ہے جس میں فرمانبرداروں اور نافرمانوں میں امتیاز ہوگا۔ فرمانبردار پر فضل و احسان ہوگا اور نافرمانوں سے عدل و عتاب اور عذاب ہوگا۔

إِنَّ يَوْمَ الْفَصْلِ مِيقَاتُهُمْ أَجْمَعِينَ ﴿۴۵﴾ يَوْمَ لَا يُغْنِي مَوْلَى عَنْ مَوْلَى

بے شک دن فیصلے کا وعدہ ہے ان سب سے۔ جس دن نہیں کام آئیگا دوست کسی دوست کو

مَيْنَا وَلَا هُمْ يَنْصُرُونَ ﴿۴۶﴾ إِلَّا مَنْ رَحِمَ اللَّهُ إِنَّهُ هُوَ الْعَزِيزُ الرَّحِيمُ ﴿۴۷﴾

کچھ اور نہ وہ مدد کئے جائیں گے۔ مگر جس پر رحم کیا اللہ نے بے شک وہی عزت والا مہربان ہے۔

• (آیت نمبر ۴۵) بے شک فیصلے کا دن یعنی روز قیامت جب حق و باطل کا فیصلہ ہوگا۔ جہاں تمام حق داروں کو حق ملے گا۔ یا معنی ہے کہ ہر عمل والے کو اس کے عمل کا پورا پورا بدلہ ملے گا۔ جس کا عمل صحیح اور ریاء وغیرہ سے خالص ہوگا وہ قبول کیا جائیگا اور اس کی جزاء بھی اچھی دی جائے گی اور برے عمل والے کو اس کا عمل منہ پر مار دیا جائیگا ان تمام اولین و آخرین کا ایک ہی وقت مقرر ہے۔ وہ اپنے اپنے حساب کیلئے جمع ہو جائیں گے۔

وقت اور میقات میں فرق یہ ہے کہ میقات مقررہ وقت کو اور وقت عام ہے غیر مقررہ وقت کو کہتے ہیں۔

(آیت نمبر ۴۶) وہ دن کہ جس میں کوئی رشتہ دار کام نہ آئے نہ کسی دوست کی دوستی کام آئے کچھ بھی۔ یعنی نہ عذاب سے بچاسکیں نہ چھڑاسکیں۔ یہاں مولیٰ بمعنی دوست کے ہے۔

فائدہ: اغناء کا معنی ہے کسی سے مکروہ چیز ہٹانا۔ اور لفظ مولیٰ کے لغت کے لحاظ سے چھبیس معانی ہیں اور غلام سے لیکر اللہ تعالیٰ تک مولیٰ کا لفظ استعمال ہوتا ہے۔ **قاعدہ:** جب ایک لفظ کے کئی معنی ہوں۔ تو کلام کے سیاق و سباق کو دیکھ کر اس کا اصل معنی نکالا جاتا ہے۔ اسی لحاظ سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کیلئے جو مولا کا لفظ بولا گیا۔ اس کا معنی دوست ہے۔ **فائدہ:** یہ آیت کفار کے حق میں ہے کہ وہ کسی کام نہیں آئیں گے۔ اور نہ وہ مدد کئے جائیں گے یعنی بروز قیامت ان کا اللہ کے بغیر کوئی مددگار نہیں ہوگا۔

(آیت نمبر ۴۷) مکروہ لوگ جن پر اللہ تعالیٰ رحم فرما دے۔ خود معاف فرما دے۔ یا شفاعت قبول فرمائے۔ اس سے مسلمان لوگ مراد ہیں کیونکہ کفار کیلئے شفاعت ہے ہی نہیں۔ آگے فرمایا کہ بے شک اللہ تعالیٰ عزیز ہے۔ کہ جسے عذاب دینا چاہے کوئی اسے روک نہیں سکتا۔ جیسے وہ کافروں کو عذاب میں مبتلا کرے گا تو کوئی اسے روک نہیں سکے گا اور وہ رحیم بھی ایسا ہے کہ جس پر رحم فرما دے۔ جیسے ایمان داروں پر رحم فرمائے گا۔ بہل فرماتے ہیں پہلوں پر رحم ہوگا تو وہ پچھلوں کی سفارش کریں گے۔ اللہ تعالیٰ ان کی وجہ سے سب مسلمانوں پر رحم فرمائے گا۔

إِنَّ شَجَرَتَ الزَّقُّومِ ۝ طَعَامُ الْأَلِيمِ ۝ مَدۡ ۝ كَالْمُهْلِ ۝ يَغْلِي فِي الْبُطُونِ ۝ ۴۵

بے شک درخت تھوہر کا۔ کھانا ہے گناہ گاروں کا۔ مثل گلے ہوئے تانبے کے جوش مارے گا پیٹوں میں۔

كَغَلِي الْحَمِيمِ ۝ خُذُوهُ فَاعْتِلُوهُ إِلَىٰ سَوَاءِ الْجَحِيمِ ۝ ۴۶

جیسے جوش مارے کھوتا پانی۔ اسے پکڑ کر گھسیٹو۔ لے جاؤ طرف درمیان جہنم کے۔

(آیت نمبر ۴۳) بے شک تھوہر کا درخت۔ یہ جہنم میں آگ کے اندر ایک بڑا درخت ہوگا۔ جسے جہنم والے کھائیں گے۔ اس کے پتے اور پھل انتہائی کڑوا ہے بڑی مشکل اور ناگواری سے کھائیں گے۔ بڑی تکلیف کے ساتھ گلے سے اترے گا۔ شکل دنیاوی تھوہر کی طرح ہوگی۔ لیکن کڑواہٹ اس سے کئی گنا زیادہ ہوگی۔ (آیت نمبر ۴۴) وہ گناہ گاروں کا کھانا ہوگا۔ جو سب سے بڑے گناہ گار یا کفار ہیں۔ اس گناہ گار سے مراد کفار ہیں۔ **حدیث شریف** میں آتا ہے کہ حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ لفظ اشم نہیں کہہ سکتے تھے۔ تو حضور ﷺ نے فرمایا تم طعام الفاجر کہہ دیا کرو۔ **مسئلہ** اس سے بعض علماء نے استدلال کیا ہے کہ ایک کلمہ قرآن کو ادا نہ کر سکنے کی صورت میں دوسرے اس کے ہم معنی کلمہ سے بدل جائز ہے۔

(آیت نمبر ۴۵) تانبے کی طرح یعنی جب آگ میں جائے گا تو تانبے کی طرح پگھلے گا۔ جیسے گرم ترین پانی جوش مارتا ہے۔ وہ طعام اور پانی جب پیٹ میں جائیگا تو آنتوں کے ٹکڑے ٹکڑے کر دے گا اور پگھلنے کو تانبے کے ساتھ تشبیہ دی۔ اس لئے جب وہ آگ میں جائے تو ہر چیز سے زیادہ گرم ہو جاتا ہے۔ **حدیث شریف** میں ہے کہ لوگو! اللہ تعالیٰ سے ڈرو جیسے ڈرنے کا حق ہے۔ اگر جہنم کے تھوہر درخت کا ایک قطرہ زمین پر ڈالا جائے تو زمین والوں کی زندگی ہی کڑوی ہو جائے تو پھر اس کا کیا حال ہوگا۔ جس کے پیٹ میں تھوہر جائے گا کیونکہ ان کیلئے اور کوئی کھانا ہی نہیں ہوگا۔ (ترمذی شریف)

(آیت نمبر ۴۶) جہنم میں جہاں ہر طرف آگ ہی آگ ہوگی۔ وہاں پانی نے تو ابلا ہی ہے۔ دنیا میں ہانڈی کے نیچے معمولی سی آگ ہوتی ہے۔ تو وہ تھوڑی دیر بعد ابلنے لگ جاتی ہے تو جہاں ہر طرف آگ ہی آگ ہوگی اس کے ابلنے کا کیا حال ہوگا۔

(آیت نمبر ۴۷) پکڑو اسے یہ خطاب جہنم کے داروغوں زبانیہ سے ہوگا اور انہیں کہا جائیگا کہ اس مجرم کو پکڑ لو۔ تو وہ اسے پیشانی کے بالوں سے اور پاؤں سے جکڑ لیں گے اور حکم ہوگا کہ اسے گھسیٹتے ہوئے لے جاؤ۔ جہنم کے درمیان میں۔ یعنی ایسی جگہ جہاں سے ہر طرف کی مسافت برابر ہو۔ وہاں لے جا کر اسے گرا دو۔

ثُمَّ صُبُّوا فَوْقَ رَأْسِهِ مِنْ عَذَابِ الْحَمِيمِ ۝۳۸ ذُقْ إِنَّكَ أَنْتَ
 الْغَزِيْزُ الْكَرِيْمُ ۝۳۹ إِنَّ هَذَا مَا كُنْتُمْ بِهِ تَمْتَرُونَ ۝۵۰
 عزت والا کرم والا (بننا تھا)۔ بے شک یہ ہے جس میں تھے تم شک کرتے۔

(آیت نمبر ۳۸) پھر اس کے سر پر کھولتا ہوا پانی ڈالوتا کہ ان کے جسم ٹکڑے ٹکڑے ہو جائیں اور یہ عذاب کا مزہ
 چکھیں کھولتے ہوئے پانی کا عذاب باہر سے جلانے گا اور تھوہر کی تکلیف اندر سے ہوگی اور وہ چلا رہا ہوگا۔

عذاب کا حال: مروی ہے کہ کافر کو دوزخ میں تھوہر کھلایا جائیگا۔ پھر فرشتہ اسے چابک مارے گا تو اس کا دماغ
 ریزہ ریزہ ہو کر اڑے گا۔ پھر اس کے جسم پر گرم پانی ڈالا جائیگا تو اس کے پیٹ میں آنتیں بھی کٹ کر نکل جائیں گی۔

(آیت نمبر ۳۹) حکم ہوگا۔ چکھ ذلیل کرنے والا عذاب۔ بے شک تو دنیا میں اپنے آپ کو اپنی نظروں میں
 لوگوں کے سامنے بڑا عزت والا بناتا تھا۔ لوگوں میں اپنی ٹرٹوٹ بناتا تھا۔ یعنی وہ اپنے گمان میں خود کو بڑی عزت و کرم
 والا سمجھتا تھا۔ **شان نزول:** ابو جہل نے ایک دفعہ حضور ﷺ سے کہا۔ ان دو پہاڑوں کے درمیان میرے برابر کوئی
 معزز و کرم نہیں ہے تو اور تیرا خدا میرا ایک بال بھی بیگا نہیں کر سکتے۔ (نعوذ باللہ) تو اس پر یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔
حدیث شریف: حضور ﷺ نے فرمایا کہ خرابی ہے۔ اس کے لئے جو اللہ تعالیٰ کی ذات میں شک کرے۔ (لوامع
 الانوار)

(آیت نمبر ۵۰) بے شک یہ عذاب وہی ہے۔ جس میں تم شک کیا کرتے تھے کہ معلوم نہیں عذاب ہوگا یا
 نہیں۔ اور تم اپنے باطل عقائد کی وجہ سے مسلمانوں سے جھگڑتے تھے۔ اب تو یقین ہو گیا ہوگا۔ اب عذاب کا مزہ
 چکھو۔ **فائدہ:** یہ شکوک و شبہات انہیں شیطانوں نے وسوسوں کے ذریعے ڈالے تھے۔ **فائدہ:** اس سے مراد وہ
 لوگ بھی ہیں جو رسمی طور پر ایمان رکھتے ہیں۔ دل سے یقین نہیں رکھتے۔ جیسے منافقین وغیرہ۔

مسئلہ: جو اعمال و احکام الہی میں شک کرتا ہے اور نافرمانیوں میں لگا رہتا ہے اور انہیں برا بھی نہیں سمجھتا۔
 مثلاً نماز وقت پر ادا نہ کی پھر اسے قضا کا بھی خیال نہیں آیا۔ نہ دل میں خوف خدا پیدا ہوا۔ یہ بھی کفر کے زمرے میں
 ہے۔ معلوم ہوا اپنے آپ کو مسلمان سمجھنا اور ہے۔ اور حقیقت میں مسلمان ہونا اور ہے۔ دونوں میں بہت بڑا فرق ہے۔

إِنَّ الْمُتَّقِينَ فِي مَقَامٍ أَمِينٍ ﴿٥١﴾ فِي جَنَّتٍ وَعُيُونٍ ۖ ﴿٥٢﴾ يَلْبَسُونَ

بے شک پرہیزگار جگہ امن والی میں ہیں۔ باغات اور چشموں میں ہیں۔ پہنیں گے

مِنْ سُنْدُسٍ وَاسْتَبْرَقٍ مُّتَقَبِلِينَ ۖ ﴿٥٣﴾

ریشمی کریب۔ اور قنادیر آمنے سامنے بیٹھیں گے۔

(آیت نمبر ۵۱) بے شک جو لوگ کفر و نافرمانیوں سے بچتے رہے۔ یعنی مومن وقتی اور مطہج ہوئے وہ امن کے مقام میں ہوں گے۔ جہاں ہر طرح کی آفات و بلیات سے امن ہی امن ہوگا۔ جہاں مقیم کو کوئی غم و خزن نہ ہو۔ نہ کوئی ناگوار امر پیش آئے۔ نہ کوئی کسی طرح کی بیماری یا پریشانی ہوگی۔

فائدہ: بعض مشائخ فرماتے ہیں۔ مقام امن سے انبیاء و اولیاء اور شہداء کی صحبت مراد ہے کیونکہ ان کا ہم مجلس کبھی بد بخت نہیں ہوتا۔ علامہ اسماعیل حقی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ اگر یہ بروز قیامت کی رفاقت مراد ہے پھر تو وہ لازماً امن کا مقام ہے کہ وہ عذاب سے ہر طرح محفوظ ہو جائیں گے۔ اور وہ صرف جنت میں ہی ہے۔

(آیت نمبر ۵۲) وہ باغات اور چشموں میں ہوں گے۔ یعنی جہاں ہر طرح کی پاکیزہ فضا ہوگی اور طرح طرح کے کھانے اور پینے کی اعلیٰ سے اعلیٰ چیزیں ہوں گی اور عیون سے مراد وہ نہریں ہیں جو جنت میں جاری ہوں گی۔ (شہد۔ خالص پانی۔ دودھ۔ شراب اطہور اکی)۔ جہاں ہر نعمت دوسری نعمت سے اعلیٰ ہوگی۔

(آیت نمبر ۵۳) وہ جنتی پہنیں گے سندس اور استبرق۔ کشف الاسرار میں ہے کہ یہ ریشم کی خاص قسم ہے۔ جو علامتی طور پر لباس کے اوپر پہنا جائیگا۔ جیسے عادیۃ لباس کے اوپر کوئی خوبصورت چیز پہنی جاتی ہے۔ استبرق ریشم کے موٹے اور گاڑے کپڑے کو کہتے ہیں۔ جو عام ریشم کے مقابلے میں اعلیٰ ہوتا ہے اور استبرق باریک اور نفیس ریشم کو کہتے ہیں۔ علامہ اسماعیل حقی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ میرا خیال ہے۔ سندس متقین کا اور استبرق ابرار کا لباس ہوگا اور وہ متقی جنت میں ایک دوسرے کے آمنے سامنے متوجہ ہو کر بیٹھیں گے۔ جس طرح مہمان ایک دوسرے کے سامنے ہو کر بیٹھتے ہیں۔ اور خوب زمانہ ماضی کی یاد اور دنیا میں گزرے حالات پر گفتگو ہوگی اور خوب ہنسی مزاق ہوگی اور اللہ تعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر کر رہے ہوں گے۔

كَذَلِكَ وَزَوَّجْنَاهُم بِحُورٍ عِينٍ ۝ ۵۴ يَدْعُونَ فِيهَا بِكُلِّ فَاكِهَةٍ آمِنِينَ ۝ ۵۵

بات یوں ہی ہے اور ہم نے نکاح دیا حوروں موئی آنکھوں والی سے مانگیں گے اس میں ہر قسم کا پھل امن وامان سے

لَا يَذُوقُونَ فِيهَا الْمَوْتَ إِلَّا الْمَوْتَةَ الْأُولَىٰ ۖ وَوَقَّعَهُمْ عَذَابَ الْجَحِيمِ ۝ ۵۶

نہیں چمکیں گے وہاں ذائقہ موت کا مگر موت پہلی اور اللہ تعالیٰ بجائے گا ان کو عذاب جہنم سے۔

(آیت نمبر ۵۴) اسی طرح یعنی باقی نعمتوں کی طرح ہم ان کی شادی حور عین سے کریں گے جو کشادہ جسم والی موئی آنکھوں والی ہوں گی اور حسن میں انتہائی خوبصورت ہوں گی۔ جنہیں کسی جن یا انسان نے دیکھا بھی نہیں ہوگا۔

حافظہ: تزویج سے مراد ان سے ملنا ہے۔ یعنی ان کے ساتھ جوڑا بنایا جائیگا۔

حور کے ساتھ عقد میں مہر: حضور ﷺ پر دس مرتبہ درود پاک ہوگا۔ لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ حوروں سے نکاح ایسے ہوگا جیسے اپنا نکاح پڑھا جاتا ہے۔ بلکہ حضور ﷺ پر درود صرف آپ کی تعظیم و تکریم کا اظہار ہے۔ اس سے مہر حقیقی مراد نہیں۔ (حضور ﷺ کے طفیل ہی تو یہ سارے کرم ہوئے)۔

(آیت نمبر ۵۵) وہ ہر طرح کے پھل فروٹ طلب کریں گے۔ یعنی حکم دیں گے کہ فلاں میوہ لایا جائے۔ نہ مکان کی تخصیص کہ کہاں سے لاؤ نہ زمان یعنی موسم کی جیسے دنیا میں پھل موسم کے ساتھ ہوتا ہے۔ یا ایک ملک کا میوہ دوسرے ملک میں نہیں پایا جاتا۔ تو ہر وقت ہر قسم کا پھل موجود ہوگا۔ وہ کھا کر امن والے ہوں گے۔ یعنی کسی قسم کی ناگوار بات پیش نہیں آئیگی۔ نہ اس کے ختم ہونے کا ڈر نہ کھانے کے بعد پیٹ میں کوئی تکلیف وغیرہ ہوگی ہر طرح کا امن ہے۔

(آیت نمبر ۵۶) جنت میں موت کا ذائقہ بھی نہیں ہے۔ مگر وہ پہلی مرتبہ کی موت جو دنیا میں آچکی۔ جنت میں موت کا نام و نشان بھی نہیں ہوگا۔ یعنی قبر سے نکلنے کے بعد جنت میں چلے جائیں گے تو وہاں دائمی زندگی نصیب ہوگی۔ وہاں کی زندگی عیش و آرام سے گزرے گی۔ موت کو حشر کے میدان میں ہی ذبح کر دیا جائیگا۔

جنت میں دس چیزیں نہیں: (۱)۔ بڑھاپا۔ (۲)۔ نیند۔ (۳)۔ موت۔ (۴)۔ خوف۔ (۵)۔ رات۔ (۶)۔ غم۔ (۷)۔ اندھیرا۔ (۸)۔ گرمی۔ (۹)۔ سردی۔ (۱۰)۔ جنت سے خروج۔

آگے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ایمان والوں کو جہنم کے عذاب سے بچائے گا۔ (جہنم سے بچ جانا ہی بہت بڑی کامیابی ہے)۔ (اے اللہ ہم مسکینوں پر بھی کرم فرما نا۔ جنت ملے نہ ملے بس جہنم سے بچا لینا۔ آمین (قاضی)

فَضْلًا مِّن رَّبِّكَ ۚ ذَٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ ﴿۵۷﴾ فَإِنَّمَا يَسَّرْنَاهُ

فضل ہے تیرے رب کا یہی وہ کامیابی ہے بڑی۔ سوائے اس کے نہیں ہم نے آسان کیا قرآن کو

بِلِسَانِكَ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُونَ ﴿۵۸﴾ فَارْتَقِبْ إِنَّهُمْ مُّرْتَقِبُونَ ﴿۵۹﴾

آپ کی زبان میں تاکہ وہ سمجھیں۔ انتظار کیجئے بے شک وہ بھی انتظار میں ہیں۔

(آیت نمبر ۵۷) یہ محض تیرے رب کا فضل ہوگا۔ یعنی متقین کیلئے جنت کا اعزاز اور اس کی نعمتیں یا جہنم سے بچاؤ محض فضل الہی اور اس کی خاص عطا سے ہوگا نہ کہ اعمال کا بدلہ۔ (یعنی ہمارے اعمال اس قابل نہیں ہیں۔ یہ بھی اس کا کرم ہوگا۔ کہ وہ قبول فرمائے۔ مسئلہ: بندوں کو جو بھی بزرگی ملی محض فضل الہی سے۔ جیسے انسان کی پیدائش اس کے عمل کا نتیجہ نہیں۔ بلکہ رب کے فضل سے پیدا ہوا۔ حدیث میں ہے کہ کوئی بھی اپنے عمل سے جنت میں نہیں جائیگا۔ حتیٰ کہ حضور ﷺ نے فرمایا میں بھی جنت میں اللہ تعالیٰ کی رحمت سے جاؤنگا (بخاری کتاب الرقاق)۔ آگے فرمایا یہی بہت بڑی کامیابی ہے۔ یعنی عذاب سے بچ جانا اور جنت میں پہنچ جانا۔ جہاں ہر مطلب پورا ہوگا۔ کیونکہ دنیا کی قید سے اور مصائب سے بھی چھوٹ گیا۔ جہنم سے بھی بچ گیا یہ پہلی کامیابی پھر دائمی نعمتوں والے باغات میں پہنچ گیا۔ یہ دوسری کامیابی پھر سب سے بڑھ کر اور کامیابی اللہ تعالیٰ کا دیدار ہے۔ کہ اس سے بڑی کوئی کامیابی نہیں۔

(آیت نمبر ۵۸) اے محبوب ہم نے اس قرآن کو آپ کی زبان عربی ہونے کی وجہ سے آسان کر دیا۔ چونکہ جنت میں بھی عربی زبان ہی ہوگی۔ لہذا فرمایا کہ ہم نے کتاب میں قرآن مجید کو آپ کی بولی میں اتار کر آسان بنا دیا تاکہ یہ لوگ اسے یاد کریں۔ یا اس سے نصیحت حاصل کریں۔ اور آپ کی قوم بھی اسے جلد سمجھ سکیں اور اس پر عمل کریں۔

(آیت نمبر ۵۹) اے محبوب آپ انتظار کریں کہ کچھ مقرر کردہ امور ان پر آترنے والے ہیں کہ ان سے عارفین کو عبرت اور متقین کو نصیحت حاصل ہوگی۔ آگے فرمایا بے شک وہ کافر بھی انتظار کر رہے ہیں کہ مسلمان حوادث کا شکار ہو جائیں گے۔ حالانکہ حوادث کا تو وہ خود شکار ہونے والے ہیں اور وہ عذاب میں مبتلا ہوں گے۔

فائدہ: عین المعانی میں ہے کہ اس کا مطلب ہے اے محبوب آپ ثواب کا انتظار کریں۔ جیسے کفار عذاب کا انتظار کرنے والے ہیں۔ ہر برے عمل والے کا برا ہی انجام ہوگا۔

اختتام سورۃ: آج مورخہ ۸ جنوری ۲۰۱۷ء بمطابق ۶ ربیع الثانی ۱۴۳۸ھ بروز اتوار بوقت نماز صبح

حَمْدٌ ۱ تَنْزِيلُ الْكِتَابِ مِنَ اللَّهِ الْعَزِيزِ الْحَكِيمِ ۲ إِنَّ فِي السَّمَوَاتِ

اترنا کتاب کا اللہ کی طرف سے ہے جو عزت و حکمت والا ہے۔ بے شک آسمانوں

وَالْأَرْضِ لَا يَأْتِ لِلْمُؤْمِنِينَ ۳

اور زمین میں ضرور نشانیاں ہیں مومنوں کیلئے۔

(آیت نمبر ۱) حم۔ یہ سورۃ کا نام ہے۔ صوفیاء فرماتے ہیں۔ حاء حیوۃ یعنی زندگی کی طرف اور م اس کے بعد موت کی طرف اشارہ ہے۔ واللہ اعلم بالصواب

(آیت نمبر ۲) کتاب یعنی قرآن مجید کا نازل ہونا اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے۔ بار بار یہ بات اس لئے کہی جارہی ہے۔ کہ کفار کے قول کا رد ہو جائے۔ وہ کہتے تھے۔ کہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے نہیں ہے۔

فائدہ: قرآن مجید میں جہاں بھی کتاب کا لفظ استعمال ہوتا اس سے مراد قرآن ہی ہوتا ہے اور اس کا اللہ تعالیٰ کی طرف سے اترنا اس کی صدق کی دلیل ہے اور وہ غالب ہے کہ کسی سے وہ مغلوب نہیں ہوتا اور حکیم ہے کہ اس نے اس کتاب میں بے شمار حکمت کی باتیں درج کر دیں۔ یہ کتاب اب منسوخ نہیں ہو سکتی۔ نہ یہ شاعرانہ کلام ہے۔ نہ یہ قصے کہانیوں کی کتاب ہے۔ اس کتاب میں وعظ و نصیحت کی باتیں ہیں۔

(آیت نمبر ۳) بے شک آسمانوں اور زمین اور ان کے درمیان آثار قدرت کے نشانات ہیں۔ مثلاً سورج۔ چاند۔ ستارے پہاڑ سمندر اور دریا و دیگر مخلوقات ایمان والوں کیلئے جو اپنے خالق پر ایمان لانا چاہیں۔ ان کی تصدیق کے شواہد اور دلائل موجود ہیں۔

فائدہ: مومنین کی تخصیص اس لئے کہ اس قسم کی آیات سے وہی فائدہ اٹھاتے ہیں۔ دوسرے لوگ تو اس پر

اعتراف ہی کرتے ہیں۔

وَفِي خَلْقِكُمْ وَمَا يَبُثُّ مِنْ ذَّاتٍ اَيْتٌ لِّقَوْمٍ يُوقِنُونَ ﴿۴﴾

اور تمہارے پیدا کرنے میں اور جو پھیلے ہوئے جانوروں میں نشانیاں ہیں یقین والوں کیلئے ہیں۔

وَاخْتِلَافِ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَمَا أَنْزَلَ اللَّهُ مِنَ السَّمَاءِ مِنْ رِزْقٍ فَأَحْيَا

اور بدلنے رات اور دن میں اور جو اتارا اللہ نے آسمان سے روزی کا سبب (بارش)۔ زندہ کیا

بِالْأَرْضِ بَعْدَ مَوْتِهَا وَتَصْرِيفِ الرِّيحِ اَيْتٌ لِّقَوْمٍ يَعْقِلُونَ ﴿۵﴾

اس سے زمین کو بعد مرنے کے۔ اور پھرانا ہواؤں کا اس میں نشانیاں ہیں عقلمندوں کیلئے۔

(آیت نمبر ۴) تمہیں یعنی انسانوں کو پیدا کرنے میں کہ وہ نطفہ سے بچہ بننے تک کن مختلف اطوار سے گذرتا ہے جس کی تفصیل پارہ ۱۸ میں گذر گئی۔ آگے فرمایا کہ جو جانور اللہ تعالیٰ نے زمین میں پھیلانے۔ ان کے بھی پیدا کرنے میں ان لوگوں کیلئے نشانیاں ہیں۔ جو یقین رکھتے ہیں۔ فائدہ: ان دونوں آیات کا اختتام یقین پر فرمایا۔ علامہ اسماعیل حقی رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔ اس میں اشارہ ہے کہ ایمان والے بہ نسبت ایمان والوں کے کم ہیں۔ ایمان کو آفاق سے جوڑا اور یقین کو انفس یعنی انسانوں کی جانوں وغیرہ سے متعلق کیا۔ آفاق وہ ہے جو انسان کے علاوہ ہے اور انفس انسان سے متعلق ہے کیونکہ درجات ایمان کے ساتھ خاص ہیں، انسان کا مرتبہ آفاق میں غور و فکر کر کے اللہ تعالیٰ کو پہچاننے میں مکمل ہوتا ہے۔ پھر مرتبہ انفس کے مشاہدہ میں ترقی کرتا ہے اور یقین کا کمال اسی مرتبہ کے ساتھ خاص ہے۔

(آیت نمبر ۵) رات اور دن کے بدلنے میں ایک دوسرے کے آگے پیچھے آنے میں اور بڑا چھوٹا ہونے میں اور رات کی سیاہ اور دن کے روشن ہونے میں اور جو اللہ تعالیٰ نے آسمان سے رزق اتارا۔ ان میں نشانیاں ہیں۔ فائدہ: یہاں رزق سے مراد بارش ہے کیونکہ وہی رزق کا سبب ہے۔ پھر زندہ کیا زمین کو اس بارش کے سبب۔ یعنی کھیتیاں سرسبز و شاداب ہوئیں نباتات و شجرات پر ثمرات (پھل اور پھول) لگے۔ تو زمین کو ایک نئی زندگی ملی اس کی مردگی کے بعد یعنی خشکی اور ویرانی کے بعد گویا زمین کی خشکی کو ذوالروح سے تشبیہ دی گئی۔ جیسے روح جسم سے نکل جاتی ہے۔ تو جسم بے کار ہو جاتا ہے۔ اسی طرح زمین سے آبی رطوبت ختم ہوئی تو وہ بے کار ہو گئی۔ آگے فرمایا کہ ہواؤں کا پھرنا یعنی ایک طرف سے دوسری طرف کہ مشرق والی مغرب اور شمال والی جنوب کی طرف یا اس کے برعکس یہ تمام نشانیاں ہیں عقل مند لوگوں کیلئے۔ عقل وہ قوت ہے جو علم قبول کرنے کیلئے تیار ہوئی۔ اسی لئے جس علم سے لوگوں کو نفع پہنچے اسے عقل کہا جاتا ہے۔ حدیث شریف: حضور ﷺ نے فرمایا۔ اللہ تعالیٰ نے عقل سے بڑھ کر مکرم کوئی چیز نہیں بنائی (مرقاۃ شرح مشکوٰۃ) اور عقل سے بڑھ کر

بَلْكَ اَيْتُ اللّٰهِ نَتْلُوْهَا عَلَيْكَ بِالْحَقِّ ۚ فَبَايَ حَدِيْثٍۭ بَعْدَ اللّٰهِ

یہ آیات خداوندی ہیں پڑھتے ہیں آپ پر حق کے ساتھ۔ پھر کون سی بات پر چھوڑ کر اللہ کو

وَ اٰیٰتِهِۦ يُؤْمِنُوْنَ ۙ

اور اس کی آیات کو ایمان لاؤ گے۔

(بقیہ آیت نمبر ۵)۔ کوئی شی نہیں جو صحیح راستہ بتائے اور برائی سے روکے۔ خلاصہ یہ ہے کہ یہ آیات ایسی قوم کیلئے ہیں جو عقل کی آنکھ سے دیکھتے اور عبرت حاصل کرتے ہیں کیونکہ یہ صانع کے وجود اور اس کی عظیم قدرت پر واضح دلائل ہیں۔ (آیت نمبر ۶) یہ آیات قرآنی جو ہم ابھی تلاوت کر رہے ہیں۔ جبریل امین کی وساطت سے اترنے والی حق کے ساتھ یعنی ان آیات میں صدق اور حق ہے۔ ان کا باطل یا ہزل وغیرہ سے دور کا بھی واسطہ نہیں ہے۔ فائدہ: نیز یہ بھی ممکن ہے کہ یہ اشارہ دلائل مذکورہ کی طرف ہو یعنی یہ وہ واضح دلائل ہیں۔ جو اللہ تعالیٰ کے وجود اور اس کی توحید اور قدرت۔ علم و حکمت پر دلالت کرتے ہیں۔ ہم بھی آپ کو وہی آیات پڑھ کر سنارہے ہیں تو وہ (مکرمین) اللہ تعالیٰ کی ان آیات کے بعد کون سی باتوں اور خبروں پر ایمان لائیں گے۔ فائدہ: یہاں اللہ تعالیٰ کا نام محض تعظیم کیلئے لایا گیا۔ اللہ تعالیٰ یہ فرماتا ہے کہ قرآن پاک جیسی کتاب جو تمام آسمانی کتابوں میں اعلیٰ معجزہ ہے جو ہمہ وقت پڑھا جا رہا ہے اس پر بھی اگر وہ ایمان نہیں لاتے۔ تو پھر کون سی بات پر ایمان لائیں گے جبکہ یہ نبی بھی آخری اور یہ کتاب بھی آخری اس کے بعد نہ نیا نبی آئے گا اور نہ کوئی آسمان سے کتاب اترے گی۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ نے صحابہ سے پوچھا کہ سب سے اچھا ایمان کس کا ہے۔ عرض کی گئی فرشتوں کا۔ فرمایا فرشتوں کا ایمان تو اچھا ہونا ہی ہے کہ انہوں نے سب کچھ دیکھا ہوا ہے۔ پھر عرض کی انبیاء کرام علیہم السلام کا ہوگا۔ تو فرمایا ان کا اچھا ہونا ہی ہے کہ فرشتے ان پر وحی لاتا ہے۔ پھر عرض کی گئی۔ آپ کے صحابہ کا ایمان۔ فرمایا میرے صحابہ نے تو مجھ سے بڑے بڑے معجزات دیکھے ہیں۔ پھر خود ہی فرمایا۔ بہتر ایمان والے وہ ہیں۔ جو میرے بعد آئیں گے اور مجھ پر ایمان لائیں گے۔ جبکہ انہوں نے دیکھا بھی نہیں وہ میرے اخوان (عزیز ترین) ہیں۔

فلطی فہمی کا ازالہ: یہاں شیعہ یہ کہتے ہیں۔ کہ صحابہ کے بعد آنے والوں کا مرتبہ صحابہ سے بڑا ہے۔ کہاوت ہے۔ اندھے کو اندھیرے میں بڑے دور کی سوچھی۔ فتح مکہ سے بعد ایمان لانے والے پہلوں کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔ سینکڑوں سال بعد آنے والے ان کا مقابلہ کیسے کر سکتے ہیں۔ البتہ ثواب میں وہ زیادہ مرتبہ پائیں گے۔

وَيْلٌ لِّكُلِّ أَفَّاكٍ أَثِيمٍ ۝ ④ يَسْمَعُ آيَاتِ اللَّهِ تُتْلَىٰ عَلَيْهِ ثُمَّ يُصِرُّ

ہلاکت ہے ہر بہتان باندھنے والے گناہ گار کیلئے سنتا ہے آیتیں اللہ کی جو پڑھی جاتی ہیں اس پر پھر ڈنار ہتا ہے

مُسْتَكْبِرًا كَأَن لَّمْ يَسْمَعْهَا ۚ فَبَشِّرْهُ بِعَذَابٍ أَلِيمٍ ⑤

تکبر سے۔ گویا کہ اس نے سنا ہی نہیں۔ تو خوشخبری سناؤ اسے عذاب دردناک کی۔

(آیت نمبر ۷) ہلاکت ہے عذاب میں ہر اس شخص کیلئے جو بہت بڑا جھوٹا اور گناہ گار ہے۔ یعنی جو حق سے پھرا ہوا اور جھوٹ سے ہر وقت جڑا ہوا ہے۔ اور دوسروں پر بہتان باندھتا ہے جو بہت بڑا جرم اور گناہ عظیم ہے۔

(آیت نمبر ۸) جو اللہ تعالیٰ کی آیات کو سنتا ہے۔ اس سے مراد قرآنی آیات ہیں کیونکہ سننے کا تعلق ان ہی کے ساتھ ہے۔ اسی طرح تلاوت کا تعلق بھی قرآن مجید کے ساتھ ہے کہ جب اس کے سامنے تلاوت کی جائے۔ پھر وہ کفر پر اصرار کرتا ہے۔ یعنی جان بوجھ کر وہ کفر پر ہی قائم و دائم رہنا چاہتا ہے۔ اس حال میں کہ وہ آیات الہی سن کر تکبر کرتا ہے اور وہ اپنے گمان کے مطابق باطل کو حق کے مقابلے میں صحیح جانتا ہے۔

شان نزول: یہ آیت نصر بن الحارث کے حق میں نازل ہوئی۔ وہ عجم وغیرہ سے اسفندیار اور رستم وغیرہ کے قصے ناول وغیرہ لے آتا اور لوگوں کی مجلس لگا کر انہیں سناتا تا کہ لوگ قرآن سننے نہ جائیں۔ یعنی اس طرح وہ لوگوں کو قصے کہانیاں سنانے میں مشغول رکھتا۔ تا کہ لوگ قرآن مجید سننے سے رک جائیں۔ (اور وہ بے ایمان لوگوں کو کہتا محمد بھی تمہیں قصے کہانیاں سناتا ہے میں بھی قصے کہانیاں سناتا ہوں) (ﷺ)

آگے فرمایا کہ گویا اس نے سنا ہی نہیں۔ یعنی جو نہ مانے اس نے گویا بات سنی ہی نہیں۔ لہذا اے محبوب تو اسے دردناک عذاب کی خوشخبری سنا دے۔ یعنی گناہوں پر اصرار اور تکبر پر انہیں دردناک عذاب ہوگا۔

فائدہ: عذاب کا لفظ اس کا قرینہ ہے کہ بشارت کا لفظ اپنے اصلی معنی میں نہیں ہے۔ بلکہ یہ مجازاً انذار کے بالمقابل ہے کیونکہ بشارۃ سرور والی خبر کیلئے ہوتی ہے۔ اصل میں یہاں جہکم اور استہزاء مراد ہے۔ بشارت کا اصل اور لغوی معنی یہ ہے کہ کسی کو ایسی خبر دینا کہ جس سے اس کا دل خوش ہو۔ اور اس خوشی سے اس کا چہرہ تبدیل ہو جائے خواہ خوشی کی خبر مال کی ہو یا کسی اور چیز کی۔

وَإِذَا عَلِمَ مِنْ اٰتِنَاشِيْنَا اَتَّخَذَهَا هٰزُوًۢا ۚ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ مُّهِينٌ ۝۹

اور جب جانے ہماری آیتوں کو کچھ بناتا ہے انہیں ٹھٹھہ۔ ان کیلئے ہی ہے عذاب رسوا کرنے والا۔

مِنْ وَّرَآئِهِمْ جَهَنَّمُ ۚ وَلَا يُغْنِي عَنْهُمْ مَا كَسَبُوْا شَيْئًا وَّلَا مَا اتَّخَذُوْا

ان کے پیچھے جہنم ہے نہیں کام دیگا انہیں جو انہوں نے کمایا کچھ بھی۔ اور نہ ہی وہ جن کو انہوں نے بنایا

مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَوْلِيَآءَ ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ۝۱۰

اللہ کے سوا حمایتی۔ اور ان کیلئے عذاب ہے بڑا۔

(آیت نمبر ۹) اور جب اسے ہماری کسی آیت کا علم ہوتا ہے۔ یعنی ہماری آیات میں سے کوئی آیت اس تک پہنچتی ہے۔ تو وہ اسے ٹھٹھہ اور محول بنالیتا ہے۔ گویا وہ ہر آیت کے ساتھ یہی عمل کرتا ہے اور وہ تمام آیات میں ایسی صورت اختیار کرتا ہے کہ جس سے حق و باطل میں تمیز نہ ہو سکے۔ بلکہ وہ لوگوں کو حق سے دور رکھنے کی کوشش کرتا ہے۔ جیسے نصر بن حارث نے آیات کے ساتھ یوں مزاق کیا کہ قرآن کے مقابلے میں کافروں کے قصے لے آیا۔ جن کی قرآن کے مقابلے میں کوئی حیثیت نہیں تھی۔ اور ابو جہل اس کی خوب تو اضع کرتا اور اسے کھجور اور مکھن کھلاتا اور کہتا تو نے محمد (ﷺ) کے مقابلے میں خوب لوگوں کا دل بہلایا۔ اس لئے اس کی خاطر و مدارات کرتا تھا۔ اسی لئے جہنم میں ان کی خاطر تھوہر اور گرم پانی سے کی جائے گی اور ان کیلئے رسوا کرنے والا عذاب ہوگا تا کہ وہ سخت ذلیل ہوں۔

(آیت نمبر ۱۰) ان کیلئے ان کے آگے جہنم تیار ہے۔ یہ دن بدن اسی طرف اس کے قریب ہوتے جا رہے ہیں اور یہ اس سے منہ پھیرے ہوئے ہیں اور پورے طور پر دنیا کی طرف متوجہ ہیں تو جو بھی انہوں نے دنیا میں مال و دولت کمایا ہے۔ وہ انہیں عذاب ہٹانے میں بالکل کام نہیں آئیگا۔ اور جن کو انہوں نے اللہ کے سوا اپنا کارساز بنایا ہوا ہے اور ان کی عبادت کرتے ہیں وہ بھی کام نہیں آئیں گے۔ یعنی ان کے بت بھی انہیں بروز قیامت کوئی نفع نہیں دیں گے اور ان کیلئے بہت بڑا عذاب ہے۔ یعنی جہنم کا دائمی عذاب جس کی سختی اور گہرائی کا کوئی انسان انداز نہیں لگا سکتا۔

هَذَا هُدًى ۚ وَالَّذِينَ كَفَرُوا بِآيَاتِ رَبِّهِمْ لَهُمْ عَذَابٌ مِّن رَّجْزٍ أَلِيمٍ ۝ ۱۱

یہ ہدایت ہے اور جنہوں نے کفر کیا آیات ربانی سے ان کیلئے عذاب ہے عذاب دردناک

اللَّهُ الَّذِي سَخَّرَ لَكُمُ الْبَحْرَ لَتَجْرِيَ الْفُلُكُ فِيهِ بِأَمْرِهِ وَلِتَبْتَغُوا

اللہ وہ ہے جس نے بس میں کر دیا تمہارے دریا تاکہ چلیں کشتیاں اس میں اس کے حکم سے۔ اور تم تلاش کرو

مِنْ فَضْلِهِ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ ۝ ۱۲

اس کا فضل تاکہ تم شکر کرو۔

(آیت نمبر ۱۱) یہ ہدایت ہے۔ یعنی یہ قرآن کامل ہدایت ہے۔ گویا یہ اصل ہدایت ہے اور جن لوگوں نے اللہ تعالیٰ کا انکار کیا۔ یعنی اس کی طرف سے اترنے والی آیات کو نہیں مانا ان کیلئے سخت دردناک عذاب ہے۔ ایسا دردناک جس کا درد پورے جسم کو ہمہ وقت لگا ہی رہے گا۔

فائدہ: بعض لوگ ظاہر آتو آیات قرآنی سنتے ہیں لیکن دل سے نہیں سنتے نہ انکا باطن آیات کی طرف متوجہ ہوتا ہے ان کی ازلی بدنیتی یہ ہے کہ ان پر غفلت چھا جاتی ہے اور ان کے کان آیات سننے سے بہرے ہو جاتے ہیں۔ لہذا ان کا تکبر کی وجہ سے اور قبول حق نہ کرنے اور اس پر عمل پیرا نہ ہونے کی وجہ سے ان کیلئے دردناک عذاب ہوگا۔

فائدہ: معلوم ہوا جو کلام الہی کو حق کے کانوں سے سنتا اور توحید کے نور سے دیکھتا ہے۔ اور ان پر عمل کرتا ہے۔ اس نے گویا دونوں جہانوں کا سرمایہ جمع کر لیا اور دونوں جہانوں میں کامیاب ہوا۔

(آیت نمبر ۱۲) اللہ تعالیٰ کی ذات تو وہ ہے۔ جس نے تمہارے لئے دریا کو مسخر کر دیا کہ اس کی سطح ہی ایسی بنائی کہ جو چیز ڈوبنے کے قابل تھی۔ وہ اوپر ہی چلتی ہے کوئی موتی نکالنے کیلئے غوطہ لگائے یا دیگر منافع حاصل کرنا چاہے۔ وہ آسانی سے حاصل کر لیتا ہے۔ یہ سب اللہ تعالیٰ کی ہی مہربانی ہے اور دریاؤں میں جو کشتیاں چلتی ہیں وہ بھی اسی کے حکم سے چلتی ہیں تاکہ تم ان پر سوار ہو کر اپنے رب کا فضل تلاش کرو۔ یعنی تجارت کرو۔ مچھلیاں پکڑو۔ موتی نکالو۔ دیگر سونا وغیرہ نکال کر ہزاروں فوائد حاصل کرو۔ پھر تم اللہ تعالیٰ کی حاصل کردہ نعمتوں پر اس کا شکر ادا کرو۔ یعنی اس کی توحید کو مانو۔ سبق: بندے کو چاہئے کہ وہ ہمہ وقت اللہ تعالیٰ کے فضل کا طالب رہے اور اس کی نعمتوں پر اس کا شکر ادا کرے۔ تاکہ دونوں جہانوں میں کامیاب ہو۔

وَسَخَّرَ لَكُم مَّا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ جَمِيعًا مِّنْهُ ؕ اِنَّ فِي

اور کام میں تمہارے لگادیے جو آسمانوں میں اور زمین میں سب اس کے حکم سے۔ بے شک

ذٰلِكَ لَايَتِلَقُّوْمُ يَتَفَكَّرُوْنَ ۝۱۳

اس میں ضرور نشانیاں ہیں سوچنے والوں کیلئے۔

(آیت نمبر ۱۳) اور آسمانوں و زمین میں جو بھی ہے وہ سب کا سب تمہارے لئے مسخر کر دیا۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے دنیا میں سب کچھ تمہارے نفع کیلئے بنایا۔ مسئلہ: معلوم ہوا کہ ہر انعام اللہ تعالیٰ کا فضل ہے اور اس نے ازراہ کرم اپنے بندوں پر انعام کیا لہذا بندوں کو بھی چاہئے کہ اس کی عبادت کر کے شکر بجالائیں۔

آگے فرمایا۔ ان تمام بڑے بڑے امور میں جن کا پیچھے ذکر ہوا۔ بہت بڑی نشانیاں ہیں۔ جو صانع کی ذات اور صفات پر دلالت کرتی ہیں۔ یہ ان لوگوں کیلئے ہیں جو ان عجائبات میں غور و فکر کرتے ہیں۔

حدیث شریف: حضور ﷺ کچھ لوگوں کے پاس سے گذرے جو غور و فکر کر رہے تھے۔ انہیں دیکھ حضور ﷺ نے فرمایا۔ مخلوق میں غور و فکر کرنا۔ خالق کے متعلق غور و فکر نہ کرنا۔ (کیونکہ وہ تمہاری سوچ سے وراء الوراء ہے)۔ (متعلق اہل الحدیث)

حدیث شریف: حضور ﷺ نے فرمایا تم میں سے کسی ایک کے پاس شیطان آ کر کہتا ہے۔ آسمان کس نے بنائے۔ زمین اللہ تعالیٰ نے بنائی۔ اچھا تو پھر اللہ تعالیٰ کو کس نے بنایا تو جب یہ بات شیطان ذہن میں ڈالے تو فوراً ”آمنت باللہ ورسولہ“ کہنا چاہئے (مشکوٰۃ شریف)۔ مسئلہ: غور و فکر کر کے رب تعالیٰ کو پہچاننا افضل و اعلیٰ عبادت ہے۔ حدیث شریف: حضور ﷺ نے فرمایا کہ ایک لمحے کیلئے بھی فکر ساٹھ سال کی عبادت سے بہتر ہے بلکہ ایک اور روایت میں ستر سال کی عبادت کا ذکر ہے۔ (العظمتہ: شیخ اصحابی)

حضور ﷺ کے بعد امت کے سب سے بڑے مہربان صدیق اکبر رضی اللہ عنہ ہیں۔ جیسے حضور ﷺ امت کے لئے فکر مند رہتے اسی طرح وہ بھی فکر کرتے تھے۔ ایک دن دعا کی یا اللہ قیامت کے دن مجھے جہنم کے برابر موٹا کر کے جہنم میں ڈال دینا تاکہ میں ہی جہنم کو بھر دوں اور میرے آقا کے امتیوں کو جہنم سے بچالینا تو اس پر حضور ﷺ نے فرمایا تیری یہ فکر ستر سال کی عبادت سے بہتر ہے۔

قُلْ لِلَّذِينَ آمَنُوا يَغْفِرُوا لِلَّذِينَ لَا يَرْجُونَ أَيَّامَ اللَّهِ لِيَجْزِيَ قَوْمًا

فرمادو ایمان والوں سے درگزر کریں ان کو جو نہیں امید رکھتے اللہ کے دنوں کی۔ تاکہ بدلہ دے اس قوم کو

بِمَا كَانُوا يَكْسِبُونَ ﴿١٣﴾

اس کا جو تھے وہ کماتے

(آیت نمبر ۱۳) اے میرے محبوب میرے ان بندوں سے فرمادیں۔ جنہوں نے ایمان لایا وہ معاف اور درگزر کریں۔ ان لوگوں سے جو نہیں امید رکھتے اللہ تعالیٰ کے دنوں کی۔ جیسا کہ سابقہ امتوں میں گذرا۔ ایامِ حرب یعنی وہ ایام جن میں جنگیں ہوئیں۔ یا جیسے یومِ بعاث۔ یہ مدینہ منورہ کے قریب ایک مقام ہے۔ جس جگہ جنگ ہوئی۔

فائدہ: بعض بزرگوں نے اس کا معنی کیا ہے کہ وہ ان اوقات کی امید نہیں رکھتے۔ جو اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کو ثواب دینے کیلئے مقرر کئے ہیں اور ان کی کامیابی کا وعدہ فرمایا ہے۔

فائدہ: آیت آیت قتال سے منسوخ ہوگئی۔

شان نزول: یہ آیت منافقوں کے سردار عبداللہ بن ابی کے بکواس کی وجہ سے نازل ہوئی۔ اس نے کنوئیں پر غلام بھیجا۔ وہ پانی سے لیکر آیا تو ابن ابی نے پوچھا کہ دیر کیوں کی تو غلام نے کہا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے غلام نے اپنے تمام مشکیزے پہلے بھرے پھر مجھے موقع ملا تو اس نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے حق میں بکواس کیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے تلوار اٹھائی کہ میں ابھی اسے قتل کروں گا۔ تو یہ آیت نازل ہوئی۔ آگے فرمایا تاکہ اللہ تعالیٰ ان کے عملوں کی انہیں جزاء دے۔ یعنی بروز قیامت ایمان والوں کو ان کے صبر پر اچھا اجر دے۔ اور منافقوں کو ان کے بکواسات پر انہیں سزا دے۔ **فائدہ:** ظاہر اتو اس سے کوئی مخصوص لوگ مراد نہیں۔ بلکہ جو بھی دنیا میں نیک کام کرتے ہیں۔ خصوصاً کفار اور منافقین کی ایذاؤں پر صبر کرتے ہیں اور ان کی ناگوار باتوں پر عفو و درگزر کرتے ہیں۔ انہیں اس قدر اجر و ثواب ملے گا کہ جس کا کوئی حساب نہیں گویا اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ سے فرمایا کہ آپ غلاموں کو فرمائیں کہ وہ کفار و منافقین کے بکواسات پر عفو و درگزر سے کام لیں۔

مَنْ عَمِلَ صَالِحًا فَلِنَفْسِهِ ۖ وَمَنْ أَسَاءَ فَعَلَيْهَا ثُمَّ إِلَىٰ رَبِّكُمْ

جو عمل کرے گا نیک وہ اپنی ذات کیلئے۔ اور جو برا کرے تو وبال اسی پر۔ پھر طرف اپنے رب کے

تُرْجَعُونَ ﴿١٥﴾ وَلَقَدْ آتَيْنَا بَنِي إِسْرَآءَ يُلَ الْكِتَابِ وَالْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ

تم لوٹائے جاؤ گے۔ البتہ تحقیق دی ہم نے بنی اسرائیل کو کتاب اور حکومت اور نبوة

وَرَزَقْنَاهُمْ مِّنَ الطَّيِّبَاتِ وَفَضَّلْنَاهُمْ عَلَى الْعَالَمِينَ ﴿١٦﴾

اور رزق دیا انہیں پاکیزہ۔ اور فضیلت دی انہیں تمام جہانوں پر۔

(آیت نمبر ۱۵) اور جو بھی نیک عمل کرتا ہے۔ (وہ عمل نیک ہوتا ہے جس میں اللہ تعالیٰ کی رضا مطلوب ہو) تو وہ عمل اپنی ذات کیلئے کرتا ہے۔ یعنی اس کے نیک عمل کا فائدہ اسی کو ملے گا اور جو کوئی برا عمل کرے۔ اس کا وبال اس کی اپنی جان پر ہوگا۔ یعنی عذاب اسی کو ہوگا۔ کسی دوسرے کو نہیں ہوگا۔ پھر تم اپنے رب کی طرف لوٹائے جاؤ گے۔ جو تمہارے سب امور کا مالک ہے۔ یعنی مرنے کے بعد اپنے اعمال کا بدلہ دیے جاؤ گے اگر اچھے عمل ہوئے تو اچھا بدلہ ملے گا اور برے عمل ہوئے تو بری سزا۔

فائدہ: اس آیت میں اعمال صالحہ کی ترغیب دی گئی اور برے اعمال سے ڈرایا گیا۔

(آیت نمبر ۱۶) اور البتہ تحقیق دی ہم نے بنی اسرائیل کو کتاب اور حکمت۔ یعنی دین کی سمجھ یا لوگوں کے درمیان جھگڑوں کا فیصلہ کرنے کی صلاحیت اور استعداد اور نبوة بھی عطا کی۔ یہی وجہ ہے کہ بنی اسرائیل میں کثرت سے انبیاء کرام علیہم السلام تشریف لائے۔ یہ بزرگی کسی اور قوم کو نہیں ملی۔ اسی لئے ابراہیم علیہ السلام ابوالانبیاء ہیں۔

آگے فرمایا کہ ہم نے انہیں پاکیزہ طیب اور لذیذ کھانے عطا کئے۔ یعنی من و سلوی وغیرہ اور ہم نے انہیں تمام جہانوں پر فضیلت دی کہ ہم نے جو ان کو کمالات عطا کئے وہ دوسروں کو نہیں دیئے۔ ان کے لئے دریا کو چیرا ان پر بادلوں کا سایہ کیا۔ وغیرہ وغیرہ۔ فائدہ: بنی اسرائیل کی فضیلت اس زمانے کے لوگوں پر تھی۔ کلی فضیلت تو امت محمدیہ کو ہی حاصل ہے۔ (فضیلت کا تعلق اللہ تعالیٰ کی رضا سے ہے۔ مسلمانوں کے بچے دشمن ہیں۔ بنی اسرائیل اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کے باغی ہیں)۔ فضیلت کی وجہ پیچھے گذر گئی ہے۔ چونکہ یہودی اس وقت سے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کے باغی ہیں۔

وَاتَيْنَهُمْ بَيِّنَاتٍ مِّنَ الْأَمْرِ ۖ فَمَا اخْتَلَفُوا إِلَّا مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَهُمْ

اور دیں ان کو واضح دلیلیں اس کام سے۔ تو نہیں اختلاف کیا مگر بعد اس کے جو آیا

الْعِلْمُ ۚ بَغْيًاۙ بَيْنَهُمْ ۚ إِنَّ رَبَّكَ يَقْضِي بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيَمَةِ فِيمَا

ان کے پاس علم حسد سے آپس میں۔ بے شک تیرا رب ہی فیصلہ کریگا ان میں بروز قیامت اس میں

كَانُوا فِيهِ يَخْتَلِفُونَ ﴿١٤﴾ ثُمَّ جَعَلْنَاكَ عَلَىٰ شَرِيعَةٍ مِّنَ الْأَمْرِ

کہ تھے جس میں اختلاف کرتے۔ پھر ہم نے تمہیں کیا اوپر عمدہ طریقے کے اس کام میں

فَاتَّبِعْهَا وَلَا تَتَّبِعْ أَهْوَاءَ الَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ ﴿١٥﴾

تو اس پر چلو۔ اور نہ چلو خواہشوں پر ان کی جو بے علم ہیں۔

(آیت نمبر ۱۷) ہم نے انہیں دین کے واضح بیانات دیئے۔ یعنی دلائل ظاہرہ اور معجزات قاہرہ عطا کئے۔

شان محمد ﷺ: حضرت امین عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں۔ یہاں پر رسول اکرم ﷺ کی بعثت کا بیان

ہے اور وہ امور واضح کئے گئے کہ آپ تہامہ (مکہ مکرمہ) سے ہجرت فرما کر یثرب (مدینہ منورہ) میں قیام پذیر ہوں گے

اور یثرب کے انصار آپ کے معاون ہوں گے۔ آگے فرمایا۔ کہ پھر انہوں نے اختلاف کیا اس امر میں۔ اس کے

بعد کہ آگیا ان کے پاس علم۔ اور اس کی حقانیت یعنی قرآن اور صاحب قرآن تشریف لائے۔ اور حقیقت کا علم جب

ان کے پاس آیا تو پھر انہوں نے اس کی مخالفت کو اور زیادہ مضبوط کر دیا۔ آپس میں بغاوت کی وجہ سے اور یہ حسد

وبغاوت بھی اس وجہ سے نہیں کہ انہیں حضور ﷺ کی رسالت میں شک تھا۔ بلکہ انہیں صرف حضور ﷺ سے بغض تھا۔

آگے فرمایا۔ بے شک تیرا رب ان میں قیامت کے دن فیصلہ فرمائے گا۔ یعنی ان کا مواخذہ ہوگا اور انہیں سزا دے گا۔

ان چیزوں کی جن میں وہ اختلاف کرتے تھے۔ یعنی دینی معاملات میں۔

(آیت نمبر ۱۸) پھر بنی اسرائیل کے بعد تمہارے طریقے کو جاری فرمایا۔ جو سنت پر اور عظیم الشان طریقے پر

ہے اور دین کے مطابق ہے۔ لہذا اس کی پیروی کریں۔ یعنی اس کے احکام پر عمل کریں اور دوسروں کو بھی اس پر

چلائیں۔ اور اس میں کسی قسم کی کمی بیشی بھی نہ کریں۔

إِنَّهُمْ لَنُغْنُوا عَنْكَ مِنَ اللَّهِ شَيْئًا ۚ وَإِنَّ الظَّالِمِينَ بَعْضُهُمْ

پھر بے شک ہرگز نہیں کام دیں گے تمہیں اللہ کے مقابل کچھ۔ بے شک ظالم ایک

أَوْلِيَاءُ بَعْضٍ ۚ وَاللَّهُ وَلِيُّ الْمُتَّقِينَ ①۹

دوسرے کے دوست ہیں۔ اور اللہ دوست ہے پرہیزگاروں کا۔

(بقیہ آیت نمبر ۱۸) **فائدہ:** امام نجم الدین رحمۃ اللہ علیہ اس کا معنی کرتے ہیں۔ اے محبوب ہم نے آپ کو تمام انبیاء کرام علیہم السلام سے منفرد بنایا۔ اور خصوصی لطائف سے نوازا اور مخصوص باتوں سے خاص کیا۔ لہذا آپ انہیں حاصل کریں اور آپ کو مخصوص طریقہ اور شریعت عطا کی۔ تاکہ آپ اسی کی اتباع کریں۔ اگر موسیٰ اور عیسیٰ علیہم السلام بھی آئیں تو وہ بھی اسی کی اتباع کریں گے۔ **فائدہ:** امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ شریعت امور شریعیہ کی محافظت کو کہتے ہیں۔

آگے فرمایا کہ بے علم لوگوں کی خواہشات پر نہ چلیں۔ نہ ان کی رائیں دیکھو کہ وہ کیا کہتے ہیں۔ اس سے مراد قریش مکہ ہیں۔ جو حضور ﷺ کو رائے دیتے کہ اپنے باپ دادا کے دین کی طرف لوٹ آؤ۔ کیونکہ وہ تم سے بہتر تھے۔ (حالانکہ نبی سے بہتر غیر نبی کبھی بھی نہیں ہو سکتا۔)

(آیت نمبر ۱۹) بے شک وہ بت تمہیں نہیں بچا سکتے اللہ کے عذاب سے۔ یعنی اگر اللہ تعالیٰ تمہیں عذاب دینے کا ارادہ کرے تو وہ نہیں بچا سکتے۔ یا یہ معنی ہے کہ اگر تم نے ان کی اتباع کی تو وہ تمہیں عذاب سے نہیں بچا سکتے۔ بعض بزرگوں نے یہ معنی کیا ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ تمہیں کسی نعمت کے دینے کا ارادہ فرمائے تو یہ کفار قدرت نہیں رکھتے کہ وہ اسے روک لیں۔ یا اگر اللہ تعالیٰ تمہاری آزمائش کا ارادہ کرے تو انہیں یہ طاقت حاصل نہیں کہ اسے دفع کر سکیں۔

آگے فرمایا بے شک ظالم بعض بعض کے دوست ہیں۔ لہذا ان سے دوستی وہی کرے گا جو ان جیسا ظالم ہوگا۔ کیونکہ جنس جنس کی طرف مائل ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ پرہیزگاروں کا دوست ہے۔ اے محبوب آپ ان متقیوں کے مقتداء ہیں۔ آپ اپنی راہ پر قائم رہیں۔ شریعت اور تقویٰ کو اپنائیں اور ماسوی اللہ سے کلی طور پر دور رہیں۔

فائدہ: ظلم کہتے ہیں کسی چیز کو غیر محل میں رکھنا۔ اور کفار کو ظالم اس لئے کیا گیا کہ انہوں نے ایمان کے بجائے کفر اختیار کیا اور ایمان والوں کو متقی اس لئے فرمایا کہ وہ کفر و شرک سے بچ گئے اور اپنے تمام معاملات کا کفیل اللہ تعالیٰ کو بنایا۔

هَذَا بَصَائِرُ لِلنَّاسِ وَهُدًى وَرَحْمَةٌ لِّقَوْمٍ يُوقِنُونَ ﴿۲۰﴾

یہ آنکھیں کھولنے کیلئے ہیں لوگوں کی اور ہدایت اور رحمت ہے یقین والوں کیلئے۔

(آیت نمبر ۲۰) یہ قرآن لوگوں کی آنکھیں کھولنے اور انہیں سیدھی راہ دکھانے کیلئے کافی ہے۔ اس لئے کہ اس میں دین و شرائع کے ایسے مسائل ہیں۔ جیسے دلوں کی بینائی۔ گویا قرآن بمنزلہ روح حیات کے ہے۔

فائدہ: لہذا جو قرآنی تعلیمات سے خالی ہے وہ گویا کہ اندھا ہے۔ اسے کوئی بصیرت حاصل نہیں بلکہ وہ مردہ ہے۔ یا وہ اس پتھر کی طرح ہے۔ جس میں حس و حیات نہیں ہے۔

فائدہ: قرآن کو بصائر اجزاء کے اعتبار سے کہا گیا۔ دوسرے مقام پر فرمایا تمہارے پاس رب تعالیٰ کی طرف سے بصائر آگئے۔ یعنی قرآن مجید اور اس کی آیات آگئیں۔ جن میں اللہ تعالیٰ کی وحدانیت پر واضح دلائل ہیں۔ اسی طرح موسیٰ علیہ السلام کو دی جانے والی نو نشانیوں کو بھی بصائر ہی کہا گیا۔

فائدہ: اس میں اشارہ ہے کہ شریعت ہی بصائر ہے۔ جس کی اتباع ضروری ہے۔

یہ قرآن لوگوں کو گمراہیوں سے نکال کر ہدایت کی طرف لے جانے والا ہے اور یہ بہت بڑی رحمت اور نعمت ہے جو اللہ تعالیٰ نے تمہیں عطا کی۔ اس لئے دنیا و آخرت کی تمام سعادتیں اسی سے ملتی ہیں اور یہ ان لوگوں کے لئے ہیں جو یقین والے ہیں۔ یعنی وہ صرف گمان میں نہیں رہتے۔ بلکہ اس سے گذر کر منزل یقین پر فائز ہوتے ہیں۔

فائدہ: امام نجم الدین محمد بن علیؒ فرماتے ہیں کہ ایمان والے انوار بصیرت کی وجہ سے مقام یقین تک پہنچنے کی استعداد رکھتے ہیں کہ جب ان میں انوار بصیرت چمکتے ہیں تو ان پر حق و باطل واضح ہو جاتے ہیں۔ وہ پھر حق کو قبول کر لیتے ہیں۔ اور باطل کو چھوڑ دیتے ہیں۔

حدیث شریف: حضور ﷺ نے فرمایا کہ قرآن بیمار یوں کا تمہیں علاج بتاتا ہے اور تمہاری بیماریاں دراصل تمہارے گناہ ہیں۔ ان کی دوا استغفار ہے۔ سب گناہوں سے بڑا گناہ شرک ہے اس کا علاج توحید ہے۔ (اخرج البیہقی فی شعب الایمان)۔ اسی لئے قرآن کو لوگوں کیلئے شفا بھی کہا گیا ہے۔

أَمْ حَسِبَ الَّذِينَ اجْتَرَحُوا السَّيِّئَاتِ أَنْ نَجْعَلَهُمْ كَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا

یا گمان کیا جو کرتے ہیں برائیاں کہ ہم کریں گے ان سے جیسے ایمان والوں سے کریں جنہوں نے عمل

الصَّالِحَاتِ سَوَاءٌ مَحْيَاهُمْ وَمَمَاتُهُمْ ۚ سَاءَ مَا يَحْكُمُونَ ؕ (۲۱)

نیک کئے۔ برابر ہے ان کی زندگی اور موت۔ برا ہے جو وہ فیصلہ کرتے ہیں۔

(آیت نمبر ۲۱) کیا گمان کر لیا ان لوگوں نے جنہوں نے برائیاں کیں۔ یہاں سیئات سے مراد کفر اور نافرمانیاں ہیں۔ آگے فرمایا کیا ہم انہیں کر دیں گے۔ ان لوگوں کی طرح جو ایمان لائے اور نیک عمل کئے۔ یعنی برے عملوں والے کے ساتھ وہی معاملہ کریں گے جو نیک اعمال والوں سے کریں گے ایسا ہرگز نہیں ہوگا۔ نیک اعمال والوں کو تو بزرگی اور بلند درجات دیں گے اور کفار کو جہنم کی سزا ہوگی۔ ایسا ہرگز نہیں ہو سکتا کہ ان دونوں گروہوں کے ساتھ ایک جیسا معاملہ ہو۔ کسی معاملہ میں بھی برابری نہیں ہوگی۔ جیسے زندگی اور موت برابر نہیں۔ اس لئے کہ مسلمان ایمان و طاعت میں زندگی گزارنے والا مرنے کے بعد اللہ تعالیٰ کی رحمت اس کی رضا اور خوشنودی میں ہوگا۔ اور کفار نے زندگی کفر و نافرمانی میں گزاری اور مرنے کے بعد دائمی لعنت اور عذاب میں ہو گئے برابری کیسی ہے۔

فائدہ: یعنی دونوں کا معاملہ الگ الگ ہے۔

شان نزول: کفار مکہ مسلمانوں سے کہتے تھے پہلے تو قیامت ہوگی ہی نہیں۔ اور اگر بالفرض قیامت کو تسلیم کر لیں تو بھی ہمارا حال تم سے اچھا ہوگا اور تم سے بہتر ہوگا۔ دنیا میں ہم معزز ہیں تو آخرت میں بھی ہماری عزت ہوگی تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ کیسے برے فیصلے کر رہے ہو کہ دنیا کا قیاس آخرت کے ساتھ کر رہے ہو۔ **فائدہ:** دنیا تو اللہ تعالیٰ نے کافر کیلئے جنت بنائی۔ اور اسے خوب مال و دولت دیا۔ جس کی بناء پر وہ سرکش ہوئے اور اللہ تعالیٰ سے بغاوت کی۔ اور اللہ تعالیٰ کے رسولوں سے دشمنی کی۔ اور ایمان والوں نے اسلام کی خاطر طرح طرح کے مصائب جھیلے اللہ تعالیٰ کے تمام احکام پر عمل کیا۔ اور اسے راضی کیا۔ تو اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے والا اور ناراض کرنے والا دونوں برابر کیسے ہو گئے۔

فائدہ: بزرگان دین اس آیت کو پڑھ کر بہت روتے کہ معلوم نہیں کس گروہ میں ہوں گے۔

وَخَلَقَ اللَّهُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ بِالْحَقِّ وَلِتُجْزَىٰ كُلُّ نَفْسٍ بِمَا كَسَبَتْ

اور بنایا اللہ نے آسمانوں اور زمین کو ساتھ حق کے تاکہ بدلہ پائے ہر جان اس کا جو اس نے کمایا

وَهُمْ لَا يُظْلَمُونَ ﴿۲۲﴾ أَفَرَأَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ إِلَهَهُ هَوَاهُ وَأَضَلَّهُ اللَّهُ عَلَىٰ

اور وہ نہیں ظلم کئے جائیں گے کیا تو نے اسے دیکھا جس نے بنایا اپنا خدا اپنی خواہش کو اور اسے گمراہ کر دیا اللہ نے

عِلْمٍ وَخَتَمَ عَلَىٰ سَمْعِهِ وَقَلْبِهِ وَجَعَلَ عَلَىٰ بَصَرِهِ غِشَاةً ۖ فَمَنْ

علم کے باوجود۔ اور مہر کر دی اوپر اس کے کان اور دل کے اور کیا اس کی آنکھ پر پردہ۔ پھر کون

يَهْدِيهِ مِنْ بَعْدِ اللَّهِ ۚ أَفَلَا تَذَكَّرُونَ ﴿۲۳﴾

ہدایت دیگا اسے بعد اللہ کے کیا نہیں تم دھیان کرو گے۔

(آیت نمبر ۲۲) اللہ تعالیٰ نے زمین و آسمان حق کے ساتھ بنائے۔ تاکہ حق اور اس کی حقیقت کا ظہور ہو۔ کیونکہ

حق کے ظہور سے باطل خود ہی عدم ہو جاتا ہے۔ تاکہ ہر نفس کو اس کے کئے کا بدلہ دیا جائے۔ اچھا کام کیا ہو تو بدلہ بھی خیر

اور اگر شر کیا تو بدلہ بھی شر ہوگا آگے فرمایا کہ ان پر ظلم نہیں ہوگا۔ بلکہ ہر ایک کو اس کے عمل کے مطابق جزاء ملے گی۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس جہان کو حق کے ساتھ اس لئے پیدا فرمایا تاکہ اطاعت گزار اور گناہ گار

کے درمیان امتیاز ہو۔ سبق: سالک پر لازم ہے کہ اعمال صالحہ میں وہ جلدی کرے۔ خصوصاً توحید پر پختہ اور ذکر الہی

میں کثرت کرے۔

(آیت نمبر ۲۳) کیا تو نے اس شخص کو دیکھا ہے کہ جس نے اپنی خواہش کو معبود بنالیا۔ چونکہ نفس خواہشات کا

دیوانہ ہے۔ فائدہ: شعی فرماتے ہیں کہ خواہش کو ہوا اس لئے کہتے ہیں کہ وہ اپنے چاہنے والے کو جہنم کی طرف

دھکیلتی ہے۔ فائدہ: اس میں تعجب کا بھی اظہار ہے کہ جو ہدایت کی اتباع چھوڑ کر خواہشات کی اتباع کرتا ہے۔ گویا وہ

اس کی عبادت کرتا ہے۔ آگے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے اسے گمراہ کر دیا۔ یعنی جو ہدایت چھوڑ کر خواہشات پر چلا اس نے

اللہ تعالیٰ کو ناراض کر دیا اور یہ کام جاننے کے باوجود کیا کیونکہ جب اس کے پاس حق آیا تو اس نے عناد سے اسے قبول

نہیں کیا تو گمراہ ہوا۔

وَقَالُوا مَا هِيَ إِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا نَمُوتُ وَنَحْيَا وَمَا يُهْلِكُنَا إِلَّا

اور بولے نہیں ہے یہ مگر ہماری زندگی دنیا کی مرتے اور جیتے ہیں اور نہیں ہمیں ہلاک کرتا مگر

الدَّهْرُ ۚ وَمَا لَهُمْ بِذَلِكَ مِنْ عِلْمٍ ؕ إِنْ هُمْ إِلَّا يَظُنُّونَ ﴿۲۳﴾

زمانہ۔ حالانکہ نہیں ان کو اس کا کوئی علم۔ نہیں ہیں وہ مگر گمان دوڑاتے۔

(بقیہ آیت نمبر ۲۳) اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے کانوں اور دلوں پر مہر ماردی۔ لہذا اب کوئی وعظ

ونصیحت اس پر اثر نہیں کرتا۔ پھر وہ نہ حق کو سنتا ہے۔ نہ آیات میں غور و فکر کرتا ہے۔ نہ ڈروالی آیات میں سوچ و بچار کرتا ہے۔ چونکہ اللہ تعالیٰ نے ان کی آنکھوں پر پردہ ڈال دیا۔ اس لئے کہ وہ چیز کو دیکھ کر عبرت حاصل نہیں کرتا۔

فائدہ: مشائخ فرماتے ہیں۔ کانوں پر مہر لگی تو خطاب سننے سے محروم ہوا۔ دل پر مہر لگی تو خطاب کے فہم سے

محروم ہوا اور آنکھوں پر مہر لگی تو آثار و قدرت کے مشاہدہ سے محروم ہو گیا۔

آگے فرمایا کہ جب اللہ تعالیٰ نے ہی اسے گمراہ کر دیا تو پھر اسے ہدایت کون دے گا۔ کیا تم نصیحت حاصل نہیں

کرتے۔ یعنی ایسی باتیں دیکھنے سننے کے باوجود تم نصیحت نہیں پکڑتے اور متنبہ نہیں ہوتے۔

(آیت نمبر ۲۴) منکرین قیامت اپنی گمراہی سے کہتے تھے۔ (یعنی قریش مکہ) یوں کہتے کہ نہیں ہے یہ مگر

صرف دنیا کی زندگی۔ جس میں ہم رہ رہے ہیں۔ اسی میں مرتے جیتے ہیں۔ یعنی کوئی حی رہا ہے تو کوئی مر رہا ہے۔ اس

کے بعد اور کوئی حیات نہیں یعنی دوبارہ نہیں زندہ ہو گئے۔ آگے کہا کہ ہمیں زمانہ ہی ہلاک کرتا ہے۔

فائدہ: القاموس میں ہے۔ دہر ایک لمبے زمانہ کو کہا جاتا ہے۔ ایک ہزار سال کو بھی دہر کہا جاتا ہے تو وہ لوگ نہ

روح کے امر الہی ہونے کے قائل ہیں نہ ملک الموت کے۔ اسی لئے وہ لوگ زمانے کو گال دیتے ہیں اور زمانے کو برا

بھلا کہتے ہیں۔ حالانکہ نبی پاک ﷺ نے فرمایا زمانے کو گالیاں نہ دو۔ زمانہ تو اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔ (ریاض

الصالحین)۔ **تنبیہ:** بعض دفع لوگ جوش خروش یا غمی خوشی کے وقت کہہ دیتے ہیں۔ زمانہ ہی برا ہے۔ یا ہم برے

زمانے میں آئے اور بعض گالیاں تک نکال دیتے ہیں۔ اس لئے فرمایا۔ زمانہ بنانے والا اللہ تعالیٰ ہے۔ کیونکہ وہی

حوادث کا مصرف و مدبر ہے۔ اس لئے زمانے کو کبھی گال نہیں دینی چاہئے۔

وَإِذَا تُلِيٰ عَلَيْهِمْ آيَاتُنَا بَيِّنَاتٍ مَّا كَانَتْ حُجَّتَهُمْ إِلَّا أَنْ قَالُوا اتُّوْا

اور جب پڑھی جائیں ان پر ہماری آیتیں واضح۔ تو نہیں ہوتی ان کی حجت مگر یہ کہتے ہیں کہ لے آؤ

بَابَانَا إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ ﴿۲۵﴾

ہمارے باپ دادا کو اگر ہو تم سچے۔

(بقیہ آیت نمبر ۲۴) آگے فرمایا کہ جو یہ کہتے ہیں کہ حیات صرف دنیوی ہے۔ زمانہ ہی موت و حیات دیتا ہے۔ وہ لوگ بے علم جاہل ہیں۔ ان کے پاس کوئی علمی دلیل بھی نہیں ہے کہ جسے عقل قبول کرے وہ تو صرف اٹکل بچو اور تخمینے سے باتیں کرتے ہیں۔ یا پچھلے لوگوں کی سنی سنائی باتیں ہیں۔ دلیل ان کے پاس بھی کوئی نہیں تھی۔ اسی کا نام عقیدہ فاسدہ ہے۔ اور اس قسم کے لوگ آج بھی دنیا میں ہیں۔ جنہیں دھریہ کہا جاتا ہے۔

مسلمانوں کا عقیدہ: سنی سنائی باتوں پر نہیں۔ بلکہ قرآن و حدیث سے ماخوذ ہے۔ اس لئے اہل سنت کو اپنے عقائد پر یقین ہے۔ جس میں نہ گمان ہے۔ نہ تخمینہ۔ لہذا جو اپنا عقیدہ قرآن و سنت کے مطابق رکھے وہی کامیاب ہے۔ اور جو اپنا عقیدہ اس کے خلاف رکھے وہ ہلاک اور تباہ ہوگا۔ مسلمان کیلئے لازمی عقیدہ تو حید کا ہے اور وہ جانے کہ ہر چیز میں مؤثر حقیقی اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔ اسی لئے ہوا کو گالی دینے سے روکا گیا ہے۔ اس لئے کہ ہوا ایک فرشتے کے قبضے میں ہے اور فرشتہ اللہ تعالیٰ کے قبضے میں ہے۔ اس لئے تمام تصرفات اللہ تعالیٰ کی طرف راجع ہوتے ہیں۔

(آیت نمبر ۲۵) اور جب ان کے سامنے ہماری آیات پڑھی جاتی ہیں۔ جن میں بعث و حشر کا بیان ہے اور وہ آیات بالکل واضح ہیں۔ جن میں یہ بیان ہے۔ کہ دوبارہ وہی زندہ کرے گا جس نے پہلی مرتبہ پیدا کیا۔ ایک اور مقام پر فرمایا۔ بے شک وہ ذات جس نے اسے زندہ کیا وہ ہے جو مردوں کو زندہ کرنے والا ہے۔ آگے فرمایا۔ ان کے پاس ہماری آیات کے مقابل کوئی حجت بھی نہ تھی۔ یعنی کوئی ایسے استدلال والی چیز جو اس کی معارض ہوتی۔ مگر انہوں نے عناد سے یہ بات کہی کہ ہمارے باپ دادا جو پہلے مر گئے ہیں تم انہیں قبروں سے زندہ کر کے لے لاؤ۔ اگر تم سچے ہو۔ یعنی اگر تم اپنے دعوے میں سچے ہو کہ مرنے کے بعد پھر ایک دن زندہ ہوں گے تو اس دعوے کی سچائی میں یہ کام کر دو تو ہم ایمان لے آئیں گے۔ اس کا تفصیلی بیان سورہ دخان میں ہو چکا ہے۔ واضح کیا ہے کہ ان کا یہ قول باطل اس لئے ہے اور قابل حجت نہیں ہے کہ ہم نے دعویٰ میں انہیں یہ بتایا تھا کہ یہ زندہ ہونا قیامت کے دن ہوگا۔ اور وہ دنیا میں ہی مانگ رہے ہیں۔ اور وہ بھی فقط ان کا قول ہے۔ اگر مردے زندہ ہو بھی جاتے انہوں نے پھر بھی انکار کرنا تھا۔

قُلِ اللَّهُ يُحْيِيكُمْ ثُمَّ يُمِيتُكُمْ ثُمَّ يَجْمَعُكُمْ إِلَى يَوْمِ الْقِيَمَةِ لَا رَيْبَ

فرمادو اللہ ہی زندہ کرے گا تمہیں پھر تمہیں مارے گا۔ پھر اکٹھا کرے گا تمہیں بروز قیامت کہ نہیں شک

فِيهِ وَلَكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ ۝ (۲۶) وَلِلَّهِ مُلْكُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ ۝

اس میں لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔ اور اللہ ہی کی بادشاہی ہے آسمانوں اور زمین میں۔

وَيَوْمَ تَقُومُ السَّاعَةُ يُنْفِذُ يَخْسِرُ الْمُبْطِلُونَ ۝ (۲۷)

اور جس دن قائم ہوگی قیامت اس دن خسارے میں رہیں گے باطل والے۔

(آیت نمبر ۲۶) اے محبوب فرمادیں کہ اللہ تعالیٰ انہیں زندہ کرے گا۔ جس نے پہلی مرتبہ پیدا کیا۔ پھر وہ تمہیں مارے گا۔ جب تمہارا دنیا کا وقت پورا ہوگا۔ پھر وہ قبروں سے زندہ کر کے سب کو جمع کرے گا۔ اس دن جس میں کوئی شک و شبہ نہیں اور حکمت کا تقاضا بھی یہی ہے کہ جزاء و سزا کیلئے مخلوق کو ایک جگہ جمع کیا جائے۔

فائدہ: یہ بھی معلوم ہوا کہ ان کے آباء و اجداد کو دنیا میں دوبارہ پیدا کرنا مشکل نہیں۔ لیکن یہ حکمت تشریحیہ کے خلاف ہے۔ اللہ تعالیٰ کی قدرت کے آگے یہ کوئی بڑی بات نہیں ہے۔ (اس سے پہلے ہزاروں لوگ انبیاء کرام علیہم السلام کے کہنے پر اللہ تعالیٰ نے زندہ کئے اس پر قرآن گواہ ہے موسیٰ علیہ السلام اور خز قیل علیہم السلام کی دعاؤں سے ہزاروں مردے زندہ ہوئے)۔ آگے فرمایا۔ لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔ اس لئے کہ وہ غفلت اور بھول میں پڑے ہیں۔

ایصال ثواب صحیح ہے: امام عزالدین بن سلام (ساری زندگی ایصال ثواب کے مخالف رہے) وفات کے بعد خواب میں ایک بزرگ سے ملے تو انہوں نے پوچھا۔ اب بتائیں مردوں کو قراۃ قرآن کا ثواب پہنچتا ہے یا نہیں۔ دنیا میں تو آپ فرماتے تھے ثواب نہیں پہنچتا۔ اب کیا خیال ہے۔ تو فرمایا۔ افسوس میں غلطی پر تھا۔ اب یقین ہوا کہ ثواب پہنچتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔ (دور حاضر میں بھی ایصال ثواب کے منکرین مرنے کے بعد پچھتائیں گے)۔

(آیت نمبر ۲۷) اللہ تعالیٰ کی ہی بادشاہی آسمانوں اور زمین میں ہے۔ ملکیت اور تصرف کلی سب اس کے پاس ہے۔ اور جس دن قیامت قائم ہوگی۔ اس دن باطل والے خسارے میں رہ جائیں گے۔

فائدہ: یہاں باطل سے مراد وہ لوگ ہیں۔ جو قیامت کے دن زندہ ہونے اور سزا جزا کے منکر ہیں۔ ان کیلئے وہاں گھاٹا ہی گھاٹا ہے کہ نہ انہوں نے ایمان لایا نہ کوئی نیکی کی تو وہ دھکیل کر جہنم میں ڈال دیئے جائیں گے۔

قُلِ اللّٰهُ يُحْيِيكُمْ ثُمَّ يُمِيتُكُمْ ثُمَّ يَجْمَعُكُمْ اِلٰی يَوْمِ الْقِيَمَةِ لَا رَيْبَ

فرمادواللہ ہی زندہ کرے گا تمہیں پھر تمہیں مارے گا۔ پھر اکٹھا کرے گا تمہیں بروز قیامت کہ نہیں شک

فِيهِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝ (۲۶) وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۝

اس میں لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔ اور اللہ ہی کی بادشاہی ہے آسمانوں اور زمین میں۔

وَيَوْمَ تَقُومُ السَّاعَةُ يَُوْمَئِذٍ يَخْسَرُ الْمُبْطِلُوْنَ ۝ (۲۷)

اور جس دن قائم ہوگی قیامت اس دن خسارے میں رہیں گے باطل والے۔

(آیت نمبر ۲۶) اے محبوب فرمادیں کہ اللہ تعالیٰ انہیں زندہ کرے گا۔ جس نے پہلی مرتبہ پیدا کیا۔ پھر وہ تمہیں مارے گا۔ جب تمہارا دنیا کا وقت پورا ہوگا۔ پھر وہ قبروں سے زندہ کر کے سب کو جمع کرے گا۔ اس دن جس میں کوئی شک و شبہ نہیں اور حکمت کا تقاضا بھی یہی ہے کہ جزاء و سزا کیلئے مخلوق کو ایک جگہ جمع کیا جائے۔

فائدہ: یہ بھی معلوم ہوا کہ ان کے آباء و اجداد کو دنیا میں دوبارہ پیدا کرنا مشکل نہیں۔ لیکن یہ حکمت تشریعیہ کے خلاف ہے۔ اللہ تعالیٰ کی قدرت کے آگے یہ کوئی بڑی بات نہیں ہے۔ (اس سے پہلے ہزاروں لوگ انبیاء کرام علیہم السلام کے کہنے پر اللہ تعالیٰ نے زندہ کئے اس پر قرآن گواہ ہے موسیٰ علیہ السلام اور خز قیل علیہم السلام کی دعاؤں سے ہزاروں مردے زندہ ہوئے)۔ آگے فرمایا۔ لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔ اس لئے کہ وہ غفلت اور بھول میں پڑے ہیں۔

ایصال ثواب صحیح ہے: امام عزالدین بن سلام (ساری زندگی ایصال ثواب کے مخالف رہے) وفات کے بعد خواب میں ایک بزرگ سے ملے تو انہوں نے پوچھا۔ اب بتائیں مردوں کو قراۃ قرآن کا ثواب پہنچتا ہے یا نہیں۔ دنیا میں تو آپ فرماتے تھے ثواب نہیں پہنچتا۔ اب کیا خیال ہے۔ تو فرمایا۔ افسوس میں غلطی پر تھا۔ اب یقین ہوا کہ ثواب پہنچتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔ (دور حاضر میں بھی ایصال ثواب کے منکرین مرنے کے بعد پچھتائیں گے)۔

(آیت نمبر ۲۷) اللہ تعالیٰ کی ہی بادشاہی آسمانوں اور زمین میں ہے۔ ملکیت اور تصرف کلی سب اس کے پاس ہے۔ اور جس دن قیامت قائم ہوگی۔ اس دن باطل والے خسارے میں رہ جائیں گے۔

فائدہ: یہاں باطل سے مراد وہ لوگ ہیں۔ جو قیامت کے دن زندہ ہونے اور سزا جزا کے منکر ہیں۔ ان کیلئے وہاں گھاٹا ہی گھاٹا ہے کہ نہ انہوں نے ایمان لایا نہ کوئی نیکی کی تو وہ دھکیل کر جہنم میں ڈال دیئے جائیں گے۔

وَتَرَى كُلَّ أُمَّةٍ جَائِيَةً كُلُّ أُمَّةٍ تُدْعَى إِلَى كِتَابِهَا ؕ الْيَوْمَ

اور تو دیکھے گا ہر امت گری ہوگی۔ زانو کے بل ہر گروہ بلایا جائیگا اعمالناے کی طرف۔ آج

تُجْزَوْنَ مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ ﴿۲۸﴾

تم بدلہ دیئے جاؤ گے جو تمہیں تم عمل کرتے۔

(بقیہ آیت نمبر ۲۷) انسان کا اس المال اور پونجی حیات، عقل اور صحت ہے۔ ان میں تصرف آخرت کی نیک بختی کو حاصل کرنا ہے تو جیسے تاجر مال کے تصرف سے نفع حاصل کرتا ہے۔ ایسے ہی انسان اپنی حیات عقل اور صحت کے تصرف سے اخروی نفع حاصل کرتا ہے۔ چونکہ کفار نے اس المال ضائع کر دیا۔ اس لئے وہ آخرت میں خائب و خاسر ہوں گے۔ (تفسیر کبیر) مقولہ ہے کہ جس نے عمر ضائع کی وہ اپنا ماتم کرے۔

(آیت نمبر ۲۸) تو دیکھے گا کہ ہر امت قیامت کے دن ہولناکی کی وجہ سے گھٹنوں کے بل گری پڑی ہوگی اور وہ انتہائی خوفزدہ ہوں گے اور سوال و جواب اور حساب کی وجہ سے سخت مضطرب ہوں گے۔ کفار تو اپنے کفر کی وجہ سخت کرب میں ہوں گے۔ جب تک حساب و کتاب نہیں ہوتا مسلمان گناہگار کا بھی یہی حال ہوگا۔

فائدہ: حضرت کعب اخبار نے جناب عمر رضی اللہ عنہما سے کہا کہ بروز قیامت جہنم شور کرے گی تو اس کے خوف سے ہر ملک مقرب اور نبی مرسل بھی گھٹنوں کے بل گرا ہوگا۔ یہاں تک کہ ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام جیسے پیغمبر بھی نفسی نفسی پکار رہے ہوں گے۔ پھر ہر امت اپنے اعمالناے کی طرف بلائی جائے گی۔

فائدہ: اس میں بندوں کے عجز کی طرف اشارہ ہے۔ یعنی بندہ اتنا عاجز ہے۔ کہ وہاں کچھ بھی نہیں کر سکے گا۔ پھر فرمایا جائے گا۔ کہ آج تمہیں اس کی جزاء ملے گی جو تم عمل کرتے رہے۔ جس کا عمل مقبول ہوگا۔ اس کی جزاء جنت ہے اور جس نے کفر یا شرک کیا اس کی سزا جہنم ہوگی۔

حدیث شریف: حضور ﷺ نے فرمایا۔ قیامت کے دن ایمان اور شرک اللہ تعالیٰ کے حضور حاضر ہوں گے۔ تو اللہ تعالیٰ ایمان سے فرمائے گا۔ تو اپنوں کو جنت میں لے جا اور شرک سے فرمائے گا تو اپنوں کو جہنم میں لے جا۔ (درمنثور تفسیر بالماثور)

هَذَا كِتَابُنَا يَنْطِقُ عَلَيْكُمْ بِالْحَقِّ ۚ اِنَّا كُنَّا نَسْتَنْسِخُ مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ ﴿۲۹﴾

یہ نوشتہ ہمارا بولتا ہے تم پر حق سے بے شک ہم لکھتے رہے تھے جو جو تھے تم کرتے۔

فَاَمَّا الَّذِينَ اٰمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ فَيُدْخِلُهُمْ رَبُّهُمْ فِي رَحْمَتِهِ ۚ

البتہ جو ایمان لائے اور عمل نیک کئے تو انہیں داخل فرمائے گا ان کا رب اپنی رحمت میں۔

ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْمُبِينُ ﴿۳۰﴾

یہی کامیابی ہے واضح۔

(آیت نمبر ۲۹) یہ ہماری کتاب ہے۔ یہ پچھلے جملے کا مکملہ ہے۔ یعنی یہ ایسی کتاب ہے جس میں تمام بندوں کے اعمال ہیں۔ اس میں تمام لکھا ہوا حکم الہی سے ہوگا۔ آگے فرمایا کہ ہماری کتاب تمہارے متعلق بول کر گواہی دے گی۔ حق کے ساتھ یعنی ٹھیک ٹھیک بغیر کسی کمی بیشی کے۔ بے شک ہم اس میں لکھتے رہے۔ یعنی فرشتوں کے ذریعے تمہارے اعمال لکھواتے رہے۔ وہ اعمال نیک یا برے بڑے تھے یا چھوٹے۔ ہمارے حکم سے فرشتوں نے اعمالناے میں ثبت کر دیئے۔ اگرچہ وہ سب کچھ لوح محفوظ میں لکھا ہوا تھا۔ کیونکہ قلم نے روز ازل میں وہ سب لکھ دیا جو انسان نے دنیا میں آ کر کرنا تھا۔

مسئلہ: معلوم ہوا انسان نے جو کچھ کرنا ہوتا ہے۔ وہ فرشتوں کو پہلے ہی بتا دیا جاتا ہے۔ گویا فرشتے انسانوں کے ساتھ بطور گواہ کے ساتھ رہتے ہیں۔ تاکہ حجت قائم ہو جائے۔ بعض علماء نے کہا کہ لوح محفوظ کا لکھا بھی ان کے پاس ہوتا ہے اور جو انسان کر رہا ہوتا ہے۔ اسے وہ لوح محفوظ والی تحریر سے ملاتے ہیں۔ تو بالکل اس کے مطابق پاتے ہیں۔ سبق: بندے پر لازم ہے کہ موت سے پہلے اپنے احوال کی اصلاح کر لے۔ بہت جلد عمر ختم ہو جائیگی۔

(آیت نمبر ۳۰) البتہ وہ لوگ جو ایمان لائے اور نیک اعمال کئے تو اللہ تعالیٰ انہیں داخل فرمائے گا۔ اپنی رحمت میں یعنی جنت میں۔ جنت اور رحمت ایک ہی چیز ہے۔ جنت میں داخلہ بہت واضح کامیابی ہے کہ اس سے بڑی کوئی کامیابی نہیں۔ فوز عظیم آخرت میں لقائے خداوندی کو کہتے ہیں۔ لیکن یہ کامیابی عوام کے سامنے ظاہر نہیں ہے۔ انہیں تو جنت میں چلے جانا ہی بڑی کامیابی نظر آتی ہے۔ لیکن اصل کامیابی دیدار الہی ہے۔ اس لئے اس کامیابی کو فوز مبین کہا گیا ہے۔ اگرچہ دونوں کامیابیاں اصل میں ایک ہی ہیں۔ کیونکہ دیدار الہی بھی صرف جنتیوں کو ہی ہوگا۔

وَأَمَّا الَّذِينَ كَفَرُوا ۖ أَفَلَمْ تَكُنْ آيَتِي تُلَىٰ عَلَيْكُمْ فَاسْتَكْبَرْتُمْ

البتہ جو کافر ہیں۔ کیا نہیں تھیں میری آیتیں پڑھی گئیں تم پر۔ پھر تم نے تکبر کیا

وَكَنتُمْ قَوْمًا مُّجْرِمِينَ ﴿۳۱﴾

اور تھے تم لوگ مجرم۔

(آیت نمبر ۳۱) البتہ جنہوں نے کفر کیا۔ ان سے کہا جائیگا کہ کیا تمہارے سامنے ہماری آیات نہیں پڑھی جاتی تھیں۔ یہ بات انہیں ڈانٹ ڈپٹ کے ساتھ کہی جائیگی۔ یعنی کیا تمہارے پاس رسول نہیں آئے تھے اور کیا انہوں نے تمہیں ہماری آیات پڑھ کر نہیں سنائی تھیں تو تم نے (ماننے کے بجائے) تکبر کیا اور تم تھے ہی مجرم یعنی جرائم پیشہ لوگ تھے۔

فائدہ: شیخ سمرقندی رحمہ اللہ نے بحر العلوم میں لکھا ہے کہ وہ لوگ جو آیات سے محروم رہے۔ جن تک آیات نہیں پہنچ سکیں۔ ان پر یہ حکم لاگو نہیں ہوگا۔ کیونکہ وہ لوگ معذور ہیں۔ ہو سکتا ہے وہ بخشنے جائیں۔ رحمت خداوندی انہیں اپنی وسعت میں گھیر لے۔ اسی طرح جو لوگ دور فترت میں ہوئے۔ یا بے عقل یا کنگے ہوئے۔ ممکن ہے کہ وہ بھی رحمت بے پایاں سے حصہ پائیں گے۔ اللہ تعالیٰ بہت بڑا رحیم و کریم ہے۔

حدیث شریف: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔ چار قسم کے لوگ ایسے ہوں گے۔ جو اللہ تعالیٰ کے ہاں عذر سے بخشنے جائیں گے۔ (۱) جو دور فترت میں فوت ہوا۔ (۲) جس نے بڑھاپے میں اسلام پایا۔ (۳) بہرہ۔ گونگا۔ (۴) مجنون اور احمق۔ (البدایہ والنہایہ۔ حافظ ابن کثیر)

رحمت الہی میں بہت وسعت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت کو بندوں پر تنگ نہیں رکھا۔ اس لئے بندوں کو کافر بنانے اور گمراہ کہنے سے زبان کو روک رکھو۔ ان لوگوں کی طرح نہ ہو۔ جن کی پونجی چند کتابیں ہیں۔ جن سے وہ لوگوں کو کافر (مشرک بدعتی) بناتے رہتے ہیں۔ بعض متکلمین بھی ایسے ہیں جو وہابیوں کی طرح اہل اسلام کو کافر (مشرک و بدعتی) بنانے میں لگے رہتے ہیں۔ وہ کذاب دین کی روح سے ناواقف ہیں۔ بلکہ وہ کہتے ہیں جو ہمارے عقائد نہیں مانتا وہ کافر ہے۔ ایسے لوگوں پر اللہ تعالیٰ کی پھٹکار اور لعنت ہے۔ انہوں نے اللہ تعالیٰ کی رحمت کو وسعت کے باوجود تنگ جانا اور جنت کو اپنی جاگیر سمجھ لیا۔ ان بے وقوفوں نے ایسے لوگوں کو کافر مشرک اور گمراہ کہنا شروع کر دیا جو اہل اسلام کے نزدیک انتہائی نیک اور پارسا ہیں۔ اور بعض جہلاء صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو بھونکتے ہیں۔

وَإِذَا قِيلَ إِنَّ وَعْدَ اللَّهِ حَقٌّ وَالسَّاعَةُ لَا رَيْبَ فِيهَا قُلْتُمْ مَا نَدْرِي

اور جب کہا گیا بے شک وعدہ اللہ تعالیٰ کا حق ہے اور قیامت نہیں شک اس میں۔ تم نے کہا نہیں جانتے

مِنَ السَّاعَةِ ۚ إِنَّا نَظُنُّ إِلَّا ظَنًّا وَمَا نَحْنُ بِمُتَّبِعِينَ ﴿۳۷﴾

کہ کیا ہے قیامت۔ ہمیں خیال مگر ایک گمان ہے اور ہمیں کوئی یقین۔

(بقیہ آیت نمبر ۳۱) انہیں حضور ﷺ کا یہ ارشاد معلوم نہیں کہ میری تمام امت جنت میں جائیگی سوا زندقوں کے۔ زندیق وہ لوگ جو آخرت پر ایمان نہیں رکھتے۔ وہ کہتے ہیں۔ زمانہ یوں ہی چلتا ہی رہے گا اور وہ کسی چیز کو حرام بھی نہیں کہتے۔ (مزید تفصیلات فیوض الرحمن میں دیکھ لیں)۔

(آیت نمبر ۳۲) اور جب کہا جائے۔ بے شک اللہ تعالیٰ کا وعدہ برحق ہے۔ ضرور پورا ہوگا۔ اس میں کسی قسم کا شک و شبہ نہیں۔ اس کے واقع ہونے کے متعلق جو مخبر صادق نے خبر دی ہے اور اس کے ہونے پر شواہد بھی قائم ہیں۔ لیکن تم نے اپنی سرکشی سے کہا کہ ہم تو نہیں جانتے کہ قیامت کیا چیز ہے۔ ہم تو یہی سمجھتے ہیں کہ یہ محض گمان ہی گمان ہے۔ ہمیں یقین نہیں ہے کہ قیامت قائم ہوگی۔

فائدہ: غالباً قیامت کے بارے میں کفار کے کئی گروہ تھے۔ کچھ کہتے۔ صرف یہ دنیا ہے۔ اس کے آگے کچھ نہیں۔ کچھ کہتے قیامت ہوئی تو ہماری عزت زیادہ ہوگی۔ اور کچھ کہتے ہیں۔ یہ گمان ہی ہے۔ یعنی شک ہی ہے۔ کیونکہ انہوں نے حضور ﷺ سے بہت دلائل سن لئے تھے۔

ظن اور یقین میں فرق: ظن وہ عقیدہ ہے۔ جس میں اس کے مخالف بات کا بھی احتمال ہو اور یقین کا مطلب ہے شک کو زائل کر کے علم کو پختہ کرنا۔ قیامت کے متعلق شک کرنے والا گویا اللہ و رسول پر بھی شک کرتا ہے۔

سبق: عقل والے پر لازم ہے کہ وہ ان امور پر یقین رکھے کہ جن کی اللہ (اور اس کے رسول) نے خبر دی ہے۔

یقین کے مراتب: ۱۔ علم الیقین: جو ادراک باطنی۔ درست فکر اور استدلال سے حاصل ہو۔ یہ علماء عالمین کو حاصل ہوتا ہے۔ (۲) عین الیقین: یہ اس وقت ملتا ہے۔ جب معلوم اشیاء کا مشاہدہ ہو۔ اس کی آنکھوں سے پردے ہٹ جائیں۔ یہ مرتبہ عین الیقین اولیاء کرام کو نصیب ہوتا ہے۔ (۳) اس سے اوپر کا درجہ حق الیقین کا ہے جو انبیاء کرام ﷺ کو نصیب ہوتا ہے۔

وَبَدَّاهُمْ سَيَّاتٌ مَّا عَمِلُوا وَحَاقَ بِهِمْ مَّا كَانُوا بِهِ يَسْتَهْزِءُونَ ﴿۳۳﴾

اور ظاہر ہو گئیں ان کی برائیاں جو انہوں نے کیں۔ اور گھیر لیا انہیں جو تھے اس سے مزاح کرتے

وَقِيلَ الْيَوْمَ نَنْسِفُكُمْ كَمَا نَسِيتُمْ لِقَاءَ يَوْمِكُمْ هَذَا وَمَأْوَاكُمُ النَّارُ

اور کہا جائیگا آج ہم چھوڑتے ہیں تمہیں جیسا بھلایا تم نے ملنے اس دن کو اور ٹھکانہ تمہارا آگ ہے۔

وَمَا لَكُمْ مِّنْ نَّصِيرِينَ ﴿۳۴﴾

اور نہیں ہوگا تمہارا کوئی مددگار۔

(آیت نمبر ۳۳) کفار کے برے اعمال جو بھی ہیں۔ قیامت کے دن ان کے سامنے آ جائیں گے۔ ڈراؤنی اور بری شکلوں میں ظاہر ہوں گے۔ مثلاً حرام کام خنزیر کی شکل میں۔ نیند بھینس کی شکل میں۔ خود پسندی بندر کی شکل میں۔ لواطت ہاتھی کی شکل میں۔ مکر لومڑی کی شکل میں چوری رات کی شکل میں غرضیکہ تمام برے اعمال مختلف بری شکلوں اور صورتوں میں سامنے آئیں گے۔ اسی لئے دنیا کو بھیتی کہا گیا کہ اس میں جیسا کوئی بیج ڈالے گا ویسا ہی پھل کاٹے گا۔ لہذا برے اعمال کی بری سزا ہوگی۔ آگے فرمایا۔ جو وہ نبی کریم ﷺ یا قرآن مجید یا اسلام اور مسلمانوں کا مذاق اڑاتے تھے۔ انہیں ان کی برائیاں بری شکلوں میں آ کر گھر لیں گی اور ایذا میں پہنچائیں گی۔ یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کے حکم سے ہوگا۔ جو دنیا میں وہ اللہ والوں سے ٹھٹھا مذاق کیا کرتے تھے۔

(آیت نمبر ۳۴) اور انہیں کہا جائیگا۔ آج بروز قیامت ہم تمہیں بھلا دیں گے۔ یعنی عذاب میں داخل کر کے چھوڑ دیں گے۔ یہاں بھولنا بمعنی چھوڑ دینے کے ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ بھولنے سے پاک ہے۔ (استعارہ کے طور پر ہے)۔ یا چھوڑ لا پرواہ ہونے کے معنی میں ہے۔

جیسے تم آج قیامت کے دن کی ملاقات سے لا پرواہ ہو گئے تھے۔ یعنی تم نے دنیا میں آج کے دن کو کوئی وقعت نہیں دی کہ نہ اللہ تعالیٰ پر ایمان لائے اور نہ اس دن کیلئے کوئی نیک عمل کیا۔

فائدہ: اس میں اشارہ ہے کہ انہوں نے دنیا میں نسیان کا بیج ڈالا پھل بھی نسیان ہی ملا۔ آگے فرمایا کہ تمہارا ٹھکانہ جہنم ہے۔ کیونکہ جو ہمیں یاد نہ کرے اور ہمیں بھلا دے۔ اس کا وہی ٹھکانہ ہے اور پھر تمہارا اس جہنم سے نکالنے یا نکلنے میں مددگار بھی کوئی نہیں ہوگا۔ جو تمہیں دوزخ سے چھٹکارا دلادے۔

ذَلِكُمْ بِأَنكُمْ اتَّخَذْتُمْ آيَاتِ اللَّهِ هُزُوءًا وَ غَرَّتْكُمْ الْحَيَاةُ الدُّنْيَا ۚ

یہ اس لئے کہ تم نے بنایا آیات خداوندی کو مزاح۔ اور دھوکہ میں رکھا تمہیں زندگی دنیا نے۔

فَالْيَوْمَ لَا يُخْرَجُونَ مِنْهَا وَلَا هُمْ يُسْتَعْتَبُونَ ﴿۳۵﴾

تو آج وہ نہیں نکالے جائیں گے آگ سے۔ اور نہ وہ منائے جائیں گے۔

فَلِلَّهِ الْحَمْدُ رَبِّ السَّمَوَاتِ وَرَبِّ الْأَرْضِ رَبِّ الْعَالَمِينَ ﴿۳۶﴾

پس اللہ کیلئے ہیں سب خوبیاں جو رب ہے آسمانوں اور رب ہے زمین کا رب ہے تمام جہانوں کا۔

(آیت نمبر ۳۵) وہ عذاب تمہیں اس وجہ سے ہوگا کہ بے شک تم نے آیات الہیہ کو ٹھٹھہ مذاق سمجھا۔ نہ ان میں غور و فکر کیا اور نہ انہوں نے اسے قبول کرنے کے بارے میں سوچا۔ تمہیں تو دنیا کی زندگی نے ایسا دھوکے میں رکھا۔ کہ تم نے یہی گمان کیا کہ اس کے آگے کوئی جہان ہی نہیں۔ نہ اس کے بعد دوبارہ زندہ ہونا ہے۔ لہذا آج کے دن جب تمام جہنمی جہنم میں چلے جائیں گے۔ تو پھر کبھی بھی وہ وہاں سے نہیں نکالے جائیں گے۔

فائدہ: اس سے ان کی اہانت اور حقارت مطلوب ہے۔ نیز یہ بھی اشارہ ہے کہ جب انہیں دوزخ میں ڈال دیا جائیگا تو پھر یہ کہا جائیگا کہ اب نہ وہ نکالے جائیں گے اور نہ انہیں معاف کیا جائے گا۔ یعنی ان کا کوئی مطالبہ پورا نہیں ہوگا۔ کہ اب وہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کر کے اسے راضی کر سکیں کیونکہ انہیں جو موقع دیا گیا وہ ختم ہو گیا ہے۔

(آیت نمبر ۳۶) تمام حمد اللہ تعالیٰ کیلئے ہے جو رب ہے آسمانوں اور زمین کا اور وہ تمام جہانوں کا پروردگار ہے۔ یعنی تمام ارواح و اجسام (وہ اجسام ذی روح یا غیر ذی روح) اور ان کی ذات و صفات سب کا مالک وہی ہے۔

حکایت: جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کے سامنے کسی نے چھینک مار کر کہا ”الحمد للہ“ تو جناب جنید بغدادی نے فرمایا کہ ”الحمد للہ رب العالمین“ کہنا چاہئے۔ تاکہ قرآن مجید کے موافق ہو جائے تو اس شخص نے پوچھا کہ کیا عالم کا کوئی وجود ہے کہ جسے اللہ تعالیٰ کے ساتھ ذکر کیا جائے۔ اس لحاظ سے معنی یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ اس سے بڑا ہے کہ اس کا حواس سے ادراک کیا جاسکے یا اس کے جلال کو عقل و قیاس سے سمجھا جاسکے۔ (غالباً آپ نے فرمایا) وہ اس سے بہت بلند ہے کہ کوئی اس کے جلال کا ادراک کر سکے یا اس کو کوئی پہچان سکے کیونکہ اللہ تعالیٰ کے سوا اس کو کوئی بھی نہیں پہچان سکتا۔

وَلَهُ الْكِبْرِيَاءُ فِي السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ ۖ وَهُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ۝ (۳۷)

اور اسی کی بڑھائی ہے آسمانوں اور زمین میں اور وہ عزت والا حکمت والا ہے۔

(آیت نمبر ۳۷) آسمانوں اور زمینوں میں کبریائی یعنی عظمت و قدرت و سلطنت اور عزت اسی کے لئے ہے کیونکہ زمین و آسمان میں ہر جگہ اسی کے نشان ہیں اور وہ ایسا غالب ہے کہ اس پر کوئی غالب نہیں اور وہ معبود اپنی قضا و قدر میں حکیم ہے۔ اس لئے حمد بھی اسی کا حق ہے۔ اسی کی بڑھائی بیان کی جائے اور وہ مستحق ہے اس بات کا کہ اس کی اطاعت کی جائے کیونکہ وہ قادر مطلق ہے۔ اس کی ہر صنعت میں ہزاروں حکمتیں ہیں۔

حدیث قدسی میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ کبریائی میری چادر ہے اور عظمت میری ازار ہے جو کوئی مجھ سے ان میں سے ایک بھی چھینے گا میں اسے دوزخ میں ڈالوں گا۔ (بخاری)

نکتہ: بعض مشائخ نے فرمایا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے لئے رداء اور ازار کا اطلاق فرمایا لیکن قیص و شلوار کا نام نہیں لیا۔ اس لئے کہ وہ سلع ہوئے ہیں اور چادریں سلی ہوئی نہیں ہوتیں۔ سلع ہوئے کپڑے تنگ سے تنگ سلائی کئے جاتے ہیں اور چادریں کشادہ ہوتی ہیں۔

نکتہ: حمد کی کبریائی پر تقدیم میں اشارہ ہے کہ حمد کرنے والوں کیلئے لازم ہے کہ جب وہ اللہ تعالیٰ کی حمد کریں تو ذہن میں یہ تصور رکھیں۔ کہ وہ اللہ تعالیٰ اعلیٰ و اکبر ہے۔ اس بات سے کہ کوئی اس کی حمد کرے۔ بلکہ اس کی نعمتیں اتنی زیادہ ہیں کہ شکر کرنے والے کا حقہ ان کا شکر ہی ادا نہیں کر سکتے۔ حتیٰ کہ فرشتے بھی عبادت کے بعد یہی کہتے ہیں کہ اے مالک ہم نے تیری عبادت کا حق ادا نہیں کیا۔

اختتام پارہ و سورۃ آجورہ ۱۲ جنوری ۲۰۱۷ء بمطابق ۱۰ ربیع الثانی ۱۴۳۸ھ بروز جمعرات بعد نماز عشاء

حَمَّ ① تَنْزِيلُ الْكِتَابِ مِنَ اللَّهِ الْعَزِيزِ الْحَكِيمِ ② مَا خَلَقْنَا

اترنا کتاب کا اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے جو عزت و حکمت والا ہے۔ نہیں پیدا کیا

السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا اِلَّا بِالْحَقِّ وَاَجَلٍ مُّسَمًّى ۚ وَالَّذِينَ كَفَرُوْا

آسمانوں اور زمین کو اور جو ان میں ہے مگر حق کے ساتھ اور وقت مقررہ تک۔ اور جنہوں نے کفر کیا

عَمَّا اُنْذِرُوْا مُّعْرِضُوْنَ ③

جس چیز سے ڈرائے گئے اس سے روگرداں ہیں۔

(آیت نمبر ۱) حم سورۃ کا نام ہے۔ یہ دونوں حروف اسماء الہیہ کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔ کیونکہ ابجد کے حساب سے ح اور م کے ابجد ننانویں بنتے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ قرآن مجید کو نازل فرمایا ہے۔ اس کے اسماء حسنیٰ کو بھی یاد رکھا جائے اور اس کی صفات کو بھی پہچانا جائے۔

(آیت نمبر ۲) اس کتاب قرآن مجید کا اترنا اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے اور جو چیز اللہ تعالیٰ کی طرف سے آئے۔ اس کی سچائی میں کوئی شک و شبہ نہیں ہوتا۔ اور وہ ہر ایک چیز پر غالب ہے اور حکیم ہے کہ وہ حکمت بالغہ کا مالک ہے۔ اور اس کے ہر کام میں بے شمار حکمتیں ہیں۔ ان حکمتوں کو اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے۔

(آیت نمبر ۳) ہم نے آسمانوں اور زمین کو اور جو کچھ ان دونوں کے درمیان مخلوق ہے۔ انسان و حیوان وغیرہ مگر حق کے ساتھ پیدا کیا۔ یعنی اس سے ایک غرض اور حکمت انسان کی ضروریات پوری کرنا۔ دوسری اس سے ایک غرض یہ ہے کہ لوگ ان کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی معرفت حاصل کریں اور اس کے احکام پر پابندی سے عمل کریں۔ تاکہ دنیا میں سکون ملے اور بروز قیامت ان کے اعمال پر انہیں اچھی جزاء ملے۔ اللہ تعالیٰ نے کوئی چیز بے کار اور بے مقصد نہیں بنائی۔ اللہ تعالیٰ کے کلام میں ہر کلمے کا ایک معنی ظاہر اور ایک باطن ہے۔ آگے فرمایا کہ ہر چیز کو ایک وقت مقرر تک کیلئے بنایا۔ جب وہ وقت مقرر آ جائے تو وہ ختم ہو جاتی ہے۔

قُلْ أَرَأَيْتُمْ مَا تَدْعُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ أَرُونِي مَاذَا خَلَقُوا مِنَ الْأَرْضِ

فرما دو بھلا بتاؤ جن کو تم پوجتے ہو سوائے اللہ کے مجھے دکھاؤ کیا انہوں نے بنایا زمین میں۔

أَمْ لَهُمْ شِرْكٌ فِي السَّمَوَاتِ ۚ يَتُونِي بِكِتَابٍ مِنْ قَبْلِ هَذَا أَوْ أَثَرَةٍ

یا ان کا حصہ ہے آسمانوں میں۔ تو لاؤ میرے پاس کتاب اس سے پہلے کی۔ یا بچا کھچا

مَنْ عِلْمٍ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ ﴿۴﴾

کوئی علم اگر ہو تم سچے۔

(آیت نمبر ۴) اے محبوب انہیں زبردستی کے طور پر فرماؤ۔ بھلا بتاؤ تو کہ جن کی تم پوجا کرتے ہو اللہ تعالیٰ کے سوا۔ یعنی بت وغیرہ تم مجھے دکھاؤ کہ انہوں نے زمین میں کون سی چیز پیدا کی ہو۔ اگر وہ واقعی معبود ہیں۔ یعنی زمین کا کوئی ٹکڑا بنایا ہو یا کوئی زمین پرشیء پیدا کی ہو۔ یا ان کی کوئی کسی چیز میں شراکت ہے۔ آسمانوں میں یا زمین میں کوئی ملکیت ہوتا کہ پتہ چلے کہ انہیں کوئی عبودیت کا حق حاصل ہے۔ اگر ان میں سے کوئی بات نہیں ہے۔ تو پھر وہ کس طرح معبود ہونے کے مستحق ہیں۔ اگر انسان ہزاروں کمالات کے باوجود خدائی کا حق نہیں رکھتا۔ تو یہ محض پتھر جو بالکل عاجز محض ہے۔ نہ ان کا کسی چیز پر تصرف نہ طاقت پھر تم کیسے ان کی پرستش کرتے ہو۔

فائدہ: اگر تمہارے پاس کوئی عقلی دلیل نہیں ہے تو نقلی دلیل ہی لے آؤ۔ کوئی اللہ تعالیٰ کی کتاب جو اس کتاب قرآن سے پہلے اتری ہو۔ جس میں تمہارے دعوے کا ثبوت ہو۔ یا کوئی مضبوط دلیل ہو۔

سوال: یہ ہے کہ پوجا تو جناب عیسیٰ علیہ السلام کی بھی ہوتی رہی، اور انہوں نے مٹی کا پرندہ پیدا کیا۔ اس میں پھونکتے تو وہ اڑنے لگ جاتا، کئی مردے زندہ کئے وغیرہ اور بھی کئی کام کئے؟

جواب: علامہ حقی رحمہ اللہ اس کا جواب دیتے ہوئے فرماتے ہیں، کہ عیسیٰ علیہ السلام نے بے شک کمالات دکھائے، مگر ان کمالات کا خالق اللہ تعالیٰ تھا۔ اس کے اذن سے مٹی کا پرندہ بنا۔ اور اس کے اذن سے وہ اڑا اس سے تو عیسیٰ علیہ السلام خود اپنا عجز ظاہر کر کے فرماتے ہیں کہ بنایا میں نے اڑائے گا اللہ تعالیٰ۔ مردے زندہ کرنے کی میں نے دعا کی ہے۔ زندہ وہ خود کرے گا۔ اس لحاظ سے انہیں خالق نہیں کہا جائیگا۔

وَمَنْ أَضَلُّ مِمَّنْ يَدْعُوا مِنْ دُونِ اللَّهِ مَنْ لَا يَسْتَجِيبُ لَهُ إِلَى يَوْمِ الْقِيَمَةِ

اور کون بڑا گمراہ ہے اس سے جو پوجے سوائے اللہ کے جو نہ سنیں اس کی تا روز قیامت۔

وَهُمْ عَنْ دُعَائِهِمْ غَفِلُونَ ﴿٥﴾ وَإِذَا حُشِرَ النَّاسُ كَانُوا لَهُمْ أَعْدَاءً

اور انہیں ان کے پوجنے کی خبر ہی نہ ہو۔ اور جب اکٹھے ہوں گے لوگ تو ہوں گے ان کے دشمن۔

وَكَانُوا بِعِبَادَتِهِمْ كَافِرِينَ ﴿٦﴾

اور ہوں گے ان کے پوجنے سے منکر۔

(بقیہ آیت نمبر ۴) حالانکہ آسمانی جتنی بھی کتابیں ہیں۔ ان میں تو توحید کا ہی بیان ہے اور شرک کا ابطال ہے۔

اگر کتاب بھی نہیں تو پھر کوئی علم کا ایسا نشان دکھا دو۔ جس میں ذکر ہو کہ تمہارے یہ معبود عبادت کے مستحق ہیں۔ لے آؤ اگر تم اپنے دعوے میں سچے ہو۔

(آیت نمبر ۵) اور اس سے بڑا گمراہ کون ہوگا۔ جو اللہ تعالیٰ کے سوا انہیں پوجتا ہے۔ جسے قیامت تک پکارنے

والا پکارتا رہے تو وہ بت اسے کوئی جواب نہ دے سکے۔ **فائدہ:** ایسے لوگ اس لئے گمراہ ہیں کہ وہ اس کو چھوڑتے ہیں

جو خالق رازق۔ سمیع۔ مجیب اور قادر ہے اور ان کی پوجا کرتے ہیں جو نہ سن سکے نہ بول سکے۔ نہ جواب دے سکے۔ خواہ

پکارنے والا قیامت تک پکارتا رہے۔ **فائدہ:** ابن شیخ فرماتے ہیں کہ یہ مراد نہیں کہ بت قیامت تک نہیں بولتے تو

قیامت کے بعد بول پڑیں گے۔ بلکہ وہ قیامت کے بعد بھی نہیں بول سکیں گے۔ اگر بولے بھی تو قیامت کے دن اپنے

پجاریوں کیلئے مزید مصیبت۔ تکلیف اور عذاب کا موجب بنیں گے۔ یعنی ان کے خلاف گواہی دیں گے۔ آگے فرمایا اور وہ

بت ان پجاریوں کی پکار سے ہی بے خبر ہیں۔ اس لئے کہ وہ تو محض پتھر ہیں۔ نہ وہ سنیں نہ سمجھیں تو جواب کیا دیں گے۔

(آیت نمبر ۶) اور جب بروز قیامت لوگ جمع کئے جائیں گے تو یہی بت اپنے پجاریوں کے دشمن ہوں گے۔

انہیں کوئی نفع پہنچانے کے بجائے انہیں نقصان ہی پہنچائیں گے۔ اس وقت ان پجاریوں کو سمجھ آ جائیگا کہ ہم غلطی پر

تھے۔ ہم سمجھتے رہے کہ یہ سفارش کر کے ہمیں بخشوائیں گے۔ انہوں نے تو الٹا ہمیں پھنسا دیا۔ اور بت اپنے پجاریوں

کی پوجا کا ہی انکار کر دیں گے۔ خواہ زبان سے خواہ حال سے بہر حال وہ اپنے پوجا کرنے والوں کے سخت خلاف ہو

جائیں گے۔ اس لئے کہ ان بتوں کے جہنم میں جانے کا سبب یہ پجاری بنے۔ یہ نہ پوجتے تو وہ بھی جہنم میں نہ جاتے۔

وَإِذَا تُلِيٰ عَلَيْهِمُ آيَاتُنَا بَِيِّنَاتٍ قَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا لِلْحَقِّ لَمَّا جَاءَهُمْ ۖ

اور جب پڑھی جائیں ان پر ہماری آیتیں واضح۔ تو کہا کافروں نے حق کیلئے جب آ گیا ان کے پاس

هَذَا سِحْرٌ مُّبِينٌ ۝ ٤٦

کہ یہ ہے جادو کھلا۔

(بقیہ آیت نمبر ۶) **فائدہ:** اللہ تعالیٰ بروز قیامت بتوں کو زندہ فرمائے گا۔ تو وہ اپنے پجاریوں کی پوجا سے اپنی بیزاری ظاہری کر دیں گے اور بول کر بتائیں گے کہ دراصل یہ ہمارے پجاری نہیں تھے۔ بلکہ یہ اپنی خواہشات کے پجاری تھے۔ ان کی خواہشات نے ہماری پوجا کا انہیں حکم دیا تھا اور سورہ یونس میں فرمایا کہ بت کہیں گے کہ اے مشرک تم ہماری پوجا نہیں کرتے تھے۔ تم سے تو شیطان اپنی پوجا کراتا رہا۔

(آیت نمبر ۷) اور جب ان کافروں کے سامنے ہماری آیات بینات پڑھی جاتی ہیں۔

فائدہ: وہ آیات کہ جن میں حلال و حرام (جائز و ناجائز) کے تمام امور کا بیان واضح الدلالہ موجود ہے۔

تو کافروں نے حق کے متعلق کہا۔ یہاں حق سے مراد قرآن کی وہ آیات ہیں۔ جن کی تلاوت کی جاتی ہے۔

فائدہ: معلوم ہوا کہ ان آیات پر ایمان لانا واجب ہے تو جب وہ آیات ان کافروں نے سنیں تو چونکہ اس سے پہلے انہوں نے ایسی آیات نہیں سنی تھیں۔ پہلی ہی مرتبہ ایسی واضح آیات انہیں سننے کا اتفاق ہوا تھا تو انہوں نے بغیر سوچے سمجھے اور ان میں غور و فکر کئے بغیر ہی کہہ دیا کہ یہ تو ظاہر باہر جادو ہے۔

فائدہ: غالباً ان کے نزدیک بھی جادو بری چیز تھی اور باطل چیز تھی۔ جس کی کوئی حقیقت نہیں تھی۔

فائدہ: یاد رہے کفار کا قرآن کو جادو کہنے میں صرف قرآن پاک کا انکار نہیں تھا۔ بلکہ جو کچھ قرآن پاک میں ہے۔ مثلاً قیامت اور قیامت کے دن دوبارہ زندہ ہونا۔ جزاء و سزا اور حساب کا ہونا وغیرہ ان تمام باتوں کا انکار اس میں شامل تھا۔ **فائدہ:** اس میں یہ بھی اشارہ ملتا ہے کہ جو لوگ حق کو دیکھنے سے ہی اندھے ہو گئے اور حق بات سننے سے ہی بہرے ہو گئے کہ قرآن جیسی واضح کتاب کو جادو کہہ دیا۔ ان کیلئے کیا ہے کہ وہ نبیوں یا دین داروں کو جادو گر کہہ دیں اور اولیاء اللہ کو جادو گر وغیرہ کہنا اور ان پر طعن و تشنیع وغیرہ کرنا یہ تو منکرین کا ہمیشہ محبوب مشغلہ رہا ہے۔ ایسے لوگ قرآن مجید پڑھنے کے باوجود کفر کے گھیرے میں ایسے گھرے ہوئے ہیں کہ مرتے دم تک اس سے نہیں نکل سکتے۔

أَمْ يَقُولُونَ افْتَرَاهُ ۚ قُلْ إِنِ افْتَرَيْتُهُ فَلَا تَمْلِكُونَ لِي مِنَ اللَّهِ شَيْئًا ۚ

یا کہتے ہیں کہ اس نے خود بنالیا اسے۔ فرمادو اگر میں نے خود بنایا ہے تو نہیں تمہیں اختیار میرا اللہ کے سامنے کچھ

هُوَ أَعْلَمُ بِمَا تُفِيضُونَ فِيهِ ۚ كَفَىٰ بِهِ شَهِيدًا ۚ بَيْنِي وَبَيْنَكُمْ ۚ

وہ خوب جانتا ہے جس میں تم پڑے ہو۔ کافی ہے وہ گواہ میرے اور تمہارے درمیان۔

وَهُوَ الْغَفُورُ الرَّحِيمُ ۝۸

اور وہ بخشنے والا مہربان ہے۔

(آیت نمبر ۸) بلکہ وہ کافر تو یہ کہتے ہیں کہ محمد ﷺ نے یہ قرآن خود ہی گھڑا ہے اور اسے اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کر دیا ہے۔ (اپنی جگہ تو وہ مانتے تھے، کہ یہ کلام کسی انسان کا نہیں ہے)۔

فائدہ: ان کا یہ دعویٰ انتہائی برا بلکہ تعجب خیز ہے۔ اس لئے کہ قرآن تو ایک معجزہ ہے اور ایسا کلام ہے۔ جس کی مثال انسانی امکان سے باہر ہے۔ اسی لئے اس سورۃ کی ابتداء میں ہی کفار کے اس خیال کا جواب دیا۔ کہ یہ قرآن کا اترنا اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے۔

مسئلہ: جادو بھی کفر ہے اور نبی پر قرآن کے گھڑنے کا بہتان اس سے بھی بڑا کفر ہے اور اللہ تعالیٰ کے متعلق بدگمانی اس سے بھی برا کام ہے۔ آگے فرمایا اے محبوب فرمادو۔ اگر بالفرض میں نے قرآن گھڑ کر اللہ تعالیٰ پر بہتان باندھا ہے۔ تو تم مجھے اللہ تعالیٰ کے عذاب سے بچانے کے مالک نہیں۔ یعنی جو بھی اللہ تعالیٰ پر جھوٹ گھڑتا ہے۔ وہ عذاب الہی سے بچ نہیں سکتا۔ پہلی بات یہ ہے کہ میں ایسا کام کروں ہی کیوں جس سے نجات ناممکن ہو اور کوئی اس سے بچا بھی نہ سکے۔ اور یاد رکھو تم جو آیات الہی کے متعلق طعن و تشنیع کرتے ہو۔ اللہ تعالیٰ اسے خوب جانتا ہے کہ تم کس کام میں پڑے ہو۔ کبھی جادو کہتے ہو کبھی شعر کہتے ہو۔ لہذا اللہ تعالیٰ ہی کافی ہے گواہ میرے اور تمہارے درمیان وہی میرے تبلیغ حق اور صدق کی گواہی دے گا اور تمہارے جھوٹ اور انکار کی بھی گواہی دے گا اور وہ بخشنے والا مہربان ہے یعنی توبہ کرنے والے مومن کی مغفرت فرمائے گا۔ یہ اس کا وعدہ ہے لیکن جو اللہ تعالیٰ پر جرات کرتا ہے۔ ان پر عذاب میں جلدی نہیں فرماتا۔ اس لئے کہ وہ بردبار بھی ہے۔ مہربان بھی ہے۔ رحم والا بھی ہے۔

قُلْ مَا كُنْتُ بِدْعًا مِّنَ الرُّسُلِ وَمَا أَدْرِي مَا يُفْعَلُ بِي وَلَا بِكُمْ ؕ

فرمادو نہیں ہوں میں انوکھا رسول۔ اور نہیں جانتا کیا کیا جا رہا ہے میرے ساتھ اور تمہارے ساتھ۔

إِنِ اتَّبِعُ إِلَّا مَا يُوحَىٰ إِلَيَّ وَمَا أَنَا إِلَّا نَذِيرٌ مُّبِينٌ ⑨

نہیں تابع مگر اس کا جو وحی کی جاتی ہے میری طرف اور نہیں میں مگر ڈرانے والا کھلا۔

(آیت نمبر ۹) اے محبوب فرمادو ان کفار سے جو اپنے عناد اور تکبر سے آیاتِ مبینات کے متعلق باتیں کرتے ہیں۔ کہ میں کوئی نیا رسول تو نہیں ہوں۔ مجھ سے پہلے اللہ تعالیٰ نے بے شمار رسول مبعوث فرمائے۔ تمام انبیاء خالص توحید اور اللہ تعالیٰ سچے کی عبادت کیلئے دعوت دیتے رہے اور میں اس لئے بھیجا گیا ہوں تاکہ اخلاقی بزرگیوں کو مکمل کروں اور یہ بھی ضروری نہیں ہے کہ جو کچھ وہ دیئے گئے وہی میں بھی دیا جاؤں۔ یعنی جو تم مانگتے جاؤ میں دیتا جاؤں۔ یا جو تم غیبی خبریں پوچھنا چاہو میں تمہیں بتاتا جاؤں۔ مجھ سے پہلے رسولانِ عظام وہی معجزات لاتے جو اللہ تعالیٰ انہیں عطا فرماتا۔ وہ اپنی قوم کو انہی باتوں کی خبر دیتے۔ جن کا انہیں وحی کے ذریعے علم دیا جاتا تھا۔ تو پھر تم مجھ سے ایسی باتوں کا کیوں مطالبہ کرتے ہو۔ جن کا ابھی اللہ تعالیٰ نے علم نہیں دیا۔ آگے فرمایا کہ میں خود بخود نہیں جانتا کہ آئندہ میرے ساتھ کیا ہوگا اور نہ ہی خود بخود میرے علم میں ہے کہ میرا انجام کیا ہوگا۔ نہ تمہارے متعلق کچھ کہہ سکتا ہوں۔ مجھ سے پہلے انبیاء کرام علیہم السلام بھی امتحان میں آزمائے گئے۔ انہیں کئی قسم کے فتنوں میں مبتلا کیا گیا۔ تو جنہوں نے انبیاء کرام علیہم السلام کو پریشان کیا۔ ان میں کوئی زمین میں دھنسائے گئے۔ کچھ کی شکلیں مسخ ہوئیں اور کچھ پر پتھر برسے۔ کوئی پانی میں غرق ہوئے وغیرہ۔ یعنی منکرینِ انبیاء دنیا سے ذلت کے ساتھ مرے۔

وہم کا ازالہ: ”ما ادری“ کا معنی یہ ہے کہ استقلال اور ذاتی طور پر میں نہیں جانتا۔ ورنہ عطا اور تعلیم کے لحاظ سے حضور ﷺ کو بے شمار علوم حاصل تھے۔ علامہ اسماعیل حقی رحمۃ اللہ فرماتے ہیں۔ یہ تو ابتداء میں فرمایا۔ پھر تو اللہ تعالیٰ نے وحی کے ذریعے آپ کو اپنے اور امت کے بارے میں اچھے خاتمے کی خبر دی (وللاخرة خیر لك من الاولى) یعنی اے محبوب آپ کا آنے والا وقت پہلے سے بہتر ہے جیسے ہجرت کا حکم۔ جہاد کا حکم۔ آپ کے دین کو تمام دینوں پر غلبہ۔ دوسری بات یہ کہ علامہ فرماتے ہیں۔ درایت یعنی یہاں تفصیلی علوم کی نفی ہے۔ اجمالی علم کی نفی نہیں ہے اجمالی طور پر آپ جانتے تھے۔

فائدہ: یاد رہے درایت کی نفی سے بالکل علم کی نفی کرنا علمی کی دلیل ہے۔

قُلْ أَرَأَيْتُمْ إِنْ كَانَ مِنْ عِنْدِ اللَّهِ وَكْفَرْتُمْ بِهِ وَشَهِدَ شَهِدٌ

فرمادو بھلا دیکھو اگر ہوا قرآن اللہ کی طرف سے اور تم نے انکار کیا اس کا۔ اور گواہی دی ایک گواہ نے

مِّنْ بَنِي إِسْرَآءِ يُلِّ عَلَىٰ مِثْلِهِ فَأَمَنَ وَاسْتَكْبَرْتُمْ ؕ إِنَّ اللَّهَ لَا يَهْدِي

بنی اسرائیل سے اس کی مثل پر۔ پھر ایمان لایا اور تم نے تکبر کیا۔ بے شک اللہ نہیں ہدایت دیتا

الْقَوْمَ الظَّالِمِينَ ۝ ۱۰

ان لوگوں کو جو ظالم ہیں۔

(بقیہ آیت نمبر ۹) آگے فرمایا۔ میں نہیں پیروی کرتا مگر وحی کی جو میری طرف کی جاتی ہے۔ معلوم ہوا حضور ﷺ کا ہر فعل وحی کے تابع تھا اور میں نہیں ہوں مگر اللہ تعالیٰ کے عذاب سے ڈرانے والا۔ اور ہدایت دینے والی ذات اللہ تعالیٰ کی ہی ہے۔

(آیت نمبر ۱۰) اے میری قوم بھلا بتاؤ تو اگر یہ قرآن من جانب اللہ تعالیٰ ہوا۔ اور تم اسے جادو۔ اور اپنی طرف سے گھڑا ہوا کہہ رہے ہو۔ (معاذ اللہ)۔ اور تم اسے جادو اور من گھڑت کہہ کر اس سے کفر کر رہے ہو۔ حالانکہ بنی اسرائیل کے عظیم اکشان علم والے لوگوں نے اس کے برحق ہونے کی گواہی دی۔ جیسے عبد اللہ بن سلام رضی اللہ عنہ جو یہود کے بہت بڑے علماء میں سے تھے۔ ان کا یہودیت میں حصین نام تھا۔ حضور ﷺ نے ان کا نام عبد اللہ رکھا۔ حضور ﷺ جب مدینہ شریف میں تشریف لائے تو عبد اللہ بن سلام بھی اور لوگوں کی طرح حاضر خدمت ہوئے۔ حضور ﷺ کا چہرہ اقدس دیکھتے ہی کہا۔ یہ چہرا جھوٹے کا نہیں ہو سکتا۔ فوراً کہا۔ یہ وہی نبی ہیں۔ جن کا ہمیں انتظار تھا۔ پھر نبی پاک سے تین سوال کئے: (۱) قیامت قائم ہونے کی پہلی نشانی۔ (۲) جنتیوں کا پہلا کھانا۔ (۳) اولاد کی شکل کبھی باپ اور کبھی ماں سے ملتی ہے۔

جواب: (۱) فرمایا قیامت سے پہلے ایک آگ ہوگی جو مشرق و مغرب کو بھر دے گی۔ (۲) جنت میں پہلا کھانا مچھلی ہوگی۔ (۳) جماع کے وقت جس کی منی پہلے نکلے بچے کی شکل اس کے مطابق ہوگی۔ تو فرمایا۔ جن خوش قسمت لوگوں نے حضور ﷺ کی صفات تورات میں پڑھیں تو وہ دیکھتے ہی مسلمان ہو گئے اور تم نے شک میں پڑ کر کفر کیا اور تکبر کیا۔ بے شک اللہ تعالیٰ ظالم لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا۔ اس لئے کہ انہوں نے واضح براہین دیکھیں۔ پھر ظلم و عناد اور سرکشی سے کفر پر ڈٹے رہے۔ تو پھر ایسے بد بختوں کو کیسے ہدایت مل سکتی ہے۔

وَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا لِلَّذِينَ آمَنُوا لَوْ كَانَ خَيْرًا مَّا سَبَقُونَا إِلَيْهِ ؕ

اور کہا کافروں نے ایمان والوں سے اگر ہوتی بھلائی تو نہ آگے جاتے ہم سے اس تک

وَإِذْ لَمْ يَهْتَدُوا بِهِ فَسَيَقُولُونَ هَذَا إِفْكٌ قَدِيمٌ ۝۱۱ وَمِنْ قَبْلِهِ كِتَابُ

اور جب نہ ہدایت ہوئی اس کی تو اب کہیں گے یہ تو بہتان ہے پرانا۔ اور اس سے پہلے کتاب

مُوسَى إِمَامًا وَرَحْمَةً ؕ وَهَذَا كِتَابٌ مُّصَدِّقٌ لِّسَانٍ عَرَبِيٍّ لِّبُذَرَ الَّذِينَ

موسیٰ کی پیشوا اور رحمت تھی اور یہ کتاب تصدیق والی ہے زبان عربی میں تاکہ ڈر سنائے

ظَلَمُوا ؕ وَلَمْ يَكُن لَّهُمْ هُدًى لِّمُحْسِنِينَ ؕ ۝۱۲

ظالموں کو اور نیک لوگوں کیلئے خوشخبری ہے

(آیت نمبر ۱۱) کفار مکہ اپنے کفر و تکبر سے مسلمانوں کو کہنے لگے۔ اگر رسول خدا کے لائے ہوئے قرآن یا احکام قرآن میں کوئی بہتری یا بھلائی ہوتی تو یہ لوگ ہم سے آگے نہ بڑھتے۔ یعنی یہ فقیر لوگ ہم سے پہلے مسلمان نہ ہوتے۔ اس میں پہل کرنے کے مستحق تو ہم لوگ تھے کیونکہ ہمارے پاس زر و مال زیادہ ہماری بزرگی کی شہرت ہر طرف ہے لیکن وہ بے وقوف اس خیال میں سخت غلطی پر تھے۔ اس لئے کہ مراتب دینی کا دار و مدار کمالات نفسانیہ پر نہیں ہے۔ بلکہ اس کا دار و مدار ملکات روحانیہ پر ہے اور یہ مراتب دنیا کی زیب و زینت سے روگردانی سے اور آخرت کی طرف توجہ کرنے سے حاصل ہوتے ہیں بلکہ علامہ حقی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ درجات و مقامات فضل الہی سے حاصل ہوتے ہیں۔ اسی لئے آگے فرمایا کہ ابھی تک انہیں ہدایت نصیب نہیں ہوئی۔ ان بے ایمانوں نے ایمان والوں سے افضل ہونے کے دعوے پر اکتفا نہیں کیا۔ بلکہ وہ مزید کہنے لگے کہ قرآن میں تو پرانی منکھڑت اور جھوٹی باتیں ہیں۔ (معاذ اللہ)۔ جیسے کئی جگہ یہ کہا کہ یہ تو پہلے لوگوں کے قصے کہانیاں ہیں حالانکہ وہ ظالم روح قرآن سے ہی جاہل اور اس کے اسرار و رموز سے ہی بے خبر تھے۔

(آیت نمبر ۱۲) اس سے پہلے موسیٰ علیہ السلام کی کتاب تھی۔ یہ یہودیوں کے قول کی تردید ہے کیونکہ موسیٰ علیہ السلام کی کتاب تورات کی قرآن تصدیق کرتا ہے اور اس کی حقیقت کو ثابت کرتا ہے۔

إِنَّ الَّذِينَ قَالُوا رَبُّنَا اللَّهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوا فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ۝ (۱۳)

بے شک جنہوں نے کہا ہمارا رب اللہ ہے پھر ثابت قدم ہوئے تو انہیں کوئی ڈر ان پر اور نہ وہ غم کھائیں گے۔

أُولَٰئِكَ أَصْحَابُ الْجَنَّةِ خَالِدِينَ فِيهَا جَزَاءً بِمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ۝ (۱۴)

وہ جنت والے ہیں ہمیشہ رہیں گے اس میں۔ بدلہ ہے اس کا جو تھے عمل کرتے۔

(بقیہ آیت نمبر ۱۲) بلکہ قرآن تو تمام آسمانی کتابوں کی تصدیق کرتا ہے۔ پھر یہ لوگ کیوں انکار کرتے ہیں تورات کو امام اس لئے کہا کہ جیسے امام کی اقتداء کی جاتی ہے۔ اس طرح بنی اسرائیل کو کہا گیا کہ تم اس کی پیروی کرو۔ اور تورات عمل کرنے والوں کیلئے رحمت ہے۔ اسی طرح قرآن بھی امام اور رحمت ہے یہ وہ کتاب ہے جو عربی زبان میں ہے۔ اس لئے کہ یہ عرب والوں پر نازل ہوئی۔ تاکہ ان میں سے جو ظالم ہیں۔ انہیں ڈر سنائے اور یہ کتاب احسان کرنے والوں کو خوشخبری سناتی ہے۔ **فائدہ:** یہاں ظالمین سے مراد یہود و نصاریٰ ہیں کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی۔ اور نبیوں کو خدا کا بیٹا کہا اور انہوں نے اپنی کتابوں میں رد و بدل کر دیا۔

(آیت نمبر ۱۳) بے شک جنہوں نے کہا ہمارا رب اللہ تعالیٰ ہے۔ پھر اس پر پکے ہو گئے۔ یعنی توحید پر ثابت قدم رہے۔ کیونکہ ہدایت توحید پر موقوف ہے اور انہیں یقین ہے کہ اللہ کے سوا کوئی بھی دنیا و آخرت میں نعمتیں دینے والا نہیں۔ اس لئے وہ کسی غیر کی طرف رجوع نہیں کرتے۔ ایسے لوگوں کو کسی قسم کی تکلیف پہنچنے کا ڈر نہیں اور نہ وہ کسی پیاری چیز کے ضائع ہونے پر غمگین ہوتے ہیں۔ یعنی نہ انہیں دنیا کا غم نہ آخرت میں فکر ہوگی۔

سبق: عقلمند پر لازم ہے کہ وہ طریق حق پر قائم دائم رہے کسی مخالفت سے نہ ڈرے اور اس کیلئے اتنی جدوجہد کرے کہ اسے شہود حق کی سعادت مل جائے۔ یہی صالحین کا طریقہ ہے۔

(آیت نمبر ۱۴) یہی لوگ جن کا اوپر بیان ہوا۔ وہ لوگ جنت والے ہیں۔ یعنی اس میں وہ ہمیشہ رہیں گے۔ یہ

بدلہ ہے اس کا جو وہ عمل کرتے رہے۔ یعنی دنیا میں جو نماز روزہ و دیگر احکام الہی پر عمل کیا۔ اس کا بدلہ ہے۔

فائدہ: اس میں اشارہ ہے کہ جو لوگ دلوں میں ایمان رکھتے ہیں، اور اس پر استقامت کے ساتھ بر ملا کہتے ہیں کہ ہمارا پروردگار اللہ تعالیٰ ہے۔ پھر ان کا ہر عضو ارکان شریعت پر پختہ ہے اور آداب طریقت پر اچھے اخلاق کے ساتھ تزکیہ نفوس کرنے میں استقامت رکھتے ہیں۔ اور کفر و شرک کی کوئی آندھی ان کے قدموں کو متزلزل نہیں کر سکتی۔

وَوَصَّيْنَا الْإِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ إِحْسَانًا حَمَلَتْهُ أُمُّهُ كُرْهًا وَوَضَعَتْهُ

اور ہم نے حکم دیا انسان کو کہ ماں باپ سے بھلائی کرے کہ پیٹ میں رکھا اسے ماں نے تکلیف سے اور جنا اسے

کُرْهًا وَحَمَلُهُ وَفِصْلُهُ ثَلَاثُونَ شَهْرًا حَتَّىٰ إِذَا بَلَغَ أَشُدَّهُ وَبَلَغَ

تکلیف سے اور اسے اٹھائے پھرنا اور دودھ چھڑانا تیس ماہ میں۔ یہاں تک کہ جب پہنچا طاقت کو اور پہنچا

أَرْبَعِينَ سَنَةً ۖ قَالَ رَبِّ أَوْزِعْنِي أَنْ أَشْكُرَ نِعْمَتَكَ الَّتِي أَنْعَمْتَ

چالیس سال کو تو عرض کی میرے رب مجھے توفیق دے کہ میں شکر کروں تیری نعمت کا

عَلَىٰ وَعَلَىٰ وَالِدَيَّ وَأَنْ أَعْمَلَ صَالِحًا تَرْضَاهُ وَأَصْلِحْ لِي

جو تو نے مجھ پر اور میرے ماں باپ پر کی۔ اور یہ کہ کام کروں نیک جو تجھے پسند آئے۔ اور اصلاح فرما میرے لئے

فِي ذُرِّيَّتِي ۖ إِنَّنِي كُنتُ إِلَيْكَ وَائِنِّي مِنَ الْمُسْلِمِينَ ﴿١٥﴾

میری اولاد میں بے شک میں نے توبہ کی تیری طرف اور بے شک میں مسلمان ہوں

اولیاء کی شان: بزرگ فرماتے ہیں کہ جب انسان درجہ کمال کو پہنچتا ہے تو اس پر ذمہ داریوں کا اضافہ ہو جاتا ہے۔ پھر ان پر جو برکات نازل ہوتی ہیں۔ اس کا کوئی انداز انہیں لگا سکتا۔ اس لئے کہ کائنات میں وہ لوگ کامل و اکمل بلکہ مکمل تر لوگ ہیں۔ ارض و سما کی ہر چیز حتیٰ کہ دریاؤں میں مچھلیاں اور جنگلات کے وحشی جانور اور درختوں کے پتے بھی ان کیلئے استغفار کرتے ہیں۔

بے عمل عالم: حقیقت میں وہ جاہل ہے۔ جو عالم تو ہو لیکن علم کے مطابق عمل نہ کرے۔ ہزار ہزار ان پر افسوس ہے اور جنہوں نے علم بالکل حاصل نہیں کیا اس سے زیادہ افسوس اس پر ہے۔ جو عالم ہو کر جاہلوں والا کام کرے وہ حقیقت میں جاہل ہی ہے۔

(آیت نمبر ۱۵) اور ہم نے انسان کو حکم دیا کہ وہ اپنے ماں باپ کے ساتھ احسان کرے۔ اس لئے کہ اس کی ماں نے حمل کے دوران بھی مشقت اٹھائی اور جب جنا تو اس وقت بھی مشقت اٹھائی۔ یعنی اس نے حمل کے دوران

بھی بہت مشقت اٹھائی اور وضع حمل کے وقت بھی مشقت پر مشقت اٹھائی۔ اسی وجہ سے ماں کا حق باپ سے زیادہ رکھا۔

فائدہ: معلوم ہوا حمل کی مدت اور دودھ چھڑانے کی مدت تیس ماہ ہے۔ یعنی رضاع کی کل مدت اڑھائی سال ہے۔ احناف کی دلیل یہی آیت کریمہ ہے۔ احناف کے نزدیک حمل کی ادنیٰ مدت چھ ماہ ہے اور رضاعت کی مدت دو سال ہے۔ اطباء بھی یہی کہتے ہیں کہ مدت اڑھائی سال زیادہ بہتر ہے۔ اس سے احناف کا موقف اور بھی مضبوط ہو جاتا ہے۔ فائدہ خلافہ اصل میں مٹی بر حرمت رضاعت ہے (کہ جس نے اس عورت کا دودھ پیا۔ دو سال سے باہر تو صاحبین کے نزدیک حرمت ثابت نہیں ہوگی اور اڑھائی سال کے بعد امام ابوحنیفہ کے نزدیک ثابت نہیں ہوگی) اسی طرح کسی عورت نے بچے کو دودھ کئی سال پلایا (مثلاً) تو صاحبین کے نزدیک وہ دو سال کی اور امام اعظم کے نزدیک اڑھائی سال کی اجرت زیادہ سے زیادہ لے سکتی ہے۔ اس سے زیادہ اگر دودھ پلایا بھی ہے تو اس کو اجرت لینے کا استحقاق نہیں ہے۔ **فائدہ:** دودھ پلانے کی مدت کا شمار قمری مہینوں سے ہوگا۔ **فائدہ:** بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ آیت میں حمل کی کم از کم اور رضاعت کی زیادہ سے زیادہ مدت بتائی گئی ہے۔ یعنی اگر کسی عورت نے نکاح کے چھ ماہ بعد بچہ جن دیا تو وہ حلال ہوگا اور نسب ثابت ہوگا۔ مولیٰ علی رضی اللہ عنہ نے اسی آیت سے اس مسئلے کو ثابت کیا۔ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس ایک شخص نے گواہی دی۔ کہ میری بیوی سے چھ ماہ کے بعد بچہ پیدا ہو گیا۔

رضاعت کا ثبوت یہ ہے کہ مدت رضاعت میں کسی چھوٹی عمر کے بچے نے کسی عورت کا پستان منہ میں رکھ کر چوسا تو رضاعت ثابت ہو جائیگی۔ آگے فرمایا۔ یہاں تک کہ جب بچہ سن بلوغ کو پہنچا۔ یعنی پوری طاقت کی عمر کو جو تقریباً تیس سے چالیس سال تک کی عمر ہوتی ہے۔ اس عمر میں آدمی ہر لحاظ سے عروج پر ہوتا ہے۔

نبوت کیلئے چالیس سال کا ہونا ضروری نہیں:

بہت سارے انبیاء علیہم السلام کو بچپن میں ہی نبوت مل گئی۔ (اور ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم تو اس وقت بھی نبی تھے۔ جب ابھی آدم علیہ السلام کا خمیر بن رہا تھا۔ (ترمذی)۔ آگے دعا ہے کہ اے پروردگار مجھے ہمت و توفیق عطا فرما کہ میں تیری ان نعمتوں کا شکریہ ادا کروں جو تو نے مجھ پر کیں اور جو میرے ماں باپ پر کیں۔ یعنی تو نے ہمیں دین اسلام جیسی اعلیٰ نعمت عطا کی۔ اس کے علاوہ بھی بے شمار نعمتیں عطا کیں۔ والدین کو اس لئے شامل کیا کہ ان پر احسان اولاد کو نعمتوں سے نوازتا ہے۔ آگے فرمایا کہ اے اللہ مجھے توفیق دے کہ میں ایسے عمل کروں جن سے تو راضی ہو جائے۔

فائدہ: بعض مشائخ فرماتے ہیں۔ اس سے مراد وہ اعمال صالحہ ہیں۔ جن سے رضاء الہی حاصل ہوتی ہے۔

أُولَٰئِكَ الَّذِينَ نَتَقَبَّلُ عَنْهُمْ أَحْسَنَ مَا عَمِلُوا وَنَتَجَاوَزُ عَنْ سَيِّئَاتِهِمْ

یہ لوگ ہیں ہم قبول کرتے ہیں ان سے بہت اچھے جو انہوں نے عمل کئے۔ اور درگزر کرتے ہیں ان کی تقصیریں

فِي أَصْحَابِ الْجَنَّةِ، وَعَدَ الصِّدْقِ الَّذِي كَانُوا يُوعَدُونَ ﴿١٦﴾

جنت والوں میں۔ وعدہ سچا ہے جو ہیں وہ دیئے جاتے۔

(بقیہ آیت نمبر ۱۵) آگے فرمایا اور میری اولاد میں نیکی اور صلاحیت کو راسخ فرما۔ یعنی انہیں میرا سچا جانشین بنا کہ وہ تیرے ایسے سچے بندے بنیں کہ شیطان اور نفس اور خواہشات ان پر مسلط نہ ہوں۔

فائدہ: معلوم ہوا۔ آباء و اجداد کا نیک ہونا اولاد پر اثر انداز ہوتا ہے۔

شان صدیق اکبر علیہ السلام: اکثر مفسرین کے نزدیک یہ آیت شان صدیق اکبر علیہ السلام کے ساتھ خاص ہے۔ اس لئے کہ آپ ۳۸ سال کی عمر میں مسلمان ہوئے پھر تاقیامت حضور ﷺ کا قرب نہیں چھوڑا۔ یہ دعائیں آپ نے مانگیں۔ اس کا اثر تھا کہ آپ کی چار نسلیں صحابیت کے شرف سے مشرف ہوئیں۔ خود۔ والد۔ بیٹا اور پوتا۔ آگے فرمایا میں تیری طرف رجوع کرتا ہوں۔ یا جن امور سے تو راضی نہیں ان سے توبہ کرتا ہوں اور بے شک میں مسلمانوں سے ہوں۔ **فائدہ:** سیدنا صدیق اکبر علیہ السلام کی تمام اولاد نے اسلام قبول کیا۔ اس سے بڑھ کر یہ کہ اپنی پیاری بیٹی عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو حضور ﷺ کے عقد میں دیا۔

(آیت نمبر ۱۶) یہ وہ لوگ ہیں کہ ہم قبول کرتے ہیں ان سے وہ اعمال جو انہوں نے بہت اچھے اور خالص ہمارے لئے کئے۔ مثلاً فرائض، واجبات اور مستحبات کو ادا کرتے ہیں۔ **فائدہ:** اس سے مباحات مراد نہیں کیونکہ ان سے ثواب نہیں ملتا۔ لیکن شیخ اکبر فرماتے ہیں کہ جس حرکت سے قربت حق کا ارادہ ہو۔ خواہ مباح کے درجہ میں ہو وہ احسن ہے۔ **فائدہ:** علامہ حق رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ کوئی عمل صالح ایسا ہے ہی نہیں جو احسن نہ ہو۔ اور اللہ تعالیٰ اسے قبول نہ فرماتا ہو۔ آگے فرمایا۔ اگر عمل احسن ہو تو ہم ان کی برائیوں کو درگزر کر دیتے ہیں۔ یعنی ان پر سزا نہیں دیتے۔

فائدہ: حسن بصری رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ جسے ذلیل کرنا چاہتا ہے۔ اس کی ہر برائی پر سزا دیتا ہے اور جسے وہ عزت دینا چاہتا ہے۔ اس کی برائیاں معاف کر کے جنت والوں میں شامل فرما دیتا ہے۔ یہ قبولیت اور گناہوں سے درگزر اور جنت کے داخلے کا اللہ تعالیٰ کی طرف سے سچا وعدہ ہے۔ جو اس کے رسولوں کی زبانی وعدہ دیا گیا۔

وَالَّذِي قَالَ لِوَالِدَيْهِ افِ لَكُمْمَا اتَعِدْنِيْ اَنْ اُخْرَجَ وَقَدْ خَلَتِ الْقُرُونُ

اور وہ جس نے کہا اپنے ماں باپ سے اف ہے تم پر کیا تم مجھے وعدہ دیتے ہو کہ میں نکالا جاؤں گا حالانکہ گذر چکیں کئی سنگتیں

مِنْ قَبْلِيْ ۚ وَهُمَا يَسْتَغِيثُنِ اللّٰهَ وَيُلْكَ اَمِنْ ۚ مَعِ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ ۚ مَعِ

مجھ سے پہلے۔ اور وہ دونوں فریاد کرتے ہیں اللہ سے خرابی ہو تیری ایمان لا۔ بے شک وعدہ الہی برحق ہے

فَيَقُولُ مَا هَذَا اِلَّا اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ ۝۱۶

تو کہتا ہے نہیں ہے یہ مگر کہانیاں پہلے لوگوں کی۔

(بقیہ آیت نمبر ۱۶) فائدہ: بعض بزرگ فرماتے ہیں۔ ماں کا حق خدمت بہ نسبت باپ کے زیادہ ہے۔ اس لئے کہ یہاں والدین کا اکٹھا ذکر کرنے کے بعد پھر ماں کو الگ ذکر کیا اور اس کی مشقتوں کو بیان فرمایا کہ حمل کے دوران بھی اور جننے کے وقت اور بعد میں بھی بے شمار تکالیف اٹھاتی ہے۔ اس لئے اس کا حق خدمت تین گناہ زیادہ بیان ہوا۔

(آیت نمبر ۱۷) ایک وہ شخص جسے ماں باپ نے اسلام کی دعوت دی تو اس نے والدین کو کہا۔ تمہارے لئے اف ہے۔ اس سے کوئی خاص شخص مراد ہے۔ یا جو بھی ماں باپ اور اپنے رب کا نافرمان یوں جواب دے۔ حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا۔ کہ یہ آیت ایک کافر و فاجر کے متعلق نازل ہوئی۔ جو دوبارہ زندہ ہونے اور محشر میں جمع ہونے کا منکر تھا۔ وہ اپنے مسلمان ماں باپ سے کہتا تھا۔ کہ تم مجھے قیامت سے ڈراتے ہو۔ مجھ سے پہلے صدیوں سے لوگ مر رہے ہیں۔ ابھی تک کوئی زندہ نہیں ہوا۔ بعض لوگ عبدالرحمن بن ابی بکر رضی اللہ عنہما پر یہ بات چسپاں کرتے ہیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اس کا سختی سے انکار کیا ہے (تبیان)۔ اف انسان کراہت اور ناگواری کے وقت زبان سے ادا کرتا ہے۔ تو اس نے نفرت کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ تم مجھے ڈرا رہے ہو کہ میں مرنے کے بعد قبر سے زندہ کر کے نکالا جاؤں گا۔ حالانکہ مجھ سے پہلے کئی امتیں یکے بعد دیگر گزری ہیں۔ ان میں سے تو آج تک زندہ ہو کر کوئی قبر سے نہیں نکلا۔ اور اس کے ماں باپ دونوں اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں فریادیں کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اسے ایمان کی توفیق عطا کرے اور بیٹے کو کہتے ہیں تو مرے۔ ایمان لا۔ یعنی قیامت اور اس دن زندہ ہونے پر ایمان لا۔ اس لئے کہ قیامت اور دوبارہ زندہ کرنے کا وعدہ الہی ہے جو برحق ہے اور ضرور پورا ہوگا۔ تو وہ ماں باپ کو جھٹلاتے ہوئے کہتا ہے کہ نہیں ہیں یہ مگر قصے پہلے لوگوں کے۔

أُولَٰئِكَ الَّذِينَ حَقَّ عَلَيْهِمُ الْقَوْلُ فِي أُمَمٍ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِمْ مِنَ الْجِنِّ

وہی لوگ ہیں کہ ثابت ہو چکی ان پر بات گروہوں میں۔ تحقیق گذر چکے ان سے پہلے جنوں

وَالْإِنْسِ إِنَّهُمْ كَانُوا خَسِرِينَ ۝ ۱۸ وَلِكُلِّ دَرَجَتٍ مِّمَّا عَمِلُوا

اور انسانوں سے۔ بے شک وہ تھے نقصان والے۔ اور ہر ایک کیلئے درجے ہیں جو انہوں نے عمل کئے

وَلِيُوفِّيَهُمْ أَعْمَالَهُمْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُونَ ۝ ۱۹

تاکہ پورے کر دے ان کے عمل اور وہ نہیں ظلم کئے جائیں گے۔

(آیت نمبر ۱۸) یہ وہی لوگ ہیں کہ جن پر اللہ تعالیٰ کا حکم ثابت ہو گیا جو اللہ تعالیٰ نے شیطان کو ازل میں فرمادیا تھا کہ میں تجھ سے اور تیرے تابعداروں سے جہنم کو بھر دوں گا۔ تو جو اللہ تعالیٰ کے احکام کو جھٹلاتا ہے۔ وہ شیطان کا تابعدار ہے۔ پھر اسی کے ساتھ جہنم میں جایگا۔ جیسے ان سے پہلے جنوں اور انسانوں کی امتیں گذری ہیں۔ بے شک وہ سب خسارے والے ہیں۔ اس لئے کہ انہوں نے اپنی فطرتِ اصلیہ جو ان کے پاس پونجی تھی اسے ضائع کر دیا۔

(آیت نمبر ۱۹) دونوں فریقوں میں سے ہر ایک کیلئے ان کے اعمال کے مطابق درجے ہیں۔ اگر اچھے اعمال ہوئے تو مراتب بھی اچھے ہوں گے۔ اور اگر عمل برے ہوئے تو درجے بھی برے ہوں گے۔ تاکہ اللہ تعالیٰ انہیں ان کے اعمال کا پورا پورا بدلہ عطا فرمائے اور ان پر ظلم نہ ہو۔ یعنی نہ ثواب والے کو ثواب میں کمی ہوگی۔ نہ مجرم کو جرم سے زیادہ عذاب دیا جائیگا۔ **فائدہ:** ثواب کی جزاء کو درجات اور اعمال پر سزا کو درجات کہا جاتا ہے۔

فائدہ: معلوم ہوا کہ جو ماں باپ کو ناراض کرتا ہے۔ وہ اللہ تعالیٰ کو ناراض کر کے مجرم بن جاتا ہے۔ خواہ صرف اف کرے۔ پھر اس بد قسمت کا کیا حال ہوگی۔ جو ان کی دل آزاری کرے۔ اور یہ بھی معلوم ہوا کہ ماں باپ کا نافرمان خسران والوں میں سے ہے۔ **حدیث شریف** میں ہے۔ جنت کی خوشبو پانچ سو سال کی مسافت سے آئے گی۔ (رواہ النسائی) مگر ماں باپ کے نافرمان اور قطع رحمی کرنے والے اس خوشبو سے محروم ہوں گے۔

مسئلہ: نفلی اور مستحب یا مباح کام ماں باپ کی اجازت کے بغیر نہ کرے۔ فرضی اعمال، مثلاً نماز، روزہ اور حج میں والدین کی اجازت ضروری نہیں ہے۔

وَيَوْمَ يُعْرَضُ الَّذِينَ كَفَرُوا عَلَى النَّارِ أَذُتُمْ طَبِيتُكُمْ فِي حَيَاتِكُمْ
اور جس دن پیش کئے جائیں گے کافر آگ پر۔ کیا تم فنا کر آئے اپنے حصہ کی پاک چیزیں اپنی حیات
الدُّنْيَا وَاسْتَمْتَعْتُمْ بِهَا ۚ فَالْيَوْمَ تُجْزَوْنَ عَذَابَ الْهُونِ بِمَا كُنْتُمْ
دنوی میں اور نفع اٹھا لیا تم نے انکا۔ تو آج تم بدلہ دیئے جاؤ گے ذلت والے عذاب کا اس لئے کہ جو تھے تم
تُسَكَّبُونَ فِي الْأَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَبِمَا كُنْتُمْ تَفْسُقُونَ ۚ (۲۰)
تکبر کرتے زمین میں ناحق۔ اور بوجہ اس کے جو تھے تم حکم عدولی کرتے۔

(بقیہ آیت نمبر ۱۹) مسئلہ: جس کے ماں باپ فوت ہو گئے اور وہ خدمت نہیں کر سکا۔ اسے چاہئے کہ ان
کیلئے بخشش کی کثرت سے دعائیں کرے اور صدقہ خیرات کر کے انہیں ثواب بخشے تاکہ اللہ تعالیٰ کے ہاں احسان
والوں میں لکھا جائے۔ ماں باپ کی زیارت کالج کے برابر ثواب ہے۔
فائدہ: جو شخص دن رات میں پانچ دفعہ ماں باپ کی زیارت کرتا ہے۔ وہ حقوق ادا کرنے والوں میں لکھا جاتا
ہے اور جو جمعہ کے دن والدین کی قبر پر حاضری دے۔ وہ فرمانبرداروں میں لکھا جاتا ہے۔

(آیت نمبر ۲۰) جس دن کفار کو جہنم کے سامنے پیش کیا جائیگا۔ یعنی وہ وقت کہ جب جہنم کے سامنے کھڑے کئے
جائیں گے اور وہ بھڑکتی آگ کو اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہوں گے تو اس وقت بطور زجر و توبیخ کہا جائیگا کہ تم دنیا میں
تمام لذتیں حاصل کر چکے ہو۔ جو تمہارے لئے لکھ دی گئیں تھیں اور تم نے ان سے خوب نفع حاصل کیا۔ یعنی تم دنیوی
لذتوں کو خود ختم کر کے آئے ہو۔ لہذا اب تمہارے لئے آخرت میں کچھ بھی حصہ باقی نہیں۔ آج کے دن تم بدلہ دیئے
جاؤ گے۔ ایسے عذاب کے ساتھ کہ جس میں ذلت خواری اور حقارت ہوگی۔ بہ سبب اس کے جو تم دنیا میں ناحق تکبر
کرتے تھے۔

مسئلہ: معلوم ہوا تکبر دو قسم ہے: (۱) حق اور (۲) ناحق۔ حق یہ کہ اپنے آپ کو ظالموں۔ جابروں اور
متکبروں کے سامنے بڑا ظاہر کرنا اور ناحق یہ ہے کہ اپنے برابر والوں سے اپنے آپ کو بڑا سمجھنا اور اپنے سے بڑوں
کو اپنے سے چھوٹا جاننا۔ اس سے بھی زیادہ برا ہے۔ آگے فرمایا کہ یہ اس کا بھی بدلہ ہے جو تم اطاعت الہی سے نکل
گئے۔ لہذا تمہیں عذاب ان دو وجہوں سے ہوگا: (۱) تکبر کی وجہ سے۔ (۲) اور اطاعت سے نکلنے کی وجہ سے۔

وَاذْكُرْ أَخَا عَادٍ إِذْ أَنْذَرَ قَوْمَهُ بِالْأَحْقَافِ وَقَدْ خَلَّتِ النُّذُرُ مِنْ بَيْنِ

اور یاد کرو عاد کے قومی بھائی کو جب ڈرایا اس نے اپنی قوم کو احقاف میں اور تحقیق گذر چکے ڈرسانے والے

يَدِيهِ وَمِنْ خَلْفِهِ أَلَّا تَعْبُدُوا إِلَّا اللَّهَ ۖ إِنِّي أَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ

اس سے پہلے بھی اور اس کے بعد بھی کہ نہ پوجو تم سوا اللہ تعالیٰ کے۔ بے شک میں ڈرتا ہوں تم پر عذاب سے

يَوْمَ عَظِيمٍ ③۱

جو بڑے دن کا ہے۔

(بقیہ آیت نمبر ۲۰) سبق: عقل و شعور رکھنے والے ہر مسلمان کیلئے ضروری ہے کہ وہ حضور ﷺ کی اطاعت اور سلف صالحین کی اتباع کرے اور شہوات و خواہشات کو ترک کر دے۔ اس لئے کہ انہوں نے بھی آخرت کی بہتری کیلئے دنیا کی لذتوں کو چھوڑا۔ تو پھر آخرت کی کامیابی حاصل ہے۔

(آیت نمبر ۲۱) اے محبوب ان کفار مکہ کو عاد قوم کے قومی بھائی حضرت ہود کا واقعہ بتائیں تاکہ یہ مکے والے اس سے عبرت حاصل کریں۔ قوم عاد نے بھی ان اہل مکہ کی طرح نافرمانی کی تو وہ نیست و نابود ہوئے۔ ان کی نسلیں بھی ختم ہو گئیں۔ قوم عاد: نوح علیہ السلام کے پوتے کے پوتے تھے اور ہود علیہ السلام عبد اللہ بن رماح کے صاحبزادے تھے تو جب ہود علیہ السلام نے اپنی قوم کو اللہ تعالیٰ کی نافرمانی سے ڈرایا۔ ان کے شہر احقاف میں۔ احقاف ایک ریتلی جگہ کا نام ہے جو یمن کے علاقہ میں حضرموت کے قریب واقع ہے۔

فائدہ: بعض نے کہا۔ یہ خانہ بدوش لوگ تھے۔ خاص موسم میں وہ گھروں میں رہتے تھے۔ ورنہ باہر علاقوں میں ہی گھومتے رہتے۔

کفار کی ارواح: برہوت نامی کنویں میں ہیں جو اسی احقاف میں ہے۔ (مومنوں کی روہیں آب زمزم پر) آگے فرمایا کہ اس سے پہلے کئی ڈرسانے والے انبیاء و رسل گذر گئے۔ کوئی ان سے پہلے گذرے اور کئی ان کے بعد۔ سب کا وعظ یہی تھا کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو۔ مراد یہ کہ اے میرے محبوب آپ ہود علیہ السلام کی طرح اپنی قوم کو شرک کے برے انجام سے ڈرائیں اور عذاب عظیم کے متعلق انہیں آگاہ فرمائیں کیونکہ جناب ہود علیہ السلام سے پہلے اور ان کے بعد آنے والے رسولوں نے بھی اپنی اپنی قوموں کو ڈر سنائے۔

قَالُوا أَجِئْتَنَا فِگْنَاعِنُ الْهَتِنَا ۚ فَاتِنَا بِمَا تَعِدُنَا اِنْ كُنْتَ

بولے کیا تم آئے ہو کہ ہمیں پھر ادو ہمارے خداؤں سے۔ تو لے آؤ جس کا ہمیں وعدہ دیتے ہو اگر ہو تم

مِنَ الصّٰدِقِیْنَ ﴿۳۱﴾ قَالَ اِنَّمَا الْعِلْمُ عِنْدَ اللّٰهِ رَسُوْا اُبَلِّغُكُمْ مَّا اُرْسِلْتُ بِهٖ

سچوں سے۔ فرمایا بے شک اس کی خبر تو اللہ تعالیٰ کے پاس ہے۔ میں پہنچاتا ہوں تمہیں رب کا پیغام۔

وَلٰكِنِّيۡۤ اَرٰكُمْ قَوْمًا تَجْهَلُوْنَ ﴿۳۲﴾

لیکن میں دیکھتا ہوں کہ تم قوم ہو جاہلوں کی۔

(بقیہ آیت نمبر ۲۱) لہذا آپ بھی اہل مکہ کو سنائیں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو۔ بے شک میں تمہارے توحید سے روگردانی کرنے اور شرک کرنے کی وجہ سے عذاب عظیم سے ڈرتا ہوں۔ یوم عظیم سے مراد عذاب آنے کا دن جس کی ہولناکی بہت بڑی ہوگی۔ اس لئے اس کو عظیم کہا گیا۔ یعنی بروز قیامت۔

(آیت نمبر ۲۲) کفار نے ہود علیہ السلام سے کہا کہ کیا آپ اسی لئے آئے ہیں کہ آپ ہمیں ہمارے خداؤں کی پوجا سے پھرادیں۔ اور اپنے دین کی طرف لے جائیں۔ یہ بات تو ہرگز نہیں ہوگی کہ ہم آپ کے کہنے پر اپنے معبودوں کو چھوڑ دیں۔ آپ ایسا کریں کہ جس سخت عذاب سے ہمیں ڈراتے ہیں وہ لے آئیں۔ اگر آپ ان لوگوں سے ہیں جو وعدہ سچا کر دکھاتے ہیں۔

(آیت نمبر ۲۳) جناب ہود علیہ السلام نے فرمایا۔ عذاب آنے کا حقیقی علم تو اللہ تعالیٰ کے پاس ہے۔ اس کا مجھے علم نہیں۔ نہ مجھے عذاب لانے اور دینے کا اختیار ہے۔ اس بات کو اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے۔ اور اسی کو کلی اختیار بھی ہے کہ وہ عذاب کس وقت لائیگا۔ میں تو تم تک وہ پیغام پہنچاتا ہوں جو میری رسالت کے متعلق ہے۔ اگر تم عذاب کو جان لینے کے باوجود شرک سے باز نہیں آؤ گے تو لازماً پھر تم پر عذاب آجائیگا۔ لیکن میں تمہیں جاہل قوم دیکھتا ہوں کیونکہ تم مجھے ان چیزوں کا مطالبہ کر رہے ہو۔ جن کا رسالت سے کوئی تعلق نہیں۔ اس لئے کہ رسول عذاب کا ڈر سناتے ہیں۔ عذاب لے کر نہیں آتے۔ نہ وہ عذاب کا وقت بتاتے ہیں۔

فائدہ: بزرگ فرماتے ہیں۔ پہلے عرفان الہی حاصل کرو۔ پھر اس کی عبادت کرو۔ اس لئے کہ جو اسے پہچانتا ہی نہیں۔ نہ اس کی صفات و اسماء اور نہ اس کے حقوق واجبہ کو جانتا ہے تو وہ اس کی عبادت کس طرح کرے گا۔

فَلَمَّا رَاوُهُ عَارِضًا مُّسْتَقْبِلَ أَوْدِيَّتِهِمْ ۖ قَالُوا هَذَا عَارِضٌ مُّمْطِرُنَا ۚ

پھر جب دیکھا عذاب کو پھیلا ہوا آتا ہے ان کی وادیوں کی طرف۔ بولے یہ پھیلا ہوا بادل ہم پر برے گا۔

بَلْ هُوَ مَا اسْتَعْجَلْتُمْ بِهِ ۖ رِيحٌ فِيْهَا عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝۲۳

بلکہ یہ وہ ہے جس کی تم جلدی مچاتے ہو۔ وہ اندھی ہے جس میں ہے عذاب دردناک۔

(بقیہ آیت نمبر ۲۳) بلکہ وہ ان امور کو بھی جانے جو اس کی شان کے لائق نہیں۔ ورنہ سب عبادت ضائع جائیگی۔ حکایت: ایک شخص اپنے اوپر ایک روشنی دیکھ کر بیس سال اس کی عبادت کرتا رہا کہ شاید یہ تجلی حق ہے۔ بعد کو معلوم ہوا کہ یہ تو شیطان ہے پھر بیس سال کی نمازیں قضا کیں اور توبہ تائب ہوا۔ مسئلہ: اس لئے انسان پر لازم ہے کہ وہ واجبات شرعیہ کو جانے اور اس کے ساتھ ان امور کو بھی جانے جو حرام اور ناجائز ہیں تاکہ صحیح طریقہ اسلام پر قائم رہ سکے۔ حکایت: ایک شخص نے لاعلمی سے ایک جانور رکھا ہوا تھا۔ کسی نے پوچھا یہ کیوں رکھا ہوا ہے تو اس نے کہا میں اس سے وطنی کر لیتا ہوں تاکہ زنا سے بچا رہوں تو اس نے کہا کہ یہ بھی تو زنا ہے پھر وہ نادم ہو کر تائب ہوا۔ سبق: حلال و حرام اور نیکی یا بدی وغیرہ کو جاننا مسلمان پر فرض ہے۔

(آیت نمبر ۲۴) پھر جب قوم عاد نے عذاب کو دیکھا کہ اس نے گھیر لیا ہے کہ سامنے آسمان کے کناروں پر بادل کی طرح ظاہر ہو رہا ہے اور ان کی وادیوں کی طرف متوجہ ہے۔

فائدہ: روایات میں آتا ہے کہ سیاہ بادل کی طرح اس کے سامنے نمودار ہوا۔ چونکہ ایک عرصہ سے وہ بادل سے محروم تھے۔ اس لئے سیاہ بادل دیکھ کر پہلے تو بہت خوش ہوئے اور کہنے لگے۔ یہ بادل ہمیں خوب بارش دینے والا ہے تو جناب ہود علیہ السلام نے ان کی باتیں سن کر انہیں بتایا کہ اے میری قوم اس بادل کو دیکھ کر جو کچھ تم سمجھ رہے ہو وہ غلط ہے۔ بلکہ یہ وہ عذاب ہے۔ جس کی تم نے جلدی مچا رکھی تھی اور بار بار مطالبہ کر رہے تھے۔ یہ سامنے ایک ایسی ہوا ہے۔ جس میں تباہ کرنے والا دردناک عذاب ہے۔

عذاب کا نمونہ: منقول ہے کہ ہوا بھیجنے والے فرشتے کو اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ اس نافرمان قوم پر ہوا گائے کے ناک جتنی سوراخ کے برابر چھوڑ دے۔ تو فرشتوں نے عرض کی کہ اس سے تو تمام زمین پھٹ جائے گی اور زمین پر رہنے والے سب تباہ ہو جائیں گے تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ انگوٹھی کے حلقہ جتنی ہوا چھوڑ دو۔

تَدْمِرُ كُلَّ شَيْءٍ بِأَمْرِ رَبِّهَا فَاصْبَحُوا لَا تَرَى إِلَّا مَسْكِنَهُمْ ۚ كَذَلِكَ

تباہ کر دیا ہر چیز کو اپنے رب کے حکم سے۔ تو صبح کو نہیں دکھائی دیتے تھے مگر ان کے خالی گھر۔ اسی طرح

نَجْزِي الْقَوْمَ الْمُجْرِمِينَ ﴿۲۵﴾

ہم سزا دیتے ہیں ان لوگوں کو جو مجرم ہیں۔

(بقیہ آیت نمبر ۲۴) فرشتوں نے حکم الہی کے مطابق مغرب کی طرف سے ان پر ہوا چھوڑ دی تو آفاقا اس بخ ہوانے تباہی پھیر دی۔ اس ہوانے جانوروں کو اٹھایا اور اسنے اوپر لے گئی کہ آسمان وزمین کے درمیان اڑتے ایسے نظر آ رہے تھے۔ جیسے چھوٹے چھوٹے پرندے ہیں اور بڑے بڑے پتھر اڑ کر اس قوم کے سروں پر ایسے لگ رہے تھے اور ان کے سروں سے بھیجے نکل رہے تھے۔ کچھ لوگ دوڑ کر گھروں میں داخل ہوئے اور دروازے بند کر دیئے تو ہوا نے ان کے دروازوں کو اکھیر کر باہر پھینک دیا۔ بلکہ کئی لوگوں کے گھروں کو ہی اڑا دیا۔ (اس نمونہ کی آج بھی امریکہ میں ایک ہوا چلتی ہے تو دیکھنے والے بتاتے ہیں کہ جو چیز اس کے آگے آتی ہے۔ خواہ گاڑی یا مکان سب کچھ اڑتا چلا جاتا ہے) اسی طرح قوم عاد پر وہ ہوا لگا تا راتیں چلتی رہی۔

(آیت نمبر ۲۵) وہ ہوا جو دردناک عذاب تھا۔ اس نے تمام کفار کو ہلاک کر دیا بلکہ ہر چیز کو تباہ کر دیا۔ جس پر گذرتی خواہ انسان تھے یا ان کے اموال سب کچھ تباہ و برباد کر گئی۔ یہ سب کچھ حکم الہی سے ہوا کیونکہ ہر چیز کی حرکت اور سکون اللہ تعالیٰ کے حکم پر ہے کہ وہ ہر چیز کا رب ہے۔

فائدہ: اس آیت میں اشارہ ہے کہ ہوا کا چلنا یا رکنا حکم الہی سے ہے اور ہوا بھی اللہ تعالیٰ کے لشکروں میں سے ایک لشکر ہے اس میں نہ ستاروں کی تاثیر کا عمل دخل ہے۔ نہ اور کسی چیز کا یہ سب امر الہی ہے۔ جب وہ چاہتا ہے۔ سرکشوں کیلئے اسے کھول دیتا ہے تو قوم عاد پر جب ہوا عذاب بن کر چلی تو اس عذاب سے وہ ایسے ہو گئے کہ ان کے مکان تو نظر آتے مگر مکیں کہیں نظر نہیں آتے تھے۔ وہ سب ملیا میٹ ہو گئے تھے۔

آگے فرمایا۔ مجرم قوم کو ہم اسی طرح سزا دیتے ہیں۔ **فائدہ:** ان کے دماغوں میں یہ سمایا ہوا تھا کہ ان جیسا طاقتور کوئی بھی نہیں۔ ہوا ہمارا کیا بگاڑے گی۔ لیکن جب ہوا چلی تو اس نے ان کے پرچے اڑا دیئے ان میں سے ایک مرد یا عورت یا بچہ بھی نہیں بچا۔ لہذا معلوم ہوا اصل طاقت کا مالک اللہ تعالیٰ ہے۔

وَلَقَدْ مَكَّنَّهُمْ فِيمَا إِنْ مَكَّنَّاكُمْ فِيهِ وَجَعَلْنَا لَهُمْ سَمْعًا وَآبْصَارًا

اور تحقیق ہم نے انہیں وہ ٹھکانے دیئے جو نہیں ٹھکانے دیئے تمہیں اس میں اور بنائے ہم نے ان کے کان اور آنکھیں

وَأَفْنَدَهُمْ فَمَا أَغْنَى عَنْهُمْ سَمْعُهُمْ وَلَا أَبْصَارُهُمْ وَلَا أَفْنَدَهُ تُوهُمْ مِنْ شَيْءٍ

اور دل۔ تو نہ کام آئے انہیں ان کے کان اور نہ آنکھیں اور نہ دل ان کے کچھ بھی۔

إِذْ كَانُوا يَحْجَدُونَ ۖ بِآيَاتِ اللَّهِ وَحَاقَ بِهِمْ مَا كَانُوا بِهِ يَسْتَهْزِءُونَ ۚ (۲۶)

جب تھے وہ منکر آیات الہی کے اور گھیر لیا انہیں اس عذاب نے کہ تھے اس کا مزاح کرتے۔

(بقیہ آیت نمبر ۲۵) فائدہ: یہ آیت اصل میں اہل مکہ کیلئے وعید ہے کہ اے مکہ والو۔ اگر تم شرک اور تکذیب پر ڈٹے رہے تو یہی حشر پھر تمہارا بھی ہو سکتا ہے۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ قادر مطلق ہے۔

حدیث شریف: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حضور ﷺ جب تیز ہوا کو چلتا ہوا دیکھتے تو آپ کے چہرہ اقدس پر خوف کے آثار ظاہر ہو جاتے اور پریشان ہو کر فرماتے۔ کیا معلوم یہ وہی ہوا ہو جو قوم عاد پر آئی تھی۔ جس میں اس قوم کیلئے عذاب الیم تھا۔ (منہاج السلف)

(آیت نمبر ۲۶) اور تحقیق ہم نے قوم عاد کو قوت و قدرت بھی دی اور زمین و مکان کا مالک بھی بنایا۔ اے اہل مکہ ہم نے تمہیں اتنی قوت و قدرت نہیں دی جتنی ہم نے قوم عاد کو مالی وسعت اور جسمانی قوت و ہمت دی تھی اور ان کی عمریں بھی بہت لمبی تھیں اور بھی کئی قسم کے تصرفات انہیں حاصل تھے اور ہم نے انہیں کان آنکھیں اور دل دیئے تھے تاکہ کانوں سے وحی سنیں اور مواظظ رسول کو سنیں۔ اور ان پر عمل کریں۔

فائدہ: اللہ تعالیٰ نے جو بھی نعمتیں عطا کی ہیں۔ ان سے مقصد تو معرفت الہی تھا اور لازمی تھا کہ نعمتوں پر اللہ تعالیٰ کا شکریہ ادا کیا جاتا تاکہ نعمتوں میں اضافہ ہوتا۔ لیکن انہوں نے بجائے شکر کے ناشکری کی اور نعمتوں کا استعمال غلط کیا تو پھر عذاب الہی سے نہ کان بچا سکے نہ آنکھیں اور نہ دل کام آئے۔ اس لئے کہ اگر وہ انہیں صحیح استعمال کرتے۔ معرفت الہی حاصل کرتے اور توحید پر ایمان لاتے تو وہ عذاب سے بچ جاتے لیکن وہ اللہ تعالیٰ کی آیات کا انکار کرتے تھے۔ اس وجہ سے ان پر عذاب ایسا نازل ہوا کہ ان سب کو گھیرے میں لے لیا۔ اس وجہ سے بھی کہ وہ خدا اور اس کے رسول کے ساتھ اور وحی الہی سے ٹھٹھہ مزاق کرتے تھے۔

وَلَقَدْ أَهَلَكْنَا مَا حَوْلَكُمْ مِّنَ الْقُرَىٰ وَصَرَفْنَا آلَاتِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ ﴿۲۷﴾

اور تحقیق ہم نے ہلاک کیا تمہارے ارد گرد کی بستیوں کو اور پھر اگر ہم بیان کرتے ہیں آیات کوتا کہ وہ باز آ جائیں

فَلَوْلَا نَصْرُهُمُ الَّذِينَ اتَّخَذُوا مِنْ دُونِ اللَّهِ قُرْبَانًا آلِهَةً بَلْ ضَلُّوا

تو کیوں نہ مدد کی ان کی جن کو انہوں نے بنایا سوائے اللہ کے قرب حاصل ہو خداؤں کا بلکہ وہ گم ہو گئے

عَنْهُمْ ۚ وَذَٰلِكَ اِفْكَهُمُ وَمَا كَانُوا يَفْتَرُونَ ﴿۲۸﴾

ان سے۔ اور یہ بہتان ہیں ان کے اور جو تھے افتراء باندھتے

(بقیہ آیت نمبر ۲۶) اور بار بار ہود علیہ السلام کو کہتے تھے کہ لائیں عذاب کو۔ وہ عذاب جس سے ہمیں ڈراتے ہو

اگر تم سچے ہو تو لے آؤ۔ **فائدہ:** اس میں اشارہ ہے کہ سمع۔ بصر اور دل یہ توحید کے حاصل کرنے کیلئے اسباب ہیں۔

سبق: عاقل پر لازم ہے کہ حق کو سننے پھر اس پر عمل کرنے کی پوری کوشش کرے اور اپنے اعضاء کو بھی اس کے

مطابق عمل میں لائے۔ منہیات سے رکے اور حرام کے قریب بھی نہ جائے۔ مکروہات سے بھی پرہیز کرے۔ فضول مباحات میں بھی نہ پڑے۔

(آیت نمبر ۲۷) اے اہل مکہ ہم نے تمہارے ارد گرد کے بہت لوگوں کو تباہ کیا۔ جیسے قوم غاد قوم خمود۔ قوم لوط

وغیرہ کی بستیاں تباہ ہوئیں۔ ان کے کھنڈرات موجود ہیں۔ جو عبرت کا نشان ہیں۔ ہم دلائل و براہین کیلئے اور عبرت

حاصل کرنے کیلئے آیات کو بار بار دہراتے ہیں۔ یعنی گزشتہ قوموں کے واقعات دہرانے کا مقصد یہی ہے کہ لوگ اپنے

گناہوں کفر و شرک وغیرہ سے باز آ جائیں۔ لیکن بہت کم لوگوں نے نصیحت حاصل کی۔ چونکہ ہدایت اللہ تعالیٰ کے

ہاتھ میں ہے۔ جسے چاہتا ہے ہدایت دے دیتا ہے اور وہ اسی کو ہدایت دیتا ہے جو اس کی طرف رجوع کرتا ہے۔

(آیت نمبر ۲۸) ان کے معبودوں نے (جن کو پوری زندگی پوجتے رہے) ان کی مدد کیوں نہ کی جنہیں وہ اللہ

تعالیٰ کے قریب ہونے کا وسیلہ جانتے تھے۔ کبھی کہتے یہ ہمارے سفارشی ہیں۔ کبھی کہتے یہ ہمیں اللہ تعالیٰ کے قریب

کرنے والے ہیں۔ جب ان پر عذاب آیا تو ان کے معبودان سے غائب ہی ہو گئے۔ (تو جو دنیا میں کام نہ آئے وہ

آخرت میں کہاں کام آئیں گے)۔ اصل بات یہ ہے کہ یہ سب ان کا جھوٹ اور بہتان ہے کہ وہ انہیں اللہ کے حکم

سے معبود سمجھتے تھے اور ان کا یہ کہنا کہ یہ شرک اللہ تعالیٰ کے حکم سے کرتے ہیں۔ یہ سب اللہ تعالیٰ پر بہتان گھڑنا ہے۔

وَإِذْ صَرَفْنَا إِلَيْكَ نَفَرًا مِّنَ الْجِنِّ يَسْتَمِعُونَ الْقُرْآنَ ۖ فَلَمَّا حَضَرُوهُ

اور جب پھیری ہم نے آپ کی طرف جماعت جنوں کی جو سنتے ہیں قرآن۔ جب حاضر ہوئے

قَالُوا أَنْصِتُوا ۖ فَلَمَّا قُضِيَ وَلَّوْا إِلَىٰ قَوْمِهِمْ مُّنْذِرِينَ ﴿٢٩﴾

تو بولے چپ رہو۔ پھر جب پڑھا جا چکا تو مڑے طرف اپنی قوم کے ڈر سنا تے۔

(بقیہ آیت نمبر ۲۸) وسیلے کا جواز: جن وسائل کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے۔ جیسے ”وابتغوا الیہ الوسیلۃ“ یا ”کونو مع الصادقین“۔ وغیرہ آیات سے معلوم ہوا کہ وسیلہ جائز ہے۔ انبیاء۔ اولیاء۔ شہداء۔ ضعفاء وغیرہ کا وسیلہ جائز ہے۔ قرآن وحدیث سے ثابت ہے۔ ناجائز وسیلہ وہ ہے۔ جس سے اللہ تعالیٰ نے منع فرمایا۔ جیسے بتوں کو وسیلہ بنانا وغیرہ۔

(آیت نمبر ۲۹) اور جب پھیرا ہم نے آپ کی طرف جنوں کی ایک جماعت کو۔ **فائدہ:** مروی ہے کہ حضور ﷺ ایک روایت کے مطابق آدھی رات کے وقت نفل پڑھ رہے تھے اور دوسری روایت کے مطابق صبح کی نماز ادا فرما رہے تھے اور تلاوت بالجہر تھی تو وہاں سے جنوں کی ایک جماعت کا گذر ہوا تو آپ اس وقت سورہ طہ تلاوت فرما رہے تھے۔ ان ہی دنوں آپ کو طائف والوں نے بہت زیادہ ایذائیں دیں اور آپ پر پتھر برسائے۔ **فائدہ:** ”صرفنا“ کا لفظ بتاتا ہے کہ یہ کئی بار ہوا۔ مشہور دو دفعہ ہے۔ ایک طائف سے واپسی پر مکہ مکرمہ میں۔ پہلی دفعہ جن بغیر اجازت آئے تھے۔ حضور ﷺ کو بذریعہ وحی مطلع کیا گیا۔ وہاں بھی انہوں نے حضور ﷺ سے تلاوت سنی۔ اور تلاوت کا ان پر ایسا اثر ہوا کہ وہ اسی وقت مسلمان ہو گئے۔ **دوسری مرتبہ:** جنات کے سات نمائندے بطن نخلہ میں رہ کر چند دنوں بعد وہ اپنی قوم کے پاس چلے گئے۔ اور انہیں حضور ﷺ کے پیغامات سنائے تو ہزاروں کی تعداد جن آئے اور جنوں میں آ کر ٹھہرے۔ یعنی مکہ شریف کے قبرستان میں۔ ان میں سے ایک جن حضور ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا اور عرض کی کہ ہماری برادری جنوں میں حاضر ہوئی۔ آپ بھی تشریف لائیں۔ المختصر۔ حضور عبد اللہ بن مسعود کو ساتھ لیکر جنوں کے قریب پہنچے تو ایک دائرہ کھینچ کر عبد اللہ بن مسعود کو فرمایا اس دائرے سے باہر نہ نکلنا۔ ورنہ بہت بڑا نقصان اٹھاؤ گے۔ اس کے بعد حضور ﷺ نے جنوں کے پاس جا کر قرآن پاک انہیں سنایا۔ ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ مجھے کبھی حضور نظر آتے اور کبھی نہ نظر آتے تھے اور جنوں کی جماعت مجھے سیاہ بادلوں کی طرح نظر آتے۔ ایک جماعت آتی دوسری چلی جاتی۔ کافی دیر کے بعد حضور ﷺ واپس تشریف لائے۔

قَالُوا يَلْقَوْنَآ إِنَّا سَمِعْنَا كِتَابًا أُنزِلَ مِنْ بَعْدِ مُوسَىٰ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ

بولے اے ہماری قوم ہم نے سنی ایک کتاب جو اتری ہے بعد موسیٰ کے۔ تصدیق کرنے والی ہے

يَذِيهِ يَهْدِي إِلَى الْحَقِّ وَالْحَقِّ طَرِيقُ مُسْتَقِيمٍ ۝۳۰

اگلی کتاب کی۔ راہ دکھاتی ہے حق کی طرف اور راستے سیدھے کا۔

(بقیہ آیت نمبر ۲۹) اس واقعہ کو قرآن پاک نے بیان فرمایا کہ جن قرآن سننے کیلئے۔ جب آپ کی بارگاہ اقدس میں حاضر ہوئے تو انہوں نے سب کو کہا۔ خاموش رہو۔ اور حضور ﷺ سے قرآن مجید سنو۔ پھر جب حضور ﷺ نے تلاوت مکمل فرمائی تو وہ اپنی قوم کے پاس لوٹ گئے اور قوم کو جا کر اللہ تعالیٰ کی نافرمانی سے ڈرایا۔

(آیت نمبر ۳۰) اپنی قوم والوں کے پاس جا کر کہا۔ اے ہماری قوم ہم نے ایک کتاب سنی ہے جو موسیٰ علیہ السلام کے بعد نازل ہوئی۔ فائدہ: اگرچہ موسیٰ علیہ السلام کے بعد دو کتابیں انجیل اور زبور نازل ہوئیں۔ حضرت عیسیٰ اور داؤد علیہما السلام پر۔ لیکن جن موسیٰ علیہ السلام کو ہی جانتے تھے۔ اس لئے ان کا ذکر کیا۔

فائدہ: علامہ اسماعیل حق بن عبد اللہ فرماتے ہیں توراۃ قرآن پاک کی طرح ایک جامع کتاب تھی اور انجیل یا زبور میں صرف عقائد کا بیان ہے۔ باقی احکام توراۃ والے تھے۔ قرآن مجید اور توراۃ میں عقائد کے ساتھ احکام اور شرائع۔ یعنی تمام مسائل کا ان میں بیان ہے۔ اس بناء پر انہوں نے خاص موسیٰ علیہ السلام کا ذکر کیا۔ (سیرۃ حلبیہ) آگے کہا کہ یہ کتاب (قرآن مجید) تصدیق کرتی اس کی جو اس کے سامنے ہے۔ یعنی توراۃ۔ زبور اور انجیل کی تصدیق کرتی ہے اور یہ کتاب حق (عقائد صحیحہ) کی طرف راہنمائی کرتی ہے اور سیدھا راہ دکھاتی ہے۔ ایسا راستہ کہ جس میں ٹیڑھا پن نہیں ہے۔ اس سے شرائع اور اعمال صالحہ مراد ہیں۔

فائدہ: ابن عطاء فرماتے ہیں کہ قرآن مجید باطنی لحاظ سے حق کی طرف راہنمائی کرتا ہے اور ظاہر اہیہ صراط مستقیم پر چلاتا ہے۔ فائدہ: ان آیات سے یہ بات واضح ہوگئی کہ ہمارے آقا جناب محمد رسول اللہ ﷺ نے (غیبی مخلوقات میں سے) جنات کو دیکھا۔ چونکہ آپ ان کے بھی رسول ہیں۔

(۲) وہ حضور ﷺ پر ایمان بھی لائے اور آپ سے قرآن پاک سنا۔ (۳) آپ کی زیارت اور صحبت سے شرفیاب ہونے کی وجہ سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں شامل ہو گئے۔ الحمد للہ۔ (۴) یہ بھی معلوم ہوا حضور ﷺ نہ صرف انسانوں اور جنوں کے رسول ہیں۔ بلکہ آپ ”ارسلت الی الخلق كافة“ (ساری مخلوق کے رسول ہیں)۔

يَقُومَنَا أَجِيبُوا دَاعِيَ اللَّهِ وَآمِنُوا بِهِ يَغْفِرَ لَكُمْ مِنْ ذُنُوبِكُمْ وَيُجِرَكُمْ

اے ہماری قوم مان جاؤ اللہ کی طرف بلائے والے کی بات اور ایمان لاؤ تم اس پر کہ وہ بخش دے تمہارے گناہ اور بچالے تمہیں

مِنْ عَذَابٍ أَلِيمٍ ۝۳۱ وَمَنْ لَا يُجِبْ دَاعِيَ اللَّهِ فَلَيْسَ بِمُعْجِزٍ فِي الْأَرْضِ

عذاب دردناک سے۔ اور جو نہ مانے گا منادی خدا کی بات تو نہیں ہے قابو سے نکلنے والا زمین میں۔

وَلَيْسَ لَهُ مِنْ دُونِهِ أَوْلِيَاءُ أُولَٰئِكَ فِي ضَلَالٍ مُبِينٍ ۝۳۲

اور نہیں ہے اس کا کوئی اس کے سوا مددگار۔ وہی ہیں گمراہی کھلی میں۔

(آیت نمبر ۳۱) اے ہماری قوم اللہ تعالیٰ کی طرف بلائے والے کا فرمان سنو اور مانو یعنی حضور ﷺ کی بات مان جاؤ۔ یا اللہ تعالیٰ کے احکامات جو انہوں نے حضور ﷺ سے سنے۔ اس لحاظ سے قرآن داعی بھی ہے اور ہادی بھی۔ آگے کہا۔ اگر اس (اللہ تعالیٰ) پر ایمان لاؤ گے تو وہ تمہارے کچھ گناہ بخش دے گا۔

فائدہ: یعنی جو تم نے حقوق اللہ تعالیٰ میں کمی بیشی کی وہ معاف ہوگی۔ حقوق العباد میں صاحب حق معاف کرے یا رب تعالیٰ کی مرضی۔ **مسئلہ:** کفر سے توبہ کرنے کے بعد بھی حقوق العباد معاف کرانا ضروری ہے۔

فائدہ: حقوق العباد والا معاملہ شدید ترین ہے۔ صاحب حق نے معاف نہ کیا تو بروز قیامت نیکیاں صاحب حق کے کھاتے میں چلی جائیں گی۔ یا صاحب حق کے گناہ اس کے سر پر ڈال دیئے جائیں گے۔

فائدہ: سر پر گناہ ڈالنے کا مطلب یہ ہے کہ جو اسے گناہوں کی سزا ملنا تھی۔ وہ اب اس کو ملے گی۔ آگے فرمایا کہ اگر تم ایمان لے آؤ گے تو اللہ تعالیٰ تمہیں دردناک عذاب سے بچالے گا۔ وہ عذاب جو کفار کیلئے تیار ہوا۔

(آیت نمبر ۳۲) اور جو اللہ تعالیٰ کی طرف بلائے والے کی دعوت کو قبول نہیں کرتا۔ وہ اللہ تعالیٰ کو زمین میں عاجز تو نہیں کر سکتا کہ وہ زمین میں گم ہو جائے۔ یا بھاگ جائے اور (معاذ اللہ) اللہ تعالیٰ کو مل نہ سکے اور اللہ تعالیٰ کے سوا اس کا کوئی حمایتی یا مددگار بھی کوئی نہیں ہوگا۔ نہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نجات دینے والا ہے۔ مراد یہ ہے کہ جب تک اللہ تعالیٰ کی مہربانی نہیں ہوگی۔ کوئی بھی انسان نجات نہیں پائے گا۔ لہذا جو لوگ داعی الی اللہ کی دعوت کو قبول نہیں کرتے۔ وہ کھلی گمراہی میں ہیں۔ اس لئے کہ جو بھی داعی الی اللہ سے منہ پھیرے۔ اسے گمراہی کے علاوہ کچھ حاصل نہیں ہوتا۔

أَوَلَمْ يَرَوْا أَنَّ اللَّهَ الَّذِي خَلَقَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ وَلَمْ يَعْزِ بِخَلْقِهِنَّ

کیا نہیں وہ جانتے کہ بے شک اللہ ہی نے پیدا کیا آسمانوں اور زمین کو۔ اور نہیں تھکا ان کے بنانے سے

بِقَدْرِ عَلَى أَنْ يُحْيِيَ الْمَوْتَى ۚ بَلَىٰ إِنَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ﴿۳۳﴾

وہ قادر ہے اس پر کہ وہ زندہ کرے مردوں کو۔ ہاں بے شک وہ اوپر ہر چیز کے قادر ہے۔

(آیت نمبر ۳۳) کیا انہوں نے اس میں غور و فکر نہیں کیا کہ بے شک اللہ تعالیٰ کی ذات وہ ہے کہ جس نے

آسمانوں کو اور زمین کو پیدا کیا اور وہ انہیں بنا کر تھک تو نہیں گیا۔ نہ اسے ان کے بنانے میں کوئی تکلیف وغیرہ ہوئی۔

تمہارا کیا خیال ہے کہ اتنی بڑی قدرت والا کیا وہ مردوں کو زندہ کرنے پر قادر نہیں ہے؟ اس کے جواب میں فرمایا۔ ہاں

ہاں کیوں نہیں بے شک وہ ہر چیز پر قادر ہے۔ گویا پہلے دعویٰ بیان کیا اور یہ اس کی دلیل ہے۔ یعنی جب اللہ تعالیٰ ہر چیز

پر قادر ہے تو وہ مردوں کو زندہ کرنے پر بھی قادر ہے۔

فائدہ: جیسے اس میں کوئی شک نہیں کہ موت ضرور واقع ہوگی۔ اسی طرح اس میں بھی شک نہیں ہونا چاہئے کہ

مرنے کے بعد ایک دن ضرور زندہ ہونا ہے۔ منکرین کے انکار کا کوئی اعتبار نہیں کیونکہ وہ گمراہ ہیں۔ وہ جو بھی بات

کرتے ہیں۔ وہ اپنے خیال سے کرتے ہیں۔ جیسے نیند آتی ہے اور اس کے بعد آدمی نیند سے بیدار ہو جاتا ہے۔ اسی

طرح موت آئے گی۔ اس کے بعد ضرور اللہ تعالیٰ زندہ فرمائے گا۔

حیات کی اقسام:

(۱) حیات فی الدنیا: جب انسان دنیا میں آتا ہے۔ (۲) حیات فی القبور: جب قبر میں فرشتہ دوبارہ روح ڈالتا

ہے۔ (۳) قلبی حیات: یہ فیض روحانی سے حاصل ہوتی ہے۔ (۴) حیات ارواح: یہ سرربانی سے ملتی ہے۔

وَيَوْمَ يُعْرَضُ الَّذِينَ كَفَرُوا عَلَى النَّارِ أَلَيْسَ هَذَا بِالْحَقِّ قَالُوا بَلَىٰ وَرَبَّنَا

اور جس دن پیش کئے جائیں گے کافر آگ پر۔ کیا نہیں ہے یہ برحق۔ کہیں گے ہاں اے ہمارے رب

قَالَ قَدْ وَقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُونَ ﴿٣٣﴾ فَاصْبِرْ كَمَا صَبَرَأُولُوا الْعِزْمِ

فرمائے گا چکھو عذاب بدلے اس کے جو تھے تم کفر کرتے۔ صبر کریں جیسے صبر کیا باہمت

مِنَ الرُّسُلِ وَلَا تَسْتَعْجِلْ لَهُمْ كَانَهُمْ يَوْمَ يَرُونَ مَا يُوْعَدُونَ ۖ لَمْ يَلْبَثُوا

رسولوں نے اور نہ جلدی کریں ان کیلئے گویا وہ دن دیکھیں گے جس کا وعدہ دیئے جاتے ہیں کہ نہیں ٹھہرے وہ دنیا میں

إِلَّا سَاعَةً مِّنْ نَّهَارٍ ۚ بَلَّغْ ۚ فَهَلْ يُهْلِكُ إِلَّا الْقَوْمَ الْفَاسِقُونَ ۚ ﴿٣٥﴾

مگر ایک گھڑی بھر دن میں۔ یہ پہنچانا ہے تو نہیں ہلاک کئے جائیں گے سوا فاسق لوگوں کے۔

(آیت نمبر ۳۳) جس دن کفار کو جہنم کی آگ کے سامنے لایا جائیگا۔ یعنی جہنم میں ڈالنے کیلئے اور عذاب کیلئے

فرشتے لائیں گے۔ جیسا کہ پہلے تفصیل سے بیان ہو چکا تو اس وقت انہیں کہا جائیگا کہ کیا یہ جسے تم دیکھ رہے ہو۔ یہ وہی

برحق عذاب نہیں۔ جسے تم دنیا میں جھٹلاتے تھے اور ٹھٹھہ محول سمجھتے رہے۔ اس میں انہیں زجر و توبہ کی جائے گی کہ تم تو

کہا کرتے تھے ہمیں کوئی عذاب وغیرہ نہیں ہوگا۔ تو اس وقت کفار اقرار کریں گے کہ واقعی یہ برحق ہے اے ہمارے

رب کریم تیری قسم ہے کہ یہ تو حق ہے۔ اس امید پر وہ اقرار کریں گے کہ شاید خلاصی ہو جائے۔ جیسے دنیا میں جھوٹے

اقرار کر کے نقصان سے بچ جاتے تھے۔ لیکن اس خیال است و محال۔ تو اس وقت اللہ تعالیٰ داروغہ جہنم سے فرمائے گا۔

انہیں جہنم میں دھکیل دو۔ جہنم میں جانے کے بعد کفار سے کہا جائے گا۔ اب عذاب کا مزہ چکھو۔ یہ انہیں ذلیل کرنے

کیلئے کہا جائیگا۔ جو وہ دنیا میں انکار کرتے اور اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول اور قیامت کو جھٹلاتے تھے۔ یہ عذاب اس وجہ

سے ملا کہ وہ دنیا میں کفر کیا کرتے تھے۔

(آیت نمبر ۳۵) اے محبوب صبر کیجئے۔ جیسے اولوالعزم رسولوں نے تکالیف پر صبر کیا۔ یعنی کفار کا بالآخر انجام تو

وہی ہوگا۔ جس کا ابھی بیان ہوا۔ لہذا آپ ان کی طرف سے پہنچنے والی تکالیف پر صبر کریں۔ جیسے آپ سے پہلے

اولوالعزم رسولان گرامی نے مشکلات اور شدائد میں صبر کیا۔ آپ بھی ان کی طرح اولوالعزم بلکہ ان سے اعلیٰ و افضل ہیں۔ اولوالعزم رسول سے مراد وہ رسول ہیں۔ جو اصحاب شرائع ہیں۔ جو اللہ تعالیٰ سے نئی شریعت لیکر اپنی اپنی قوموں کے پاس تشریف لائے اور جنہوں نے احکام شرعیہ کو مضبوط کرنے میں پوری پوری کوشش کی۔ مخالفین کی دشمنی پر صبر کیا ان میں (۱) نوح علیہ السلام۔ (۲) ابراہیم علیہ السلام۔ (۳) موسیٰ علیہ السلام۔ (۴) عیسیٰ علیہ السلام۔ (۵) محمد رسول اللہ ﷺ۔

فائدہ: جس پیغمبر نے جتنی زیادہ اسلام کی خاطر تکالیف برداشت کیں۔ اس کا مرتبہ بھی اتنا ہی زیادہ ہوا۔ سب سے زیادہ تکلیف حضور ﷺ کو دی گئی۔ اسی لئے آپ کا مرتبہ بھی سب سے بڑا ہے۔

فائدہ: بعض مشائخ نے فرمایا کہ اولوالعزم رسول بارہ ہیں۔ علامہ حقی رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔ جس نبی یا رسول پر وحی اتری وہی صاحب فضیلت ہے۔ البتہ وہ ایک دوسرے پر بعض خصائص کی وجہ سے فضیلت رکھتے ہیں۔

آگے فرمایا کہ کفار مکہ کے عذاب کیلئے جلدی نہ کریں۔ اس لئے وہ خود ہی ایسے کروت کر کے عذاب کی طرف جارہے ہیں۔ وہ لازماً قیامت کے دن عذاب الیم میں پڑیں گے۔

آگے فرمایا۔ اس دن جب دیکھ لیں گے۔ اس چیز کو جس کا وہ وعدہ دیئے جاتے ہیں۔ یعنی جب عذاب کو دیکھ لیں گے تو کہیں گے کہ نہیں رہے ہم دنیا میں نفع اٹھانے کیلئے مگر دن کا تھوڑا سا حصہ۔ شدت عذاب کی وجہ سے دنیا کا لمبا قیام بھی انہیں بہت چھوٹا سا نظر آئے گا۔

آگے فرمایا کہ اس عذاب سے نہیں تباہ و برباد ہوں گے مگر فاسق لوگ جو طاعت الہی سے دور رہے۔ بعض بزرگ فرماتے ہیں۔ فاسقین سے مراد وہ لوگ ہیں جو ماسوی اللہ کی طلب میں رہے۔ یہ آیت بچے کی ولادت کی آسانی میں زود اثر ہے۔ الحمد للہ رب العالمین

اختتام سورۃ: مورخہ ۱۸ جنوری بمطابق ۱۹ ربیع الثانی ۱۴۳۸ھ بروز بدھ بعد نماز مغرب

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

سورۃ محمد
۱۱۲ آیت

آیتھا
۲۸

الَّذِينَ كَفَرُوا وَصَدُّوا عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ أَضَلَّ أَعْمَالَهُمْ ①

جنہوں نے کفر کیا اور روکا راہ خدا سے۔ ضائع ہوئے ان کے عمل

وَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ وَآمَنُوا بِمَا نُزِّلَ عَلَى مُحَمَّدٍ وَهُوَ

اور جو ایمان لائے اور عمل نیک کئے اور ایمان لائے اس پر جو اتارا گیا محمد پر۔ وہی

الْحَقُّ مِنْ رَبِّهِمْ ۚ كَفَرَ عَنْهُمْ سَيِّئَاتِهِمْ وَأَصْلَحَ بَالَهُمْ ②

حق ہے ان کے رب کی طرف سے دور کیں اللہ نے ان کی برائیاں اور درست کئے ان کے حالات۔

(آیت نمبر ۱) جن لوگوں نے کفر کیا اور لوگوں کو روکا اللہ تعالیٰ کی راہ (دین اسلام اور طریق حق) سے اس سے مراد کفار مکہ ہیں۔ جنہوں نے لوگوں کو لالچ دے کر اور کچھ لوگوں کو ڈرا دھمکا کر حضور ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے خلاف کیا اور دشمنی پر ابھارا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے اعمال کو ضائع کر دیا۔ ان کے اچھے عمل تو تھے ہی نہیں۔ اگر کوئی تھے بھی۔ مثلاً خیرات یا صلہ رحمی کی یا مہمان نوازی یا قیدیوں کو چھڑانا جو اچھے کام تھے۔ وہ بھی ضائع ہو گئے یعنی ان اچھے کاموں پر بھی انہیں کوئی ثواب نہیں ملے گا۔ جب تک وہ ایمان نہ لائیں اور انہیں ایمان اس وقت تک نصیب نہیں ہو سکتا جب تک حضور ﷺ اور صحابہ سے دشمنی ختم نہ کریں۔

(آیت نمبر ۲) اور جو ایمان لائے اور پھر نیک اعمال بھی کئے۔ فائدہ: یہ ایمان عام ہے۔ اس میں مہاجرین و انصار۔ اور اہل کتاب سب شامل ہیں۔ جو بھی سابقہ کتابوں پر ایمان لائے۔ آگے فرمایا۔ اور وہ اس پر بھی ایمان لائے۔ جو اتارا گیا محمد ﷺ پر یعنی قرآن مجید پر بھی ایمان لائے۔ (قرآن مجید پر ایمان) سے اس کی عظمت کا اظہار مقصود و مطلوب ہے اور قرآن پر ایمان لانے کی تاکید اس لئے ہے کہ باقی آسمانی کتابیں منسوخ ہو گئیں۔ لہذا اب صرف اس پر ایمان ہونا اصل ایمان ہے اور قرآن برحق کتاب ہے۔ کیونکہ یہ حق تبارک و تعالیٰ کی طرف سے آئی۔ تو جنہوں نے اس پر ایمان لایا اللہ تعالیٰ نے ان کی برائیوں کو ختم کر دیا اور ان کے دینی و دنیوی امور کو سنوار دیا اور انہیں نیکی کی توفیق بخش دی۔

ذَلِكَ بِأَنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا اتَّبَعُوا الْبَاطِلَ وَأَنَّ الَّذِينَ آمَنُوا اتَّبَعُوا الْحَقَّ

یہ اس لئے کہ بے شک کافروں نے پیروی کی باطل کی۔ اور بے شک ایمان والوں نے پیروی کی حق کی

مِنْ رَبِّهِمْ ۚ كَذَلِكَ يَضْرِبُ اللَّهُ لِلنَّاسِ أَمْثَالَهُمْ ۝ (۳)

جو ان کے رب کی طرف سے ہے۔ اسی طرح بیان کرتا ہے اللہ لوگوں سے ان کے احوال۔

(آیت نمبر ۳) یہ اس لئے کہ بے شک کافروں نے باطل یعنی شیطان کی پیروی کر کے کفر کیا اور اہل اسلام کو راہ حق سے روکا۔ اس وجہ سے وہ گمراہ بھی ہو گئے۔ اور ان تمام باتوں میں اصل پیروی شیطان کی ہے۔

آگے فرمایا کہ بے شک ایمان والوں نے حق کی پیروی کی۔ جو انہیں اپنے رب تعالیٰ کی طرف سے ملا۔ اس لئے وہ ایمان بھی لائے اور عمل صالح بھی کئے۔ اس وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ان سے ان کے گناہ بھی دور کر دیئے اور ان کے حالات بھی سنوار دیئے۔ یعنی ان کے دنیوی اور اخروی حالات کو بہتر بنا دیا۔

فائدہ: اللہ تعالیٰ نے دونوں پہلوؤں کو بیان فرما کر بتا دیا۔ کہ اس طرح اللہ تعالیٰ لوگوں کیلئے مثالیں بیان فرماتا ہے۔ **فائدہ:** مثال کا مطلب یہ ہے کہ کسی بات کو ایسے طریقے سے بیان کرنا۔ جس کا اثر اس کے غیر پر ظاہر ہو۔ اسی طرح یہاں ایمان و کفر دونوں فریقوں کے احوال اور اوصاف جو عجیب و غریب ہیں۔ انہیں بطور مثال بیان کیا گیا کہ پہلے گروہ نے باطل کی پیروی کر کے کس طرح خسارہ پایا اور دوسرے گروہ یعنی ایمان والوں نے حق کی اتباع کر کے کس طرح کامیابی حاصل کی۔ اور آنے والے لوگوں کیلئے مثال قائم کر دی۔

نبوی دعا: حضور ﷺ اکثر یہ دعا مانگتے۔ اے اللہ تعالیٰ ہمیں حق کی راہ دکھا اور اس کی اتباع بھی نصیب فرما اور باطل کا باطل ہونا بھی دکھا اور اس سے بچنے کی بھی توفیق عطا فرما۔ (مشکوٰۃ شریف)

حق کی تعریف: اللہ تعالیٰ کے ہر فعل اور ہر حکم کو حق کہا جاتا ہے۔ جیسے موت حق ہے۔ قیامت کے دن اٹھنا حق ہے۔ اس میں سب کائنات آ جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے کوئی چیز بیکار نہیں بنائی۔ شیطان وغیرہ کا بنانا بھی حق تھا اب اس کا باطل ہونا ایک اضافی مسئلہ ہو گیا ہے۔ (۲) اس اعتقاد کو بھی حق کہتے ہیں۔ جو حقیقت کے مطابق ہو جیسے ہمارا عقیدہ ہے۔ جنت و دوزخ قیامت ثواب عذاب عقاب سب حق ہیں۔

فَإِذَا لَقِيتُمُ الَّذِينَ كَفَرُوا فَضَرْبَ الرِّقَابِ حَتَّىٰ إِذَا أَثْخَسْتُمُوهُمْ

تو جب آنا سامنا ہو تمہارا کافروں سے تو مارنا گردنیں۔ یہاں تک کہ جب خوب قتل کرو ان کو

فَقُتِلُوا أَلُتَّاقِ ۖ فَيَأْمَأْ مَنَاۢ بَعْدُ وَإِنَّا فِدَاءٌ حَتَّىٰ تَضَعَ الْحَرْبُ

پھر انہیں مضبوط باندھ لو خواہ احسان کے بعد چھوڑ دو خواہ فدیہ سے یہاں تک کہ رکھ دے لڑائی

أَوْ زَارَهَا ۚ ذَٰلِكَ وَلَوْ يَشَاءُ اللَّهُ لَانتَصَرَ مِنْهُمْ وَلَكِن لِّيَبْلُوَا

اپنے بوجھوں کو۔ بات یہی ہے اور اگر چاہتا اللہ تو خود بدلہ لیتا ان سے لیکن اس لئے تاکہ آزمائے تم میں

بَعْضُكُم بِبَعْضٍ ۚ وَالَّذِينَ قُتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَلَن يُضِلَّ أَعْمَالَهُمْ ۝

ایک دوسرے کو۔ اور جو مارے گئے راہ خدا میں تو ہرگز نہیں ضائع کریگا اللہ ان کے عملوں کو۔

(بقیہ آیت نمبر ۳) دیدار مصطفیٰ ﷺ کیسے ہوتا ہے: بشرحانی کو خواب میں دیدار نصیب ہوا تو حضور ﷺ

نے پوچھا کہ تمہیں معلوم ہے۔ کیوں دیدار ملا۔ عرض کی حضور ہی جانتے ہیں تو فرمایا کہ تو میری سنت پر چلتا ہے۔ نیک لوگوں کی صحبت اختیار کرتا ہے۔ اسلام کی خیر خواہی چاہتا ہے۔ میرے اصحاب و اہل بیت سے محبت کرتا ہے۔ اس بناء پر اللہ تعالیٰ نے تجھے یہ عظیم مرتبہ عطا فرمایا۔ (معلوم ہوا۔ صحابہ و اہل بیت کی محبت کے بغیر دیدار رسول نہیں ہوتا)۔

(آیت نمبر ۴) اے مسلمانو۔ جب تم کافروں سے جنگ کرو تو اپنی تلواروں سے کافروں کی گردنیں اڑا دو۔

یعنی انہیں خوب قتل کرو۔ تاکہ وہ خوب ذلیل ہوں۔ یہاں تک کہ جب ان کا قتل خوب ہو جائے۔ ان میں پھر لڑنے کی سکت نہ رہے تو جو زندہ ہیں۔ انہیں خوب کس کے باندھ دو تاکہ بھاگ نہ سکیں اور انہیں قید میں رکھو۔ پھر تمہاری اپنی صوابدید پر ہے۔ مناسب سمجھو تو ان پر احسان رکھ کر انہیں چھوڑ دو۔ یا فدیہ کوئی نقدی وغیرہ لے کر آزاد کر دو۔ یا مسلمان قیدی کافروں کے پاس ہوں تو ان سے تبادلہ کر لو۔

چار طریقے ہیں: (۱) قتل کرنا۔ (۲) غلام بنانا۔ (۳) مفت چھوڑنا۔ (۴) قید میں ہی رکھنا۔ ان چاروں میں

سے کوئی طریقہ اختیار کر لیں۔ حاکم وقت جیسے مناسب سمجھے۔ یا جس میں مسلمانوں کی مصلحت ہو۔ وہی طریقہ اختیار کر لے اسے اختیار ہے۔

سَيَهْدِيهِمْ وَيُصْلِحُ بَالَهُمْ ۝ (۵)

جلد انہیں راہ دیگا اور ان کا کام بنا دے گا۔

(بقیہ آیت نمبر ۴) **فائدہ:** فدیہ لے کر چھوڑنے اور دارالحرب یعنی واپس کافروں کے پاس بھیجنے سے بعض فقہاء نے منع کیا ہے۔ اس لئے کہ اس سے ان کی طاقت میں اضافہ کرنا ہے۔ **فائدہ:** امام مجاہد مرحوم فرماتے ہیں۔ صرف دو کاموں میں ایک فحش کیا جائے۔ یا وہ مسلمان ہوں اور یا انہیں قتل کیا جائے۔ آگے فرمایا۔ کفار کو اس قدر قتل کرو کہ ان کا غلبہ اور ان کی شان و شوکت ختم ہو جائے۔ ویسے نہ چھوڑیں اس لئے کہ وہ شریکوں سے مل کر تمہیں نقصان پہنچائیں گے۔ **فائدہ:** کاشفی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ حریوں کے ہتھیار بھی ختم کر دیئے جائیں تاکہ آئندہ وہ جنگ و جدال کا سوچیں بھی نہیں۔ آگے فرمایا۔ اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو جنگ کے بغیر بھی ان سے بدلا لے سکتا تھا کہ بغیر کسی ظاہر سبب کے وہ پہلی قوموں کی طرح ہلاک و تباہ ہو جاتے۔ یا قارون کی طرح زمین میں دھنس جاتے۔ یا زلزلہ سے تباہ و برباد ہو جاتے۔ لیکن اللہ تعالیٰ تم میں سے بعض کو بعض سے آزماتا ہے۔ اس لئے کافروں سے جنگ کرنے کا حکم دیا تاکہ زندہ رہو تو غازی بنو اور فوت ہو جاؤ تو شہید ہو جاؤ (ایک اللہ کے ولی دعا کرتے یا اللہ ان کافروں کو سلامت رکھ۔ غلاموں نے کہا۔ کیوں۔ فرمایا۔ اگر وہ نہ ہوں تو نہ کوئی غازی ہو نہ کوئی شہادت کا مرتبہ پائے)۔ آگے فرمایا۔ وہ لوگ جو اللہ تعالیٰ کی راہ میں مارے گئے۔ یعنی بدر یا احد میں شہید ہوئے۔ ان کے اعمال ہرگز ضائع نہیں ہونگے۔ یعنی اللہ تعالیٰ انہیں جنت میں بہت بلند درجات عطا فرمائے گا۔ **حدیث شریف:** حضور ﷺ نے فرمایا کہ جہاد جاری رہے گا۔ یہاں تک کہ میری امت کا آخری شخص دجال کے ساتھ برسر پیکار ہوگا۔ اس کے بعد امن ہوگا۔ اس وقت امام مہدی علیہ السلام کا ظہور ہو جائیگا اور عیسیٰ علیہ السلام بھی آسمان سے زمین پر تشریف لے آئیں گے۔ ان کا جہاد آخری جہاد ہوگا۔ (مشکوٰۃ)

(آیت نمبر ۵) اللہ تعالیٰ ان کی راہنمائی فرمائے گا۔ دنیا میں اچھے کاموں کی طرف اور آخرت میں ثواب کی طرف۔ **فائدہ:** حسن بن زیاد نے فرمایا۔ قبر میں اللہ تعالیٰ مکر نکیر کے سوالات پر صحیح جواب دینے کی ہمت عطا فرمائے گا۔ یاد رہے شہداء سے قبر میں سوال ہوگا ہی نہیں ہوگا۔ آگے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ان کے احوال کو درست فرماتا ہے۔ گناہوں سے بچاتا ہے اور نیکی کی توفیق عطا فرماتا ہے۔ اور انہیں آخرت کے مقاصد کی طرف ہدایت دیتا ہے۔ یہاں تک خاصمین کو راضی کر کے ان کے حالات کو اچھا کرے گا۔ اس لئے کہ جہاد اور شہادت کا درجہ پانے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کے ہاں انہیں شرف و بزرگی حاصل ہوگی۔

وَيُدْخِلُهُمُ الْجَنَّةَ عَرَفَهَا لَهُمْ ⑥ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِن تَنْصُرُوا اللَّهَ

اور داخل فرمائے گا انہیں جنت میں پہچان کرادی اس کی انہیں۔ اے ایمان والو اگر تم مدد کرو گے دین خدا کی

يَنْصُرُكُمْ وَيُثَبِّتْ أَقْدَامَكُمْ ④ وَالَّذِينَ كَفَرُوا فَتَعْسًا لَهُمْ وَأَضَلَّ أَعْمَالَهُمْ ⑤

تو وہ تمہاری مدد کرے گا اور ثابت قدم رکھے گا تم کو اور جنہوں نے کفر کیا تب ہی پھیر دے گا ان کی اور برباد کریگا ان کے عمل

(آیت نمبر ۶) چونکہ دنیا میں ان کے اچھے اوصاف چپک ہو جائیں گے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ انہیں جنت میں جلد ہی داخل فرمائے گا تو لوگوں کو اللہ تعالیٰ ان کا تعارف فرمائے گا۔ یا لوگ ان کی زیارت کے مشتاق ہوں گے۔

حدیث شریف: جنت میں جنتی کا مکان اس کے دنیوی مکان سے زیادہ مشہور ہوگا۔ یا عرف بمعنی خوشبو کہ شہید کے محل کی خوشبودور سے ہی آرہی ہوگی۔ (صحیح بخاری، کتاب الرقاق)

حافظہ: اس آیت میں جہاد کی ترغیب دی گئی ہے۔ شہداء کے فضائل میں سے ایک یہ بھی ہے کہ شہید سے تمام حقوق معاف کر دیئے جائیں گے اور جنت میں شہداء کو بہت بڑے مراتب سے نوازا جائیگا۔

(آیت نمبر ۷) اے ایمان والو اگر تم اللہ تعالیٰ کی مدد یعنی اس کے دین کی مدد یا اس کے رسول پاک کی مدد کرو گے تو اللہ تعالیٰ تمہاری مدد فرما کر تمہیں دشمنوں پر غلبہ دے گا اور جنگوں میں یا دین اسلام کی حجت قائم کرنے پر تمہیں ثابت قدم رکھے گا۔ (یاد رہے اللہ تعالیٰ کی مدد کرنے کا مطلب اللہ تعالیٰ کے دین کی مدد کرنا)۔

اللہ تعالیٰ کی مدد دو قسم: (۱)۔۔۔۔۔ دین میں مددیوں کو دین سیکھنے اور سکھانے والوں کی مالی مدد کرنا۔ یا دین کے مخالف کو دلائل سے اس پر واضح کرے۔ یا شبہات دور کئے جائیں یا احکام کی شرح کو واضح کر دے۔ یا فرضوں۔ سنتوں یا حلال و حرام کا علم حاصل ہو۔ یا علم کے مطابق عمل کو آسان کر دیا جائے یا جہاد اکبر کی توفیق دے کر نفس پر غلبہ عطا کر دے۔ (۲)۔۔۔۔۔ دوسری مدد یہ کہ جہاد میں شریک ہو کر مسلمانوں کی مدد کر کے دین کے دشمنوں پر غلبہ حاصل کرنا۔ **سبق:** عقلمند پر لازم ہے کہ حسب استطاعت دین متین کے ہر شعبے کی مدد کرے۔

(آیت نمبر ۸) اور وہ جنہوں نے کفر کیا۔ ان کے لئے ذلت و خواری رسوائی اور ہلاکت ہے۔ اللہ تعالیٰ انہیں منہ کے بل گرا دے گا۔ تعس کا معنی ہلاک کرنا اور منہ کے بل گرا دینا اور اللہ تعالیٰ نے ان کے اعمال گم کر دیئے۔ یعنی باطل اور نیست و نابود کر دیئے۔ اور گویا وہ ذلیل ہو کر منہ کے بل گر گئے۔

ذَلِكَ بِأَنَّهُمْ كَرِهُوا مَا أُنْزَلَ اللَّهُ فَاحْبَطَ أَعْمَالَهُمْ ⑨ أَفَلَمْ يَسِيرُوا

یہ اس لئے کہ انہیں ناگوار ہوا جو اتارا اللہ نے تو ضائع کئے اللہ نے ان کے عمل کیا نہیں پھرے وہ

فِي الْأَرْضِ فَيَنْظُرُوا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۚ دَمَّرَ

زمین میں پھر دیکھتے کیسے ہوا انجام ان کا جو ان سے پہلے ہوئے تباہی ڈال دی

اللَّهُ عَلَيْهِمْ وَلِلْكَافِرِينَ أَمْثَالُهَا ⑩

اللہ نے ان پر اور کافروں کی ایسی کتنی مثالیں ہیں

(آیت نمبر ۹) یہ ذلت خواری اور منہ کے بل گرنا۔ یا گمراہ ہونے کی وجہ یہ ہے کہ انہوں نے اللہ کے رسول سے اس چیز سے نفرت کی جو اللہ تعالیٰ نے اتاری۔ یعنی قرآن سے اور اس کے بیان کردہ احکام جو ان کی مرضی کے خلاف تھے۔ وہ انہیں ناگوار تھے۔ اس وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ان کے اعمال ضائع کر دیئے۔ اس لئے کہ قرآنی احکام سے نفرت کرنا تو کفر ہے۔ فائدہ: یعنی جو بھی انہوں نے اعمال کئے۔ مسجد حرام بنائی یا کعبہ کا طواف کیا۔ یا غریبوں کی مدد کی یا حاجیوں کی خدمت کی۔ یا یتیموں کی خبر گیری کی یا کوئی اور نیک کام کیا۔ وہ تو سب اکارت گیا۔

فائدہ: یہ بات کفار مکہ سے خاص نہیں بلکہ دنیا کا کوئی کافر اور دین کا منکر قرآن سے نفرت کرے گا۔ تو اس کا یہی حکم ہے۔ کہ ان کے سارے اچھے عمل ضائع ہو جائیں گے۔

(آیت نمبر ۱۰) کیا یہ کفار مکہ زمین پر چل پھر کر نہیں دیکھتے کیا یہ گھروں میں بیٹھے رہتے ہیں۔ حالانکہ یہ شام عراق یمن کی طرف تجارت وغیرہ کی غرض سے جاتے ہیں۔ وہاں انہوں نے دیکھا ہوگا کہ کیسا ہوا انجام ان لوگوں کا جو ان سے پہلے ہو گزرے۔ یعنی جن قوموں نے اپنے انبیاء و مرسلین کو جھٹلایا تھا۔ جیسے قوم عاد۔ قوم ثمود اور سبا والے۔ ان کے نشانات آج بھی کھنڈرات کی شکل میں موجود ہیں، انہیں اللہ تعالیٰ نے تباہ و برباد کیا۔ جب انہوں نے انبیاء کرام علیہم السلام کو جھٹلایا۔ تو پھر نہ وہ رہے۔ نہ اہل و عیال رہے۔ نہ ان کے اموال و اسباب رہے۔ سب پر تباہی پھر گئی اور کافروں کا حال ایک جیسا ہے یعنی ان کے اعمال بھی ایک جیسے اور ان کی سزائیں بھی تقریباً ایک ہی جیسی (اگرچہ سزائیں تو الگ الگ گناہوں کے مطابق ہیں۔ ایک جیسی نہیں لیکن تباہی بربادی اور ذلت و رسوائی ایک ہی جیسی ہوئی)۔

ذَلِكَ بِأَنَّ اللَّهَ مَوْلَى الَّذِينَ آمَنُوا وَأَنَّ الْكَافِرِينَ لَا مَوْلَى لَهُمْ ۖ إِنَّ اللَّهَ

یہ اس لئے کہ بے شک اللہ مولیٰ ہے مسلمانوں کا اور بے شک کافروں کیلئے نہیں کوئی مولیٰ۔ بے شک اللہ

يُدْخِلُ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ ۖ

داخل فرمائے گا ان کو جو ایمان لائے اور عمل نیک کئے ایسے باغات میں جاری ہیں اس کے نیچے نہریں

وَالَّذِينَ كَفَرُوا يَتَمَتَّعُونَ وَيَأْكُلُونَ كَمَا تَأْكُلُ الْأَنْعَامُ وَالنَّارُ مَثْوًى لَهُمْ ۖ

اور جنہوں نے کفر کیا نفع اٹھاتے ہیں اور کھاتے ہیں جیسے کہ کھاتے ہیں جانور اور آگ ہے ٹھکانہ ان کا

(آیت نمبر ۱۱) یہ کفار کیلئے عذاب یا اہل ایمان کی فتح یابی اس لئے ہے کہ بے شک مومنوں کا مولیٰ اللہ تعالیٰ

ہے۔ جو ایمان والوں کو کفار پر فتح عطا فرماتا ہے۔ ان کی مدد فرماتا ہے اور کفار کو مغلوب اور نیست و نابود کرتا ہے۔ اس

لئے کہ کافروں کا کوئی مولیٰ نہیں۔ یعنی ان کا کوئی حامی و ناصر نہیں جو انہیں کامیاب بنائے یا جہنم سے بچائے۔

فائدہ: کافر اگرچہ مخلوق تو اللہ تعالیٰ کی ہی ہیں۔ کفار نے اپنے اعتقاد کے مطابق بتوں کو اپنا مولیٰ بنایا۔ اسی

لئے وہ ان کی پوجا پاٹ کرتے ہیں۔ اور ایمان والوں نے اپنے رب کو مولانا بنایا۔

فائدہ: علماء کرام فرماتے ہیں قرآن مجید میں یہ آیت مومنوں کیلئے بہت بڑی امید گاہ ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے

فرمایا۔ کہ میں سب مومنوں کا مولیٰ ہوں۔ صرف عابدوں اور زاہدوں کی تخصیص نہیں ہے۔ نہ اور ادو وظائف یا اجتہاد

والوں کی۔ مومن خواہ گناہ گار ہے تب بھی اللہ تعالیٰ اس کا مولیٰ ہے۔ **حدیث شریف:** جو اللہ کا بنے۔ اللہ اس کا

ہو جاتا ہے۔ **سبق:** اس سے معلوم ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ اپنے مومن بندوں کا مولیٰ ہے۔ اس لئے ان کی مدد فرماتا ہے۔

خصوصاً جب حالت جنگ میں ہوتے ہیں اور جبریل علیہ السلام بھی ساتھ ہوتے ہیں۔

(آیت نمبر ۱۲) بے شک اللہ تعالیٰ ان مومنوں کو جنت میں داخل فرمائے گا۔ جنہوں نے نیک اعمال کئے۔ یعنی

آخرت میں ان کے اعمال کا انہیں ثمرہ ملے گا۔ اور وہ ایسے باغات میں جائیں گے جن میں نہریں جاری ہیں۔ لہذا

جنت کا داخلہ اور اس کی نعمتیں صرف نیک اعمال والوں کو ملیں گی اور جن لوگوں نے کفر کیا۔ وہ دنیا میں چند دن ضرور

اپنے مال متاع سے نفع اٹھائیں۔ وہ کھانے کے ایسے حریص ہیں۔ ایسے کھاتے ہیں جیسے جانور کھاتے ہیں اور چونکہ

آخرت سے وہ بے خبر ہیں۔ اصل بات یہ ہے کہ ایسے غافل لوگوں کو اپنے انجام کی کوئی خبر نہیں ہوتی۔

وَكَايْنُ مِّنْ قَرْيَةٍ هِيَ أَشَدُّ قُوَّةً مِّنْ قَرْيَتِكَ الَّتِي أَخْرَجْتُكَ

اور کتنے ہی شہروں والے جو زیادہ سخت تھے طاقت میں تمہارے شہروں والوں سے جنہوں نے آپ کو نکالا۔

أَهْلَكْنَهُمْ فَلَا نَاصِرَ لَهُمْ ۝۱۳

ہم نے انہیں ہلاک کیا تو کوئی مددگار نہ تھا ان کا۔

(بقیہ آیت نمبر ۱۲) آگے فرمایا کہ جہنم ہی ان کا ٹھکانہ ہے۔ فائدہ: امام قشیری فرماتے ہیں۔ کافر کے کھانے کو جانور سے تشبیہ اس لئے دی کہ جس طرح جانور حلال و حرام کی تمیز نہیں کرتا۔ اسی طرح کافر بھی اس تمیز کے بغیر کھاتا ہے اور جو انسان کھاتے وقت اللہ تعالیٰ کا نام نہیں لیتا ہے۔ اور کھا کر اس کا شکر ادا نہ کرے۔ اس میں اور جانور میں کوئی فرق نہیں۔ جانور بھی کھڑے کھڑے اور چلتے پھرتے کھاتا۔ یہ بھی اسی طرح کھاتے ہیں۔

فائدہ: امام حدادی فرماتے ہیں۔ انسان کو کھاتے وقت تین چیزیں مد نظر ہوتی ہیں: (۱) حرص و ہوا کے ساتھ کھاتا ہے۔ (۲) شہوت کیلئے۔ (۳) غفلت اور عیش کیلئے۔ سبق: مومن پر لازم ہے کہ کھانا صرف زندگی بسر کرنے کیلئے کھائے۔ اتنا کھائے کہ قوی مضبوط رہیں تاکہ عبادت صحیح طریقے سے ادا کر سکے۔ اور کھا کر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرے۔ حدیث شریف میں فرمایا۔ بھوک اور پیاس سے اپنے نفسوں کے ساتھ جہاد کرو۔ اس سے مجاہد فی سبیل اللہ کے برابر ثواب ملے گا (احیاء العلوم)۔ جامی رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔ بھوک دل کا نور ہے۔ یعنی اس سے دل میں نور پیدا ہوتا ہے۔ اور زیادہ کھانے سے دل سخت ہوتا ہے۔

(آیت نمبر ۱۳) کتنی ہی بڑی بڑی بستیوں کو ہم نے ہلاک کیا۔ جو اس بستی (مکہ) سے بڑی تھیں۔ ان بستیوں میں رہنے والے بھی بڑے طاقتور تھے۔ یعنی اے محبوب جس بستی والوں نے آپ کو نکلنے پر مجبور کیا۔ ان سے وہ بڑی بستیاں تھیں جنہیں ہم نے ہلاک کیا۔

شان نزول: حضرت ابن عباس اور حضرت قتادہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے ہجرت کے وقت منہ خانہ کعبہ اور مکہ کی طرف کر کے فرمایا۔ اے مکہ مکرمہ تو مجھے اور میرے رب کو تمام شہروں سے زیادہ محبوب ہے۔ اگر مشرکین یہاں سے نکلنے پر مجبور نہ کرتے تو میں تجھے کبھی نہ چھوڑتا تو اس موقع پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ مکہ والے کفار کی کیا حیثیت ہے۔ کیا ان سے پہلے ان سے بھی بڑی طاقتوں والے ملیا میٹ نہیں ہو گئے۔

أَفَمَنْ كَانَ عَلَىٰ بَيِّنَةٍ مِّن رَّبِّهِ كَمَنْ زَيْنَ لَهُ سُوءَ عَمَلِهِ
 کیا جو ہو دلیل پر اپنے رب کی طرف سے مثل اس کے ہو سکتا ہے کہ خوبصورت دکھایا گیا اسے اس کا برا عمل

وَاتَّبِعُوا أَهْوَاءَ هُمْ ۝۱۴

اور پیروی کرے اپنی خواہشوں کی۔

(بقیہ آیت نمبر ۱۳) ان کا بھی حال وہی ہونا تھا۔ لیکن پھر بھی یہ بچ نہیں سکتے۔ نہ اللہ تعالیٰ کے عذاب سے نجات پاسکتے ہیں۔ جب عذاب کے شکنجے میں آئیں گے تو کوئی ان کی مدد کرنے والا نہیں ہوگا۔ دنیا میں جتنے مرضی ہے مددگار حامی بنالیں۔ آخرت میں کوئی ان کا مددگار نہیں ہوگا۔

(آیت نمبر ۱۴) کیا پس وہ شخص جس نے دین اسلام کا دامن مضبوطی سے پکڑا ہو۔ یعنی وہ مضبوط دلیل پر ہو سوچ سمجھ کر اسلام قبول کیا ہو۔ بلکہ حق پر قائم ہو کہ قرآن جیسی کتاب اسے ملی ہو اور معجزات دیکھے ہوں۔ کیا وہ اس شخص کی طرح ہو سکتا ہے۔ جس کیلئے برے اعمال خوبصورت بنا دیئے گئے ہوں۔ برے اعمال سے مراد ہر قسم کے گناہ اور نافرمانی والے کام جو نفس امارہ اور شیطان انسان کیلئے سنوارتے ہیں۔ مراد یہ ہے کہ ہدایت والا اور گمراہ دونوں برابر نہیں ہو سکتے۔ پھر جو لوگ اپنی خواہشات کی اتباع کرتے ہیں۔ یعنی سیدھی راہ سے منہ پھرا کر مختلف گمراہیوں میں پڑتے ہیں۔ شیطان ان کے برے اعمال کو بھی انہیں خوبصورت کر کے دکھاتا ہے۔ جیسے کفار کو ننگے بدن طواف پر لگایا۔

فائدہ: ابو عثمان رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ ”بینہ“ سے مراد وہ نور ہے جو انسان کو الہام اور وسوسہ میں فرق بتاتا ہے۔ یہ نور ہر ایک کو نہیں ملتا۔ صرف اہل حقائق کو ملتا ہے۔ جس سے ان کا شرح صدر ہو جاتا ہے۔

شان مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم: مشائخ فرماتے ہیں۔ جتنے علوم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ملے ہیں۔ اتنے کسی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو نصیب نہیں ہوئے۔ اس لئے کہ آپ اسم رحمن کے مظہر ہیں اور تمام معلومات کو اسم رحمن خاوی ہے۔ یعنی تمام علوم اس اسم کے گرد گھومتے ہیں۔

مَثَلُ الْجَنَّةِ الَّتِي وَعَدَ الْمُتَّقُونَ ۚ فِيهَا أَنْهَارٌ مِنْ مَّاءٍ غَيْرِ آسِنٍ ۚ

مثال جنت کی جس کا وعدہ دیئے گئے پرہیزگار۔ اس میں نہریں ہیں پانی کی جو نہ خراب ہوں۔

وَأَنْهَارٌ مِنْ لَبَنٍ لَمْ يَتَغَيَّرْ طَعْمُهُ ۚ وَأَنْهَارٌ مِنْ خَمْرٍ لَذَّةٍ لِلشَّارِبِينَ ۚ

اور نہریں ہیں دودھ کی جو نہ بدلے اپنے مزہ اور نہریں شراب کی لذت دے پینے والوں کو۔

وَأَنْهَارٌ مِنْ عَسَلٍ مُصَفًّى ۚ وَلَهُمْ فِيهَا مِنْ كُلِّ الثَّمَرَاتِ وَمَغْفِرَةٌ مِنْ رَبِّهِمْ ۚ

اور نہریں شہد خالص کی۔ اور ان کے لئے اس میں ہر قسم کے پھل ہیں اور بخشش ہے ان کے رب کی طرف سے۔

كَمَنْ هُوَ خَالِدٌ فِي النَّارِ وَسُقُوا مَاءً حَمِيمًا فَقَطَّعَ أَمْعَاءَهُمْ ۝ (۱۵)

کیا یہ اس جیسے ہیں جو ہمیشہ رہے گا آگ میں اور پلائے جائیں گے پانی کھولتا ہوا کہ ٹکڑے کر دے ان کی آنتوں کے

(آیت نمبر ۱۵) اس جنت کی مثال جس کا متقیوں کو وعدہ دیا گیا ہے۔

فائدہ: ایمان والے متقی اس لئے ہیں کہ تقویٰ اور عمل صالح ایمان کے ابواب ہیں۔ تقویٰ سے مراد ادا

واجبات اور ترک سیئات ہے (یعنی ہر فرض کو پورا کرنا اور ہر گناہ سے بچنا)

آگے فرمایا کہ جس جنت کا وعدہ دیا گیا ہے۔ اس میں نہریں ہیں۔ ان میں ایک نہر ایسے پانی کی ہے۔ جس کا

رنگ۔ بواور ذائقہ باوجود ایک لمبی مدت تک رہنے کی کبھی متغیر نہیں ہوگا۔ جیسے دنیا کا پانی ایک مدت تک ایک جگہ کھڑا

رہنے سے متغیر ہو جاتا ہے۔ دوسری نہر دودھ کی ہے۔ جس کا ذائقہ دنیا کے دودھ سے زیادہ ہوگا۔ نہ زیادہ گاڑھا ہوگا

دہی کی طرح اور نہ وہ کھٹا ہوگا۔ الغرض وہ تمام خرابیوں سے پاک صاف ہوگا۔ تیسری نہر شراب کی ہوگی۔

فائدہ: ہر نشہ والی شے کو خمر یعنی شراب کہا جاتا ہے۔ لیکن جنت والا شراب انتہائی لذیذ ہوگا۔ نہ اس سے

کراہت آئیگی۔ نہ ذائقہ خراب ہوگا۔ نہ وہ بدبودار ہوگا۔ نہ نشہ آور ہوگا کہ (بدست کرے) نہ سر کو ثقیل کرے گا۔

سراسر وہ لذت ہی لذت والا ہوگا۔ چوتھی نہر شہد کی ہوگی وہ بھی ایسی جو بالکل صاف و شفاف ہو۔ جسے اللہ تعالیٰ نے

صاف کیا ہے اس کی صفائی کا اندازہ کون لگا سکتا ہے۔ جس میں کسی قسم کی ملاوٹ نہیں ہوگی۔

وَمِنْهُمْ مَّنْ يَسْتَمِعُ إِلَيْكَ ۚ حَتَّىٰ إِذَا خَرَجُوا مِنْ عِنْدِكَ قَالُوا لِلَّذِينَ أُوتُوا الْعِلْمَ

اور ان میں ہے جو کان لگاتا ہے آپ کی طرف یہاں تک کہ جب نکلیں آپ کے پاس سے تو کہتے ہیں اہل علم سے

مَاذَا قَالَ إِنْفَاءً أُولَٰئِكَ الَّذِينَ طَبَعَ اللَّهُ عَلَىٰ قُلُوبِهِمْ وَاتَّبَعُوا أَهْوَاءَهُمْ ﴿١٦﴾

کیا فرمایا انہوں نے ابھی یہی لوگ ہیں کہ مہر کردی اللہ نے ان کے دلوں پر اور انہوں نے پیروی کی اپنی خواہشوں کی

(بقیہ آیت نمبر ۱۵) اصل بات یہ ہے کہ بلاد عرب میں پانی کی سخت قلت تھی اور وہاں لوگوں کی اشد ضرورت پانی کا ہونا ہے۔ اس لئے سب سے پہلے پانی کی نہروں کا ذکر کیا۔ پھر فرمایا کہ دودھ کی بھی نہریں ہوں گی اسی طرح شراب اور شہد بھی وہاں نعمتیں ہیں اور چاروں ان کے نزدیک بہت بڑی نعمتیں ہیں۔ **فائدہ:** جنت میں اتنی اعلیٰ چیزوں کا نہروں کی شکل میں جاری ہونا ایک عجیب و غریب ہی منظر ہوگا۔ دنیا میں ان چاروں نعمتوں کو لوگ ترستے ہیں اور پھر اتنی اعلیٰ اور قیمتی اشیاء وافر مقدار میں اور مفت بڑا ہی عجیب امر ہے۔ **فائدہ:** ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں۔ جنت کی نہروں کے یہ تو صرف نام ہیں۔ ان کی حقیقت دنیا کی اشیاء سے بہت اعلیٰ ہوگی اور ہر نہر محل اور ہر مکان کے پاس سے گزرے گی۔ اور پھر اس سے بڑی نعمت اللہ تعالیٰ کی طرف سے مغفرت و بخشش ہے، یہ اس کا خاص احسان و کرم ہوگا۔ یعنی گناہ معاف فرمائے گا۔ پھر نہ یاد کرائے گا نہ عتاب کرے گا۔ نہ جنت کی نعمتوں میں کمی کرے گا۔ **فائدہ:** یاد رہے یہ مغفرت جنت میں جانے سے پہلے ہوگی۔ جنت کی نعمتیں دینے کا مطلب ہے۔ کہ اب رب تعالیٰ بندے سے راضی ہو گیا ہے۔ آگے فرمایا۔ کیا جو ہمیشہ کیلئے ایسی جنت اور اس کی نعمتوں میں جائے اس کی طرح ہو سکتا ہے جو ہمیشہ کیلئے جہنم میں رہے گا۔ جہاں کھولتا ہوا پانی جب پلایا جائیگا۔ تو وہ جہنمی کی آنتوں کو ٹکڑے ٹکڑے کر دے گا۔ جب وہ پانی منہ کے قریب آئے گا تو منہ جل جائیگا۔ **سبق:** اے غافل انسان اس بات سے عبرت حاصل کر۔ اللہ واحد قہار کا خوف دل میں رکھ۔ غور کر۔ گرم حمام میں چند منٹ ٹھہرنا مشکل ہے۔ جہنم میں بند ہونے والے کا کیا حال ہوگا۔

(آیت نمبر ۱۶) ان میں بعض وہ بھی ہیں۔ میرے محبوب جو قرآن اور آپ کا بیان سننے کیلئے آپ کی طرف کان لگاتے ہیں۔ لیکن غور سے نہیں سنتے۔ یہاں تک کہ جب وہ آپ کے پاس سے نکل کر جاتے ہیں تو باہر جا کر اہل علم حضرات سے پوچھتے ہیں۔ ان اہل علم سے مراد خلفاء راشدین ابن مسعود، ابن عباس، ابو الدرداء رضی اللہ عنہم ہیں۔ ان حضرات سے پوچھتے ہیں کہ ابھی ابھی رسول اللہ ﷺ نے کیا فرمایا تھا۔ اصل میں وہ بے ایمان یہ بات مزاقا کرتے تھے تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ یہ اصل میں وہی لوگ ہیں کہ جن کے دلوں پر اللہ تعالیٰ نے مہر لگا دی ہے۔

وَالَّذِينَ اهْتَدَوْا زَادَهُمْ هُدًى وَآتَاهُمْ تَقْوَاهُمْ ۖ فَهُمْ يَنْظُرُونَ إِلَّا السَّاعَةَ

اور جنہوں نے ہدایت پائی اللہ نے زیادہ کی ان کی ہدایت اور دی ان کو پرہیزگاری تو نہیں وہ منتظر مگر قیامت کے

أَنْ تَأْتِيَهُمْ بَغْتَةً فَقَدْ جَاءَ أَشْرَاطُهَا فَأَنَّى لَهُمْ إِذَا جَاءَ تُهْمُ ذِكْرُهُمْ ۖ ۱۸

قیامت کے کہ آئے ان پر اچانک۔ تحقیق آچکیں اس کی علامتیں تو پھر کہاں وہ جب آگئی ان پر تو ان کا سمجھنا۔

(بقیہ آیت نمبر ۱۶) اس لئے ان کے دل خیر کی باتوں میں توجہ نہیں کرتے۔ خاتم اور طالع ایک ہی چیز کو کہتے ہیں۔ آگے فرمایا کہ ان کے دلوں پر مہر لگانے کی وجہ یہ ہے کہ انہوں نے اپنے باطل خواہشات کی پیروی کی اور وہ ہی کام کئے جو انہیں جہنم میں لے جانے والے تھے۔ کبھی بھی وہ نیکی اور بھلائی کے کاموں کی طرف متوجہ نہیں ہوئے۔

(آیت نمبر ۱۷) اور وہ لوگ جنہوں نے ہدایت پائی۔ یعنی ایمان والوں کی ہدایت کو اللہ تعالیٰ نے اور بھی بڑھادیا کہ ان کے دلوں میں نیکی اور بھلائی کرنے کے جذبے کو اور زیادہ بڑھادیا اور ہر قسم کی نیکیاں حاصل کرنے کی انہیں توفیق بخشی تقویٰ اور طہارت کے تمام طریقے ان پر واضح فرمادیئے تاکہ وہ آسانی سے ان پر عمل پیرا ہو سکیں۔

فائدہ: اس سے مراد وہ لوگ ہیں۔ جو ہدایت کی طلب میں سچے تھے۔ پھر ہم نے انہیں ہدایت کے اعلیٰ مرتبے پر پہنچایا اور ہادی تک پہنچنے کیلئے ان کی راہنمائی فرمائی۔

(آیت نمبر ۱۸) پس یہ منافقین اور کفار نہیں انتظار کر رہے مگر قیامت کا اور وہ آئیگی ان کے پاس اچانک۔ خلاصہ کلام یہ ہے کہ یہ لوگ گذشتہ امتوں کے حالات سے نصیحت نہیں حاصل کرتے۔ یعنی اس طرف دھیان ہی نہیں کرتے اس کا مطلب یہی ہے کہ اب وہ قیامت کے ہی منتظر ہیں کہ وہ آجائے اور ہم اسے دیکھ لیں کہ وہ کیسی ہے۔ حالانکہ تحقیق ان کے پاس اس کی نشانیاں آچکی ہیں۔ حضور ﷺ کی تشریف آوری بھی قیامت کی علامات سے پہلی بڑی علامت ہے۔ (اسی طرح چاند کا دو ٹکڑے ہونا دوسری بڑی علامت ہے) اور حضور ﷺ کی امت بھی سب امتوں سے آخر میں آئی۔ یہ بھی قیامت کی علامات سے ہے۔ آگے فرمایا۔ اب اگر قیامت آگئی۔ اس وقت انہوں نے نصیحت حاصل کی تو اس وقت نصیحت کیا کام دے گی۔ دوسرے مقام پر فرمایا کہ انسان قیامت کے دن نصیحت تو پکڑے گا۔ مگر پھر کیا فائدہ اس کا۔ نصیحت حاصل کرنے کا وقت تو دنیا میں ہے۔

فَاعْلَمْ أَنَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَاسْتَغْفِرْ لِذَنْبِكَ وَلِلْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ ؕ
تو جان لو بے شک نہیں کوئی معبود مگر اللہ اور بخشش مانگیں انہوں اور مومنوں مردوں اور مومنہ عورتوں کے گناہوں کی

وَاللَّهُ يَعْلَمُ مُتَقَلَّبَكُمْ وَمَثْوَاكُمْ ؕ (۱۹)

اور اللہ جانتا ہے تمہارا پھر نادن کا اور تمہارا آرام کرنا رات کا

(بقیہ آیت نمبر ۱۸) علامات قیامت: حضور ﷺ نے قیامت کی علامات بیان فرمائیں: (۱) مہنگائی بہت زیادہ۔ (۲) بارش بہت لیکن بے وقت ہوگی۔ (۳) فتنے عام ہونگے۔ (۴) زنا کی اولاد عام ہوگی۔ (۵) مال و دولت والے کی عزت ہوگی۔ (۶) مسجدوں میں آوازیں بلند ہوں گی۔ (۷) بروں کو حق والوں پر غلبہ ہوگا۔

حدیث شریف: حضور ﷺ نے فرمایا کہ جب امانت میں خیانت عام ہو تو سمجھ لو قیامت قریب ہے۔ عرض کی گئی۔ امانت میں خیانت یا ضائع ہونا کیا ہے تو فرمایا۔ جب کام نا اہلوں کے ہاتھ (سپرد) کر دیا جائے۔ (بخاری ۶۱۳۱)

امام کلینی نے قیامت کی علامات لکھیں: (۱) مال کی کثرت۔ (۲) تجارت عام۔ (۳) جھوٹی گواہیاں۔ (۴) قطع رحمی۔ (۵) باعزت لوگوں کی قلت۔ (۶) بد معاشوں کی کثرت۔

(آیت نمبر ۱۹) اچھی طرح جان لو کہ بے شک اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں۔ فائدہ: نیک بختی کا حصول توحید میں ہے۔ شرک اور معصیت میں بد بختی ہے۔ توحید کا عقیدہ تمام عقائد کا اصل ہے۔ اس کے سوا نہ کوئی عقیدہ صحیح نہ عمل مقبول ہے۔ آگے فرمایا۔ انہوں کے گناہوں کی بخشش طلب کریں۔ فائدہ: چونکہ حضور ﷺ تو گناہوں سے معصوم ہیں۔ اس لئے یا تو وہ معنی ہے۔ جو اوپر مذکور ہوا۔ یا مراد ہے کہ سفلی مرتبہ سے استغفار کر کے عالی مرتبہ پر فائز ہو جائیں کیونکہ ابراہار کی نیکیاں مقربین کے سیئات ہیں۔ یا اس میں آپ کو تواضع کی تعلیم دی گئی اور کسر نفسی کا درس ہے۔ آگے فرمایا۔ کہ آپ تمام مومن مردوں اور عورتوں کیلئے استغفار کریں۔ یعنی تمام امت کیلئے گناہوں سے بخشش کی دعا کریں اور انہیں ترغیب دیں کہ وہ ایسے نیک اعمال کریں۔ جن پر انہیں اجر و ثواب ملے۔ آگے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ جانتا ہے۔ تمہارا دن کو پھرنا۔ یعنی کاروبار یا امور معاش کیلئے لگانا۔ جن کے لئے کئی مراحل سے گذرنا پڑتا ہے اور وہ تمہارے رات کے قیام کو بھی جانتا ہے۔ یا مراد ہے کہ وہ ٹھکانہ سب کا جانتا ہے کہ کہاں ہوگا۔ جنت میں یا جہنم میں۔

وَيَقُولُ الَّذِينَ آمَنُوا لَوْلَا نُزِّلَتْ سُورَةٌ ۚ فَإِذَا أُنْزِلَتْ سُورَةٌ

اور کہتے ہیں ایمان والے کیوں نہ اتاری گئی سورۃ۔ پھر جب اتری سورۃ

مُنْحَكَمَةٌ وَذُكِرَ فِيهَا الْقِتَالُ ۖ رَأَيْتَ الَّذِينَ فِي قُلُوبِهِمْ مَرَضٌ

پختہ اور ذکر ہوا اس میں جہاد کا تو تو نے دیکھا انہیں جن کے دلوں میں بیماری ہے۔

يَنْظُرُونَ إِلَيْكَ نَظَرَ الْمَغْشَىٰ عَلَيْهِ مِنَ الْمَوْتِ ۚ قَالُوا لَهُمْ ۝ (۲۰)

دیکھتے ہیں آپ کی طرف جیسے دیکھتا ہے وہ کہ غشی ہو جس پر موت کی۔ تو یہی بہتر ہے ان کے لئے۔

(بقیہ آیت نمبر ۱۹) فائدہ: معالم التنزیل میں ہے۔ حضور ﷺ کو استغفار کا حکم تعلیم امت کیلئے تھا تا کہ وہ

ہمیشہ اپنے گناہوں سے توبہ استغفار کرتے رہا کریں۔ حدیث شریف: حضور ﷺ نے فرمایا۔ میں ہر روز ستر بار استغفار کرتا ہوں (رواہ البخاری)۔ ایک حدیث میں سوار کا بھی ذکر ہے۔ ہر استغفار پر آپ کا مرتبہ بڑھتا تھا۔

(آیت نمبر ۲۰) ایمان والے کہتے ہیں کہ سورۃ کیوں نازل نہیں ہوتی۔ یعنی ایسی سورۃ کا نزول کیوں نہیں ہوتا۔

جس میں جہاد کا حکم ہو پھر جب وہ سورۃ نازل ہوئی جو محکم ہے کہ جس میں جہاد اور لڑائی کا حکم تھا۔

قاعدہ: حضرت قتادہ فرماتے ہیں۔ جس سورت میں جنگ یا لڑائی کا ذکر ہو۔ وہ محکم ہوتی ہے۔ وہ منسوخ

نہیں ہوتی۔ آگے فرمایا۔ اے محبوب آپ دیکھو گے ان لوگوں کو جن کے دلوں میں مرض ہے۔ یعنی جو لوگ ضعیف

الاعتقاد اور منافق قسم کے ہیں وہ دیکھتے ہیں آپ کی طرف ایسے جیسے کسی پر موت طاری ہوتی ہے۔ وہ نیم بے ہوشی کی

حالت میں دیکھ رہا ہو یا جس پر سکرات موت طاری ہوں اور وہ آنکھیں اٹھا کر دیکھتا ہے۔ جیسا کہ وہ روح نکالنے

والے فرشتوں کو دیکھ رہا ہو تو اس وقت اس کی عجیب کیفیت ہوتی ہے۔

مومن و منافق کی پہچان: دیدار الہی کے شوق میں موت اور جہاد کا شوق صرف مومن کو نصیب ہوتا ہے۔

جہاد اور موت سے نفرت منافقت کی علامت ہے۔ آگے فرمایا خرابی ہے ان کیلئے یعنی انہیں جہنم نصیب ہو۔ جو جہاد

سے نفرت کرتے ہیں۔ فائدہ: امام راغب رحمہ اللہ فرماتے ہیں یہ کلمہ تہدید ہے۔ ڈرانے دھمکانے کیلئے بولا جاتا

ہے۔ یا جھلاکت و تباہی کے کنارے پر ہو۔ اسے بچنے کیلئے کہا جائے تا کہ وہ ہلاکت سے بچ جائے۔

طَاعَةٌ وَقَوْلٌ مَّعْرُوفٌ ۚ فَإِذَا عَزَمَ الْأَمْرُ ۖ فَلَوْ صَدَقُوا اللَّهَ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ ۚ (۲۱)

فرمانبرداری کرتے اور بات اچھی کہتے ہوئے پھر جب پختہ ہو چکا حکم تو اگر سچے رہتے اللہ سے تو ضرور ہوتا بھلا ان کا

فَهَلْ عَسَيْتُمْ إِنْ تَوَلَّيْتُمْ أَنْ تُفْسِدُوا فِي الْأَرْضِ وَتَقَطَّعُوا أَرْحَامَكُمْ (۲۲)

تو کیا قریب ہے کہ اگر تم والی بنتے تو تم فساد کرتے زمین میں اور توڑتے اپنے رشتے

(آیت نمبر ۲۱) فرمانبرداری اور نیکی کی بات کرتے۔ یعنی انہیں تو یہ چاہئے تھا کہ اللہ تعالیٰ کے رسول ﷺ کی فرمانبرداری کرتے اور ان کے حکم کو ماننے۔ اگر جہاد کا حکم دیں تو قبول کرتے۔ آگے فرمایا کہ جب حکم پکا ہو جائے۔ یعنی جب جہاد کا معاملہ پکا ہوا اور جہاد کرنا فرض ہو گیا اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے بھی جہاد کا پختہ ارادہ کر لیا تو اس وقت ان منافقوں نے مخالفت کی اور عورتوں کی طرح گھروں میں بیٹھ رہے۔ آگے فرمایا کہ پس اگر وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ سچ بولتے تو ان کیلئے صدق کذب سے بہتر ہوتا اور جہاد پر جانا گھر میں بیٹھنے سے بہتر ہوتا۔

نزول احکام کی ترتیب: ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا۔ رسول اللہ ﷺ نے سب سے پہلے توحید کا درس دیا۔ جب دیکھا کہ لوگ توحید پر پختہ ہو گئے۔ پھر نماز کے احکام بتائے۔ پھر زکوٰۃ کا حکم آ گیا۔ اس کے بعد حج کا پھر جہاد کا۔ اس طرح کرتے کرتے دین مکمل ہو گیا۔ اس سے معلوم ہوا کہ ایمان والوں کا نزول احکام و شرائع جوں جوں بڑھتا رہا۔ تو ان کا ایمان بھی قوی سے قوی تر ہوتا رہا۔ اگرچہ ایمان گھٹتا بڑھتا نہیں۔ لیکن اس کے نور میں نیک اعمال کرنے سے اضافہ ہوتا رہتا ہے۔ حدیث: اسی لئے حضور ﷺ نے فرمایا اپنے ایمان کو تازہ کرتے رہا کرو (طبرانی)۔ جو قرآن مجید میں یا احادیث میں ایمان کے گھٹنے یا بڑھنے کا ذکر ہے۔ اس کا یہی مطلب ہے۔

(آیت نمبر ۲۲) تو کیا قریب ہے۔ یعنی کیا تم سے توقع کی جاسکتی ہے۔ اے منافقو! اگر تمہیں لوگوں کے امور پر متولی بنایا جائے تو تم ان پر مسلط ہو کر زمین میں فساد مچاؤ۔ اور قطع رحمی کرنے لگو۔ یعنی ملک گیری کی ہوس اور دنیا کی حرص میں تم فساد کرو۔ اس لئے کہ جب تمہیں جہاد کا حکم ہوا۔ جس میں ہر طرح کی خیر و صلاح تھی اور جو ہر شر و فساد کو ختم کرتا ہے تو تمہیں چاہئے تھا کہ تم اطاعت بھی کرتے اور اچھی بات کرتے لیکن تم نے اس کے خلاف کیا۔ اس لئے یہ کوئی بعید بات نہیں کہ اگر تمہیں کھلا چھوڑ دیا جاتا تو تم زمین میں فساد کرتے اور رشتہ داریوں میں قطع رحمی کرتے۔

فائدہ: مولا علی کرم اللہ وجہہ نے معنی کیا کہ تم حاکم بن کر ظالموں کے ساتھ ملکر ظلم و ستم کرو۔ فتنہ و فساد میں تم ان کافروں کی مدد کرو۔ یہ کوئی تم سے بعید بات نہیں ہے۔

أُولَٰئِكَ الَّذِينَ لَعَنَهُمُ اللَّهُ فَأَصَمَّهُمْ وَأَعَمَّى أَبْصَارَهُمْ ﴿۲۳﴾

یہ لوگ ہیں لعنت کی ان پر اللہ نے توحق نے انہیں بہرا اور آنکھوں سے اندھا کیا

أَفَلَا يَتَذَكَّرُونَ الْقُرْآنَ أَمْ عَلَىٰ قُلُوبٍ أَقْفَالُهَا ﴿۲۳﴾

کیا نہیں وہ غور کرتے قرآن میں یا ان کے دلوں پر تالے ہیں۔

(آیت نمبر ۲۳) یہ وہی لوگ ہیں۔ جن پر اللہ تعالیٰ نے لعنت کی۔ انہیں بہرا اور آنکھوں سے اندھا کیا کہ وہ آیات کا مشاہدہ نہیں کر سکتیں۔ نہ دیکھ سکیں نہ سن سکیں۔

محبوب خدا کے بے ادب: علامہ اسماعیل حقی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مزار اقدس پر حاضر ہوا۔ سراقندس کی طرف بیٹھا مشاغل میں رہا۔ دیکھا کہ کچھ لوگوں کی بے ادبی اور گستاخی سے میرے آنسو نکل آئے۔ اسی اثنا میں میرے کانوں میں ایک آواز آئی۔ یہی لوگ ہیں۔ جن پر اللہ تعالیٰ نے لعنت کی۔ یعنی کچھ لوگ مزار پاک کے نزدیک بے ادبی کر کے لعنت کے مستحق ہو رہے ہیں۔ (دوسرے مقام پر فرمایا جو اللہ تعالیٰ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو اذیت دیتے ہیں ان پر دنیا و آخرت میں لعنت ہے)۔

(آیت نمبر ۲۴) تو کیا وہ قرآن مجید میں غور و فکر نہیں کرتے۔ یعنی قرآن مجید میں جو مواعد (وعظ و نصیحت کی باتیں) ہیں۔ یا زواجر (عذاب سے ڈرانے والی آیات) ہیں۔ ان میں اگر غور و فکر کریں تو ہلاک کرنے والے گناہوں اور نافرمانیوں میں نہ پڑیں۔ یا ان کے دلوں پر تالے لگ گئے ہیں کہ ان کے دلوں تک کوئی نصیحت والی بات پہنچتی ہی نہیں۔ یا ان کے دل ہی تالے بن گئے یا ان پر مہر لگ گئی ہے۔

فائدہ: الارشاد میں ہے کہ ان کے دل ہی ایسے تالے بن گئے کہ وہ تذکر کو قبول ہی نہیں کرتے۔

فائدہ: دلوں پر تالے لگنے کا مطلب یہ ہے کہ وہ فساد و جہالت میں اور قساوت میں انتہاء کو پہنچے ہوئے ہیں۔

سبق: دلوں سے تالوں کا کھلنا اللہ تعالیٰ جو علام الغیوب ہے۔ اس کے فضل و کرم سے ہی ممکن ہے۔ قرآن

مجید میں غور و فکر نہ کرنا رسوائی کی علامت ہے۔ **فائدہ:** غور و فکر کرنے کا مطلب یہ ہے کہ قرآن کو ٹھہر ٹھہر کر پڑھنا اور اس کا مطلب سمجھنا۔ اور اس کے مطابق عمل کرنا۔

172

فَكَيْفَ إِذَا تَوَفَّتْهُمُ الْمَلَائِكَةُ يَضْرِبُونَ وُجُوهَهُمْ وَأَدْبَارَهُمْ ۖ (۲۷)

تو کیسا ہوگا جب روح نکالیں گے ان کے فرشتے۔ مارتے ہوئے ان کے موہوں اور پیٹھوں پر۔

ذَلِكَ بِأَنَّهُمْ اتَّبَعُوا مَا أَسْخَطَ اللَّهَ وَكَرِهُوا رِضْوَانَهُ فَأَحْبَطَ أَعْمَالَهُمْ ۚ (۲۸)

یہ اس لئے کہ انہوں نے پیروی کی جن پر ناراض ہوا اللہ تعالیٰ اور ناپسند کیا اس کی رضا کو تو اس نے ضائع کر دیئے ان کے عمل

(آیت نمبر ۲۷) پھر وہ کیسا وقت ہوگا کہ جب فرشتے ان کی جان نکالیں گے۔ یعنی دنیا میں تو ان کے مکر و فریب چل جاتے ہیں لیکن جب عزرائیل علیہ السلام اپنے ساتھیوں سمیت جان نکالنے کیلئے آجائیں گے تو مکر و فریب نہیں چلے گا۔ وہ روح نکالتے وقت ان کے موہوں پیٹھوں پر کوڑے ماریں گے۔ منہ پر اس لئے کہ وہ حق سے منہ پھراتے تھے اور پیٹھوں پر اس لئے کہ وہ اہل حق کو پیٹھ دکھا کر چل دیتے تھے۔

فائدہ: ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا۔ جو بھی گناہ کرتے ہوئے مرے۔ اس کا بھی فرشتے یہی حال کرتے ہیں کہ فرشتے اسے مارتے پیٹتے لیکر جاتے ہیں۔ اور وہ کہتے ہیں۔ کہ تم اب تک کیا کرتے رہے۔

(آیت نمبر ۲۸) یہ خوفناک موت یعنی ان کی روحیں ایسی خوفناک حالت میں اس لئے قبض کرتے ہیں کہ بے شک وہ ان لوگوں کی اتباع کرتے تھے جو اللہ تعالیٰ کو غضب دلانے والے ہیں۔ یعنی انہوں نے کفر اور نافرمانیوں کا ارتکاب کیا۔ اس لئے وہ اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کا سبب بنے اور وہ اللہ تعالیٰ کی خوشنودی والے کاموں سے نفرت کرتے تھے۔ مسلمانوں سے کہتے کہ ہم ایمان لائے دل میں لیکن ایمان و طاعت سے کراہت کی۔ گویا انہوں نے ایمان لانے کے بعد کفر کیا اور یہودیوں سے ساز باز کر کے وہ دائرہ اسلام سے نکل گئے۔ لہذا اللہ تعالیٰ نے ان کے تمام اعمال ضائع کر دیئے۔ یعنی بحالت ایمان جو بھی طاعات و عبادات کیں وہ سب ضائع گئیں۔

فاسق و فاجر کی موت کے متعلق امام غزالی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ موت کے وقت وہ گویا دو پہاڑوں میں پھنسا ہوا ہے۔ کعب اخبار نے فرمایا کہ گویا کانٹے دار ٹہنی مردے کے پیٹ میں ڈال کر زور سے کھینچی جا رہی ہے۔ اتنی تکلیف ایسے لوگوں کو ہوتی ہے موت کے وقت۔ حدیث شریف: حضور ﷺ نے فرمایا۔ سکران الموت کا ایک جھٹکا تین سو تلواریں کاٹ کے برابر ہے۔ (احیاء العلوم)

أَمْ حَسِبَ الَّذِينَ فِي قُلُوبِهِمْ مَرَضٌ أَنْ لَنْ يُخْرِجَ اللَّهُ أَضْغَانَهُمْ ۖ (۲۹)

یا اس خیال میں ہیں وہ جن کے دلوں میں مرض ہے۔ کہ ہرگز نہیں ظاہر کرے گا اللہ ان کی دشمنی کو

وَلَوْ نَشَاءُ لَأَرَيْنَهُمْ فَلَعَرَفْتَهُمْ بِسِيمِهِمْ ۚ وَلَتَعْرِفَنَّهُمْ فِي لَحْنِ الْقَوْلِ ۚ

اور اگر ہم چاہیں تو ہم آپ کو وہ دکھادیں تو پہچان لیں آپ ان کے چہروں سے اور ضرور انہیں پہچان لو بات کے لہجے سے

وَاللَّهُ يَعْلَمُ أَعْمَالَكُمْ ۖ (۳۰)

اور اللہ جانتا ہے تمہارے اعمال کو۔

(آیت نمبر ۲۹) کیا گمان کیا ان لوگوں نے جن کے دلوں میں مرض ہے۔ یعنی منافقت ہے اور مسلمان کے متعلق ان کے دل میں کینہ ہے اور دشمنی ہے تو کیا یہ کینہ ان کے دلوں میں یوں ہی رہے گا اور ان کے حالات یوں ہی پوشیدہ رہیں گے۔ فائدہ: بعض روایات میں آتا ہے کہ دوسرے کے متعلق دل میں کینہ رکھنے والا اس وقت تک نہیں مرتا جب تک کہ وہ دنیا میں ذلت اور رسوائی نہیں اٹھالیتا۔

مومن کی موت کا خوش منظر: مومن نیک عمل والے کا حال مختلف ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما کے متعلق میمون بن مہران فرماتے ہیں۔ جب ابن عباس رضی اللہ عنہما کی نماز جنازہ پڑھی گئی تو ایک پرندہ آ کر ان کے کفن میں داخل ہو گیا۔ ہم نے ان کے کفن میں تلاش کیا۔ مگر وہ کہیں نہ ملا جب قبر مبارک پر مٹی ڈال دی گئی تو قبر سے آواز آئی۔ اے نفس مطمئنہ اپنے رب کی طرف لوٹ خوشی کے ساتھ اور میرے بندوں میں شامل ہو کر جنت میں داخل ہو جا۔ (الفجر)

سبق: دانا پر لازم ہے کہ وہ موت کی تیاری ایمان و طاعت کے ساتھ کرے اور ہر وقت اس کیلئے تیار رہے۔

(آیت نمبر ۳۰) اے محبوب اگر ہم آپ کو دکھانا چاہیں کہ منافق کون کون ہیں ہم دکھا دیتے ہیں بلکہ آپ تو ان میں سے خاص لوگوں کو پہلے ہی جانتے ہیں۔ یعنی انہیں دیکھتے ہی آپ جان جائیں گے کہ یہ وہی بے ایمان ہیں۔ آپ ضرور جانتے ہوں گے ان کی شکلوں سے (لعنت برس رہی ہے رخ نامراد پر)۔ یا جب وہ بات کرتے تو اسی سے حضور ﷺ ان کو پہچان جاتے تھے۔

حضور ﷺ منافقوں کو جانتے تھے: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ پر اس آیت کے اترنے کے بعد منافقوں کا حال مخفی نہ رہا۔ آپ منافقوں کو شکلوں سے ہی پہچان لیتے تھے۔

وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ حَتَّىٰ نَعْلَمَ الْمُجَاهِدِينَ مِنْكُمْ وَالصَّابِرِينَ ۖ وَنَبْلُوًا أَخْبَارَكُمْ ﴿۳۱﴾

اور ضرور تمہیں آزمائیں گے یہاں تک کہ ہم دیکھ لیں مجاہدین کو تم سے اور صبر والوں کو اور آزمائیں تمہاری خبروں کو

(بقیہ آیت نمبر ۳۰) پر وہ چاک ہو گیا: حضرت انس رضی اللہ عنہ ہی فرماتے ہیں۔ ایک غزوہ میں ہمارے ساتھ نو منافق تھے۔ صبح جاگے تو سب کے چہروں پر (ہذا منافق) لکھا ہوا تھا۔ (عین المعانی میں ہے۔ ان کی پیشانی پر لکھا تھا کہ یہ منافق ہے۔) آگے فرمایا۔ آپ ضرور انہیں پہچان لیں گے۔ گفتگو کے طرز طریق میں (یعنی دونوں طریقوں سے آپ ضرور پہچان لیں گے چہروں اور باتوں سے لیکن بعض لوگوں کو ابھی بھی شک ہے کہ نہیں پہچانتے تھے حضور منافقوں کو) آگے فرمایا۔ کہ اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال کو جانتا ہے۔ لہذا جیسے تمہارے عمل ہوں گے۔ جیسا حال اور خیال ہوا۔ ایسا ہی بدلہ ملے گا۔ ایمان والوں کا حال اچھا ہے تو ان کی جزاء بھی اچھی۔ منافقین کا حال و خیال برا تو بدلہ بھی برا ہے۔ یہ تو دنیا کا حال ہے، آخرت میں تو سیاہ چہروں سے پہچانے جائیں گے۔

(آیت نمبر ۳۱) ہم تمہیں ضرور آزمائیں گے۔ جنگ میں یا دیگر تکالیف کے موقعوں پر۔

فائدہ: یہ امتحان ان کے انجام کو ظاہر کرنے کے لئے ہے نہ کہ علم حاصل کرنے کیلئے آگے فرمایا کہ یہاں تک کہ ہم دیکھیں گے کہ کون کون مجاہدین صابر ہیں۔ یعنی مشقتوں میں صبر کرنے والے ہیں۔ تاکہ انہیں اس قسم کی جزائے خیر دی جائے۔

آگے فرمایا تاکہ ہم تمہاری خبروں کو بھی آزمائیں۔ یعنی تمہاری خبریں کیسی ہم تک پہنچتی ہیں۔ کیوں کہ خبر سے بھی آدمی کی پہچان ہوتی ہے۔ اس کی اچھائی یا برائی معلوم ہوتی ہے۔

فائدہ: علامہ کاشفی فرماتے ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ بندے تو اپنے آپ کو ایمان دار کہتے ہیں۔ اب ہم چیک کریں گے کہ واقعی تم سچ کہتے ہو۔ یا جھوٹ کہتے ہو۔ کیونکہ منافقین مسلمانوں کے متعلق جھوٹی خبریں بھی اڑا دیتے تھے۔

فائدہ: امتحان و آزمائش میں ہی بندوں کے جوہر کھلتے ہیں۔ اس سے مومن اور منافق کی پہچان ہوتی ہے۔ امتحان سے ہی آدمی عزت پاتا ہے۔ یا ذلیل ہوتا ہے۔ ورنہ اللہ تعالیٰ تو ازل سے ابد تک سب کچھ جانتا ہے۔

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا وَصَدُّوا عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ وَشَاقُّوا الرَّسُولَ مِنْ بَعْدِ

بے شک جنہوں نے کفر کیا اور روکا راہ خدا سے۔ اور مخالفت کی رسول کی اس کے بعد

مَا تَبَيَّنَ لَهُمُ الْهُدَىٰ ۖ لَنْ يَضُرُّوا اللَّهَ شَيْئًا ۖ وَسَيُحِطُّ أَعْمَالُهُمْ ﴿۳۲﴾

جب واضح ہوئی انہیں ہدایت۔ وہ ہرگز نہیں بگاڑ سکتے اللہ کا کچھ۔ اور جلد اللہ ضائع کر دے گا ان کے اعمال

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَلَا تُبْطِلُوا أَعْمَالَكُمْ ﴿۳۳﴾

اے ایمان والو اطاعت کرو اللہ کی اور رسول کی اور نہ باطل کرو اپنے عمل۔

(آیت نمبر ۳۲) بے شک جنہوں نے کفر کیا۔ اور لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی راہ (دین اسلام) سے روکا۔ جو لوگوں کو رضائے الہی تک پہنچاتا ہے اور اس کے بعد رسول اللہ ﷺ کی مخالفت کی۔ دین اسلام کی مخالفت کی۔ اس کے بعد کہ ان پر ہدایت بھی واضح ہو گئی اور انہوں نے تورات میں حضور ﷺ کے اوصاف کا مشاہدہ کیا۔ پھر آپ کے معجزات بھی دیکھے اور آپ کی شان میں جو آیات اتریں وہ پڑھیں اور سنیں۔

فائدہ: اس سے مراد بنو قریظہ اور بنو نظیر ہیں۔ جو کافروں کے ساتھ ملکر اس لئے آئے تاکہ مسلمانوں کو کچل کے رکھ دیں گے۔ تو فرمایا وہ اللہ تعالیٰ کا کچھ بھی نہیں بگاڑ سکے بلکہ ان کا شر اور ضرر ان پر ہی پلٹا۔ کہ خائب و خاسر ہو کر لوٹے۔ **فائدہ:** یا یہاں رسول مضاف کو حذف کر دیا۔ یعنی وہ رسول اللہ ﷺ کا کچھ بھی نہیں بگاڑ سکے۔ یہاں حضور ﷺ کی تعظیم و تکریم ظاہر فرمائی گئی۔ آگے فرمایا۔ عنقریب اللہ تعالیٰ ان کے سب اعمال کو ضائع فرما دے گا۔

(آیت نمبر ۳۳) اے اہل ایمان۔ اللہ تعالیٰ کی بھی اطاعت کرو اور اس کے رسول ﷺ کی بھی اطاعت کرو۔ یعنی عقائد اور اعمال میں بلکہ شرعی کسی بات میں بھی ان کی مخالفت نہ کرو۔ اور اپنے اعمال بھی ضائع نہ کرو۔ جیسے کفر و نفاق سے اعمال ضائع ہو جاتے ہیں۔ یا ربیاء کاری کر کے یا خود پسندی یا اعمال میں اپنی مرضی کر کے انہیں ضائع مت کرو۔ مراد یہ ہے کہ ہر عمل اللہ تعالیٰ کی مرضی کے مطابق کرو۔ **فائدہ:** اس آیت میں اشارہ ہے کہ جس نے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول پاک ﷺ کے حکم اور سنت کے خلاف کام کیا تو وہ عمل باطل ہے۔ اسے اس کا کوئی ثواب نہیں ملے گا۔ خواہ وہ اسے نیکی سمجھ کر لے۔ ثواب کا ملنا تب ہی ہوگا جب وہ عمل شرع کے مطابق ہوگا۔ اگر شرع کے مطابق نہیں۔ تو قابل قبول بھی نہیں ہے۔

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا وَصَدُّوا عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ ثُمَّ مَاتُوا وَهُمْ كُفَّارٌ فَلَنْ يَغْفِرَ

بے شک جنہوں نے کفر کیا اور روکا راہ خدا سے پھر مرے حالت کفر میں تو ہرگز نہیں بخشے گا

اللَّهُ لَهُمْ ۝ فَلَا تَهِنُوا وَتَدْعُوا إِلَى السَّلَامِ ۝ وَأَنْتُمْ الْأَعْلَوْنَ ۝

اللہ ان کو۔ تو نہ کرو سستی اور تم نہ بلاؤ طرف صلح کے۔ اور تم ہی غالب آؤ گے۔

وَاللَّهُ مَعَكُمْ وَلَنْ يَتَرَكُكُمْ أَعْمَالُكُمْ ۝

اور اللہ تمہارے ساتھ ہے اور ہرگز نہیں نقصان کرے گا تمہارے اعمال میں۔

(بقیہ آیت نمبر ۳۳) سبق: لہذا اے عزیز اللہ اور اس کے رسول پاک کی اطاعت کو لازم پکڑو اور شریعت کے

ہر حکم کو پورا کرو اور ان کی مخالفت سے بچو۔

(آیت نمبر ۳۴) بے شک جنہوں نے کفر کیا اور لوگوں کو راہ خدا سے روکا۔ یعنی جس راہ پر چل کر اللہ تعالیٰ کی

رضا اور خوشنودی حاصل ہوتی ہے اور پھر وہ کفر کی حالت میں ہی مر گئے تو ہرگز اللہ تعالیٰ انہیں نہیں بخشے گا چونکہ وہ کفر پر مرے۔ اس لئے وہ اسی کفر کی حالت میں بروز قیامت انھیں گے۔

حدیث شریف میں ہے۔ قیامت میں ایسے اٹھو گے۔ جیسے مرو گے۔ ایسے مرو گے جیسے زندگی

گزارو گے۔ (مشکوٰۃ شریف) یہ حکم عام ہے۔ جو بھی جس حال میں مرے گا اس کا اسی طرح کا حشر ہوگا۔ **فائدہ:**

اس آیت کا نزول اگرچہ خاص ہے۔ یعنی بدر کے گڑھے میں جن کفار کو گرایا گیا تھا وہ کفر پر مرے تو اسی حالت میں یعنی قیامت کے دن وہ کفر کی حالت میں انھیں گے۔

(آیت نمبر ۳۵) پس تم سستی نہ کرو۔ یعنی کفار نے اپنے اعمال ضائع کر لئے۔ لہذا تم نہ سستی کرو۔ نہ کمزوری

دکھاؤ اس لئے کہ جس پر غضب الہی ہو گیا وہ کبھی کامیاب نہیں ہوگا۔ آگے فرمایا اور کافروں کو تم جلدی سے صلح کی طرف نہ بلاؤ کیونکہ اس میں تمہاری طرف سے ہلاکت ہوگا اور تمہاری کمزوری کی نشانی ہوگی۔ حالانکہ تم سر بلند ہو۔

فائدہ: بکلی لکھتے ہیں۔ بالآخر غلبہ تمہارا ہی ہوگا۔ اگرچہ کبھی کبھار کافروں کی وقتی کامیابی ہوگی۔ لیکن اصل

کامیابی تمہاری ہے۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ جو تمہارے ساتھ ہے اور وہ دونوں جہانوں میں تمہارا مددگار ہے۔ اللہ تعالیٰ

مسلمانوں کو ان کے اعمال پر پورا پورا اجر و ثواب دے گا۔ آگے فرمایا وہ تمہارے اعمال میں کوئی کمی نہیں کرے گا۔

إِنَّمَا الْحَيَاةُ الدُّنْيَا لَعِبٌ وَلَهْوٌ ۚ وَإِنْ تُؤْمِنُوا وَتَتَّقُوا يُؤْتِكُمْ أَجْرَكُمْ

بے شک زندگی دنیا کی کھیل اور تماشہ ہے اور اگر ایمان لاؤ پرہیزگار بنو تو وہ دیگا تمہیں ثواب تمہارا

وَلَا يَسْأَلُكُمْ أَمْوَالَكُمْ ۖ (۳۱) إِنْ يَسْأَلْكُمْوهَا فَيُحْفِكُمْ تَبْخَلُوا وَيُخْرِجْ

اور نہیں مانگے گا تمہارے مال اگر تم سے وہ مانگے پھر زیادہ مانگے تو تم بخل کرو۔ اور ظاہر کر دے

أَضْغَانَكُمْ ۖ (۳۲)

تمہارے دلوں کی میل۔

(بقیہ آیت نمبر ۳۵) حدیث قدسی: اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ تمہارے اعمال میرے پاس محفوظ ہیں۔ میں

تمہیں ان کی پوری جزاء دوں گا (مسلم شریف)۔ حدیث قدسی: بہ روایت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ میں نے اپنی ذات پر ظلم حرام کیا تو بندوں پر بھی ظلم کرنا حرام کر دیا ہے۔ لہذا اے میرے بندو۔ ایک دوسرے پر ظلم نہ کرو۔ (مسلم شریف)

(آیت نمبر ۳۶) بے شک دنیا کی زندگی کھیل اور تماشہ ہے۔ بالکل باطل اور دھوکا ہے۔ نہ اس کا اعتبار نہ اس

کوشاںات۔ لہذا اس میں مشغول رہنا بالکل بے کار ہے۔ آگے فرمایا۔ اے لوگو۔ اگر تم ایمان لے آؤ اس ذات پر جس پر ایمان لانا ضروری ہے اور کفر و نافرمانی سے بچ جاؤ تو وہ تمہارے ایمان اور تقویٰ پر اجر دے گا۔ وہ باقیات صالحات ہیں جن میں للچانے والے للچاتے ہیں۔ فائدہ: اس آیت میں آخرت کے بلند اور باقی رہنے والے مراتب کی طلب پر برا بیچختہ کیا گیا ہے اور دنیا کی مین اور فانی سے نفرت دلائی گئی ہے۔ البتہ اس دنیا کا یہ فائدہ ہے کہ اس کے ذریعے سے آخرت سنواری جاسکتی ہے۔ آگے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ تم سے مال نہیں مانگتا۔ مال سے تمام مال مراد ہے کہ جس سے تمہاری معاش ہے بلکہ بہت کم مال کا اس نے مطالبہ کیا ہے۔ یعنی زکوٰۃ میں بھی چالیسواں حصہ فرض ہے۔ یا عشر یعنی دسواں حصہ ہے۔

(آیت نمبر ۳۷) اگر اللہ تعالیٰ تم سے کل مال مانگ لے تو تمہیں تکلیف اور دکھ ہوگا اور تم بخل کرتے یعنی راہ خدا

میں سارا مال نہ دیتے اور اس نے تمہارے کینے کو نکال دیا۔ فائدہ: عین المعانی میں ہے کہ تمہارے مال روکنے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ تمہارے کینے کو ظاہر کر دیتا۔ حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کو علم تھا کہ ابن آدم سے جب مال کا مطالبہ ہوگا تو وہ مخالفت کرے گا اور جو اس سے مال مانگے گا۔

هَآئِئْتُمْ هَآؤِلَآءِ تَدْعُوْنَ لِتُنْفِقُوْا فِیْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۚ فَمِنْكُمْ مَّنْ يَّبْخُلُ ۚ

تم وہی ہو جب بلائے جاؤ کہ خرچ کرو تم راہ خدا میں۔ تو تم میں کوئی بخل کرتا ہے اور جو بخل کرے گا۔

وَمَنْ يَّبْخُلْ فَاِنَّمَا يَبْخُلُ عَنْ نَّفْسِهٖ ؕ وَاللّٰهُ الْغَنِیُّ وَاَنْتُمْ الْفُقَرَاءُ ۚ

تو بے شک وہ بخل کریگا اپنی جان پر۔ اور اللہ بے نیاز ہے اور تم محتاج ہو

وَاِنْ تَتَوَلَّوْا يَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ لَا تُمْ لَآ يَكُوْنُوْا اَمْثَالَكُمْ ؕ ﴿۳۸﴾

اور اگر تم منہ پھیرو تو بدل دے گا لوگ تمہارے علاوہ۔ پھر نہ ہوں وہ تمہاری طرح۔

(بقیہ آیت نمبر ۳۷) اس کا مقابلہ کرے گا۔ اب معنی یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ تمہارے دلوں سے مال کی محبت نکال دے گا۔ لیکن یہ بلند مرتبہ لوگ ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے بخل سے بچایا اور کونین کے گرد و غبار سے پاک کیا اور طلب حق میں ان کا مرتبہ اونچا کیا۔

(آیت نمبر ۳۸) تم وہی ہو جو بلائے جاتے ہوتا کہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں مال خرچ کرو۔

فائدہ: اتفاق سے مراد عام ہے۔ خواہ زکوٰۃ ہو۔ یا جنگ میں خرچ کرنا ہے (یا ایصال ثواب کیلئے خیرات و صدقات دینا ہے)۔

آگے فرمایا تم میں بعض وہ ہیں جو بخل کرتے ہیں۔ یعنی جو زکوٰۃ کے مال کا چالیسواں حصہ ہے وہ بھی دیتے وقت انتہائی بخل سے کام لیتے ہیں۔ لہذا انہیں معلوم ہونا چاہئے کہ جو مال دینے میں بخل کرتا ہے تو سوا اس کے نہیں وہ بخل اپنی ذات کیلئے کرتا ہے۔ اس لئے کہ جو خرچ کرے گا اللہ تعالیٰ کی راہ میں تو اس کا نفع آخرت میں اس کی ذات کو ہوگا اور جو بخل کرے گا تو اس کے بخل کا نقصان اس کی اپنی ذات کو پہنچے گا۔ اس لئے جو بخل کرتا ہے وہ خیر و بھلائی کو اور اس کے فوائد کو اپنی ذات سے روک رہا ہے۔ لہذا عقل مند کو چاہئے کہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں مال خرچ کرنے میں بخل سے کام نہ لے۔ آگے فرمایا۔ اللہ تعالیٰ تو بے نیاز ہے تم سے بھی اور تمہارے مالوں سے بھی اور تم سب اس کے محتاج فقیر ہو۔ تمہارا فائدہ اسی میں ہے کہ تم اس کا حکم مانو۔ ورنہ نقصان اٹھاؤ گے۔ اور آخرت میں پچھتاؤ گے۔

فائدہ: نجم الدین کبری فرماتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ غنی بذاتہ ہے کہ وہ جس کو دے جتنا دے اس سے کچھ بدلہ نہیں لیتا۔ بندہ خواہ کتنا ہی غنی ہے۔ دیتے وقت سوچتا ہے۔ مجھے اس سے واپس کیا ملے گا۔ ہم اول سے آخر تک اس ذات کے محتاج اور وہ ہمارے اول سے آخر تک ہم سے بے پرواہ ہے۔

آگے فرمایا۔ اگر تم ایمان لانے سے گریز کرو گے اور ایمان نہیں لاؤ گے۔ یا انفاق فی سبیل اللہ سے روگردانی کرو گے تو اس سے اللہ تعالیٰ کا کیا بگڑے گا۔ یہ نقصان پھر بھی تمہارا ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ تمہارے بدلے دوسری قوم لے آئے گا۔ یعنی تمہیں اٹھائے گا اور تمہارے بجائے دوسروں کو لے آئیگا۔ جو تم جیسے نہیں ہوں گے۔ یعنی وہ ایمان تقویٰ اور انفاق فی سبیل اللہ میں تم سے زیادہ رغبت رکھنے والے ہوں گے۔

فائدہ: یہ ڈائریکٹ خطاب قریش مکہ کو ہے پھر عجم و عرب وغیرہ سب اس میں شامل ہیں۔

فائدہ: اس سے ثابت ہوا کہ تبدیلی کفار کی مومنین کے ساتھ ہوگی اور بعض حضرات نے یہ معنی کیا ہے کہ اگر ساری دنیا کافر ہو جائے (خدا نخواستہ) تو اللہ تعالیٰ اس بات پر قادر ہے کہ ایک لمحے میں انہیں ختم کر کے دوسرے لوگ لے آئے جو مسلمان ہوں۔

اختتام سورۃ مومنونہ ۲۳ جنوری ۲۰۱۷ء

برطابق ۲۲ ربیع الثانی ۱۴۳۸ھ بروز سوموار صبح کی نماز کے وقت

اِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِينًا ۝ ۱

بے شک ہم نے فتح دی آپ کو فتح واضح۔

(آیت نمبر ۱) بے شک اے محبوب ہم نے آپ کو ایک واضح اور بڑی فتح عطا کر دی۔

شان نزول: یہ سورہ مکہ مکرمہ سے واپسی پر جب حضور ﷺ حنین پہاڑ کے پاس (جو عسکان سے تین میل کے فاصلے پر ہے) پہنچے تو وہاں نازل ہوئی۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ حدیبیہ سے واپسی کے وقت فتح مکہ کی بشارت سنائی گئی۔ اکثر شیعہ علماء کا خیال یہی ہے کہ اس فتح سے مراد فتح مکہ ہے۔ بعض حضرات کا خیال ہے کہ اس سے مراد حدیبیہ والی صلح ہے۔ حدیبیہ ایک کیکر کا ٹیڑھا سادرخت تھا جس کے نیچے بیعت ہوئی۔

قصہ یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ نے خواب میں دیکھا کہ آپ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ عمرہ ادا فرما رہے ہیں۔ کوئی حلق اور کوئی قصر کر رہا ہے تو آپ نے صحابہ کو بشارت سنائی۔ وہ بھی بہت خوش ہوئے اور سب نے سفر کی تیاری کر لی اور ذوالخلفہ پہنچے وہاں سے عمرے کا احرام باندھا۔ المختصر جب حدیبیہ کے مقام پر پہنچے تو وہاں بدیل بن ورقاء (جو اپنی برادری میں سردار تھا)۔ نے آپ سے پوچھا کہ کیسے تشریف لائے تو آپ نے فرمایا ہم جنگ کیلئے نہیں ہم صرف عمرہ ادا کرنا چاہتے ہیں۔ اس نے کہا۔ ابھی آپ یہیں ٹھہریں۔ میں مکہ والوں سے بات کرتا ہوں۔ تو اس نے قریش کو بتایا کہ مسلمان صرف عمرہ ادا کریں گے۔ پھر واپس چلے جائیں گے لیکن وہ نہ مانے اور بھی لوگوں نے کوشش کی۔ بالآخر اہل مکہ نے طائف کے رئیس اعظم عروہ بن مسعود کو بھیجا۔ اس نے صحابہ کی جان نثاری اور ادب کو دیکھا تو حیران ہی رہ گیا۔ اس نے واپس جا کر انہیں بتایا کہ اب تم ان کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔ محمد ﷺ کے غلام تو ان کا لعب زمین پر نہیں گرنے دیتے۔ وہ اپنی جانیں ان پر قربان کرنے کے لئے تیار ہیں۔ (مزید صلح کے واقعات اور مزید تفصیلات فیوض الرحمن میں دیکھ لیں)۔

لَيَغْفِرَ لَكَ اللَّهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِكَ وَمَا تَأَخَّرَ وَيُتِمَّ نِعْمَتَهُ عَلَيْكَ

تاکہ بخشے آپ کے سبب اللہ آپ سے پہلوں کے گناہ اور پچھلوں کے اور پوری کر دے اپنی نعمت تم پر۔

وَيَهْدِيكَ صِرَاطًا مُسْتَقِيمًا ۝ (۲) وَيَنْصُرَكَ اللَّهُ نَصْرًا عَزِيزًا (۳)

اور دکھادے تمہیں راستہ سیدھا۔ اور مدد فرمائے تمہاری اللہ مدد زبردست۔

(آیت نمبر ۲) تاکہ آپ کیلئے بخش دے جو آپ سے ترک اولیٰ کی کوتاہیاں پہلے ہوئیں یا بعد کو۔ یہ بھی۔ (حسنات الابرار سینات المقریین) کے قبیل سے ہے۔ چونکہ ذنب آپ کی شان کے لائق نہیں ہے۔ اس لئے ترک اولیٰ اس کا معنی کیا گیا۔ مسئلہ: اہل کلام کا قول ہے کہ انبیاء کرام علیہم السلام اعلان نبوت سے پہلے بھی اور بعد بھی معصوم ہوتے ہیں۔ اس پر مسلمانوں کا اجماع ہے۔ سہو اہو تو معاف ہے۔

فائدہ: عطا خراسانی فرماتے ہیں۔ ما تقدم سے مراد آدم و حوا کی خطا ہے۔ جسے حضور ﷺ کے طفیل معاف فرمادیا۔ (واقع بیہقی میں ہے نہ ملے تو تبلیغی نصاب فضائل ذکر میں پڑھ لیں) اور اللہ تعالیٰ نے آپ پر تمام نعمت مکمل فرمادی۔ یعنی سلسلہ نبوت اور وحی کا نزول آپ پر ختم ہے۔ یاد دینی اور دنیوی بے شمار نعمتیں اللہ تعالیٰ نے عطا فرما کر آپ پر مکمل فرمادیں۔ ابن عربی فتوحات میں فرماتے ہیں۔ انبیاء کرام علیہم السلام کا گناہوں سے معافی مانگنا۔ حقیقتاً نہیں ہے۔ جیسے ہم اپنے گناہوں سے معافی مانگتے ہیں۔ بلکہ ان کا ایک ایسا امر ہے جو ہماری سمجھ سے کوسوں دور ہے ہم اسے سمجھ ہی نہیں سکتے اور نہ ہمارے لائق ہے کہ ہم ان کے کسی عمل کو اپنے گناہوں کی طرح سمجھیں۔

(آیت نمبر ۳) تاکہ اللہ تعالیٰ تمہاری ایسی مدد فرمائے۔ جس میں عزت و غلبہ ہو۔ **فائدہ:** نصر عزیز وہ ہے جس میں دشمنوں پر غلبہ اور ان پر فتح و نصرت ہو۔ یا اس سے قوی اور مضبوط نصرت مراد ہے۔ جیسے فتح مکہ کے وقت اللہ تعالیٰ نے نصرت فرمائی۔ یا جیسے ہوازن کی جنگ میں فتح ملی یا آپ کے غلاموں کو قیصر و کسریٰ پر فتوحات حاصل ہوئیں۔

نکتہ: ابن عطا فرماتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اس مقام پر اپنے حبیب ﷺ پر مختلف نعمتوں کا ذکر فرمایا۔ یعنی بے شمار فتوحات کی طرف اشارہ فرمایا۔ اور فتح مبین کی بھی کئی اقسام بیان فرمائیں۔ ان سب کو اس ایک آیت میں پرودیا۔ اجابت۔ محبت۔ اتمام نعمت۔ ہدایت۔ فتح و نصرت، غلبہ، مال، غنیمت، قوت اور ہدایت سے مشاہدہ اور نصرت سے ”روية الكل من الحق“ مراد ہیں۔ یعنی وہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہی نصیب ہو۔ کسی غیر کو اس میں دخل نہ ہو۔ اسے نصر عزیز کہا جاتا ہے۔

هُوَ الَّذِي أَنْزَلَ السَّكِينَةَ فِي قُلُوبِ الْمُؤْمِنِينَ لِيَزْدَادُوا إِيمَانًا مَعَ

وہی ہے جس نے اتاری سکینت مسلمانوں کے دلوں میں۔ تاکہ بڑھائے ان کے یقین پر

إِيمَانِهِمْ ۚ وَلِلَّهِ جُنُودُ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ ۚ وَكَانَ اللَّهُ عَلِيمًا حَكِيمًا ۝ (۴)

یقین اور اللہ کے لشکر ہیں آسمانوں اور زمین میں۔ اور ہے اللہ علم و حکمت والا ہے

(آیت نمبر ۴) اللہ تعالیٰ کی ذات وہ ہے کہ جس نے سکینت نازل فرمائی۔ یعنی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو تسکین اور اطمینان اور ثابت قدمی عطا کی اور ایمان والوں کے دلوں پر سکینت نازل فرمائی۔ صلح حدیبیہ میں فتح کا پہلا نشان یہ ملا کہ خوف ختم ہوا اور امن نصیب ہوا۔ خصوصاً ان مسلمانوں کو جو مکہ مکرمہ میں مقیم تھے۔

کاشفی مرحوم فرماتے ہیں۔ صلح سے پہلے مسلمانوں میں سخت بے چینی تھی۔ ہمہ وقت خوف رہتا۔ اللہ تعالیٰ نے اسے طمانیت و تسکین سے بدل دیا۔ ورنہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تو کفار سے دود و ہاتھ کرنے کیلئے سخت بے چین تھے۔ اس لئے کہ انہیں غصہ تھا کہ انہوں نے ہمیں عمرہ سے کیوں روکا۔ ہم عمرہ کئے بغیر واپس نہیں جائیں گے۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے کرم کیا۔ کفار نے خود ہی کہہ دیا۔ اگلے سال امن کے ساتھ عمرہ کر لینا۔

آگے فرمایا یہ اس لئے تاکہ ایمان والوں کا ایمان اور زیادہ مضبوط ہو جائے۔ آگے فرمایا۔ آسمان اور زمین سمیت ہر چیز اللہ تعالیٰ کا لشکر ہیں۔ علامہ کاشفی فرماتے ہیں۔ وہ لشکر فرشتے ہیں اور زمین پر لشکر اہل ایمان ہیں۔ لہذا اللہ تعالیٰ اپنے دوستوں کو دشمنوں پر فتح دیتا ہے۔

فائدہ: آیت کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی حکمت یہ چاہتی تھی کہ عمرہ بھی پر امن ہو۔ بلکہ ایمان والوں کیلئے مکمل امن ہو جائے۔ ورنہ اللہ تعالیٰ کے پاس لشکروں کی کوئی کمی نہ تھی۔ مشرکوں کی کیا جرات تھی کہ وہ روکتے۔

آگے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ علم و حکمت والا ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ ہر اس بندے کو جانتا ہے۔ جو فتح یابی کے لائق ہے اور اپنی حکمت بالغہ سے اس نے جو کیا بالکل صحیح کیا۔

لِيُدْخِلَ الْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ

تاکہ داخل فرمائے مومن مردوں اور مومن عورتوں کو باغات میں۔ جاری ہیں ان کے نیچے نہریں

خَالِدِينَ فِيهَا وَيُغْفَرُ عَنْهُمْ سَيِّئَاتِهِمْ ۚ وَكَانَ ذَلِكَ عِنْدَ اللَّهِ

ہمیشہ رہیں گے ان میں۔ اور دور کرے ان سے ان کی برائیاں۔ اور ہے یہ نزدیک اللہ کے

فَوْزًا عَظِيمًا ۝

کامیابی بڑی

(آیت نمبر ۵) تاکہ اللہ تعالیٰ داخل فرمائے ایمان والے مردوں اور عورتوں کو ایسے باغات میں جن میں نہریں جاری ہیں۔ وہ ان میں ہمیشہ رہیں گے۔ اس سے مراد جنت کا قیام ہے۔ جہاں ہمیشہ رہنا ہے۔

فائدہ: اس آیت میں اللہ تعالیٰ یہ بتانا چاہتے ہیں کہ مومنوں کو کافروں پر اس لئے غلبہ دیا تاکہ ایمان والے اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو پہچانیں۔ اور ان کی قدر کریں اور ان پر اللہ تعالیٰ کا شکر کریں تاکہ اللہ تعالیٰ انہیں جنت میں داخل فرما کر مزید انہیں اعلیٰ نعمتوں سے نوازے۔

آگے فرمایا ان کے گناہوں کو ختم فرمادے تاکہ ”لِيُغْفِرَ لَكَ اللَّهُ“ کا مظاہرہ ہو۔ یعنی پہلے ان کے گناہ مٹائے پھر جنت میں داخل فرمائے تاکہ بالکل پاک صاف ہو کر وہ جنت میں جائیں۔ آگے فرمایا کہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے بہت بڑی کامیابی ہے۔ لیکن ہر بندہ اس کامیابی کی قدر و منزلت کو نہیں جانتا اور یہ بھی معلوم ہوا کہ کامیابی اللہ تعالیٰ کے علم و قضا سے ہے۔ بندے کے علم و ہنر کو اس میں کوئی دخل نہیں۔ یہ محض فضل ربی ہوگا۔

وَيُعَذِّبُ الْمُنَافِقِينَ وَالْمُنَافِقَتِ وَالْمُشْرِكِينَ وَالْمُشْرِكَاتِ الظَّالِمِينَ

اور عذاب دے منافق مردوں اور عورتوں کو اور مشرک مردوں اور عورتوں کو جو گمان کرتے ہیں

بِاللَّهِ ظَنَّ السَّوْءَ عَلَيْهِمْ ذَاتُ السَّوْءِ وَاللَّهُ غَضِبَ عَلَيْهِمْ وَلَعَنَهُمْ

اللہ کے متعلق گمان برا۔ ان پر ہی ہے گردش ہے بری۔ اور غضب کیا اللہ نے ان پر اور لعنت کی ان پر

وَأَعَدَّ لَهُمْ جَهَنَّمَ ذَاتَ مَصِيرٍ ۖ

اور تیار کیا ان کے لئے جہنم کو۔ اور برا ہے ٹھکانہ۔

(آیت نمبر ۶) اور عذاب دے منافق مردوں اور عورتوں کو جو مدینے میں رہتے ہیں اور مشرک مردوں اور عورتوں کو جو مکہ میں رہتے ہیں۔ عذاب سے مراد ان کی ذلت کے ساتھ شکست ہے۔ ایمان والوں کی مدد بھی ان کیلئے غیظ و غضب کا باعث ہے۔ یہ بھی گویا ان کیلئے عذاب ہے۔

نکتہ: مشرکوں سے پہلے منافقوں کا نام لیا۔ اس لئے کہ وہ عذاب کے زیادہ مستحق ہیں۔ انہوں نے حضور ﷺ کے ساتھ بہت دھوکے کئے۔ بے ادبیاں کیں۔ چھپے ہوئے دشمن تھے۔ باہر سے کچھ اور اندر سے کچھ اور ظاہر بڑے سچے حقیقتاً بڑے جھوٹے۔ (ظاہری دشمن سے خفیہ دشمن زیادہ خطرناک ہوتا ہے)۔

آگے فرمایا کہ مذکورہ دونوں گروہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ بدگمانی رکھنے والے ہیں۔ یعنی ان دونوں گروہوں کی بدگمانی یہ تھی۔ کہتے تھے کہ اللہ تعالیٰ اپنے رسول کی مدد نہیں کرے گا اور نہ ہی انہیں مکہ کی فتح حاصل ہوگی۔ اور نہ یہ بچ کر مدینہ واپس آئیں گے۔ **حدیث شریف:** حضور ﷺ نے وفات سے تین دن پہلے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ اچھا گمان رکھنا پھر موت بھی تمہاری گمان کے مطابق ہوگی (رواہ مسلم)۔ **حدیث قدسی:** اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ میں بندے کے گمان کے مطابق معاملہ کرتا ہوں۔ (جیسا کہ وہ گمان کرے میں ایسا ہی کر دیتا ہوں)۔ رواہ احمد

آگے فرمایا کہ ان ہی پر گردش بری آنے والی ہیں۔ وہ مسلمانوں کی گردش کا انتظار کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے معاملہ الٹ دیا۔ وہ خود الٹی گردش میں مبتلا ہوئے اور اہل ایمان کو کامیابی ملی۔ اس لئے اللہ تعالیٰ کا ان پر غضب بھی ہوا۔ اور ان پر لعنت بھی ہوئی اور ان کیلئے جہنم تیار کی۔ یعنی جس پر بھی اللہ تعالیٰ کا غضب و لعنت ہوا۔ وہ جہنم میں جایگا اور جہنم کا ٹھکانہ بہت ہی برا ہے۔

وَلِلّٰهِ جُنُودُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيزًا حَكِيْمًا ⑥

اور اللہ کیلئے ہیں لشکر آسمانوں اور زمین کے اور ہے اللہ تعالیٰ عزت و حکمت والا۔

اِنَّا اَرْسَلْنٰكَ شَٰهِدًا وَّ مُّبَيِّنًا وَّ نَذِيْرًا ⑦

بے شک ہم نے بھیجا آپ کو شاہد اور خوش خبری دینے اور ڈر سنانے والا بنا کر۔

لَتُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهِ وَتُعَزِّرُوْهُ وَتُوَقِّرُوْهُ ۚ وَتُسَبِّحُوْهُ بُكْرَةً وَّاَصِيْلًا ⑧

تاکہ تم ایمان لاؤ اللہ اور اس کے رسول پر اور اس کی تعظیم و توقیر کرو۔ اور اس کی تسبیح کہو صبح و شام۔

(آیت نمبر ۷) آسمان و زمین کے تمام لشکر اللہ تعالیٰ کے ہی ہیں اور ہے اللہ تعالیٰ بڑی عزت والا حکمت والا۔

وہ جو کرتا ہے حکمت کے تقاضے پر کرتا ہے۔

شان نزول: منافقوں کا سردار ابن ابی کہنے لگا کہ محمد ﷺ چھوٹے گروہوں سے لڑ کر کامیابی حاصل کر لیتے

ہیں۔ روم اور فارس سے لڑتے تو پتا چلے گا۔ اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ فارس و روم کے لشکروں سے اللہ تعالیٰ کے لشکر بڑے ہیں جن کا مقابلہ کوئی بھی نہیں کر سکتا۔

(آیت نمبر ۸) اے محبوب بے شک ہم نے آپ کو شاہد بنایا۔ یعنی آپ پوری دنیا کے نبی اور رسول ہیں۔ جیسا کہ

حضور ﷺ نے فرمایا (ارسلت الی الخلق کافۃ) (مسلم)۔ یعنی تمام مخلوق کے رسول ہیں۔ لہذا شاہد بھی ساری خلق کے

ہیں۔ ایمان و طاعت والوں کو جنت کی خوشخبری سنانے والے اور گناہ و نافرمانی کرنے والوں کو عذاب کا ڈر سنانے والا بنا کر

بھیجا۔ (اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ سے خطاب کے بعد ایمان والوں کو مخاطب کر کے فرمایا کہ یہ اتنی بڑی شان والا نبی دیا)۔

(آیت نمبر ۹) تاکہ تم ایمان لاؤ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول پر اور اس کی تعظیم کرو۔ یعنی رسول ﷺ اور ان کے

دین کی مدد کر کے اسے تقویت پہنچاؤ اور اس رسول کی عزت کرو۔ یعنی اس کی تمام صفات کمالیہ سے موصوف سمجھو اور

تمام وجوہ نقصان سے منزہ جانو اور صبح و شام اس کی تسبیح و تنزیہ کہو۔ یعنی ہمہ وقت میرا ذکر کرو۔ **فائدہ:** ابن عباس رضی اللہ عنہما

فرماتے ہیں کہ اس سے صبح و ظہر و عصر کی نمازیں مراد ہیں۔ **فائدہ:** اس آیت میں نبی ﷺ کی تعظیم و توقیر کا بھی

بیان ہے اور اللہ تعالیٰ کی تعریف و تقدیس کا بھی بیان ہے۔ (گویا جب دل میں نبی کی تعظیم ہوگی۔ تو پھر ہر عبادت

مقبول ہوگی۔)

إِنَّ الَّذِينَ يُبَايِعُونَكَ إِنَّمَا يُبَايِعُونَ اللَّهَ ۖ يَدُ اللَّهِ فَوْقَ أَيْدِيهِمْ ۖ

بے شک جنہوں نے بیعت کی آپ کی بے شک وہ بیعت کرتے ہیں اللہ سے۔ اللہ کا ہاتھ اوپر ان کے ہاتھوں کے

فَمَنْ نَكَثَ فَإِنَّمَا يَنْكُثُ عَلَىٰ نَفْسِهِ ۖ وَمَنْ أَوْفَىٰ بِمَا عَاهَدَ عَلَيْهِ اللَّهُ

تو جس نے توڑا وعدہ سوائے اس کے نہیں وعدہ توڑا اپنی ذات پر۔ اور جس نے پورا کیا جو اللہ سے وعدہ کیا

فَسِيُؤْتِيهِ أَجْرًا عَظِيمًا ۝ ۱۰

تو جلد اسے دیگا اللہ بڑا ثواب بڑا۔

(بقیہ آیت نمبر ۹) فائدہ: حضور ﷺ کی اصل تعظیم و توقیر آپ کی سنتوں پر عمل ہے۔

علامہ اسماعیل حق بنی فرماتے کہ حضور ﷺ کی تعظیم و توقیر اس لئے کہ آپ اللہ تعالیٰ کے محبوب خاص ہیں۔ باقی سب نبی آپ کے طفیل ہیں۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے آپ کو شاہد بنایا کہ آپ نے سب سے پہلے اللہ تعالیٰ کی وحدانیت پر شہادت دی چونکہ آپ اول المخلوق ہیں۔ اس کے بعد آپ نے ہر چیز کا مشاہدہ کیا اس لئے بھی آپ شاہد ہیں۔ (علم ما کان وما یکون) سے بھی آپ اسی لئے موصوف ہیں کہ آپ نے اول و آخر دیکھ کر فرمایا (علمت ما فی السموات والارض) اور آپ نے فرمایا۔ میں اس وقت بھی نبی تھا جبکہ آدم کا خمیر بن رہا تھا۔ یعنی آدم علیہ السلام بھی میرے سامنے بنے اور مجھے یہ بھی علم تھا کہ میں نبی بنایا گیا ہے۔ آپ کے نور میں اضافہ کیا گیا اور تمام انبیاء کرام علیہم السلام کے علوم آپ کے علوم میں سے ہیں۔ تمام انبیاء واسطہ ہیں خالق و مخلوق کے درمیان۔ جس رسول کی جتنی امت زیادہ اس کی اتنی فضیلت زیادہ ہے۔ حضور ﷺ ”نور من نور اللہ“ ہیں یعنی اللہ کے فیض نور سے ہیں۔ اس لئے کہ آپ نے جہاں کو منور فرمایا۔ آپ کی امت تمام امتوں سے زیادہ ہے۔ قیامت کے دن جنت میں جانے والی ایک سو بیس صفیں ہوں گی۔ جن میں سے اسی صفیں حضور ﷺ کی امت سے اور چالیس باقی امتوں سے ہوں گی۔

(آیت نمبر ۱۰) بے شک اے محبوب جو آپ کی بیعت کرتے ہیں۔

فائدہ: یعنی جن لوگوں نے قریش سے جنگ کرنے کا ایک درخت کے نیچے آپ سے وعدہ کیا کہ وہ مشرکین کے ساتھ جنگ میں ثابت قدم ہوں گے اور رسول اللہ ﷺ نے انہیں ثواب اور خدا کی رضا کا وعدہ دیا۔ انہوں نے درحقیقت وہ بیعت اور وعدہ اللہ تعالیٰ سے کیا ہے۔

بیت کا قصہ یہ ہے کہ قریش سے گفتگو کرنے کیلئے جناب عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو بھیجا گیا تا کہ مکہ والوں کو بتائیں کہ ہم لوہے نہیں آئے۔ بلکہ صرف عمرہ کریں گے۔ پھر واپس چلے جائیں گے۔ جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ مکہ مکرمہ میں داخل ہوئے تو سب سے پہلے ابان بن سعید سے ملاقات ہوئی۔ اسے بھی ساتھ لیکر رؤسائے مکہ سے جا ملے اور انہیں حضور ﷺ کا پیغام پہنچایا۔ انہوں نے کہا محمد (ﷺ) تو مکہ میں نہیں آ سکتے۔ البتہ تم نے عمرہ ادا کرنا ہے تو تمہیں کھلی اجازت ہے تو جناب عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے ان کو جواب میں فرمایا۔

جب تک کہ آقا نہیں آئیں گے عثمان طواف نہیں کرے گا۔ اس گفت و شنید میں تین دن گزر گئے۔ ادھر یہ خبر مشہور ہو گئی کہ حضرت عثمان شہید کر دیئے گئے۔ اس وقت سب مسلمانوں نے حضور ﷺ سے عرض کی کہ ہم خون عثمان کا بدلہ لئے بغیر واپس نہیں جائیں گے تو حضور ﷺ نے فرمایا ٹھیک ہے آؤ میرے ہاتھ پر بیعت کرو کہ مشرکین کے ساتھ جنگ میں ثابت قدمی دکھاؤ گے تو سب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے بیعت کی۔ اس بیعت کو بیعت رضوان کہا گیا۔ آخر میں حضور ﷺ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی طرف سے بھی بیعت کی۔ (اس کا مطلب ہے حضور ﷺ کو علم دیا گیا۔ کہ حضرت عثمان زندہ ہیں)۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی واپسی تین دن کے بعد ہوئی اور آتے ہی تجدید بیعت کر لی۔ سب سے پہلے سانہ اسدی نے بیعت کی۔ جب سب نے بیعت کر لی تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ ان کے ہاتھوں پر اللہ تعالیٰ کا ہاتھ ہے۔ یعنی ان تمام کی اللہ تعالیٰ حفاظت فرمائے گا۔ اللہ تعالیٰ کا ہاتھ حفاظت رحمت اور احسان کا ہاتھ ہے۔

آگے فرمایا کہ اب جو اس وعدے کو توڑے گا تو اس توڑنے کا نقصان اسی کو ہوگا اور جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ کئے ہوئے وعدے کو پورا کرے گا تو اللہ تعالیٰ اسے پورا پورا اجر عطا فرمائے گا۔ (بیعت مرشد کے متعلق مسائل و فضائل فیوض الرحمن میں دیکھ لیں)۔

کیونکہ مرشد کے ہاتھ پر بیعت کرنے کا ثبوت بھی اسی آیت کریمہ سے ملا۔ لیکن ہر شخص مرشد ہونے کا اہل نہیں۔ مرشد ہونے کا اہل صرف وہی شخص ہے۔ جو قرآن و سنت پر صحیح طور پر عمل پیرا ہو۔ متقی۔ خوش اخلاق۔ حلیم الطبع ہو۔ عالم باعمل ہو۔ سچے عقیدے والا ہو۔ سلاسل اولیاء میں کسی کامل کا مرید ہو۔ اس کا سلسلہ نبی کریم ﷺ تک پہنچتا ہو۔ (اضافہ از قاضی محمد لطیف)

سَقُولُ لَكَ الْمُخَلَّفُونَ مِنَ الْأَعْرَابِ شَغَلَتْنَا أَمْوَالُنَا

عنقریب کہیں گے آپ سے پیچھے رہ جانے والے اعرابی مشغول کر دیا ہمیں مالوں

وَأَهْلُونَا فَاسْتَغْفِرُكَ يَا يَقُولُونَ بِالسِّنْتِهِمْ مَا لَيْسَ

اور ہمارے گھر والوں نے ہمارے لئے مغفرت مانگیں۔ کہتے ہیں اپنی زبانوں سے جو نہیں ہے

فِي قُلُوبِهِمْ ۚ قُلْ فَمَنْ يَمْلِكُ لَكُمْ مِنَ اللَّهِ شَيْئًا إِنْ أَرَادَ بِكُمْ

ان کے دلوں میں۔ فرمادو کس کا اختیار ہے تم میں اللہ کے سامنے کچھ۔ اگر چاہے وہ تمہارا

ضَرًّا أَوْ أَرَادَ بِكُمْ نَفْعًا ۚ بَلْ كَانَ اللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرًا ۝۱۱

برا یا چاہے تمہارا فائدہ۔ بلکہ ہے اللہ تمہارے کاموں سے خبردار

(آیت نمبر ۱۱) عنقریب دیہاتی لوگ پیچھے رہنے والے کہیں گے۔

فائدہ: مکہ مکرمہ کی طرف روانگی سے قبل نبی پاک ﷺ نے مدینہ شریف کے گرد و نواح میں رہنے والے

دیہاتیوں کو بلایا اور فرمایا کہ ہم عمرہ کرنے جا رہے ہیں۔ لڑائی وغیرہ کا کوئی پروگرام نہیں تم سب لوگ چلو تو انہوں نے کہا

جو ہمیں یہاں گھر میں آکر مار گئے ہیں۔ ہم ان کے گھر گئے تو ہمیں کب چھوڑیں گے۔ ان کو تسلیاں تو بہت دی گئیں۔

لیکن وہ تیار نہ ہوئے تو اللہ تعالیٰ نے آپ کی واپسی سے پہلے ہی بذریعہ وحی آپ کو مطلع فرمادیا کہ وہ دیہاتی لوگ عذر

معذرت کر کے کہیں گے کہ ہمیں مال اور اہل و عیال نے ایسا مشغول رکھا کہ ہم آپ کے ساتھ نہیں جاسکے لہذا آپ

ہماری کوتاہی پر بخشش کی دعا فرمادیں۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ یہ جھوٹے ہیں۔ جو کچھ زبانوں سے کہہ رہے ہیں وہ

بات ان کے دلوں میں نہیں یعنی جو اپنے بچے مسلمان ہونے کا اظہار کر رہے ہیں یہ جھوٹے ہیں۔ اے محبوب ان باطل

عذر کرنے والوں سے کہیں کہ اگر اللہ تعالیٰ تمہیں نقصان یا نفع پہنچانے کا ارادہ کرے تو پھر کون ایسا مالک ہوگا تمہارا جو

تمہیں نقصان سے بچائے گا۔ بلکہ اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال سے خبردار ہے تمہاری ہر کارروائی کو دیکھ رہا ہے۔ ضروری

نہیں وہ جنگ میں ہی نقصان پہنچائے۔ وہ جنگ کے بغیر بھی نقصان پہنچا سکتا ہے۔

بَلْ ظَنَنْتُمْ أَنْ لَنْ يَنْقَلِبَ الرَّسُولُ وَالْمُؤْمِنُونَ إِلَىٰ أَهْلِيهِمْ

بلکہ تم تو سمجھ رہے تھے کہ ہرگز نہیں واپس آئیں گے رسول اور مسلمان اپنے گھروں کو
أَبَدًا وَ زَيْنَ ذَلِكَ فِي قُلُوبِكُمْ وَظَنَنْتُمْ ظَنَّ السَّوْءِ مِنْهُ
کبھی بھی۔ اور بھلی لگی یہ بات تمہارے دلوں کو۔ اور تم نے بہت برا گمان کیا۔

وَ كُنْتُمْ قَوْمًا بُورًا ۝۱۲

اور ہو تم لوگ ہلاک ہونے والے۔

(آیت نمبر ۱۲) بلکہ تم نے تو یہ گمان کیا تھا کہ رسول اللہ ﷺ اور مسلمان بھی اب واپس گھر میں کبھی بھی لوٹ کر
نہیں آئیں گے۔ اور یہ ہی بات تمہارے دلوں کو پسند بھی تھی۔ شیطان نے یہ بات خوبصورت بنا کر تمہارے دلوں میں
ڈالی تھی اور تم نے بہت ہی برا گمان کیا اور تم ہلاک ہونے والی قوم ہو۔ اللہ تعالیٰ کے غضب اور عذاب کے مستحق ہو۔

فائدہ: جو یہ گمان کرے کہ اس جنگ میں نقصان ہوگا۔ یا تو قتل ہوگا۔ یا زخمی ہوگا۔ یا کسی بڑی مصیبت میں وہ
ضرور مبتلا ہوگا۔ (کیونکہ حدیث قدسی میں ہے۔ بندہ جیسا مجھ پہ گمان کرتا ہے۔ میں ایسا ہی کرتا ہوں) لہذا ایسے موقع
پر اس کے ساتھ شیطان لگا دیا جاتا ہے۔ جو اس کے سامنے دنیا کو سنوارتا ہے۔ اس لئے وہ دنیا کی زندگی کو آخرت پر
ترجیح دیتا ہے۔

صلح کے اسباب: کفار مکہ نے شرارت کیلئے چالیس آدمی بھیجے تاکہ مسلمانوں کو پریشان کریں۔ اگر کوئی اکا دکا
آدمی مل جائے تو اسے گرفتار کر کے لے آئیں۔ اس وقت حضرت محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ حضور ﷺ کے گرد پہرہ دے رہے
تھے۔ اور ان کفار مکہ کی لیڈ مکر بن حفص کر رہا تھا۔ کفار مکہ کو دیکھ کر مسلمان بھی ہوشیار ہو گئے۔ اور ان کے بارہ آدمی
مسلمانوں نے پکڑ لئے۔ باقی بھاگ گئے۔ جب قریش کو علم ہوا کہ ہمارے آدمی گرفتار ہو گئے تو انہوں نے مسلمانوں
کی طرف سہیل بن عمرو کو صلح کرنے کیلئے بھیجا۔ حضور ﷺ نے سہیل کو دیکھتے ہی فال نکالی کہ کام آسان ہو گیا ہے۔

صلح کی پیش کش: سہیل نے حضور ﷺ کی خدمت میں عرض کی کہ ہمارے چند بے وقوفوں نے یہاں آ کر
اپنے طور پر کارروائی کی۔ جس کا ہمیں کوئی علم نہیں تھا۔ آپ برائے مہربانی ہمارے قیدیوں کو رہا کر دیں تو حضور ﷺ
نے فرمایا۔ ہم تمہارے قیدیوں کو چھوڑتے ہیں تم ہمارے قیدیوں کو چھوڑ دو۔

وَمَنْ لَّمْ يُؤْمِنْ بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ فَإِنَّا أَعْتَدْنَا لِلْكَافِرِينَ سَعِيرًا ۝۱۳

اور جو نہ رکھے ایمان اللہ اور اس کے رسول پر تو بے شک ہم نے تیار کی کافروں کیلئے بھڑکتی آگ
وَلِلَّهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ يَغْفِرُ لِمَنْ يَشَآءُ وَيُعَذِّبُ مَنْ يَشَآءُ ۚ
اور اللہ کی بادشاہی ہے آسمانوں اور زمین میں بخشتا ہے جسے چاہے اور عذاب دیتا ہے جسے چاہے

وَكَانَ اللَّهُ غَفُورًا رَحِيمًا ۝۱۴

اور ہے اللہ بخشنے والا مہربان

(بقیہ آیت نمبر ۱۲) چنانچہ دونوں طرف سے قیدیوں کو رہا کر دیا گیا۔ دوسری روایت یہ ہے کہ قریش کو جب علم ہوا کہ مسلمانوں نے حملہ کرنے کیلئے بیعت کر لی تو انہیں اس بات کا سخت خطرہ لاحق ہوا۔ کہ مسلمان اب جنگ کے بغیر نہیں جائیں گے۔ تو انہوں نے سہیل۔ مکرز اور خویطہ تینوں کو صلح کیلئے بھیجا۔

کفار سے صلح مسلمانوں کو ناپسند تھی: حضور ﷺ نے دوبارہ سہیل کو آتے ہوئے دیکھ کر فرمایا۔ کفار نے صلح کا پروگرام بنالیا۔ مسلمان اس صلح کے خلاف تھے کہ ہم نے بیعت جہاد کیلئے کی صلح کیلئے نہیں کی۔ مگر حضور ﷺ کے سامنے سر تسلیم خم رہے۔ حضور ﷺ نے ان کی بات کو غور سے سنا۔ اور صلح پر رضامندی ظاہر فرمادی۔

(آیت نمبر ۱۳) اور جو اللہ اور اس کے رسول پر ایمان نہ لائے تو بے شک ہم نے کافروں کیلئے بھڑکتی آگ کا عذاب تیار کر رکھا ہے۔ یعنی وہ آگ کہ جس کے شعلے نکل رہے ہوں گے۔ جس کی حقیقت اور کنہہ کو کوئی نہیں جانتا۔ سوائے اللہ تعالیٰ کے۔ یاد رہے۔ جہنم کی آگ دنیا کی آگ سے ستر گناہ زیادہ سخت ہے۔

(آیت نمبر ۱۴) آسمانوں اور زمینوں میں جو بھی ہے وہ اللہ تعالیٰ کی ہی ملک میں ہے۔ وہ جسے چاہتا ہے۔ ان میں تصرف کرنے کی اجازت فرماتا ہے۔ وہ جسے چاہے بخش دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے عذاب دیتا ہے۔ اس میں کسی کو کسی قسم کا دخل نہیں۔ لہذا وہ لوگ جو جھوٹے بہانے بنا کر اپنے لئے استغفار کراتے ہیں اور بخشش کی طمع رکھنے والوں کے لئے اس میں لمحہ فکریہ ہے اللہ تعالیٰ تو سچے مسلمانوں کی مغفرت کرنے والا مہربان ہے۔ لیکن مغفرت اسی کی فرماتا ہے جو اللہ اور اس کے رسول پر ایمان رکھتا ہو۔ اور بے ایمان عذاب کے مستحق ہیں۔

فائدہ: اللہ تعالیٰ توبہ بھی ان لوگوں کی قبول کرتا ہے جو سچے دل سے توبہ کرتے ہیں۔

سَيَقُولُ الْمُخَلَّفُونَ إِذَا انْطَلَقْتُمْ إِلَى مَغَائِمٍ لِّتَأْخُذُوا هَآذِلًا

اب کہیں گے پیچھے رہنے والے جب تم چلو طرف غنیمتوں کے کہ تم انہیں حاصل کرو۔ ہمیں چھوڑو

نَتَّبِعُكُمْ ۚ يُرِيدُونَ أَن يُبَدِّلُوا كَلِمَ اللَّهِ ۚ قُلْ لَّنْ تَتَّبِعُونَا كَذٰلِكُمْ

کہ ہم تمہارے پیچھے آئیں۔ وہ چاہتے ہیں کہ بدل دیں کلام الہی کو۔ فرما دو ہرگز نہ ہمارے پیچھے آؤ۔ اسی طرح

قَالَ اللَّهُ مِنْ قَبْلُ ۚ فَسَيَقُولُونَ بَلْ تَحْسُدُونَنَا ۚ بَلْ كَانُوا لَا يَفْقَهُونَ

فرمادیا اللہ نے پہلے سے۔ تو اب وہ کہیں گے بلکہ تم ہم سے جلتے ہو۔ بلکہ نہ تھے کہ سمجھتے بات

إِلَّا قَلِيلًا ۝۱۵

مگر تھوڑی۔

(بقیہ آیت نمبر ۱۴) حدیث شریف: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا۔ بے شک اللہ تعالیٰ مومن بندے کی توبہ سے اتنا خوش ہوتا ہے۔ جیسے کسی کو گمشدہ چیز مل جائے یا پیاسے کو پانی مل جائے یا جیسے بآنحضرت کو بچل جائے۔ تو وہ خوش ہوتا ہے (بخاری ۶۳۰۸، مسلم ۲۷۴۷)۔ فائدہ: جس نے خالص توبہ کی۔ اللہ تعالیٰ کرنا کاتبین کو اس کے گناہ بھلا دیتا ہے اور اعمال کے رجسٹر سے گناہ کو بھی مٹا دیتا ہے۔ جس زمین پر گناہ ہوا۔ وہاں سے بھی مٹا دیتا ہے۔

(آیت نمبر ۱۵) عنقریب آپ سے کہیں گے وہ لوگ جو پیچھے رہ گئے۔ اب جب تم لوٹو گے غنیمتوں کی طرف تاکہ تم انہیں حاصل کرو تو ہم تمہاری اتباع کریں گے۔ فائدہ: ان کا خیبر کے مال غنیمت کی طرف اشارہ ہے۔ مکہ والوں سے تم صلح کر کے خالی واپس لوٹے۔ تمہیں کچھ نہیں ملا۔ لہذا اب جب تم خیبر کی طرف جاؤ گے تو اس میں ہم بھی تمہارے ساتھ جائیں گے۔ تو اللہ تعالیٰ نے اس کے جواب میں فرمایا کہ وہ چاہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی بات کو بدل دیں۔ فائدہ: چونکہ نبی کریم ﷺ نے حدیبیہ والوں سے وعدہ فرمایا تھا کہ خیبر سے ملنے والا مال غنیمت تمہیں دیا جائیگا۔ حدیبیہ سے واپسی ذوالحجہ ۶ ہجری کو ہوئی۔ ۷ ہجری صفر میں خیبر فتح ہوا۔ جہاں سے بے شمار مال غنیمت ملا۔ وعدہ الہی کے مطابق وہ تمام حدیبیہ میں شامل ہونے والے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں تقسیم فرمادیا۔ (لہذا ان لالچی لوگوں سے) کہا گیا۔ اے محبوب انہیں ناامید کر کے فرمادیں۔ تم ہرگز ہمارے ساتھ مت چلو۔

قُلْ لِّلْمُخَلَّفِينَ مِنَ الْأَعْرَابِ سَتُدْعُونَ إِلَىٰ قَوْمٍ أُولَىٰ بِأَسَىٰ شَدِيدٍ

فرمادو پیچھے رہنے والے دیہاتیوں سے جلد تم بلائے جاؤ گے طرف اس قوم کے جو سخت

تَقَاتِلُونَهُمْ أَوْ يُسْلِمُونَ ۚ فَإِنْ تُطِيعُوا يُؤْتِكُمُ اللَّهُ أَجْرًا حَسَنًا

لڑائی والے ہیں۔ تم لڑو ان سے یا وہ مسلمان ہو جائیں پس اگر تم مانو تو دے گا تمہیں اللہ ثواب اچھا

وَأِنْ تَوَلَّوْا كَمَا تَوَلَّيْتُمْ مِّنْ قَبْلُ يُعَذِّبْكُمْ عَذَابًا أَلِيمًا ﴿۱۶﴾

اور اگر پھر جاؤ جیسے پھر گئے تم اس سے پہلے تو وہ عذاب دیگا تمہیں عذاب دردناک

(بقیہ آیت نمبر ۱۵) اب بھی بھی ہم تمہیں اپنے ساتھ لیکر نہیں جائیں گے۔ لیکن اگر تم ہمارے ساتھ چلے بھی تو

تمہیں مال غنیمت ہر گز نہیں ملے گا۔ آگے فرمایا۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے تو پہلے ہی فرمادیا تھا تو اس رکنے کی بات کون کروہ

ایمان والوں سے کہیں گے۔ بلکہ تم ہمارے ساتھ حسد کرتے ہوتا کہ تم ہمیں غنیمت میں اپنے ساتھ شریک نہ کرو۔ حالانکہ

حسد منافق کرتا ہے۔ حدیث شریف میں ہے۔ مومن غبطہ کرتا ہے۔ منافق حسد کرتا ہے (احیاء العلوم)۔ آگے فرمایا

بلکہ وہ نہیں سمجھتے مگر تھوڑا۔ فقہ کا معنی سمجھ کر جانتا ہے۔ (ہر فرقہ علم ہے مگر ہر علم فقہ نہیں) اور فقہ علم شریعت کے احکام کو کہا جاتا

ہے۔ فقہ فہم فقہاء کو بھی کہا جاتا ہے۔ مولاعلیٰ کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں۔ جس کے پاس علم کم ہے۔ اس کی قیمت بھی کم ہے۔

فائدہ: اہل علم کی صحبت سے علم میں اضافہ ہوتا ہے۔ باعمل عالم کی صحبت اختیار کی جائے۔ تاکہ اس کے علم سے نفع حاصل

ہو۔ حدیث شریف: حضور ﷺ نے فرمایا علم حاصل کرو۔ خواہ چین جانا پڑے۔ (التحفة الکریمة)

(آیت نمبر ۱۶) اے محبوب پیچھے رہے ہوئے اعراب سے فرمادیں۔ (بار بار انکا ذکر کرنا انہیں ذلیل کرنے

کے لئے ہے۔) تاکہ وہ سمجھیں کہ حضور ﷺ کی صحبت سے محرومی کتنی بری چیز ہے۔ آگے فرمایا عنقریب تم ایک قوم کی

طرف بلائے جاؤ گے جو بڑے سخت جنگجو ہیں۔ اس سے مراد بنو حنیفہ یا یمامہ میں مسلمانہ کا لشکر ہے جو بہت بڑا کذاب

تھا۔ تم ان سے لڑو یا وہ مسلمان ہو جائیں۔ یعنی اب عرب میں جن کے ساتھ جنگ ہونی ہے۔ یا مرتدین ہیں یا

مشرکین۔ ان کے علاوہ لوگوں سے جزیہ لیکر جنگ ختم ہوگی۔ اہل کتاب اور مجوس سے جنگ ضروری نہیں۔ ان سے

جزیہ بھی لیا جاسکتا ہے۔ لیکن مرتدین یا مشرکین سے یا جنگ ہے یا وہ مسلمان ہو جائیں۔ ان سے جزیہ نہیں لیا جائیگا۔

لَيْسَ عَلَى الْأَعْمَى حَرْجٌ وَلَا عَلَى الْأَعْرَجِ حَرْجٌ وَلَا عَلَى الْمَرِيضِ حَرْجٌ ؕ

نہیں ہے اوپر اندھے کے کوئی حرج۔ اور نہ اوپر لنگڑے کے اور نہ اوپر بیمار کے کوئی حرج ہے۔

وَمَنْ يُطِيعِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ يُدْخِلْهُ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ ؕ

اور جو حکم مانے گا اللہ اور اس کے رسول کا تو وہ داخل کرے گا ایسے باغات میں جاری ہیں ان کے نیچے نہریں۔

وَمَنْ يَتَوَلَّ يُعَذِّبْهُ عَذَابًا أَلِيمًا ۝۱۵

اور جو منہ پھیرے گا اسے عذاب دیگا عذاب دردناک۔

شان صدیق اکبر ﷺ اس آیت کریمہ سے معلوم ہوئی کیونکہ یہ جنگ یمامہ ان کے دور خلافت میں ہوئی جس میں ہزاروں قاری شہید ہوئے۔ آگے فرمایا اگر تم نے حکم مانا۔ معلوم ہوا امام برحق کی اطاعت واجب ہے۔ اس لحاظ سے صدیق اکبر ﷺ امام برحق ہوئے۔ آگے فرمایا کہ اگر تم اطاعت کرو جو تمہیں سخت جنگجوؤں سے لڑنے کا کہا گیا ہے۔ تم ان سے لڑو۔ تو اللہ تعالیٰ تمہیں بہت اچھا اجر دے گا۔ یعنی دنیا میں مال غنیمت اور آخرت میں جنت۔ اور اگر تم پھر گئے اور بلانے والے سے دغا کیا اور پیٹھ پھیر دی جیسے تم اس سے پہلے بھی حدیبیہ کے موقع پر روگردانی کر چکے ہو تو اللہ تعالیٰ تمہیں دردناک عذاب دے گا۔ چونکہ تمہارا جرم بھی ڈبل ہے۔ لہذا سزا بھی ڈبل ہوگی۔

فائدہ: اگر یہ ان کا امتحان نہ ہوتا تو پھر وہ دائمی منافق ہی رہتے۔ جیسے ثعلبہ زکوة کی عدم ادائیگی کی وجہ سے منافقین میں ہو گیا۔ بعد میں وہ زکوة لے کر آیا۔ مگر حضور ﷺ نے قبول نہیں فرمائی۔ اسی طرح خلفاء راشدین میں سے بھی کسی نے قبول نہیں کی۔ **فائدہ:** حضور ﷺ نے نگاہ نبوت سے دیکھ لیا تھا کہ اس کی حالت نہیں بد لے گی۔ اس لئے اس کی قبولیت تو بہ کیلئے کوئی شرط نہیں رکھی۔

(آیت نمبر ۱۵) اندھے آدمی پر کوئی حرج نہیں ہے۔

فائدہ: جب حدیبیہ سے پیچھے رہ جانے والوں کی مذمت کی گئی تو ان پیچھے رہ جانے والوں میں ضعیف اور معذور لوگ بھی تھے تو ان کو ان سے مستثنیٰ کر دیا کہ اندھا چونکہ جنگ میں نہ حملہ کر سکتا ہے۔ نہ حملہ روک سکتا ہے اور تکلیف شرعی کا دار و مدار استطاعت پر ہے۔ جو استطاعت ہی نہیں رکھتا، اللہ نے اسے معاف رکھا۔

لَقَدْ رَضِيَ اللَّهُ عَنِ الْمُؤْمِنِينَ إِذْ يُبَايِعُونَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ فَعَلِمَ

تحقیق راضی ہو گیا اللہ ایمان والوں سے جب وہ آپ کی بیعت کر رہے تھے نیچے ایک درخت کے۔ جان لیا اللہ نے

مَا فِي قُلُوبِهِمْ فَأَنْزَلَ السَّكِينَةَ عَلَيْهِمْ وَأَثَابَهُمْ فَتْحًا قَرِيبًا ۝ (۱۸)

جو ان کے دلوں میں ہے پس اتاری اللہ نے سکینت ان پر اور انعام دیا انہیں فتح جلدی کا۔

(بقیہ آیت نمبر ۱۷) آگے فرمایا کہ اندھے کی طرح لنگڑے پر بھی نہ جانے میں کوئی حرج نہیں ہے کیونکہ اعرج وہ ہے جس کے پاؤں یا ٹانگ میں ایسا عارضہ ہو کہ جس سے وہ صحیح طریقے سے چل نہ سکے۔ چلے تو لنگڑا ہو کر چلے۔ خواہ اس کا لنگڑا پن پیدائشی ہو۔ یا بعد میں عارضہ لاحق ہو اور نہ ہی مریض پر کوئی حرج ہے۔ یعنی ایسی مرض کہ جس کی وجہ سے اتنا کمزور ہو گیا ہو کہ وہ چل ہی نہ سکتا ہو تو اس کے بھی جنگ میں شریک نہ ہونے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ معذور لوگوں کو جہاد یا مسجد میں باجماعت نماز میں نہ حاضر ہونے کے باوجود نبی کریم ﷺ نے انہیں پورا ثواب ملنے کی خوش خبر سنائی۔

فائدہ: ان مذکورہ تینوں حضرات سے نفی فرما کر عذر کے لحاظ سے رخصت کے دائرہ کو وسیع کر دیا گیا ہے۔ آگے فرمایا کہ جس نے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی مذکورہ اوامیر یا نواہی میں اطاعت کی تو اللہ تعالیٰ اسے ایسے باغات میں داخل فرمائے گا جن میں نہریں جاری ہوں گی۔ سبق: جب تک انسان میں خودی کا تصور ہے اس وقت تک دیدار الہی بھی مشکل ہے۔ آگے فرمایا کہ جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت اور احکام سے منہ پھیرے گا اللہ تعالیٰ اسے انتہائی سخت دردناک عذاب دے گا۔ جس عذاب کا کوئی انداز انہیں لگا سکتا اور وہ نہ ختم ہونے والا عذاب ہے۔ سبق: اللہ تعالیٰ کا دیدار پانے کیلئے ضروری ہے کہ انسان اپنے اندر کو تمام قسم کی کدورتوں سے پاک صاف کر دے۔

(آیت نمبر ۱۸) البتہ تحقیق راضی ہو گیا اللہ تعالیٰ ایمان والوں سے۔ **فائدہ:** بندے کا اللہ تعالیٰ سے راضی ہونے کا مطلب ہے کہ اس کی قضاء و قدر پر خوش ہے اور اللہ تعالیٰ کا بندے سے راضی ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بندے کو اپنے خاص لوگوں میں شامل کر لیا ہے۔ بیعت رضوان اس لئے کہا گیا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے نبی کریم ﷺ سے بیعت اس شرط پر کی کہ جب تک فتح مبین نہیں ہوگی۔ اس وقت تک ہم لڑیں گے۔ یا شہید ہو جائیں گے یہ جنگ بغیر بڑی لڑائی کے لڑی گئی۔ اس لئے اسے فتح مبین کہا گیا۔

وَمَغَانِمَ كَثِيرَةً يَأْخُذُونَهَا وَكَانَ اللَّهُ عَزِيزًا حَكِيمًا ۝۱۹

اور مال غنیمت بہت سارا وہ حاصل کریں گے۔ اور ہے اللہ عزت والا حکمت والا۔

(بقیہ آیت نمبر ۱۸) **فرمان رسول:** اصحاب بیعت رضوان کے تمام افراد جنت میں جائیں گے۔ (مسند الفردوس)۔ اس وقت صحابہ کی تعداد ایک ہزار چار سو تھی۔ جنہوں نے حضور ﷺ کے ہاتھ مبارک پر بیعت کی ان سے اللہ تعالیٰ ہمیشہ کیلئے راضی ہو گیا۔ کہ جب انہوں نے آپ سے درخت کے نیچے بیعت کی۔ اسی لئے ان بیعت کرنے والوں کو اصحاب شجرہ بھی کہا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کے سامنے ان کی بیعت کو فخر سے یاد فرمایا۔

سب سے افضل: بیعت کے بعد حضور ﷺ نے انہیں فرمایا کہ روئے زمین پر سب سے افضل (انبیاء علیہم السلام کے بعد) تم ہی ہو۔ اور اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنی رضا کا شوقیٹ دے دیا۔ (اللہ تعالیٰ کی لعنت ہو ان پر جو ان کے خلاف جکتے ہیں) اللہ تعالیٰ نے تو صحابہ پر سکینت نازل فرمائی۔ (شیعہ حضرات کے خدشات اور جوابات فیوض الرحمن میں دیکھ لیں) تو اللہ تعالیٰ نے جان لیا جو ان کے دلوں میں تھا۔ یعنی رضا کا ترتب علم پر ہے۔ گویا اللہ تعالیٰ کو علم تھا کہ ان کا حضور ﷺ کے ساتھ صدق اور اخلاص تھا۔ ہے (اور رہے گا) کیونکہ انکے دلوں کا حال اللہ تعالیٰ کو ہی معلوم ہے۔ ان کے اخلاص کی ہی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ان پر سکینت نازل فرمائی۔ تاکہ ان کے دل اور زیادہ مربوط اور مضبوط ہوں۔ آگے فرمایا کہ انہیں فتح جلدی کا بدلہ عطا فرمایا۔ اس سے مراد فتح خیبر ہے۔ یا فتح مکہ ہے۔

(آیت نمبر ۱۹) اور بہت زیادہ غنیمتیں جو وہ حاصل کریں گے۔ **فائدہ:** پھر تھوڑے ہی عرصہ کے بعد خیبر کی جنگ میں فتح اور کامیابی بھی اور بے شمار مال غنیمت بھی مسلمانوں کے ہاتھ لگا۔ جس میں بہت ساری زمین اور باغات وغیرہ بھی تھے۔ دیگر مال و دولت بھی بہت تھا جو اصحاب شجرہ میں تقسیم کیا گیا۔ آگے فرمایا کہ ہے اللہ تعالیٰ غالب حکمت والا۔ یعنی جو وہ چاہتا ہے کر گذرتا ہے اور اس کے ہر کام میں اور ہر فیصلے میں بے شمار حکمتیں ہیں۔ وہ اپنی حکمت کے تقاضوں کی رعایت کرنے والا ہے۔ وہم کا ازالہ: بعض لوگ کہتے ہیں۔ کہ فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے اس درخت کو کاٹ دیا۔ جس کے نیچے بیعت رضوان ہوئی۔ حالانکہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم فرماتے ہیں۔ کہ جب ہم آٹھ ہجری کو عمرہ کیلئے گئے۔ تو وہ درخت وہاں موجود نہیں تھا۔ تو جب وہ درخت ہی نہ تھا۔ تو فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے کاٹا کس کو۔ اصل بات یہ ہے۔ کہ لوگوں نے اس کے علاوہ ایک درخت کو دیکھ کر اس سے تبرک حاصل کرنے کیلئے اس کے پاس جاتے تھے تو آپ نے اس وجہ سے اسے کٹوا دیا۔ کہ جب اصل درخت رہا ہی نہیں اور لوگ نقلی درخت کو اصل سمجھ رہے ہیں۔

وَأُخْرَى لَمْ تَقْدِرُوا عَلَيْهَا قَدْ أَحَاطَ اللَّهُ بِهَا ۚ وَكَانَ اللَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرًا ﴿۲۱﴾

اور دوسری کہ نہیں قادر تھے تم اس پر تحقیق گھیر لیا اللہ نے اسے اور ہے اللہ ہر چیز پر قادر (بقیہ آیت نمبر ۲۰) نافرمانی کی سزا: ایک آدمی سرکش سواری پر سوار ہو گیا۔ سواری بھاگنے سے گرا تو وہیں مر گیا۔ **فائدہ:** صبح کے وقت خیبر میں پہنچے۔ لوگ ابھی اپنی زمینوں کی طرف کام کاج کیلئے نکلے تھے۔ کہ مسلمانوں کا لشکر جرار دیکھتے ہی بھاگ کھڑے ہوئے اور قلعوں میں گھس گئے۔

خیبر میں کئی قلعے تھے:

اسی لئے خیبر مکمل فتح کرنے کیلئے کافی وقت لگ گیا۔ ایک ان میں سے سب سے بڑا قلعہ تھا۔ جسے فتح کرنے کیلئے سات دن تک کئی افراد کو بھیجا گیا۔ لیکن فتح نہ ہو سکا۔ بالآخر نبی پاک ﷺ نے فرمایا کل میں جھنڈا ایسے شخص کو دوں گا جس کے ہاتھوں قلعہ فتح ہو جائیگا۔ (اس سے اللہ رسول محبت کرتے ہیں اور وہ اللہ جل شانہ اور اس کے رسول ﷺ سے محبت کرتا ہے) پوری رات لوگ سوچتے رہے۔ کہ وہ کون ہے۔ تو اگلی صبح فرمایا علی کہاں ہیں۔ بتایا گیا کہ آپ کی آنکھیں دکھتی ہیں۔ آپ نے انہیں بلا کر اپنا العاب دھن مبارک لگایا تو ان کی آنکھیں بالکل ٹھیک ہو گئیں۔ تو انہیں حضور ﷺ نے جھنڈا بھی دیا۔ اور چند نصیحتوں کے ساتھ روانہ کیا۔

فتح خیبر علی: المختصر وہ قلعہ حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کے ہاتھوں فتح ہو گیا۔ اس کے بعد ان کے کئی اور بھی قلعے تھے سب فتح ہوئے۔ دو قلعہ والوں نے جزیہ کے بدلے صلح کر لی۔ (باقی تفصیلات فیوض الرحمن میں دیکھ لیں)۔ **فائدہ:** خیبر قلعے کا بڑا دروازہ مولیٰ علی نے ایک ہی دھکے سے گرا بھی لیا۔ اور اسے پوری جنگ میں ایک ہاتھ میں اٹھا بھی رکھا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم فرماتے ہیں۔ کہ جنگ کے بعد ہم چالیس آدمیوں نے آٹھانا چاہا مگر اسے ہلا بھی نہ سکے۔

(آیت نمبر ۲۱) تمہارے لئے فتوحات اور غنیمتیں اور بھی ہیں۔ جن پر ابھی تم قابض نہیں ہوئے۔ **فائدہ:** اس سے جنگ حنین و ہوازن سے ملنے والی غنیمتیں مراد ہیں۔ جو فتوحات فتح مکہ کے بعد حاصل ہوئیں۔ آگے فرمایا۔ تحقیق اللہ تعالیٰ نے انہیں گھیر لیا۔ اس کا ایک معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے غنیمتیں مسلمانوں کیلئے محفوظ رکھیں اور انہیں اسلام کے غالب ہونے تک ان فتوحات کو روک رکھا۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بھی یہی معنی کیا۔ آگے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے کیوں کہ اس کی قدرت ذاتی ہے۔ اور اتنی بڑی فتوحات اس کی عطا کردہ قوت سے حاصل ہوئیں۔

وَلَوْ قَتَلَكُمُ الَّذِينَ كَفَرُوا لَوَلَّوْا الْأَدْبَارَ ثُمَّ لَا يَجِدُونَ وَلِيًّا وَلَا نَصِيرًا ۝۲۲

اور اگر لڑیں تم سے کافر تو ضرور مڑ جائیں گے پیٹھ پھیر کر۔ پھر نہ پائیں گے کوئی حمایتی اور نہ مددگار

(آیت نمبر ۲۲) اگر تمہارے ساتھ کفار مکہ جنگ کرتے اور صلح نہ ہوئی ہوتی تو پیٹھ دے کر بھاگ جاتے۔ یعنی جنگ کے بغیر بھی بری طرح شکست کھا جاتے۔ پھر اپنا نہ حمایتی پاتے اور نہ مددگار۔

غزوہ حنین کے اسباب: فتح مکہ سے فارغ ہونے کے بعد جب تمام قبائل نے اطاعت قبول کر لی تو ہوازن اور حنین اور ثقیف والے چونکہ پیدائشی باغی اور سرکش تھے۔ انہوں نے بغاوت کر دی۔ اور اطاعت قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ حضور ﷺ نے سن کر فرمایا چلو یہ غنیمت کل مسلمانوں کو ملے گی۔ لہذا اگلے دن بارہ ہزار کا لشکر لیکر آپ ہوازن کی طرف چل پڑے۔ راستے میں حنین پڑتا تھا وہ لوگ چھپ کر تاک میں بیٹھے تھے۔ اس وقت اندھیرا بھی تھا تو حنین والوں نے مسلمانوں پر تیر چلانے شروع کر دیئے چونکہ ایک تورات کا اندھیرا۔ دوسرا دشمن چھپے بیٹھے تھے۔ اور مسلمان تیاری میں بھی نہ تھے اور وہ (حرام زادے غضب کے تیر انداز بھی تھے) مسلمان سخت گھبرائے اور پیچھے کی طرف دوڑ گئے۔ نبی ﷺ بمعہ چند حضرات کے ایک اوٹ میں کھڑے ہوئے اور حضرت عباس رضی اللہ عنہما کو فرمایا۔ لوگوں کو واپس بلاؤ ان کی آواز بلند تھی۔ انہوں نے یوں پکارا۔ اے مہاجرین۔ اے انصار۔ اے حدیبیہ والو تمہیں اللہ کے رسول بلا تے ہیں تو حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی آواز پر لبیک کہتے ہوئے پھر لشکر اسلام جمع ہو گیا۔ پھر جنگ شروع ہوئی تو حضور ﷺ نے گھوڑے سے نیچے اتر کر مٹھی بھر مٹی لی۔ جس میں سنگریزے بھی تھے۔ وہ دشمنوں کی طرف پھینکی اور فرمایا۔ (شامت الوجوه ولا یمنصرون) پھر فرمایا (الہزموا و رب محمد) تو کفار شکست کھا کر بھاگ پڑے۔ پھر مسلمانوں نے پیچھا کیا اور بہت بڑی تعداد ان کی قتل ہوئی اور جو بچے وہ قید ہوئے۔ کچھ ان میں سے اوٹاس میں گئے۔ وہاں کے کافروں کو اکٹھا کرنا شروع کر دیا۔ فائدہ: نبی کریم ﷺ خالد بن ولید کی بیمار پرسی کرنے گئے تو ان کے پاؤں پر بہت سخت زخم آیا تھا۔ ان کو سخت تکلیف تھی۔ لعاب دھن سے فوراً صحیح ہو گئے۔ اس کے بعد حنین سے ملنے والا مال بھی بہت زیادہ تھا۔ آپ نے مکہ کے نئے ہونے والے مسلمانوں میں وہ تقسیم فرما دیا۔

عمرہ کی ادائیگی: تیرہ دن ہجرانہ میں رہنے کے بعد عمرہ کا وہاں سے ہی احرام باندھا اور ارشاد فرمایا۔ ہجرانہ سے ستر نبیوں نے عمرہ کا احرام باندھا۔ معلوم ہوا کہ ہجرانہ بہت پرانا میقات ہے اور حضور ﷺ نے ہجرت کے بعد چار عمرے ادا فرمائے۔ اور چاروں شوال کے مہینے میں ادا فرمائے۔

سُنَّةَ اللَّهِ الَّتِي قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلُ ۚ وَلَنْ تَجْدَ لِسُنَّةِ اللَّهِ تَبْدِيلًا ۝ (۳۳)

دستور ہے اللہ کا تحقیق چلا آ رہا ہے پہلے سے۔ اور ہرگز نہیں تو پائے گا دستور الہی میں تبدیلی۔

وَهُوَ الَّذِي كَفَّ أَيْدِيَهُمْ عَنْكُمْ وَأَيْدِيَكُمْ عَنْهُمْ بِبَطْنِ مَكَّةَ مِنْ بَعْدِ

اور وہی ہے جس نے روک دیئے ان کے ہاتھ تم سے اور تمہارے ہاتھ ان سے وادیء مکہ میں۔ بعد

أَنْ أَظْفَرَكُمْ عَلَيْهِمْ ۚ وَكَانَ اللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرًا ۝ (۳۴)

اس کے کہ تمہیں قابو دے دیا ان پر۔ اور ہے اللہ تمہارے کام دیکھنے والا۔

(آیت نمبر ۲۳) اللہ تعالیٰ کا طریقہ ہے۔ جو شروع سے چلا آ رہا ہے کہ وہ اپنے انبیاء کو دشمنوں پر غلبہ عطا فرماتا

ہے اور تم اللہ تعالیٰ کے طریقے میں ہرگز تبدیلی نہیں پاؤ گے۔

فائدہ: یعنی جو کچھ ازل میں مقرر ہو گیا۔ اس کے خلاف ہونا محال ہے۔ اللہ تعالیٰ کی تقدیر اٹل ہے۔ اس میں

تغیر و تبدل نہیں ہے۔ **سبق:** اللہ تعالیٰ کا طریقہ ہے کہ اپنے اولیاء کی مدد فرماتا ہے۔ ان کی صفائی اعمال کے باوجود

لوگ ان کو حقارت سے دیکھتے ہیں۔ تاکہ ان کے درجات بلند ہوں اور اللہ تعالیٰ برے اخلاق سے ان کے نفوس کو پاک

وصاف رکھتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے نیک بندے خوش اخلاق، نیک نیت اور پرہیزگار ہوتے ہیں۔

(آیت نمبر ۲۴) اللہ تعالیٰ وہ ہے جس نے کفار کے ہاتھ تم سے روکے۔ حالانکہ وہ تعداد میں بھی زیادہ تھے اور تم

اس وقت کم بھی تھے اور ان کے شہر میں بھی تھے۔ آگے فرمایا اور تمہارے ہاتھ ان سے روکے۔ مکہ کے داخلی راستے پر

جب انہوں نے تم پر حملہ کر دیا، اس کے بعد کہ تم فتح مند ہو چکے تھے ان پر۔

قصہ: عکرمہ بن ابوجہل پانچ سو کا لشکر لیکر حدیبیہ کی طرف چل پڑا۔ اس کے مقابلہ میں نبی کریم ﷺ نے

ایک لشکر عباد بن بشر کو دیکر روانہ فرمایا۔ تو عکرمہ کا لشکر ان کا مقابلہ نہ کر سکا اور شکست کھا کر بھاگ گیا۔ اس جنگ میں

دونوں طرف سے پتھر مارے گئے کافر بھاگ گئے۔ (طبرانی) یا اس سے مراد وہ اسی کفار تھے جو تنعیم کے راستے

مسلمانوں پر حملہ کرنے کی غرض سے ایک جگہ چھپے ہوئے تھے۔ لیکن مسلمانوں نے ان کو پکڑ لیا تھا۔ پھر حضور ﷺ کے

حکم پر انہیں چھوڑ دیا۔ اس لئے کہ وہ جگہ حرم میں ہے۔

آگے فرمایا۔ اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال کو دیکھتا ہے۔ یعنی تمہارا جنگ کرنا۔ کفار کو شکست دینا اور میرے رسول ﷺ کی اطاعت کرنا وغیرہ سب کچھ دیکھ رہا ہے۔ فائدہ: بعض علماء نے فرمایا۔ ان آیات سے مراد فتح مکہ ہے۔

فتح مکہ کا مختصر قصہ:

فتح مکہ ۸ ہجری رمضان میں ہوا۔ صلح حدیبیہ سے جو امن قائم ہوا۔ اسے اہل مکہ زیادہ دیر قائم نہ رکھ سکے۔ اس عہد کی خلاف ورزی کر دی۔ بنی بکر کے ایک شخص نے حضور ﷺ کے متعلق شعروں میں بکواس لکھ کر ہر طرف جا کر لوگوں کو سنانے لگا۔ بنی خزاعہ کے اکثر لوگ مسلمان تھے۔ ان کے ایک غلام عاشق رسول نے اس کی پٹائی کر دی۔ جس پر دونوں قبیلوں میں خوب لڑائی اور فساد ہوا۔ بنی بکر کے لوگوں نے رات کو بنی خزاعہ پر حملہ کر دیا۔ بہت نوجوانوں کو قتل کر دیا۔ ابوسفیان رئیس قریش اس واقعہ سے بے خبر تھے۔ انہوں نے بتایا کہ میری بیوی نے خواب میں بہت بڑا خون کا سیلاب دیکھا۔ ابوسفیان نے کہا حضرت محمد ﷺ ہم سے ضرور جنگ کریں گے۔ لیکن قریش جنگ کی پوزیشن میں نہ تھے۔ عمر بن سالم خزاعی نے مدینہ شریف میں جا کر حضور ﷺ کو حالات سے باخبر کر دیا تو آپ ﷺ نے فرمایا تم کامیاب ہو گئے۔ اور فرمایا۔ بنو خزاعہ مجھ سے اور میں ان سے ہوں۔

قریش پشیمان ہو گئے: مذکورہ واقعہ بہت بڑی عہد شکنی تھی۔ کفار مکہ کو ندامت ہوئی اور یہ بھی دیکھ رہے تھے کہ مسلمانوں نے چاروں طرف سے ہمارا گھیرا جنگ کر دیا۔ اب ہماری بھی خیر نہیں ہے۔ انہوں نے ابوسفیان کو بھیجا تا کہ وہ نبی کریم ﷺ سے معاہدہ کو مضبوط کریں اور مزید کچھ مدت دیں۔ لیکن حضور ﷺ نے انکار کر دیا۔ اس کے بعد آپ نے صحابہ رضی اللہ عنہم سے مشورہ کیا اور فتح مکہ کیلئے تیاری شروع کر دی اور گردنواح کے تمام مسلمانوں کو جمع ہونیکا حکم دیدیا۔ دس ہجری ماہ رمضان میں دس ہزار کاشکر لیکر مدینہ شریف سے نکل پڑے۔ کدید کے مقام سے سب کو روزہ رکھنے سے منع فرما دیا۔ جھہ کے مقام پر حضرت عباس رضی اللہ عنہما سے ملاقات ہوئی۔ ان سے فرمایا۔ سامان اور اہل و عیال مدینہ میں بھیج دو تم آخر الحجرت ہو۔ مراظر ان میں ابوسفیان بھی وہاں آ گئے۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہما انہیں لیکر حضور ﷺ کی بارگاہ میں آ گئے۔ اور انہیں کہا کہ کلمہ پڑھ لے ورنہ تیری خیر نہیں۔ تو انہوں نے اسی وقت کلمہ پڑھ لیا اور مسلمان ہو گئے اور عرض کی اگر قریش لڑائی نہ کریں تو کیا امان ہے۔ فرمایا جو ہم سے نہ لڑے جو گھر میں بیٹھ رہے جو تیرے گھر میں آجائے جو مسجد حرام میں آجائے سب کیلئے امان ہے۔ چونکہ امان والے بہت زیادہ تھے۔ کسی ایک جگہ جمع نہیں ہو سکتے تھے۔ اس لئے ان کے کئی مقام مقرر فرما دیئے۔ (مزید فتح مکہ کی تفصیلات فیوض الرحمن میں دیکھ لیں)۔

هُمُ الَّذِينَ كَفَرُوا وَصَدُّوكُمْ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَالْهَدْيِ

وہی ہیں جنہوں نے کفر کیا اور روکا تمہیں مسجد حرام سے اور قربانی کے جانور

مَعَكُمْ أَنْ يَبْلُغَ مَحِلَّهُ، وَلَوْلَا رِجَالُ مُؤْمِنُونَ وَنِسَاءُ مُؤْمِنَاتٍ

رکے رہے کہ پہنچتے قربان گاہ میں۔ اور اگر نہ ہوتا کہ کچھ مسلمان مرد اور مومنہ عورتیں

لَمْ تَعْلَمُوهُمْ أَنْ تَطُؤُوهُمْ فَتُصِيبَكُمْ مِنْهُمْ مَعَرَّةٌ بِغَيْرِ عِلْمٍ

جن کی نہیں خبر تھی تمہیں کہ تم روند ڈالو انہیں تو پہنچتی تمہیں ان سے مکروہ بات لاعلمی میں۔

لِيُدْخِلَ اللَّهُ فِي رَحْمَتِهِ مَنْ يَشَاءُ ۚ لَوْ تَزَيَّلُوا لَعَذَّبْنَا الَّذِينَ

کہ داخل کرے اللہ اپنی رحمت میں جسے چاہے۔ اگر وہ جدا ہو جاتے تو ہم ضرور عذاب دیتے

كَفَرُوا مِنْهُمْ عَذَابًا أَلِيمًا ﴿۲۵﴾

کافروں کو ان میں سے عذاب دردناک۔

(آیت نمبر ۲۵) یہ وہی کفار مکہ ہیں۔ جنہوں نے تمہیں مسجد حرام سے روکا یعنی تمہیں عمرہ نہیں کرنے دیا۔ اور نہ یہاں قربانی کرنے دی کہ وہ قربان گاہ تک پہنچ جائے۔ حضور ﷺ اپنے ساتھ ستر اونٹ لیکر آئے تھے۔ انہیں منی میں ذبح کرنا تھا۔ لیکن کفار نے اس کی اجازت نہ دی۔ تو وہ وہیں پر ذبح کر دیئے۔

کفار تین وجہ سے سزا کے مستحق ہوئے: (۱) کفر۔ (۲) عہد شکنی۔ (۳) مسلمانوں کو عمرہ اور قربانی سے روکنا۔ ان کی سزا تو قتل ہی تھی۔ مگر نبی کریم ﷺ نے حرم میں خون خرابا پسند نہیں فرمایا۔ محل وہ جگہ جہاں قربانی کی جاتی ہے۔ فائدہ: حضور ﷺ کے خیمے حل میں تھے اور مصلی حرم میں۔ آگے فرمایا۔ اگر نہ ہوتے مسلمان مرد اور عورتیں جنہیں تم نہیں جانتے اس لئے کہ وہ کافروں کے پاس رہتے ہیں مکہ مکرمہ میں جن کی تعداد تقریباً بہتر تھی۔ ایمان دل میں چھپا رکھا تھا۔ یعنی اگر جنگ کی اجازت ہوتی تو تم ان کا بھی رگڑا نکال دیتے کیونکہ تم انہیں جانتے ہی نہ تھے۔ پھر تمہیں اس سے ناگواری ہوتی۔ یعنی افسوس ہوتا اور کافر بھی تمہیں عار دلاتے کہ انہوں نے اپنے ہی بھائی مار دیئے اور تم پر ان کا کفارہ دینا بھی لازم ہوتا۔ اگرچہ تم نے بے علمی سے کام کیا ہوتا۔

اِذْ جَعَلَ الَّذِينَ كَفَرُوا فِي قُلُوبِهِمُ الْحَمِيَّةَ الْحَمِيَّةَ الْجَاهِلِيَّةَ

جب رکھی کافروں نے اپنے دلوں میں اڑ (ضد) اڑ جاہلیت والی ۔

فَاَنْزَلَ اللَّهُ سَكِينَتَهُ عَلَى رَسُولِهِ وَعَلَى الْمُؤْمِنِينَ وَالْزَمَهُمْ كَلِمَةَ

پھر اتاری اللہ نے سکینت اپنے رسول پر اور مومنوں پر اور لازم کر دیا ان پر کلمہ

التَّقْوَى وَكَانُوا أَحَقَّ بِهَا وَأَهْلَهَا وَكَانَ اللَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمًا ﴿۳۶﴾

تقوے کا۔ اور تھے زیادہ حق دار اس کے اور اس کے اہل تھے۔ اور ہے اللہ ہر چیز کو جاننے والا۔

(بقیہ آیت نمبر ۲۵) فائدہ: اب ایک طرف اللہ تعالیٰ کا کفار مکہ پر غضب بھی تھا۔ دوسری طرف اہل ایمان کو بچانا بھی تھا۔ آگے فرمایا۔ تاکہ اللہ تعالیٰ اپنی رحمت میں داخل فرمائے جسے چاہے۔ اگر دونوں فریق جدا جدا ہوتے تو ہم عذاب دیتے ان میں سے کافروں کو دردناک۔ یعنی سب کفار کو قتل کرتے اور بچوں کو قید کر کے غلام بناتے ہمارے حکم سے۔ فائدہ: امام باقر علیہ السلام فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کس قدر مومنوں پر مہربان ہے کہ ان کی وجہ سے کافروں کو بھی عذاب سے بچالیا۔ (بداں راہ نیکاں بہ بخشد کریم) اللہ تعالیٰ نیکوں کے طفیل بروں کو بھی بخش دیتا ہے۔

(آیت نمبر ۲۶) وہ وقت یاد کریں کہ جب مکہ کے کفار نے اپنے دلوں میں تکبر اور نفرت کی۔ یعنی بعثت مبارکہ کے ابتدائی دور میں ان کی وہ جاہلیت والی حمیت۔ یعنی رسالت کا انکار اور اللہ کے نام سے سخت تکلیف تھی۔ یا مسلمانوں کے مکہ مکرمہ میں رہنے اور عمرہ کیلئے واپس آنے پر اعتراض تھا اور تکبر سے کہا کہ اگر مسلمان یوں ہی داخل ہو جائیں تو ہم پر افسوس ہے۔ ہم انہیں زندگی بھر داخل نہیں ہونے دیں گے۔ یعنی ایسی جاہلیت کی حمیت ان میں گھسی ہوئی تھی تو اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ اور مومنوں پر کرم کیا کہ ان پر سکینت نازل فرمادی کہ کفار خود ہی صلح پر آمادہ ہو گئے۔ (اس میں بھی مسلمانوں کی فتح تھی)۔ آگے فرمایا۔ کہ اللہ تعالیٰ نے ان پر لازم کر دیا کلمہ تقویٰ کا۔ یعنی کلمہ شہادت جو تقوے کا سبب ہے۔ فائدہ: حسن بصری علیہ السلام فرماتے ہیں۔ کلمہ تقویٰ سے مراد وعدے کی وفاء ہے۔ جس کو ایمان والوں نے پورا کیا اور مشرکوں نے توڑ دیا۔ اور مسلمان اسی کے زیادہ مستحق تھے اور اس کے اہل تھے۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے یہ کلمہ ان کیلئے ہی مخصوص کیا تھا۔ یا انہیں اس کلمہ کیلئے مخصوص کیا تھا۔ آگے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز کو جاننے والا ہے۔

204

هُوَ الَّذِي أَرْسَلَ رَسُولَهُ بِالْهُدَىٰ وَدِينِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهُ

وہی ہے جس نے بھیجا اپنے رسول کو ہدایت کے ساتھ اور دین حق کے ساتھ۔ تاکہ غالب کرے

عَلَى الدِّينِ كُلِّهِ ۚ وَكَفَىٰ بِاللَّهِ شَهِيدًا ۝ (۲۸)

اس کو تمام دینوں پر۔ اور کافی ہے اللہ گواہ۔

(بقیہ آیت نمبر ۲۷) فائدہ: اس خواب میں ایمان والوں اور منافقین کا امتحان تھا۔ (اور اس کے بعد فتوحات کا سلسلہ ایسا شروع ہوا کہ میں سہال تک بڑھتا اور اسلامی ملک پھیلتا ہی چلا گیا)۔ اور مسلمان قوت پکڑتے گئے یہ سب اس مبارک خواب کا کرشمہ ہے۔ اور بہت بڑی فتح ہے۔

(آیت نمبر ۲۸) اللہ تعالیٰ کی وہ ذات ہے کہ جس نے اپنے رسول کو اپنے فضل و کرم سے بھیجا۔ اس جیسا کوئی رسول نہیں اور اسے ہدایت اور دین حق کے ساتھ بھیجا۔ ہدایت سے مراد کلمہ توحید اور دین حق سے مراد یہ ہے کہ جو سارے دینوں کو منسوخ اور انہیں باطل کر کے سب دینوں پر غالب آ جائے۔ یعنی ہر طرف مسلمانوں کا ہی غلبہ ہو جائے اور ہر ملک میں اسلام کا جھنڈا لہرائے۔ چنانچہ یہ وعدہ الہی بھی پورا ہوا۔

آگے فرمایا۔ کافی ہے اللہ تعالیٰ اس پر گواہ۔ اپنے رسول کی نبوت پر سب سے بڑی گواہی یہی ہے۔ کفار اس کو رسول مانیں یا نہ مانیں۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ کی رسالت کا اعلان کر دیا۔ اور پوری دنیا میں یہ اعلان پہنچ گیا۔

صلح کی ایک عجیب شرط: کفار نے صلح حدیبیہ کی شرائط میں ایک یہ شرط لگائی۔ کہ کوئی کافر مسلمان ہونے تمہارے پاس جائیگا۔ تو تمہیں واپس کرنا پڑے گا۔ اور کوئی مسلمان (معاذ اللہ) مرتد ہو کر ہمارے ہاں آئے گا۔ تو ہم اسے واپس نہیں کریں گے تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا۔ یہ شرط بھی ہمیں منظور ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بڑے پریشان ہوئے۔ کہ یہ کیسی شرط ہے۔ حضور ﷺ نے انہیں بتایا کہ تم نہیں سمجھے۔ دیکھو جو بندہ مسلمان ہوگا۔ اسے ہم واپس مکہ مکرمہ بھیجیں گے۔ وہ یہاں آ کر اوروں کو بھی مسلمانی کیلئے تیار کرے گا۔ اور مسلمان پہلی بات تو یہ ہے کہ کوئی اسلام سے پھرے گا ہی نہیں۔ اور اگر خدا نخواستہ کوئی اسلام سے پھرا۔ تو ہم نے ایسا گندا انڈا ضرور اپنے پاس رکھنا ہے۔ کہ باقیوں کو بھی خراب کرے، اسے ہم باقی گندے انڈوں میں ڈال دیں گے۔ اور دوسری خاص بات یہ ہے۔ کہ انہوں نے مردوں کا کہا۔ عورتوں کا نہیں کہا۔ وہ اللہ نے ان کے ذہنوں سے ہی نکال دیا۔ اگر عورت مسلمان ہونے آئے گی۔ تو ہم واپس نہیں کریں گے۔

مُحَمَّدٌ رَسُولُ اللَّهِ ۚ وَالَّذِينَ مَعَهُ أَشِدَّاءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَاءُ بَيْنَهُمْ تَرَاهُمْ

محمد رسول ہیں اللہ کے اور ان کے ساتھی سخت ہیں کافروں پر اور مہربان ہیں آپس میں۔ تو دیکھے گا انہیں

رُكَّعًا سُجَّدًا يَبْتَغُونَ فَضْلًا مِّنَ اللَّهِ وَرِضْوَانًا سِيمَاهُمْ فِي وُجُوهِهِمْ

رکوع سجدہ کرتے چاہتے ہیں فضل اللہ کا اور اس کی رضا۔ نشانی ان کی ان کے چہروں میں ہے

مِّنْ أَثَرِ السُّجُودِ ۚ ذَٰلِكَ مَثَلُهُمْ فِي التَّوْرَةِ ۚ وَمِثْلُهُمْ فِي الْإِنْجِيلِ ۚ

سجدوں کے نشان سے یہ ان کی صفت توراۃ میں ہے اور یہی ان کی صفت انجیل میں ہے۔

كَزَّرَعٍ أُخْرِجَ شَطْنُهُ فَأَزْرَهُ فَاسْتَفَلَطَ فَاسْتَوَىٰ عَلَىٰ سَوْقِهِ يُعْجَبُ

جیسے کھیتی نے نکالا اپنا پٹھا پھر طاقت دی اسے پھر موٹی ہوئی پھر سیدھی کھڑی ہوئی اپنی پنڈلی پر۔ بھلی معلوم ہوتی ہے

الزُّرَّاعَ لِيَفِيْظَ بِهِمُ الْكُفَّارَ ۚ وَعَدَ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ

کسانوں کو تاکہ دل جلیں ان سے کفار کے وعدہ کیا اللہ نے ان سے جو ایمان لائے اور عمل کئے نیک

مِنْهُمْ مَّغْفِرَةً وَ أَجْرًا عَظِيمًا ۝ (۲۹)

ان سے بخشش اور ثواب بڑا

(آیت نمبر ۲۹) ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا۔ اللہ تعالیٰ نے یہ گواہی دی (محمد رسول اللہ) محمد ﷺ اللہ تعالیٰ کے

رسول ہیں اور وہی دین حق بھی ہیں۔

عظمت مصطفیٰ ﷺ: علامہ حقی مرحوم نے تلخیص الاذہان کے حوالے سے لکھا کہ اللہ تعالیٰ نے محمد ﷺ کو بتایا

کہ میں نے تمام موجودات تیرے لئے بنائے۔ یہاں تک کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ کائنات کی ہر چیز جانتی ہے کہ میں

اللہ تعالیٰ کا رسول ہوں۔ سوائے سرکش جنوں اور انسانوں کے۔ یعنی ہر چیز میری رسالت کی گواہی دے گی۔ حتیٰ کہ

جانوروں، درختوں اور پتھروں نے یہ کلمہ پڑھا۔ اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور حضور ﷺ کی رسالت پر گواہی دی۔ باقی

ماننا یا نہ ماننا یہ نصیب کی بات ہے۔

اہل سنت کا عقیدہ ہے کہ حضور ﷺ ازل سے نبی ہیں۔ بے شک دنیوی زندگی میں چالیس سال کے بعد اعلان نبوت فرمایا ہے۔ لیکن نبوت ازل ہی ہے اس لئے کہ حضور ﷺ نے خود فرمایا۔ میں اس وقت نبی تھا۔ جب آدم کا پتلہ تیار ہو رہا تھا۔ میں اللہ کے نور سے ہوں اور سب ایمان والے میرے نور کے فیض سے ہیں۔ (ترمذی شریف)

دو نام ذاتی ہیں: حضور ﷺ نے فرمایا۔ میں محمد بھی ہوں اور احمد بھی ہوں (خصائص کبریٰ)۔ محمد کا معنی زمین و آسمانوں میں بہت سے زیادہ تعریف کیا ہوا۔ احمد کا معنی بہت تعریف کرنے والا۔ ایک حدیث میں ہے۔ میرا نام آسمانوں میں احمد زمینوں میں محمد ہے۔ (احمد۔ قیام۔ رکوع۔ سجدہ اور قعدہ کا نقشہ اور محمد پورے سجدہ کا نقشہ ہے)۔

میلادِ کرنا در حقیقت حضور ﷺ کی تعظیم کرنا ہے۔ (امام سیوطی)۔ آگے فرمایا۔ وہ لوگ جو حضور ﷺ کے ساتھی ہیں۔ کافروں پر سخت ہیں اور آپس میں بہت ہی مہربان ہیں۔ لیکن دین کے معاملے میں انتہائی سخت ہیں کہ دین کے خلاف وہ کوئی بات برداشت نہیں کرتے۔ دوسرے مقام پر فرمایا۔ مومنوں کیلئے نرم اور کافروں پر غالب ہیں۔ کفار سے سختی کا یہ عالم کہ اپنے کپڑوں کو کفار کے کپڑوں سے مس نہیں ہونے دیتے۔ (آج کیسے مسلمان ہیں جو انہیں گلے لگاتے ہیں)۔

آگے فرمایا۔ تم جب بھی دیکھو گے تو ان کو رکوع اور سجدہ ہی کرتے دیکھو گے۔ یہی نماز پر قیام اور دوام ہوگا۔ عبادت اور اطاعت میں اپنے اللہ جل شانہ کا فضل وہ تلاش کرتے ہیں اور ثواب کے طالب ہیں اور فرمایا۔ ان کی نشانی یہ ہے کہ ان کے چہرے سجدوں کے اثر سے چمکتے ہیں۔ اس سے مراد چہروں کا روشن ہونا ہے۔ ماتھے کو کالا کرنا نہیں۔

حدیث شریف: حضور ﷺ نے فرمایا۔ جن کے رات کے وقت سجدے زیادہ ان کے چہرے دن کے وقت نورانی ہوتے ہیں۔ ایک اور حدیث میں فرمایا کہ اللہ تعالیٰ انہیں یہ نور عطا فرماتا ہے۔ (مجموعۃ التفاسیر)

آگے فرمایا۔ یہ ان کی صفاتِ تورات اور انجیل میں ہیں۔ یعنی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور اولیاء کرام رضی اللہ عنہم کی شان اللہ تعالیٰ نے پہلی امتوں کو بتائی۔ تاکہ انہیں امت محمدیہ کی شان معلوم ہو۔ جیسے کھیتی میں پودے نکلیں اور ان کی شاخیں اور ٹہنیاں مضبوط ہوں اور خوب موٹی ہوں اور وہ جڑیں اور پودا اپنی پنڈلی پر کھڑا ہو تو زمیندار خوش ہوتے ہیں۔ یہ مثال صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کیلئے بیان فرمائی جو ابتداء میں بہت تھوڑے تھے۔ پھر وہ مضبوط اور مستحکم ہوتے گئے اور بڑھتے ہی چلے گئے۔ جیسے زمین دار اپنے فصل کو دیکھ کر خوش ہوتا ہے۔ اسی طرح اسلام کے پودے پھلتے پھولتے دیکھ کر اللہ تعالیٰ بھی خوش اور اس کے رسول بھی خوش ہوئے۔ آگے فرمایا کہ اس سے کفار کو سخت غیظ و غضب جیسے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے

مسلمان ہونے پر انہیں بہت زیادہ غصہ آیا۔ (حقیقت میں اسی دن کفار کی کمر ٹوٹ گئی۔ جس دن حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اسلام کو قبول کیا)۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی عظمت: حضور ﷺ نے فرمایا۔ میری امت میں سب سے بڑا رحمدل ابو بکر۔ سب سے بڑا دین خدا میں سخت عمر فاروق اور حیا میں سچا عثمان غنی۔ اعلیٰ فیصلے والا علی المرتضیٰ۔ بڑا قاری ابی بن کعب۔ علم میراث میں ماہر زید بن ثابت۔ حلال و حرام کو سمجھنے والا معاذ بن جبل۔ سچی گفتگو والا ابو ذر اور امت کا امین ابو عبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہم ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے تمام صحابہ کے گناہ معاف کرنے اور بڑے درجے دینے کا وعدہ فرمایا۔ ان کی نجات اور کامیابی کا وعدہ کیا ہے۔ ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ غار اور مزار کے ساتھی بنے اور حضرت عمر فاروق نے اسلام کو دار ارقم سے نکال کر کعبہ میں پہنچایا۔ عثمان غنی رضی اللہ عنہ جیسا رقیق، رحیم بہت بڑے حیا والے اور علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ داماد مصطفیٰ، خاوند زہراء تاجدار ہل اتی، درخبر اکھاڑنے والے ان کا مقابلہ کون کر سکتا ہے۔ **حدیث شریف:** حضور ﷺ نے فرمایا۔ میرے صحابہ کو گال مت دینا۔ جو بھی میرے کسی صحابہ کو گال دے گا۔ اس پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہے۔ اگر تم میں کوئی احد پہاڑ کے برابر سونا خرچ کرے۔ وہ کسی صحابی کے نصف صاع گندم جو اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کی۔ اس کے برابر نہیں ہے۔ یعنی وہ فضیلت اور درجہ نہیں پاسکتا۔ **حدیث:** میرے صحابہ کے بارے میں اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو۔ انہیں میرے بعد نشانہ نہ بنانا۔ جو ان سے محبت کرے گا۔ وہ میری محبت کی وجہ سے ان سے محبت کرے گا۔ اور جو ان سے بغض کرے گا۔ وہ میرے ساتھ بغض رکھ کر ان سے بغض کرے گا۔ جس نے انہیں تکلیف دی اس نے مجھے اذیت پہنچائی۔ اور جس نے مجھے اذیت دی اس نے حقیقت میں اللہ تعالیٰ کو اذیت دی۔ ایسے شخص کو اللہ تعالیٰ عذاب میں پکڑے گا۔

آگے فرمایا۔ ان میں سے جو ایمان لائے اور عمل صالح کئے ان سے اللہ تعالیٰ نے بخشش اور بڑے اجر کا وعدہ فرمایا ہے۔ مومن دنیا میں بھی عزت پا گیا اور آخرت میں بھی عزت پائے گا۔ ان شاء اللہ۔ کافر دنیا میں بھی غیظ و غضب کی آگ میں جلتا رہا اور آخرت میں جہنم کی آگ میں جلے گا۔ بلکہ اہل ایمان کے مراتب دیکھ کر اور بھی جلیں گے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی عظمت کے جو قائل نہیں۔ انہیں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر جلن ہے وہ بھی اپنا ٹھکانہ سوچ لیں۔ جو صبح و شام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم خصوصاً خلفاء ثلاثہ پر طعن و تشنیع کرتے اور طرح طرح کے بکواسات کرتے ہیں۔ یہ بھی نہیں دیکھتے کہ اس وقت وہ ریاض الحجۃ میں یا جنت البقیع میں آرام فرما ہیں۔

اختتام سورۃ فتح: مورخہ ۲۹ جنوری ۲۰۱۷ء بمطابق یکم جمادی الاول بروز اتوار

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَقْدِمُوا بَيْنَ يَدَيِ اللَّهِ وَرَسُولِهِ وَاتَّقُوا اللَّهَ

اے ایمان والو نہ آگے بڑھو اللہ اور اس کے رسول سے اور ڈرو اللہ سے ۔

إِنَّ اللَّهَ سَمِيعٌ عَلِيمٌ ①

بے شک اللہ سننے جاننے والا ہے۔

(آیت نمبر ۱) اے ایمان والو کسی معاملے میں اللہ اور اس کے رسول سے آگے نہ بڑھو یعنی ہر کام میں اپنے رسول ﷺ سے پیچھے رہا کرو۔ تاکہ پوری طرح اتباع ہو۔ (خواہ دینی معاملات ہوں یا دنیوی میرے نبی کے پیچھے پیچھے رہو)۔ اس سورت میں اللہ تعالیٰ نے لوگوں کو نبی کا ادب سکھایا ہے کیونکہ نبی کا ادب ایمان ہے اور بے ادبی کفر ہے۔

شان نزول : کچھ لوگوں نے نماز عید سے پہلے قربانی کر دی تو نبی کریم ﷺ نے دوبارہ قربانی کا حکم دیا۔ یہی احناف کی دلیل ہے۔ آگے فرمایا۔ تمام کاموں میں اللہ تعالیٰ سے ڈرو۔ جو کام کرنے کے لائق ہیں وہ کرو۔ اور جن سے بچنا چاہئے ان سے بچو۔ بے شک اللہ تعالیٰ سننے جاننے والا ہے۔ اس لئے حق بنتا ہے کہ اس سے ڈرا جائے یعنی اس کے تمام احکام کی تعمیل پابندی کے ساتھ کی جائے۔ **فائدہ** : اس آیت میں اللہ تعالیٰ کا نام تعظیماً لیا گیا ہے اور بتایا گیا کہ رسول کے آگے چلنا گویا اللہ تعالیٰ کے آگے چلنا ہے۔ (یعنی رسول ﷺ کی بے ادبی حقیقت میں اللہ تعالیٰ کی بے ادبی ہے)۔ اسی لئے اسے کفر کہا گیا ہے۔

تین مقاموں پر آگے چلنا جائز ہے : یعنی بزرگوں کے آگے مندرجہ ذیل مواقع پر چلنا جائز ہے : (۱) رات کے سفر میں۔ (۲) لشکر کے مقابلے میں۔ (۳) گہرے پانی کو دیکھنے کیلئے۔ علاوہ ازیں بزرگوں کے آگے چلنا۔ یعنی علماء یا مشائخ (جو انبیاء کرام ﷺ کے وارث ہیں) کے آگے چلنا سخت منع ہے۔ **حکایت** : ابوالدرداء رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ نے مجھے صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے آگے چلتا دیکھ کر فرمایا تو اس کے آگے چلتا ہے جو دنیا آخرت میں تجھ سے بہتر ہے۔ انبیاء و مرسلین کے بعد ابوبکر سے افضل کوئی نہیں جس پر سورج طلوع کرتا ہو یا غروب ہوتا ہو۔ اس حدیث سے افضلیت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ معلوم ہوئی۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَرْفَعُوا أَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ وَلَا تَجْهَرُوا

اے ایمان والو نہ اونچی کرو اپنی آوازیں اوپر آواز نبی کے۔ اور نہ چلا کر

لَهُ بِالْقَوْلِ كَجَهْرِ بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ أَنْ تَحْبَطَ أَعْمَالُكُمْ وَأَنْتُمْ لَا تَشْعُرُونَ ﴿۲﴾

ان کے سامنے بات کرو جیسے چلاتے ہو ایک دوسرے سے کہ ضائع ہو جائیں گے عمل تمہارے اور تمہیں خبر تک نہ ہوگی

(آیت نمبر ۲) اے ایمان والو اپنی آوازوں کو نبی ﷺ کی آواز سے بلند نہ کرو۔ یعنی اپنی آواز کو اس حد تک نہ پہنچاؤ۔ جس حد تک نبی کریم ﷺ کی آواز جاتی ہے اور نہ ان کے سامنے زور سے بولو۔ جب وہ بول رہے ہوں۔ تو تم بالکل خاموش ہو جاؤ۔ **فائدہ:** معلوم ہوا کہ ہر اونچی آواز مراد نہیں بلکہ مخصوص جہر ہے۔ جو ان کے درمیان عاداتاً جہر ہوتا تھا اور اس دوسری نبی سے مراد یہ ہے کہ جب میرا نبی بول رہا ہو تو اس وقت تم بولنا بند کر دو۔ یعنی ان دونوں باتوں کا خیال رکھو (۱) نبی کی آواز سے آواز بلند بھی نہ ہو اور دوسرا یہ کہ نبی کریم ﷺ کی موجودگی میں خاموش رہو۔ ورنہ تمہارے اعمال ضائع ہو جائیں گے۔ **فائدہ:** نبی کا ریزلٹ بھی بتا دیا گیا کہ آواز اونچی ہوئی تو عمر بھر کا سرمایہ ضائع ہو گیا اور تمہیں معلوم بھی نہیں ہوگا۔ **فائدہ:** چونکہ حضور ﷺ کی موجودگی میں عموماً گفتگو کرتے وقت مسلمانوں کی آپس میں آواز قدرے اونچی ہو جاتی تھی۔ اتنی بات بھی اللہ تعالیٰ گوارہ نہ ہوئی۔ اس لئے مسلمانوں کو متنبہ فرمایا کہ آئندہ آواز میرے محبوب کی موجودگی میں پست رکھو۔ اونچی آواز گستاخی شمار ہوگی۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ تمہارے عمل ضائع ہو جائیں گے۔ اور تمہیں پتہ بھی نہیں چلے گا۔

شان نزول: یہ آیت ثابت بن قیس کے حق میں نازل ہوئی۔ کیونکہ آپ کے کان بہرے تھے اور وہ جب بھی بات کرتے تو ان کی آواز اونچی ہو جاتی۔ جب یہ آیت نازل ہوئی تو وہ گھر میں جا کر بیٹھ گئے تاکہ میرے اونچا بولنے سے حضور ﷺ کو تکلیف نہ پہنچے اور میں گستاخوں میں سے نہ ہو جاؤں۔ حضور ﷺ نے انہیں بلا کر فرمایا تو اس آیت کا مصداق نہیں۔ تیری زندگی بھی بھلائی کے ساتھ موت بھی بھلائی کے ساتھ اور تم جنتی ہو۔

تخصیص: اس سے وہ جہر بھی مراد نہیں جس کے اونچا کرنے کا حکم خود نبی کریم ﷺ نے دیا۔ جیسے حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو جنگ حنین کے موقع پر فرمایا۔ صحابہ کو واپس بلاؤ۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی آواز آٹھ میل تک سنائی دیتی تھی۔ تو حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو حضور ﷺ نے فرمایا۔ ان لوگوں کو اونچی آواز لگاؤ۔ جو ہی آواز دی تو ان لوگوں نے حضرت عباس کی آواز سن لی اور فوراً واپس آ گئے۔ حالانکہ وہ کافی دور جا چکے تھے۔ سب تک ان کی آواز پہنچ گئی۔

إِنَّ الَّذِينَ يَغُضُّونَ أَصْوَاتَهُمْ عِنْدَ رَسُولِ اللَّهِ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ امْتَحَنَ اللَّهُ

بے شک جو پست رکھتے ہیں اپنی آوازیں نزدیک رسول خدا کے۔ وہ ہیں کہ پرکھ لیا اللہ نے

قُلُوبَهُمْ لِتَتَّقُوا ۖ لَهُمْ مَغْفِرَةٌ وَأَجْرٌ عَظِيمٌ ۝ (۳)

ان کے دلوں کو تقوے کیلئے۔ ان کیلئے بخشش اور ثواب ہے بڑا۔

(بقیہ آیت نمبر ۲) **فائدہ:** اس آیت میں عموم کا ذکر ہے۔ جس میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے کہا گیا کہ آواز پست رکھو ورنہ عمل ضائع ہوں گے اور تمہیں شعور بھی نہیں ہوگا۔ **مسئلہ:** اسی لئے بعض علماء نے روضہ رسول کے باہر اونچی آواز کے ساتھ گفتگو سے منع فرمایا ہے۔ بلکہ صلوٰۃ و سلام کے وقت بھی آواز آہستہ رکھیں۔

(آیت نمبر ۳) بے شک وہ لوگ جو اپنی آوازیں پست رکھتے ہیں رسول اللہ ﷺ کے سامنے یعنی اللہ تعالیٰ کے منع کرنے اور ادب اور مخالفت ہو جانے کے خوف کی وجہ سے وہ حضور ﷺ کی بارگاہ میں اونچی آواز نہیں نکالتے۔ یہ وہ لوگ ہیں۔ جن کے دلوں کو اللہ تعالیٰ نے تقویٰ کیلئے خاص کر دیا ہے۔ فاروق اعظم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ اس کا معنی یہ ہے کہ دلوں سے خواہشات نفسانی کے تصورات ہٹا دیئے اور برے اخلاق نکال کر مکارم اخلاق سے سنوار دیا۔

آگے فرمایا۔ ان کیلئے آخرت میں گناہوں سے بخشش کی امید بھی ہے اور بہت بڑا اجر بھی۔ جس بخشش اور اجر عظیم کا کوئی انداز نہیں لگا سکتا۔ **فائدہ:** اس میں یہ بھی اشارہ ہے کہ مرید اپنے شیخ کے سامنے آواز پست رکھے کیونکہ شیخ رسول اللہ کا نائب ہے۔ **فائدہ:** حضرت حسین نوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ جس کے دل کو اللہ تعالیٰ نے تقوے کیلئے خالص کیا۔ اس کا کام تلاوت قرآن۔ باطن میں ایمان۔ اس کا چراغ غور و فکر اس کی خوشبو تقویٰ۔ اس کی طہارت توبہ اور نظافت رزق حلال۔ اس کی زیب و زینت پرہیزگاری اس کا علم آخرت والا۔ اس کا روزہ موت اور افطار جنت اس کا جمعہ حسنت اور اس کا خزانہ اخلاص۔ اس کی خاموشی اس کا مراقبہ اور اس کی نظر مشاہدات میں۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ ابن آدم کا دل ہمیشہ حرص میں رہتا ہے۔ سوائے ان لوگوں کے جن کے دلوں کو اللہ تعالیٰ نے تقوے کیلئے خالص کر دیا ہے۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ حضور ﷺ کا ادب تقوے کی جان ہے۔

فائدہ: یعنی ابن آدم کا دل کسی نہ کسی چیز کی محبت میں ہمیشہ لگا رہتا ہے۔ اگرچہ اس کی عمر بڑھاپے کی آخری حد تک پہنچ جائے۔ سوائے ان لوگوں کے جن کے دل اللہ تعالیٰ نے تقویٰ کیلئے خالص کر دیئے۔ لیکن وہ بہت تھوڑے ہیں۔ **فائدہ:** لہذا اس آیت میں حضور ﷺ کے سامنے آہستہ بولنے والوں کی مدح کی گئی۔

إِنَّ الَّذِينَ يُنَادُونَكَ مِنْ وَرَاءِ الْحُجُرَاتِ أَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُونَ ﴿۴﴾

بے شک جو پکارتے ہیں آپ کو باہر سے حجروں کے اکثر ان میں سے بے عقل ہیں۔

وَلَوْ أَنَّهُمْ صَبَرُوا حَتَّى تَخْرُجَ إِلَيْهِمْ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ ۚ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَحِيمٌ ﴿۵﴾

اور اگر وہ صبر کرتے یہاں تک کہ آپ خود نکلتے ان کی طرف۔ تو ہوتا بہتر ان کیلئے اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔

(آیت نمبر ۴) بے شک جو لوگ حجروں کے باہر سے آپ کو اونچی آواز سے پکارتے ہیں۔

امہات المؤمنین کے حجرات: اس وقت حضور ﷺ کی نوبتیاں تھیں۔ ہر اہلیہ کیلئے الگ حجرہ مبارک تھا۔

فائدہ: حجرات کے باہر سے پکارنے کا مطلب یہ ہے کہ وہ حجروں کے آگے یا پیچھے سے اونچے آواز سے

پکار رہے تھے۔ یا تو مختلف ٹولیوں میں تھے۔ انہیں یہ معلوم نہیں تھا کہ حضور ﷺ کس حجرے میں آرام فرما ہیں۔

پکارنے والے: بعض نے کہا کہ یہ جرات۔ بے ادبی اور گستاخی کرنے والا عینہ بن حصن فرازی اپنے ساتھ

برادری کے کچھ لوگ لایا۔ لیکن وہ خود ایک بے وقوف آدمی تھا اور دوسرا قرع بن حابس بنو تمیم کا شاعر تھا۔ جو ستر آدمیوں

کو لے کر آیا۔ دوپہر کا وقت تھا۔ حضور ﷺ قیلوہ فرما رہے تھے۔ انہوں نے باہر زور زور سے آواز دینا شروع کر دی۔

اے محمد جلدی باہر آؤ۔ حضور ﷺ باہر تشریف لائے اور فرمایا۔ یہ کیا شور مچا رکھا ہے۔ تو انہوں نے کہا ہم اپنے قبیلے کے

سردار ہیں۔ ہماری مدح زینت اور ہماری مذمت عیب ہے۔ تو ان کی اس بے ادبی کی وجہ سے ان کی سرزنش کے طور پر

اللہ تعالیٰ نے یہ آیت اتاری اور سچ فرمایا۔ (اکثرہم لا یعقلون) کہ ان کی اکثریت بے عقل تھے۔ (بے ادب بے

عقل ہی ہوتے ہیں) اور ان کی یہ مذمت قیامت تک ہوتی رہے گی اور وہ سارے ہی بے عقل تھے۔ اگر ان میں عقل

ہوتی تو یہ جرات نہ کرتے۔ ان کی اتنی بڑی بے ادبی کے باوجود حضور ﷺ نے انہیں کچھ نہیں کہا۔

(آیت نمبر ۵) اور اگر وہ صبر کرتے یہاں تک کہ آپ خود باہر ان کے پاس تشریف لاتے۔ یعنی اپنی مرضی سے

باہر آتے۔ آپ ان سے بات فرماتے۔ نہ کہ وہ خود بات شروع کر دیتے۔ کیونکہ یہ بھی بے ادبی ہے تو یہ بات ان کیلئے

بہتر ہوتی۔ یعنی ان کی جلد بازی سے یہ بات بہتر تھی۔ اس میں حسن ادب بھی تھا اور تعظیم رسول بھی۔ آگے فرمایا۔ اللہ

تعالیٰ بخشنے والا مہربان ہے۔ یعنی یہ بے ادب اگر توبہ کر لیں اور اپنی اصلاح کریں تو ان کے لئے مغفرت و رحمت بے

حساب ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنْ جَاءَكُمْ فَاسِقٌ بِنَبَأٍ فَتَبَيَّنُوا أَنْ تُصِيبُوا قَوْمًا

اے ایمان والو اگر لائے تمہارے پاس فاسق کوئی خبر تو تحقیق کر لو۔ کہ کہیں ایذا پہنچاؤ کسی قوم کو

بِجَهَالَةٍ فَتُصْبِحُوا عَلَىٰ مَا فَعَلْتُمْ نَادِمِينَ ﴿٦﴾

نادانی سے پھر ہو جاؤ اپنے کئے پر پشیمان۔

(بقیہ آیت نمبر ۵) فائدہ: کاشفی مرحوم نے معنی کیا کہ بے ادبی کے بعد توبہ کرنے والوں کیلئے غفور ہے اور ادب و تعظیم کرنے والوں پر بڑا مہربان ہے۔ فائدہ: معلوم ہوا اللہ تعالیٰ کے ہاں نبی کریم ﷺ کی بہت بڑی قدر و منزلت ہے۔ لہذا ان کا ادب ہر وقت دل میں ہونا ضروری ہے۔

(آیت نمبر ۶) اے ایمان والو اگر کوئی فاسق تمہارے پاس خبر لائے۔ جو خبر و شہناک ہو دل دکھانے والی۔

فائدہ: معلوم ہوا فاسق کی بات کا کوئی اعتبار نہیں۔ اس سے بچنا از حد ضروری ہے۔ اس سے کسی قسم کا طمع بھی نہ کرے۔ لہذا اس کی خبر کی خوب چھان بین اور تحقیق کرو۔ تاکہ سچ اور جھوٹ واضح ہو جائے کیونکہ فاسق آدمی جھوٹ بولنے سے ذرا دریغ نہیں کرتا۔

شان نزول: ولید بن عقبہ کو نبی کریم ﷺ نے بنی مطلق کے ہاں صدقات جمع کرنے کیلئے بھیجا۔ اس کی جاہلیت کے دور میں ان سے دشمنی تھی۔ جب یہ ان کے گاؤں کے قریب پہنچا اور وہ لوگ نبی کریم ﷺ کا اچھی سمجھ کر استقبال کرنے کیلئے آگے آئے۔ تو یہ ان سے ڈر کر واپس بھاگ گیا کہ شاید وہ قتل کرنے آرہے ہیں۔ اس لئے کہ اس نے پہلے ان کا ایک آدمی قتل کیا تھا۔ تو یہ دوڑ کر حضور ﷺ کے پاس آیا اور کہا کہ وہ لوگ تو مرتد ہو گئے اور انہوں نے زکوٰۃ دینے سے انکار کر دیا بلکہ مجھے قتل کرنے لگے تھے۔

ایک روایت یوں ہے کہ اس کی بات سن کر نبی کریم ﷺ نے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو بھیجا کہ تم خفیہ طور پر جاؤ اور دیکھو اگر وہ شعائر اسلامی ادا کرتے ہوں تو ان سے زکوٰۃ کا مطالبہ کرنا۔ ورنہ ان سے کافروں جیسا معاملہ کرنا۔ انہوں نے جا کر دیکھا کہ وہ اذانیں نمازیں پوری کوشش سے پڑھتے ہیں۔ احکام شرعی میں پوری دلچسپی لیتے ہیں اور زکوٰۃ بھی پوری ادا کی۔ پھر انہوں نے آ کر تمام حالات سے آگاہ کیا تو اس وقت یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔ آگے فرمایا کہ کہیں ایسا نہ ہو تم پہنچاؤ کسی قوم کو نادانی میں کوئی مصیبت پھر ہو جاؤ تم پشیمان اس پر جو تم نے کیا۔

وَأَعْلَمُوا أَنَّ فِيكُمْ رَسُولَ اللَّهِ لَوْ يُطِيعُكُمْ فِي كَثِيرٍ مِّنَ الْأَمْرِ لَعَنِتُّمْ

جان لو کہ بے شک تم میں رسول خدا ہیں اگر ماننے لگیں تمہاری بہت باتیں کسی معاملہ میں تو تم مشقت میں پڑو۔

وَلَكِنَّ اللَّهَ حَبَّبَ إِلَيْكُمُ الْإِيمَانَ وَزَيَّنَهُ فِي قُلُوبِكُمْ وَكَرَّهَ إِلَيْكُمُ

لیکن اللہ نے پیارا کیا تمہیں ایمان۔ اور آراستہ کیا اسے تمہارے دلوں میں۔ ناپسند کیا تم سے

الْكُفْرَ وَالْفُسُوقَ وَالْعِصْيَانَ أُولَٰئِكَ هُمُ الرَّشِدُونَ ۝ ٤٩

کفر۔ حکم عدولی اور نافرمانی۔ وہی لوگ ہدایت والے ہیں۔

(بقیہ آیت نمبر ۶) **فائدہ:** معلوم ہوا کہ جھگڑا ڈالنے والے پخلخورو غیرہ کی باتوں پر اعتبار نہیں کرنا چاہئے۔

مسئلہ: حضور ﷺ نے جھوٹے آدمی کی گواہی قبول نہیں کی اور فرمایا جھوٹا گواہ عشار کے ساتھ جہنم میں ہوگا۔

(آیت نمبر ۷) اور جان لو بے شک اللہ تعالیٰ کے پیارے رسول ﷺ تم میں موجود ہیں اور تمہارا یہ حال ہے

کہ تم چاہتے ہو کہ رسول اللہ ﷺ تمہارے تمام کاموں میں تمہاری ہی باتیں مانتے رہیں۔ اگر وہ تمہاری بہت ساری باتیں مانیں تو تم ہلاکت میں پڑ جاؤ گے۔ **فائدہ:** جیسے ولید کی باتیں سن کر جنگ کی تیاری کر دی گئی (لیکن تحقیق سے بات اس کے خلاف نکلی)۔ اگر اس کی بات مان لی جاتی تو خواہ مخواہ دو قبیلوں میں جنگ ہو جاتی۔

آگے فرمایا۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے ایمان کو بہت پسند فرمایا اور اسے تمہارے دلوں میں خوبصورت

کیا۔ **فائدہ:** معلوم ہوا ایمان کا مقام دل ہے۔ زبان نہیں جیسے کرامیہ فرقے کا خیال ہے اور نہ اعمال صالحہ کا نام ایمان ہے۔ جیسے شفعویہ فرقے کا خیال ہے۔ ایمان کا مرکز دل ہے۔

آگے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے ناپسند فرمایا تمہارے لئے کفر و فسق (نا فرمانیوں کو)۔

فائدہ: یہ پسند اور ناپسند جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ اس نے لطف و امداد کی توفیق

بخشی اور ان کو مذکورہ کبیرہ گناہوں سے بچایا اور اچھے اعمال کی توفیق عطا فرمائی۔ آگے فرمایا۔ وہی لوگ سیدھی راہ پر چلنے والے ہیں جو راہ موصل الی الحق ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ تک پہنچانے والی ہے۔

فَضْلًا مِّنَ اللَّهِ وَنِعْمَةً ۚ وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ ۝۸ وَإِنْ طَائِفَتَيْنِ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ

فضل اللہ کا اور احسان ہے اور اللہ علم والا حکمت والا ہے۔ اور اگر دو گروہ مسلمانوں کے

اِقْتَتَلُوا فَأْصَلِحُوا بَيْنَهُمَا ۚ فَإِنْ بَغَتْ إِحْدَاهُمَا عَلَى الْأُخْرَىٰ فَقَاتِلُوا

آپس میں لڑ پڑیں تو صلح کراؤ ان میں۔ پھر اگر زیادتی کرے ایک ان میں دوسرے پر تو لڑو اس سے

الَّتِي تَبْغِي حَتَّىٰ تَفِيءَ إِلَىٰ أَمْرِ اللَّهِ ۚ فَإِنْ فَاءَتْ فَأْصَلِحُوا بَيْنَهُمَا بِالْعَدْلِ

جو زیادتی کرے۔ یہاں تک کہ پلٹ آئے حکم الہی کی طرف۔ اگر پلٹ آئے تو اصلاح کردو ان میں انصاف سے

وَأَقْسِطُوا ۚ إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِينَ ۝۹

اور عدل کرو۔ بے شک اللہ پیار کرتا ہے انصاف والوں سے

(آیت نمبر ۸) یہ اللہ تعالیٰ کا فضل اور اس کا انعام ہے۔ یعنی یہ اللہ کی پسند و ناپسند کی علت ہے۔ یہ فضل و انعام اور رشد ایک ہی چیز کا نام ہے۔ فرق یہ ہے کہ فضل و انعام کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف ہے اور رشد کی نسبت لوگوں کی طرف۔ آگے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ بہت بڑے علم والا ہے۔ وہی مومنوں کے احوال کو اچھی طرح جانتا ہے۔ اس لئے اس نے اپنی حکمت سے ان پر فضل و کرم کر کے دوسروں سے ممتاز فرما دیا اور وہ حکیم ہے یعنی وہ جو بھی کرتا ہے۔ اپنی حکمت کے تقاضے کے تحت کرتا ہے۔ فائدہ: کاشفی مرحوم فرماتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ صدق و کذب کو جانتا ہے اور اس کے سب کام بندوں کے حق میں مستحکم ہیں۔ وہ حکمتوں والا ہے۔ پختہ اور مضبوط خبریں دیتا ہے اور فرماتا ہے کہ جہنم کا عذاب بندوں کے اپنے فتنے اور شامت اعمال کی وجہ سے ہے۔

سبق: انسان کو گناہ کے اصرار سے بچنا چاہئے بلکہ ہر حال میں توبہ کر کے حق تعالیٰ کی طرف رجوع کرنا چاہئے اگر کوئی گناہ ہو جائے تو فوراً توبہ کر لینی چاہئے۔

(آیت نمبر ۹) اگر مسلمانوں کے دو گروہ آپس میں لڑ پڑیں تو تم ان کے درمیان صلح کرا دو۔ یعنی انہیں حکم الہی سنا کر یا نصیحت کرو یا دعا کرو تا کہ وہ صحیح راہ پر آجائیں۔ بلکہ پوری کوشش کرو کہ ان میں اتفاق ہو جائے۔

مسئلہ: جب لوگوں میں فساد برپا ہو تو ان کی اصلاح کرنا افضل عبادت ہے۔ اسی طرح مظلوم کی مدد کرنا

بھی افضل عبادت ہے۔ حدیث شریف: حضور ﷺ نے فرمایا۔ کیا میں تمہیں وہ کام نہ بتاؤں۔ جس کا درجہ نماز روزے اور صدقہ خیرات سے بھی افضل ہے۔ عرض کی گئی۔ ہاں یا رسول اللہ تو آپ نے فرمایا۔ جھگڑنے والوں میں صلح کرا دو (سنن ابوداؤد)۔ فائدہ: مطرف فرماتے ہیں۔ ہمارے سب سے بڑے خیر خواہ فرشتے ہیں اور سب سے بڑا دھوکہ باز شیطان ہے۔ حدیث شریف: حضور ﷺ نے فرمایا۔ مسلمان مسلمان کا بھائی ہے۔ نہ اس پر ظلم کرتا ہے۔ نہ رسوا کرتا ہے۔ نہ اسے عیب لگاتا ہے۔ (بخاری و مسلم)

شان نزول: یہ آیت اوس اور خزرج کی لڑائی ہو جانے پر نازل ہوئی۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ پر سوار انصار کی جماعت کے پاس سے گزرے تو ان میں ابن ابی منافق بھی تھا۔ آپ رک گئے آپ کے گدھے نے وہاں پیشاب کیا تو اس منافق نے ناک پہ ہاتھ رکھ لیا اور کہا کہ آپ جائیں۔ آپ کے گدھے نے بدبو سے تکلیف دی۔ آپ تشریف لے گئے۔ عبد اللہ بن رواحہ نے اس منافق سے فرمایا۔ حضور ﷺ کے گدھے کا پیشاب تجھ سے اچھی خوشبو والا ہے۔ دونوں میں سخت کلامی پھر بد کلامی پھر دونوں قبیلوں میں لڑائی ہو گئی۔ پھر حضور ﷺ واپس تشریف لائے اور ان میں صلح کرا دی۔

فائدہ: منافق اگرچہ مومن نہیں ہیں۔ چونکہ وہ اپنے منہ سے ایمان کو ظاہر کرتے ہیں اس لئے انہیں بھی مومن کہا گیا۔

فائدہ: یاد رہے یہ حکم قیامت تک آنے والے مسلمانوں کیلئے ہے کہ مسلمانوں میں صلح کرائی جائے۔ آگے فرمایا کہ اگر ان دونوں گروہوں میں سے کوئی بغاوت یا حد سے تجاوز کرے۔ پہلے تو اس بغاوت کرنے والے کو نصیحت کی جائے۔ اگر وہ نصیحت کو بھی نہیں مانتا تو پھر لڑو اس سے یعنی باغی گروہ کا مقابلہ کرو۔ یہاں تک کہ وہ باغی گروہ اللہ تعالیٰ کے حکم کی طرف لوٹ آئے کہ وہ دشمنی مکمل ختم کر کے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کا مطیع بن جائے۔

آگے فرمایا۔ پس اگر وہ گروہ باز آ جائے لڑائی سے یا جنگ کرنے سے تو ان میں حکم الہی کے مطابق اصلاح کرو۔ ان سے بائیکاٹ بھی ختم کرو۔ لیکن اتنی ڈھیل بھی نہ دو کہ وہ پھر کسی وقت لڑ پڑیں اور ان میں انصاف بھی کرو کیونکہ جنگ چھڑ جانے سے انصاف ہاتھ سے چھوٹ جاتا ہے۔ اس لئے انصاف کی تائید کی گئی۔ اس لئے کہ بے شک اللہ تعالیٰ انصاف والوں سے محبت فرماتا ہے۔ یعنی جو حقدار کو حق دیتے ہیں۔ انہیں اعلیٰ جزائے خیر دے گا۔

إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ إِخْوَةٌ فَأَصْلِحُوا بَيْنَ أَخَوَيْكُمْ ۚ وَاتَّقُوا اللَّهَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ ⑩

بے شک مومن سب بھائی بھائی ہیں تو صلح کرو درمیان دو بھائیوں کے اور ڈرو اللہ سے تاکہ تم پر رحمت ہو

(آیت نمبر ۱۰) سوائے اس کے نہیں سب مومن آپس میں بھائی بھائی ہیں۔ خواہ ولادت یا رضاعت یا قبیلہ کے لحاظ سے یا دینی یا کاروباری لحاظ سے یا دیگر مناسبات سے وہ ایک دوسرے کے بھائی ہیں۔ آگے فرمایا کہ جب دو بھائیوں میں اصلاح کی ضرورت پڑے۔ یا ان میں کوئی ضرر رساں اختلاف ہو جائے۔ جو فساد کا موجب ہو تو ان کی جلد ہی آپس میں صلح کرادو۔ خواہ اخوة نسبی ہے یا اخوت دینی۔

اخوت دینی اخوت نسبی سے زیادہ افضل ہے، کیونکہ اخوت نسبی تغیر پذیر ہے۔ مثلاً ایک بھائی مسلمان ہے دوسرا کافر ہے تو وہ ایک دوسرے کے وارث نہیں ہو سکتے۔ یعنی اخوت نسبی اگر اخوت اسلامی سے خالی ہے تو وہ اخوت ختم ہو جاتی ہے۔ لیکن اخوت اسلامی دنیا اور آخرت میں کبھی ختم نہیں ہوتی۔

اخوت دینی کے حقوق:

جو شخص اپنے مسلمان بھائی کی ضرورت پوری کرنے میں مشغول ہو۔ اللہ تعالیٰ اس کی تمام ضروریات پوری کرتا اور جو کسی مسلمان سے مصیبت دور کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ بروز قیامت اس کی تمام مصیبتیں دور کرے گا۔ جو کسی مسلمان کا پردہ رکھے اللہ تعالیٰ بروز قیامت اس کا پردہ رکھے گا۔ (صحیح بخاری) جو اپنے لئے پسند کرتا ہے وہ دوسرے بھائی کیلئے بھی پسند کرے۔ جس چیز کو اپنے لئے برا سمجھے وہ بھائی کیلئے بھی بری سمجھے۔

حدیث شریف: مسلمان مسلمان کا بھائی ہے۔ نہ خود اس پر ظلم کرتا ہے۔ نہ اسے کسی ظالم کے حوالے کرتا ہے۔ جب تک بندہ اپنے بھائی کی مدد میں ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کی مدد فرماتا ہے۔ جو اپنے بھائی کا دکھ دور کرے۔ اللہ تعالیٰ بروز قیامت اس کے دکھ دور کرے گا۔ (بخاری ۲۴۴۲)

حدیث شریف: حضور ﷺ نے فرمایا۔ ایک مسلمان دوسرے مسلمان کیلئے دیوار کی طرح ہے۔ کہ جس کے اجزاء ایک دوسرے میں پیوست ہوتے ہیں۔ (صحیح بخاری: ۶۰۲۶)۔ حدیث شریف: حضور ﷺ نے فرمایا کہ تم ایمان والوں کو دیکھو گے۔ کہ وہ ایک دوسرے پر رحم اور محبت کرنے اور دوستی نبھانے میں ایک جسم کی طرح ہیں۔ جب جسم کے ایک عضو کو تکلیف ہوتی ہے۔ تو سارا جسم بخار اور درد محسوس کرتا ہے۔ (صحیح بخاری: ۶۰۱۱)

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا يَسْخَرْ قَوْمٌ مِّنْ قَوْمٍ عَسَىٰ أَن يَكُونُوا خَيْرًا مِّنْهُمْ

اے ایمان والو نہ نہیں مرد دوسرے مردوں سے ہو سکتا ہے کہ ہوں وہ بہتر ان سے۔

وَلَا نِسَاءٌ مِّنْ نِّسَاءٍ عَسَىٰ أَن يَكُنَّ خَيْرًا مِّنْهُنَّ ۚ وَلَا تَلْمِزُوا أَنْفُسَكُمْ

اور نہ عورتیں عورتوں سے ہو سکتا ہے کہ ہوں وہ بہتر ان سے اور نہ طعنہ دو تم آپس میں

وَلَا تَنَابَزُوا بِاللُّقَابِ ۚ بِئْسَ الْفُسُوقُ بَعْدَ الْإِيمَانِ ۚ وَمَن لَّمْ

اور نہ آپس میں ایک دوسرے کے نام رکھو۔ کیا ہی برا نام ہے فاسق کہلانا بعد مسلمان ہونے کے اور جو نہ

يَتُبْ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الظَّالِمُونَ ﴿۱۱﴾

توبہ کریں تو وہی ظالم ہیں۔

(آیت نمبر ۱۱) اے ایمان والو۔ کوئی بھی ایک دوسرے سے ٹھٹھہ مخول نہ کرے۔

فائدہ: قوم کہہ کر افراد مراد لئے ہیں کہ کوئی ایک فرد بھی دوسرے کسی فرد سے بھی مذاق نہ کرے۔ ہو سکتا وہ ان سے بہتر ہوں۔ اس لئے کہ دار و مدار خاتے پر ہے۔ **حدیث شریف:** حضور ﷺ نے فرمایا۔ بہت برا گندہ بالوں والے غبار آلود پھٹے پرانے کپڑے والے جن پر کوئی اعتبار نہیں کرتا۔ لیکن ان کا حال یہ ہے کہ اگر وہ اللہ تعالیٰ کی قسم کھائیں تو اللہ تعالیٰ ان کی بات پوری کر دیتا ہے (ریاض الصالحین)۔ آگے فرمایا نہ عورتیں عورتوں سے ہنسی مذاق کریں۔

شان نزول: بعض بزرگوں نے فرمایا۔ عکرمہ بن ابوجہل مدینہ شریف گئے۔ تو کچھ لوگوں نے انہیں فرعون کا بیٹا کہا تو نبی پاک ﷺ نے فرمایا۔ زندوں کو مردوں کی وجہ سے ایذا نہ دو۔

شان نزول: مروی ہے کہ یہ ازواج مطہرات کے حق میں نازل ہوئی۔ کسی بی بی صاحبہ نے ام سلمہ رضی اللہ عنہا کو چھوٹے قد والی کہا تو اللہ تعالیٰ نے اس بات سے منع فرمادیا۔ **مسئلہ:** ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ مصیبت باتوں کے ساتھ لگادی گئیں۔ میں کہتا ہوں مذاق نہیں کرتا مجھے ڈر ہے کہ کہیں کتابی نہ بن جاؤں۔ **فحکۃ:** مخلوق کو بنانے والا اللہ تعالیٰ ہے۔ لہذا مخلوق پر قبح و حسن ذاتی نہیں۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اجْتَنِبُوا كَثِيرًا مِّنَ الظَّنِّ إِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ إِثْمٌ

اے ایمان والوں بچو بہت سارے گمانوں سے بے شک بعض گمان گناہ ہیں۔

وَلَا تَجَسَّسُوا وَلَا يَغْتَبِ بَعْضُكُم بَعْضًا أَيُحِبُّ أَحَدُكُمْ أَنْ يَأْكُلَ

اور نہ جاسوسی کرو اور نہ غیبت کرے کوئی ایک دوسرے کی۔ کیا پسند کرے گا کوئی تم میں کہ کھائے

لَحْمَ أَخِيهِ مَيْتًا فَكَرِهْتُمُوهُ وَاتَّقُوا اللَّهَ إِنَّ اللَّهَ تَوَّابٌ رَّحِيمٌ ﴿۱۲﴾

گوشت اپنے بھائی مردہ کا تمہیں ناپسند ہوگا وہ اور ڈرو اللہ سے بے شک اللہ بہت توبہ قبول کرنے والا مہربان ہے

(بقیہ آیت نمبر ۱۱) حکایت: لقمان علیہ السلام کو کسی نے کہا اوکا لے تو فرمایا تم نقش پر نہیں۔ نقاش پر عیب لگا رہے

ہو۔ ہم اللہ تعالیٰ کے قہر و جلال سے پناہ مانگتے ہیں۔ آگے فرمایا اپنوں پر عیب نہ لگاؤں یعنی ایک دوسرے کو عیب نہ لگاؤ۔

مسلمان چونکہ سب نفس واحدہ ہیں۔ ایک کی مصیبت سب کی مصیبت ہے۔ ایک پر عیب سب پر عیب ہے۔

ازالہ وہم: اس آیت میں وہ شخص داخل نہیں جو فاسق و فاجر کافس ظاہر کرے۔ یا چور کی چوری کو ظاہر

کرے۔

حدیث میں ہے قابل مبارک ہے وہ جو لوگوں کے عیب دیکھنے کے بجائے اپنے عیبوں کو دیکھے (اخرجہ المز از

والبیہقی)۔ آگے فرمایا ایک دوسرے کو (برے) القاب نہ دو۔ البتہ اچھے القاب سے پکارنے میں کوئی حرج نہیں۔

حدیث شریف: مسلمان کے حقوق میں سے ایک حق یہ بھی ہے کہ اسے اچھے نام سے یاد کرے۔

آگے فرمایا۔ ایمان قبول کرنے کے بعد بہت برا کام ہے مومن کو اسے فسق سے پکارنا یعنی فاسق کہہ کر، یا یزید

کہنا، یا کہنا اور برے، یہ سخت گناہ ہے۔ اور جو توبہ نہ کریں وہی ظالم ہیں۔

(آیت نمبر ۱۲) اے ایمان والو بہت سے گمان کرنے سے بچو۔ فائدہ: ظن طاقتور ہو جائے تو اسے علم کہا جاتا

ہے۔ جب کمزور ہو جائے تو اسے وہم کہا جاتا ہے۔ ہر ظن میں غور و فکر ضروری ہے۔ جب تک اس کی قسم واضح نہ ہو

جائے یعنی مکلف کو ہمہ وقت محتاط رہنا ضروری ہے۔ حدیث شریف میں ہے۔ مومنوں پر اچھا گمان کرو۔

(ابوداؤد)

مسئلہ: بعض ظن کفر ہیں۔ جیسے اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات کے متعلق الٹی سوچ جو اس کی شایان شان نہیں۔

یانی کے متعلق اس قسم کا خیال آتے ہی فوراً کہے میں سب انبیاء کرام علیہم السلام پر ایمان لاتا ہوں۔

ختم نبوت: پر شک ہو تو بھی کافر ہو جاتا ہے۔ اسی طرح مسلمانوں کے اجماعی اور قطعی فیصلے کا انکار جیسے

حسین کریمین کا اولاد رسول ہونے سے انکار کرنا یا خلفاء راشدین کا انکار۔ **مسئلہ:** قطعی احکام میں بھی انکار کرنا کفر ہے۔ **فائدہ:** معلوم ہوا بعض گمان مباح ہیں۔ جیسے دنیوی معاملات میں گمان کرنا۔

مسئلہ: کشف الاسرار میں ہے۔ مباح گمان جیسے نماز صحیح پڑھی یا نہیں یا گمان قبلہ کے بارے میں کہ کس

طرف ہے جس کا سوچنا بھی ضروری ہے۔ کاشفی مرحوم فرماتے ہیں قبلہ کے بارے میں سوچنا امور اجتہادی سے ہے۔

بلکہ تمام شرعی عبادات میں سوچ کر غالب رائے پر عمل کرنا چاہئے۔ آگے فرمایا۔ بعض گمان گناہ ہیں۔ جس سے وہ سزا

کا مستحق ہو سکتا ہے۔ کیونکہ اثم وہ ہے۔ جس کے ارتکاب سے بندہ سزا کا مستحق ہو جاتا ہے۔ **فائدہ:** آیت ہذا سے

معلوم ہوا کہ اکثر گمان گناہ کی طرف لے جاتے ہیں کیونکہ زیادہ تر گمان جو دل پر آتے ہیں۔ وہ شیطان کی طرف سے

ہوتے ہیں۔ پھر نفس اس گمان کو مزید خراب کرتا ہے۔ **فائدہ:** اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ بعض گمان گناہ نہیں ہوتے

یعنی جو نفس کی طرف سے نہیں ہوتے۔ بلکہ وہ فراست صحیح سے ہوتے ہیں اور وہ عالم غیب سے دل میں آتے ہیں۔

آگے فرمایا کہ لوگوں کی جاسوسی کر کے ان کے عیب نہ نکالو۔ نہ ان کے نقائص تلاش کرو اور نہ تم میں بعض بعض کی غیبت

کرے۔ **حدیث شریف:** حضور ﷺ سے پوچھا گیا غیبت کیا ہے۔ فرمایا کہ بھائی کی عدم موجودگی میں ایسی

بات کرنا۔ جو اسے ناگوار گذرے۔ پوچھا گیا۔ اگر وہ بات اس میں پائی جائے تب بھی۔ فرمایا۔ تب ہی تو غیبت ہے

ورنہ تو بہتان ہے (مسلم، ترمذی، ابوداؤد)۔ آگے فرمایا کہ کیا تم میں کوئی چاہتا ہے کہ وہ اپنے مردہ بھائی کا گوشت

کھائے۔ **فائدہ:** یہ طبعاً اور عقلاً انتہائی فحش اور شرعاً نہایت قبیح ہے۔ اور تم ضرور اس کو کھانے سے کراہت کرو گے۔

شان نزول: دو مسلمانوں نے سلیمان فارسی رضی اللہ عنہ کی عدم موجودگی میں غیبت کی۔ پھر وہ حضور ﷺ کی

بارگاہ میں حاضر ہوئے تو حضور ﷺ نے فرمایا۔ کیا وجہ ہے میں تمہارے منہ کے ساتھ گوشت کی سیاہی دیکھ رہا ہوں

(اہل عرب سیاہی کو اسود کہہ دیتے ہیں)۔ گویا حضور ﷺ نے ان کی غیبت کو گوشت کی سیاہی سے تمثیل دی ہے کیونکہ

گوشت پرانا ہو کر سیاہ ہو جاتا ہے۔ انہوں نے عرض کی ہم نے تو آج گوشت نہیں کھایا تو آپ ﷺ نے فرمایا تم نے

سلیمان فارسی اور اسامہ کی غیبت کی ہے۔ گویا ان کا گوشت کھایا ہے ایک حدیث شریف میں ہے۔ غیبت زنا سے بھی

بدتر ہے۔ اس لئے کہ زنا توبہ سے معاف ہو جائیگا۔ غیبت تب معاف ہوگی جب جس کی غیبت کی وہ معاف کرے گا۔

آگے فرمایا۔ اللہ تعالیٰ سے ڈرو۔ بے شک اللہ تعالیٰ بہت توبہ قبول کرنے والا مہربان ہے۔

يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّا خَلَقْنَكُمْ مِنْ ذَكَرٍ وَأُنْثَىٰ وَجَعَلْنَكُمْ شُعُوبًا وَقَبَائِلَ

اے لوگو بے شک ہم نے پیدا کیا تمہیں ایک مرد اور عورت سے اور بنائے تمہارے شعبے اور قبیلے

لِتَعَارَفُوا ۚ إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللَّهِ أَتْقَىٰكُمْ ۚ إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ خَبِيرٌ ﴿۱۳﴾

تاکہ ایک دوسرے کو پہچانوں بے شک بہت عزت والا تم میں نزدیک اللہ کے زیادہ پرہیزگار ہے بے شک اللہ علم والا خبردار ہے

(آیت نمبر ۱۳) اے لوگو۔ بے شک ہم نے تمہیں ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا۔ یعنی لفظ انسان ہونے میں تم سب برابر ہو۔ لہذا نسب پر کبھی فخر نہیں کرنا چاہئے۔

شان نزول: فتح مکہ کے دن حضور ﷺ نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو اذان کا حکم دیا۔ تو انہوں نے کعبہ کی چھت پر چڑھ کر اذان دی تو حارث بن ہشام نے کہا کیا رسول اللہ ﷺ کو اس کے علاوہ کوئی اور نہیں ملا۔ اور بھی لوگوں نے اس پر تعجب کیا تو اللہ تعالیٰ نے آیت کریمہ نازل فرمائی۔ اور بتادیا۔ کہ عزت کا معیار تقویٰ ہے۔

مسئلہ: ثابت ہوا۔ اصل کفودیٹی ہے۔ اسی لئے مرد مبتدع (بدعقیدہ) سنی عورت کا کفو نہیں ہو سکتا۔

آگے فرمایا اور ہم نے تمہیں شاخ شاخ اور قبیلہ در قبیلہ بنایا۔ تاکہ تم ایک دوسرے کو پہچانو اور انساب میں کوئی اپنے باپ کے بغیر کسی اور کی طرف اپنے آپ کو منسوب نہ کرے۔ **حدیث شریف:** حضور ﷺ نے فرمایا۔ کہ جو اپنے آپ کو اپنے اصلی باپ کے علاوہ کسی اور کے ساتھ منسوب کرے گا۔ اسے جنت کی ہوا بھی نہیں لگے گی۔ (مشکوٰۃ) اس سے وہ لوگ عبرت حاصل کریں۔ جو سید نہیں۔ اور سید کہلواتے ہیں۔

فائدہ: اس کا یہ مطلب نہیں کہ کوئی اپنے آباء پر یا قبیلے پر فخر کرے۔ قبیلہ صرف پہچان کی وجہ سے بنایا گیا۔

فائدہ: کاشفی فرماتے ہیں۔ دو شخص ہم نام ہوں تو پھر پہچان تمیز قبیلہ سے ہو سکتی ہے۔

آگے فرمایا۔ بے شک تم میں سب سے زیادہ عزت والا سب سے زیادہ تقوے والا ہے خواہ وہ کالا حبشی غلام ہو۔ قابل فخر چیز تقویٰ ہے۔ فضل الہی اور اس کی رحمت ہے۔

حدیث میں ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا ہر روز قیامت میں ساری اولاد آدم کا سردار ہوں مگر میں فخر نہیں کرتا۔ (مسلم شریف) میں تو اپنی عبودیت پر فخر و ناز کرتا ہوں۔ اور ایک اور **حدیث** میں فرمایا، فقر میرا فخر ہے۔ (مقاصد الحسنہ)۔ آگے فرمایا۔ بے شک اللہ تعالیٰ علم والا خبردار ہے۔

قَالَتِ الْأَعْرَابُ آمَنَّا ۖ قُلْ لَمْ تُؤْمِنُوا وَلَكِنْ قُولُوا أَسْلَمْنَا وَلَمَّا يَدْخُلِ

اعراب نے کہا ہم ایمان لائے۔ فرمادو تم ایمان نہیں لائے لیکن کہو ہم مطیع ہوئے۔ ابھی نہیں داخل ہوا

الْإِيمَانُ فِي قُلُوبِكُمْ ۚ وَإِنْ تُطِيعُوا اللَّهَ وَرَسُولَهُ لَا يَلِتْكُمْ مِنْ أَعْمَالِكُمْ

ایمان تمہارے دلوں میں اور اگر تم اطاعت کرو اللہ اور اس کے رسول کی تو نہیں نقصان دیگا تمہیں تمہارا کوئی عمل

شَيْئًا ۚ إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ ﴿۱۴﴾

کچھ بھی۔ بے شک اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔

(آیت نمبر ۱۴) اعراب نے کہا ہم ایمان لائے۔ اعراب دیہاتی لوگوں کو کہا جاتا ہے۔

شان نزول: بنی اسد کے چند لوگ قط کے سال مدینے شریف میں بچے اور اہل وعیال کو لے کر حاضر

ہوئے اور کہا اور لوگ آپ سے جنگ کرنے آتے ہیں اور ہم ایمان لانے آئے ہیں۔ گویا وہ احسان جتا رہے تھے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ محبوب انہیں بتادو۔ تم ایمان نہیں لائے۔ کیونکہ ابھی تمہیں قلبی ایمان حاصل نہیں ہوا۔ اس لئے ابھی

کہو کہ ہم اسلام لائے۔ یا یوں کہو ہم صلح و سلامتی میں داخل ہوئے۔ کیونکہ ابھی تمہارے دلوں ایمان داخل نہیں ہوا۔ گویا

تمہارے دل تمہاری زبان کے موافق نہیں۔ اگرچہ بعد میں وہ پختہ ایمان بھی لے آئے تھے۔

آگے فرمایا اور اگر تم اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو۔ یعنی مخلص ہو کر اطاعت کرو اور منافقت

چھوڑ دو تو وہ تمہارے اعمال میں کچھ بھی کمی نہیں کریگا۔ اور وہ اپنے فضل و کرم سے ایسی جزاء دیگا۔ جس کے وہ لائق

ہیں۔ اگرچہ تمہارے اعمال میں نقص ہو یا کمی ہو۔ جزاء پوری ملے گی۔ آگے فرمایا۔ بے شک اللہ تعالیٰ بخشنے والا مہربان

ہے۔ یعنی اطاعت گزاروں سے اگر کوتاہی بھی ہو جائے تو وہ بخش دیتا ہے اور اپنے فضل و کرم بھی کر دیتا ہے۔

مسئلہ: ایمان حقیقت میں تصدیق بالقلب کا نام ہے۔ صرف زبانی اقرار کا نام ایمان نہیں ہے۔ البتہ

تصدیق قلبی کیلئے زبانی اقرار شرط ہے۔ **فائدہ:** یہ بھی تفاسیر میں لکھا ہے۔ کہ انہوں نے بڑے بے ادبانہ انداز میں

حضور ﷺ کو آوازیں دیں۔ اس لئے فرمایا گیا۔ کہ ابھی تمہارے دلوں میں ایمان داخل نہیں ہوا۔ رسول اللہ ﷺ

سے محبت اور آپ کے ادب کا نام ہی تو ایمان ہے۔

إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ الَّذِينَ آمَنُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ ثُمَّ لَمْ يَرْتَابُوا وَجَاهَدُوا

بے شک ایمان والے وہ ہیں جو ایمان لائے اللہ اور اس کے رسول پر پھر نہیں شک کیا۔ اور جہاد کیا

بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنْفُسِهِمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ ۚ أُولَٰئِكَ هُمُ الصَّادِقُونَ ﴿١٥﴾

مالوں اور جانوں سے راہ خدا میں ۔ وہی لوگ سچے ہیں۔

(آیت نمبر ۱۵) سوائے اس کے نہیں مومن وہی لوگ ہیں جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ پر ایمان لائے۔

پھر انہوں نے شک نہیں کیا۔ یعنی ایمان لانے کے بعد حق پر وہ قائم رہے۔ نہ اللہ تعالیٰ کے معبود ہونے پر شک کیا۔ نہ حضور ﷺ کے رسول ہونے میں نہ قرآن کے کتاب الہی ہونے میں شک کیا۔

فائدہ: کیونکہ ایمان کی شرائط میں ہے شک کا نہ ہونا اور یقین ہونا۔ آگے فرمایا کہ انہوں نے جانوں اور

مالوں سے اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کیا۔ گویا اپنی پوری استقامت کا مظاہرہ کیا۔

استطاعت کی تین اقسام: (۱) بدنی۔ (۲) مالی۔ (۳) ملی جلی۔ ان اوصاف کے لوگ ہی دعویٰ ایمان میں

سچے ہیں۔ ملی جلی کا مطلب یہ ہے۔ جیسے حج اور جہاد جن میں جان مال دونوں لگتے ہیں۔

فائدہ: معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ پر ایمان بغیر شکوک و شبہات اور علم یقینی کے ساتھ ہونا

ضروری ہے۔ **مسئلہ:** اس آیت میں (خشک) دعووں کا رد ہے اور ہر دعوے کا صدق سے موصوف ہونے کی

ترغیب ہے۔ **حدیث شریف:** حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا۔ اے ابو بکر سچی بات کرنا اور وعدے کو پورا کرنا اور

امانت کی حفاظت کو لازم پکڑنا۔ یہی انبیاء کرام ﷺ کی وصیت ہے۔ (حلیۃ الاولیاء، ابو نعیم)

حدیث شریف: حضور ﷺ تاجروں کے ہاں تشریف لائے اور فرمایا۔ اے تاجرو۔ بے شک اللہ تعالیٰ

تمہیں بروز قیامت فاجروں میں اٹھائے گا۔ مگر وہ تاجر جو تجارت میں سچ بولتے ہیں۔ بات صحیح کرتا ہے اور امانت کو صحیح

طور پر ادا کرتا ہے اور جھوٹی قسمیں کھا کر مال فروخت نہیں کرتا۔ (ترمذی، ابن ماجہ، دارمی)

قُلْ أَتَعْلَمُونَ اللَّهَ بِدِينِكُمْ ؕ وَاللَّهُ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمَوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ ؕ

فرمادو کیا تم جانتے ہو اللہ کو اپنا دین۔ اللہ جانتا ہے جو آسمانوں اور جو زمین میں ہے۔

وَاللَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ ﴿۱۶﴾ يَمُنُونَ عَلَيْكَ أَنْ أَسْلَمُوا ۖ قُلْ لَا تَمُنُوا عَلَيَّ

اور اللہ ہر چیز کو جاننے والا ہے۔ احسان جتاتے ہیں آپ کو کہ وہ مسلمان ہوئے فرمادو نہ احسان رکھو مجھ پر

إِسْلَامَكُمْ ۚ بَلِ اللَّهُ يَمُنُّ عَلَيْكُمْ أَنْ هَدَاكُمْ لِلْإِيمَانِ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ ﴿۱۷﴾

اپنے اسلام کا بلکہ اللہ کا احسان ہے تم پر۔ کہ ہدایت دی تمہیں ایمان کیلئے اگر ہو تم سچے۔

(آیت نمبر ۱۶) اے محبوب فرمادیں۔ ان دیہاتی لوگوں کو بتاؤ کہ کیا تم اللہ تعالیٰ کو اپنا دین بتا رہے ہو۔ یعنی یہ

”آمنّا“ کا لفظ پکار کر اللہ تعالیٰ کو اطلاع دے رہے ہو۔

فکھتہ: یہاں ان اعرابیوں کی مذمت بیان کی ہے کہ جنہوں نے حضور ﷺ کو حجروں سے بلا کر اپنے اسلام کا احسان جتایا۔ انہیں فرمایا تمہیں اللہ تعالیٰ کو اپنا دین بتانے کی ضرورت نہیں ہے۔ وہ سب کچھ جانتا ہے۔ اس سے کوئی شے مخفی نہیں ہے۔ آگے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ جانتا ہے جو کچھ بھی آسمانوں میں یا زمین میں ہے بلکہ اللہ تعالیٰ تو ہر چیز کے بننے سے پہلے اس کی کیفیات کو جاننے والا ہے۔ یہاں تک کہ وہ لوگوں کے دلوں میں چھپے ہوئے کفر اور ایمان کو بھی جانتا ہے۔ اس لئے اسے اس کی کوئی محتاجی نہیں کہ کوئی اسے اپنے ایمان کی خبر دے۔ **فائدہ:** گویا اس آیت میں ان کی جہالت پر مزید توجہ ہے اور یہ بھی بتایا کہ ہر قسم کے جھوٹے دعووں سے بچ کر رہو۔

(آیت نمبر ۱۷) وہ آپ پر احسان رکھتے ہیں کہ وہ اسلام لے آئے۔ یہ تو نہایت قبیح عمل ہے (کہ بندہ ایمان

لانے کا احسان اللہ پر یا رسول پاک پر رکھے)۔ یہ تو اللہ تعالیٰ کا تم پر احسان ہے کہ اس نے تمہیں عظمت و شان والا رسول عطا فرمایا اور اس کا تم پر احسان ہے اس نے تمہیں ہدایت عطا فرمائی۔ آگے فرمایا۔ اے میرے محبوب ان سے فرمادو۔ تم اپنے اسلام لانے کا مجھے احسان نہ جتاؤ۔ بلکہ اللہ تعالیٰ نے تم پر احسان کیا کہ تمہیں اس نے ایمان کی طرف ہدایت عطا کی۔ یعنی اس کی تم پر خاص مہربانی ہے کہ اس نے تمہیں اسلام کی دولت سے نوازا۔ لہذا ایمان لا کر اپنی خوش نصیبی سمجھو اگر تم اپنے ایمان کے دعوے میں سچے ہو۔

إِنَّ اللَّهَ يَعْلَمُ غَيْبَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَاللَّهُ بَصِيرٌ ۝ ۱۸

بے شک اللہ جانتا ہے چھپی باتیں آسمانوں اور زمین کی اور اللہ دیکھتا ہے جو تم کرتے ہو

(آیت نمبر ۱۸) بے شک اللہ تعالیٰ آسمانوں اور زمین کے غیبوں کو جانتا ہے۔ یعنی زمینوں اور آسمانوں میں اس سے کوئی چیز مخفی نہیں ہے اور اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال کو دیکھنے والا ہے۔ خواہ وہ پوشیدہ ہوں یا ظاہر۔

فائدہ: بقلی مرحوم فرماتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ سے کوئی چیز غیب نہیں ہے کیونکہ غیب پوشیدہ چیز کو کہا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کیلئے تو تمام اشیاء عیاں ہیں۔ پھر اس سے کوئی چیز کیسے پوشیدہ رہ سکتی ہے۔ **فائدہ:** اگر بندہ یہ سمجھے کہ اعمال و احوال میری نفس سے ہیں تو یہ شرک ہے۔ اگر یہ کہے میرے رب کی طرف سے ہیں۔ تو یہ توحید ہے۔

حضور نے فرمایا۔ کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے توراۃ کی جگہ طوال مفصل عطا کیں۔ **طوال مفصل:** سورۃ حجرات سے لیکر والسماء ذات البروج تک ان سورتوں کو فقہاء طوال مفصل کہتے ہیں۔ یہ صبح اور ظہر کی نماز میں ان سورتوں سے کوئی سورت پڑھی جائے۔

اوساط مفصل: سورۃ بروج سے البینۃ تک سورتوں کو اوساط مفصل کہا جاتا ہے۔ یہ عصر اور عشاء کی نماز میں پڑھی جاتی ہیں **مفصل:** سورۃ زلزال سے الناس تک کی سورتوں کو قصار مفصل کہا جاتا ہے یہ سورتیں مغرب کی نماز میں پڑھی جاتی ہیں۔ **فائدہ:** ایک روایت میں ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ۔ اللہ تعالیٰ نے مجھے توراۃ کی جگہ سات لمبی سورتیں عطا کیں۔ یعنی سورۃ بقرہ سے اعراف تک اور فرمایا کہ انجیل کی جگہ دو سو آیات عطا کیں اور زیور کی جگہ سورۃ فاتحہ عطا کی۔

بدعت حسنہ: یہ تقسیم حضور ﷺ کے بعد ہوئی۔ تیس پارے اور سات منزلوں اور رکوعات اور حرکات لگانا سب بعد میں ہوا۔ کوئی کام حجاج نے کیا۔ کوئی مامون عباسی نے۔ اگر ہر بدعت گمراہی ہے تو اسے کیا کہیں گے۔ اسی طرح آیت کے اختتام پر گول نشان نصر بن عاصم نے لگایا۔ بعض نے کہا۔ یہ ابوالاسود کی نے کیا۔ شدید، مدین اور کھڑی زبر زریں خلیل نحوی کا کارنامہ ہے۔

اختتام سورۃ: مورخہ ۳ فروری ۲۰۱۷ء بمطابق ۶ جمادی الاول ۱۴۳۸ھ بروز جمعہ بعد نماز عصر

ق ۵۰ وَالْقُرْآنِ الْمَجِیدِ ①

قسم ہے قرآن بزرگی والے کی

(آیت نمبر ۱) ق سورۃ کا نام ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما کے نزدیک یہ اللہ تعالیٰ کے اسماء میں سے ایک اسم ہے۔ محمد بن کعب نے فرمایا یہ قادر کا پہلا حرف ہے۔ بعض بزرگوں نے فرمایا کہ یہ مخفف ہے۔ ”قل یا محمد والقرآن المجید“۔

شان رسالت : علامہ اسماعیل حقّی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ ق سے مراد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا وہ قیام ہے جو کل کائنات کے بننے سے پہلے بنا۔ حدیث نور کی تشریح کرتے ہوئے حضور علیہ السلام نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ کو فرمایا۔ اللہ تعالیٰ نے میرے نور کو ۱۲ ہزار سال مقام قرب میں قیام کی حالت میں رکھا۔ پھر ۱۲ ہزار سال مقام حب میں رکھا۔ اس طرح اٹھائیس منزلوں میں رکھا۔ مولانا عطار رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا۔ قرن ہا اندر رکوع استادہ بود۔ یعنی کئی صدیاں، قیام میں اور کئی صدیاں رکوع اور سجدے میں آپ رہے۔

بارہ کا ہندسہ: اس لئے کہ ”لا الہ الا اللہ“ کے بھی بارہ حرف اور محمد رسول اللہ کے بھی ۱۲ حرف ہیں۔

کل مومن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نور سے ہیں۔ یہ بھی ممکن ہے کہ اس سے کوہ قاف کی قسم کھائی گئی ہو۔

آگے فرمایا۔ قسم ہے قرآن مجید کی جو تمام کتابوں میں سب سے زیادہ بزرگی اور شرافت والا ہے۔ مجید مجد سے بنا۔ جس کا معنی بزرگی والا۔ یا اس سے مراد وہ شخص جو اس کے معانی کو جانتا ہے اور اس پر عمل کرتا ہے۔ اور اس وجہ سے اس نے اللہ تعالیٰ کے ہاں مجد و شرف والا مرتبہ پایا۔

فائدہ : امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا۔ مجید وہ شرافت والی ذات ہے۔ جس کے افعال خوبصورت جس کی عطا

بہت زیادہ ہے۔

بَلْ عَجِبُوا أَنْ جَاءَهُمْ مُنْذِرٌ مِنْهُمْ فَقَالَ الْكَافِرُونَ هَذَا شَيْءٌ

بلکہ انہیں تعجب ہے کہ تشریف لایا ان میں ڈرانے والا ان میں سے۔ تو کہا کافروں نے یہ چیز

عَجِيبٌ ۲۷ ءَاِذَا مِتْنَا وَكُنَّا تُرَابًا ۚ ذٰلِكَ رَجْعُ بَعِيدٌ ۝۳

بڑی عجیب ہے۔ کیا جب مر کر ہم مٹی ہو جائیں گے یہ اس طرح پلٹنا دور ہے۔

(آیت نمبر ۲) بلکہ تعجب کیا انہوں نے۔ یعنی قریشی فرعونوں اور ان کے سرکش لوگوں نے بڑا تعجب کیا کہ ان کے پاس وہ ڈرانے والا آیا۔ جو ان کی ہی جنس سے ہے۔ اس لئے انہیں تردد ہوا۔ بلکہ اس کی مخالفت پر انہوں نے بڑی جرات کی اور اس بات کو انہوں نے عجائبات سے سمجھا لیکن انہوں نے کسی برہان یا کسی دلیل سے نہیں جھٹلایا۔ نہ ان کے پاس کوئی معرفت تھی۔ بلکہ کافروں نے بڑے تعجب سے کہا۔ ان کے تعجب سے مراد ان کا انکار ہے۔

فائدہ: انہیں تعجب کئی باتوں میں تھا: (۱) یہ کہ یہ نبی ہماری جنس سے یعنی انسان ہے۔ (۲) ہم مکے کے سرداروں میں سے کیوں نہیں۔ (۳) مرنے کے بعد زندہ ہونا یہ کیونکر ممکن ہے۔ یہ تو ہرگز نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ اس سے پہلے کبھی ہوا ہی نہیں۔ (حالانکہ یہ ان کی جہالت کی دلیل ہے)۔ (۴) مرنے کے بعد دوبارہ زندہ ہونے کو تعجب سے دیکھتے ہیں۔ حالانکہ ان کے سامنے زمین مردہ (خشک) ہوتی ہے۔ پھر وہاں سے ہی سبزہ اگتا ہے۔ اسی طرح دن جاتا ہے رات آتی ہے (درجنوں مثالیں ہیں)۔ کوئی غور نہ کرے تو کیا کیا جائے۔

(آیت نمبر ۳) کافروں نے مزید تعجب سے کہا کہ کیا جب ہم مرجائیں گے اور مٹی ہو جائیں گے۔ یعنی مرنے کے بعد ہمارے جسم اور روح الگ الگ ہو جائیں گے۔ پھر ہمارے اور مٹی کے درمیان کوئی فرق نہیں ہوگا۔ تو کیا ہم پھر دوبارہ زندہ ہو کر اٹھیں گے۔ جیسا کہ ہمیں یہ ڈرانے والے (نذیر) کہہ رہے ہیں۔ لیکن اس نذیر کے کہنے میں اور ہمارے خیالات میں۔ بہت بڑا فرق ہے۔ اس لئے کہ کیسے موت کے بعد زندگی مل سکتی ہے۔ یہاں ہمزہ انکار کیلئے ہے۔ یعنی نہ ہم لوٹیں گے۔ نہ ہم قبروں سے اٹھیں گے کیونکہ ہمارا یہ لوٹنا دوبارہ زندہ ہونا۔ یہ تو بڑے دور کی بات ہے۔ یعنی وہم و خیال ہی ہے یا سچائی سے یہ بات بہت بعید ہے۔ یہ نہ ہو سکتے والی بات ہے کیونکہ جب مٹی مٹی سے مل جائے گی۔ پھر تو اس کا امتیاز ہی مشکل ہو جائیگا۔ حالانکہ وہ جانتے ہیں کہ پہلا انسان بھی مٹی سے بنا۔ تو دوبارہ کیوں نہیں بن سکتا۔

قَدْ عَلِمْنَا مَا تَنْقُصُ الْأَرْضُ مِنْهُمْ ۖ وَعِنْدَنَا كِتَابٌ حَفِیْظٌ ﴿۴﴾

تحقیق ہمیں علم ہے جو گھٹاتی ہے زمین ان میں سے۔ اور ہمارے پاس کتاب ہے یاد رکھنے والی۔

(بقیہ آیت نمبر ۳) مسئلہ: ابن حجر رحمہ اللہ سے پوچھا گیا کہ جب جسم گل سر کر مٹی کے ساتھ مل جائیں گے تو پھر اللہ تعالیٰ بروز قیامت انہیں زندہ فرمائے گا تو کیا یہی اصلی جسم ہوں گے یا کوئی اور جسم ہوں گے تو آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اسی جسم دنیوی کو واپس لوٹائے گا جو اسکے برعکس کہتا ہے وہ غلطی پر ہے۔

حدیث شریف میں ہے کہ بنی آدم کا جسم زمین میں اگر گل سر بھی جائے گا تو ریڑھ کی ہڈی بچ رہے گی۔ جس سے دوبارہ زندہ کیا جائے گا۔ (بخاری و مسلم)

(آیت نمبر ۴) تحقیق ہمیں معلوم ہے۔ جو زمین میں سے کم ہوتا ہے۔

فائدہ: یہ کفار کے وہموں کا ازالہ ہے اور ان کے قول کا رد ہے جو انہوں نے کہا کہ قیامت کے دن زندہ ہونا بڑی بعید بات ہے۔ تو اس کے جواب میں فرمایا کہ ہماری قدرت سے یہ بات بعید نہیں ہے۔ اس لئے کہ جس ذات کے علم کا یہ حال ہے کہ زمین نے جسم کا گوشت اور پوست اور ہڈیاں جو کھائی ہیں۔ وہ ذرے کہاں کہاں ہیں۔ اس ذات کیلئے کیسے بعید ہے کہ وہ پہلے ہی کی طرح دوبارہ بنا دے۔ وہ ”علی کل شیء قدید“ ہے۔

انبیاء کرام علیہم السلام جسموں سمیت زندہ ہیں:

ان کے پاک جسموں کو مٹی نہیں کھا سکتی کیونکہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے زمین پر حرام کر دیا ہے کہ وہ نبیوں کے جسموں کو کھائے۔ (قال حاکم حدیث صحیح علی شرط البخاری) اسی طرح اولیاء اور شہداء کے جسم بھی صحیح سلامت رہتے ہیں۔ ہزاروں واقعات اس پر شاہد ہیں۔ (تفسیر قرطبی)

فائدہ: بعض اصولی اس طرف بھی گئے ہیں کہ قیامت کے دن جو جسم ہوں گے وہ اس دنیا والے جسم کے علاوہ ہونگے۔ ابن عطیہ فرماتے ہیں کہ یہ بات قرآن کے ظاہر کے خلاف ہے۔ اس لئے کہ اگر وہ اجسام ان کے علاوہ ہوں گے تو ہاتھ پاؤں گواہیاں کیسے دیں گے کیونکہ وہ تو دنیا والے نہیں۔ جو گناہ کرتے رہے۔

آگے فرمایا کہ ہمارے پاس محفوظ کتاب ہے۔ یعنی اس میں کوئی تغیر تبدیل نہیں کر سکتا۔ سب کچھ ہماری بہت بڑی کتاب میں محفوظ ہے۔ اس سے مراد لوح محفوظ ہے۔

بَلْ كَذَّبُوا بِالْحَقِّ لَمَّا جَاءَهُمْ فَهُمْ فِي أَمْرٍ مَّرِيجٍ ⑤ أَفَلَمْ يَنْظُرُوا

بلکہ جھٹلایا انہوں نے حق کو جب وہ آیا ان کے پاس تو وہ بڑی الجھن میں ہیں۔ تو کیا نہیں دیکھا انہوں نے

إِلَى السَّمَاءِ فَوْقَهُمْ كَيْفَ بَنَيْنَاهَا وَزَيَّنَّاهَا وَمَا لَهَا مِنْ فُرُوجٍ ⑥ وَالْأَرْضِ

آسمان کو اپنے اوپر کیسے ہم نے اسے بنایا۔ اور زینت دی اسے اور نہیں اس میں کوئی رخسہ۔ اور زمین کو

مَدَدْنَاهَا وَالْقَيْنَا فِيهَا رَوَاسِيَ وَأَلْبَسْنَا فِيهَا مِنْ كُلِّ زَوْجٍ بَهِيجٍ ⑦

ہم نے پھیلایا اور ڈالے ہم نے اس میں پہاڑ۔ اور آگائے ہم نے اس میں ہر قسم کے جوڑے بارونق۔

(آیت نمبر ۵) بلکہ انہوں نے حق کو جھٹلایا اور بغیر سوچ سمجھے جھٹلایا۔ گویا اس مسئلے پر تعجب کرنا اتنا خطرناک نہیں جتنا ان کا جھٹلانا خطرناک ہے۔ محض انہوں نے باپ دادا کی غلط تقلید کی وجہ سے حق کو جھٹلادیا۔ جب ان کے پاس آیا۔ صرف سرکشی اور عناد کی وجہ سے انکار کیا۔ حالانکہ انہوں نے کئی معجزات بھی دیکھے جو واضح طور پر آپ کی حقانیت پر شاہد تھے۔ لیکن پھر تکذیب کی۔ کیونکہ ان کا حسد انہیں ایمان لانے سے باز رکھتا تھا اور وہ امر مضطرب میں تھے۔ اسی لئے کبھی جادوگر کبھی کاہن اور کبھی اپنی طرف سے بات گھڑنے والا کہتے تھے۔ کبھی شاعر کبھی مجنون۔

(آیت نمبر ۶) کیا انہوں نے اپنے اوپر آسمان کو نہیں دیکھا کہ اللہ تعالیٰ نے اسے کیسے بنایا۔ کہ ستون کے بغیر انتہائی بلند ہے۔ کیا یہ اتنے بڑے نا سمجھ ہیں۔ یہ دیکھتے نہیں کہ کیسا عالی شان بنایا۔ جو قدرت کا عظیم شاہکار ہے اور اللہ تعالیٰ نے اسے ستاروں سے مزین فرمایا اور ان میں کہیں کوئی رخسہ بھی نہیں۔ انتہائی صاف و شفاف۔ ہر عیب و خلل سے سلامت ہے۔ دوسری جگہ فرمایا کیا تم اس میں کوئی رخسہ دیکھتے ہو۔ اور اس میں دروازے یا فرشتوں کیلئے آنے جانے کے راستے بنائے لیکن وہ رخسہ نہیں۔ آسمانوں کے دروازے اس کی خوبصورتی کا باعث ہیں۔

(آیت نمبر ۷) اور ہم نے زمین کو بچھا دیا۔ یعنی ہر طرف پھیلادیا۔ اس کا آغاز خانہ کعبہ والی جگہ سے کیا اور اس زمین پر پہاڑ ڈالے جن کی وجہ سے زمین مضبوط ہو گئی۔ ورنہ زمین پانی پر ہونے کی وجہ سے ہچکولے کھا رہی تھی۔ مختلف سمتوں کی طرف جھک جاتی تھی۔ اس پر کسی کا ٹھہرنا ناممکن تھا۔ جب اس پر پہاڑ رکھے گئے تو پھر اس کو قرار آ گیا۔ فرشتے بھی پہاڑوں کو دیکھ کر حیران رہ گئے۔ بعض بزرگوں نے فرمایا کہ زمین پر اوتاد (میخیں) اللہ کے ولی ہیں کیونکہ جب یہ نہیں ہونگے تو زمین کو قرار نہیں رہے گا۔ زمین پر زلزلے ہوں گے۔

تَبْصِرَةٌ وَذِكْرَىٰ لِكُلِّ عَبْدٍ مُّنِيبٍ ۝۸ وَنَزَّلْنَا مِنَ السَّمَاءِ مَاءً مُّبَارَكًا

بصیرت افروز اور یاد دہانی ہے ہر بندے رجوع والے کیلئے۔ اور اتارا ہم نے آسمان سے پانی بابرکت

فَأَنْبَتْنَا بِهِ جَنَّاتٍ وَحَبَّ الْحَصِيدِ ۝۹

پھر اگائے اس سے باغات اور دانے فصل کاٹ کر۔

(بقیہ آیت نمبر ۷) آگے فرمایا کہ ہم نے اس زمین میں ہر قسم کے جوڑے جو خوبصورت پر رونق خوش ذائقہ انگوریاں اور درخت پیدا فرمائے۔ یہ سب ہماری قدرت کی علامات ہیں۔

(آیت نمبر ۸) راہ دکھانے اور نصیحت حاصل کرنے کیلئے۔ یعنی ہم نے جو کچھ بنایا وہ لوگوں کے فائدے اور ان کو راہ دکھانے اور نصیحت دینے کیلئے یا عبرت حاصل کرنے کیلئے یا استدلال کیلئے اور یہ نصیحت ہے ہر اس بندے کیلئے جو اپنے رب تعالیٰ کی طرف رجوع کرنے والا ہے اور اس کی عجیب و غریب کاریگریوں میں غور و فکر کرنے والا ہے۔

فائدہ: بعض حضرات نے تبصرہ و ذکر کی سے مراد شریعت اور طریقت لی ہے۔

سبق: عقلمند پر لازم ہے کہ وہ ذکر حکیم میں مشغول رہے اور اس کی صفت عظیم میں غور و فکر کرے اور ایسی توحید کا قائل ہو۔ جو اس کی شان کے لائق ہو اور اس کی طرف ایسا رجوع کرے کہ پھر قیامت آجائے مگر اس کا منہ اس ذات کی طرف سے ہرگز نہ پھرے۔ ہمہ وقت وہ ذات اس کے مد نظر رہے۔ اور اس سے ڈرتا رہے۔

(آیت نمبر ۹) اور ہم نے آسمان سے برکت والا پانی اتارا یعنی جو لوگوں کی ضروریات جانوروں کی حیات ویران علاقوں کی آبادیات کیلئے انتہائی مفید ہے۔

فائدہ: کشف الاسرار میں ہے۔ بارش کا پانی زمین کے اجزاء میں سال بھر رہتا ہے۔ جس سے گھاس پودے وغیرہ نکلتے ہیں۔ آگے فرمایا۔ ہم نے اس پانی سے زمین میں باغات اگائے جن میں ہر قسم کے پھل والے درخت نکالے۔ اور آگے فرمایا کہ کھیتوں میں دانے نکالے۔ یعنی گندم جو۔ باجرہ۔ جوار وغیرہ ہر قسم کے پھل اور دانے اسی ذات نے نکالے۔ یعنی وہ اجناس نکالیں کہ جن سے انسان کی غذا بنتی ہے۔ حب کا معنی دانہ ہے اس کی تخصیص مقصود بالذات ہے۔ باقی چیزیں بالطبع ہیں۔

وَالنَّخْلَ بَلَقَتْ لَهَا طَلْعَ نَضِيدٍ ۝ (۱۰) رِزْقًا لِلْعِبَادِ وَأَحْيَيْنَا بِهِ بَلْدَةً

اور کھجور کے لمبے درخت جن کے گچھے گندھے ہوئے ہیں۔ روزی ہے بندوں کیلئے اور ہم نے زندہ کئے اس سے شہر

میتاً كَذَلِكَ الْخُرُوجُ ۝ (۱۱) كَذَبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوحٍ وَأَصْحَابُ الرَّسِّ

مردہ۔ یوں (ہی قبروں سے) نکلتا ہے۔ جھٹلایا ان سے پہلے قوم نوح اور رس والوں

وَتَمُودُ ۝ (۱۲) وَعَادٌ وَفِرْعَوْنُ وَإِخْوَانُ لُوطٍ ۝ (۱۳)

اور قوم ثمود نے۔ قوم عاد اور فرعون اور لوط کی قوم نے

(آیت نمبر ۱۰) اور کھجور جو آسمان کی طرف انتہائی لمبی اور خلقت کے لحاظ سے بھی عجیب درخت ہے۔ کھجور کا ذکر باقی درختوں سے الگ اس لئے کیا کہ اس کی فضیلت اور بزرگی بہت زیادہ ہے۔ ان فضائل کا ذکر سورہ یاسین میں گذر چکا ہے۔ آگے فرمایا کہ اس کے گانھے تہہ بہ تہہ ہیں۔ یعنی پھل بہت زیادہ ہیں۔

(آیت نمبر ۱۱) بندوں کیلئے یہ رزق ہے۔ یہ تبصرہ اور ذکر کی علت ہے۔ یعنی بندہ ان چیزوں سے نفع اٹھاتے وقت اور رزق استعمال کرتے وقت تبصرہ اور ذکر کی پر نظر رکھیں۔ یعنی ان سے نصیحت حاصل کریں۔

فائدہ: علامہ اسماعیل حقی رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔ مذکورہ اشیاء کے ذکر سے اصل مقصود اللہ تعالیٰ کی قدرت پر استدلال ہے کہ وہ اتنی بڑی بڑی چیزوں کے بنانے پر قادر ہے۔ جنت کی کھجوریں درخت کی جڑوں سے اوپر سرے تک تہہ بہ تہہ ہوں گی۔ جبکہ دنیوی کھجوریں صرف درخت اوپر ہوتی ہیں۔ (جنت کی کھجوریں بظاہر دنیوی کھجوروں کی طرح ہوں لیکن ذائقہ کے لحاظ سے دنیوی کھجوروں سے سینکڑوں گنا اعلیٰ ہوں گی)۔ آگے فرمایا۔ یہ بندوں کیلئے رزق ہے۔ جس طرح ہم نے دیران شہروں کو آباد کیا۔ اسی طرح مرنے کے بعد اٹھنا ہوگا۔

(آیت نمبر ۱۲) ان مکہ والوں کی طرح ان سے پہلے نوح علیہ السلام کو ان کی قوم نے اسی طرح کنوئیں والوں نے جو ثمود کے بقایا لوگ تھے۔ انہوں نے اپنے نبی حنظلہ بن صفوان کو جھٹلایا اور قوم ثمود نے صالح علیہ السلام کو جھٹلایا۔ چونکہ ان کی آبادی میں ایک کنواں تھا۔ جہاں سے پورا علاقہ سیراب ہوتا تھا۔ اس لئے انہیں اصحاب الرس یعنی کنوئیں والے کہا گیا۔

(آیت نمبر ۱۳) اور قوم عاد یعنی حضرت ہود علیہ السلام کی قوم نے حضرت ہود کو اور فرعون نے جناب موسیٰ و ہارون علیہم کو جھٹلایا اور لوط علیہ السلام کی بستی والوں نے انہیں جھٹلایا۔ سکے بھائی تو نہ تھے۔ البتہ سرالی رشتہ والے تھے۔

وَأَصْحَابُ الْآيَةِ وَقَوْمُ تُبَّعٍ كُلٌّ كَذَّبَ الرُّسُلَ فَحَقَّ وَعِيدِ ۝۱۴

اور بن والوں اور قوم تبع نے۔ ہر ایک نے جھٹلایا رسولوں کو تو ثابت ہوا وعدہ عذاب

أَفَعَيْنَا بِالْخَلْقِ الْأَوَّلِ بَلْ هُمْ فِي لُبْسٍ مِّنْ خَلْقٍ جَدِيدٍ ۝۱۵

کیا ہم تھک گئے بنا کر پہلی بار۔ بلکہ وہ شبہ میں ہیں بنے بنے سے

وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ وَنَعْلَمُ مَا تُوَسُّوْسُ بِهِ نَفْسُهُ ۖ وَنَحْنُ

اور تحقیق پیدا کیا ہم نے انسان کو اور ہم جانتے ہیں جو وسوسہ ڈالتا ہے اس کا نفس۔ اور ہم

أَقْرَبُ إِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيدِ ۝۱۶

بہت قریب ہیں اسے اس کی شہ رگ سے۔

(آیت نمبر ۱۴) اور جھاڑیوں والوں نے شعیب علیہ السلام کو اسی طرح تبع کی قوم یعنی یمن والوں نے۔ اپنے نبی کو ان کا تفصیلی ذکر سورہ دخان میں گذر گیا۔ ان سب سے رسولان گرامی قدر کو جھٹلایا (یاد رہے ایک نبی کو جھٹلانا سب کو جھٹلانا ہے) ان پر ثابت ہوگئی وعید (عذاب) جو ان پر لازم ہو گیا۔ اور ان پر ایسا عذاب اترا کہ انہیں نیست و نابود کر گیا۔ اسی لئے آخرت کا عذاب بھی ان کیلئے لازم کر دیا گیا۔

(آیت نمبر ۱۵) تو کیا ایک دفعہ بنا کر ہم تھک گئے ہیں؟ یا عاجز ہو گئے کہ دوبارہ نہیں بنا سکتے یا تمہیں قیامت کے دن دوبارہ زندہ نہیں کر سکتے۔ بلکہ یہ لوگ اصل میں التباس میں ہیں۔ یعنی نئی تخلیق کے بارے میں خلط ملط ہو گئے ہیں۔ نئی خلق سے مراد دوبارہ زندہ ہونا ہے۔ فائدہ: کاشفی لکھتے ہیں۔ مشرکین اس بات کو مانتے تھے کہ مخلوق کا خالق اللہ تعالیٰ ہے۔ اسی نے سب کچھ پیدا کیا۔ لیکن شیطان نے انہیں وسوسہ ڈالا کہ اللہ تعالیٰ دوبارہ زندہ نہیں کر سکتا۔ حالانکہ پہلی مرتبہ پیدا کرنا مشکل ہوتا ہے۔ دوبارہ تو اسی مادے میں زندگی رکھنی ہے لیکن وہ لوگ اصل میں قیامت کے ہی منکر ہیں۔

(آیت نمبر ۱۶) اور تحقیق ہم نے پیدا کیا انسان کو اور ہم جانتے ہیں جو اس کے نفس میں وسوسے آتے ہیں۔

فائدہ: اللہ تعالیٰ انسان کے پیدا ہونے سے پہلے جیسے جانتا تھا۔ ایسے ہی ان کے پیدا ہونے کے بعد بھی جانتا ہے۔ پہلا علم بالقوة دوسرا علم بالفعل ہے۔ مخلوق کی کوئی چیز اس پر مخفی نہیں ہے۔

اِذْ يَتَلَقَّى الْمُتَلَقِّينَ عَنِ الْيَمِينِ وَعَنِ الشِّمَالِ قَعِيدٌ ۝۱۷

جب اس کے عمل لیکر ملتے ہیں دو ملنے والے دائیں جانب اور بائیں جانب بیٹھ کر۔

مَا يَلْفِظُ مِنْ قَوْلٍ إِلَّا لَدَيْهِ رَقِيبٌ عَتِيدٌ ۝۱۸

نہیں نکالتا ہے کوئی بات مگر اس کے پاس ایک محافظ تیار بیٹھا ہے۔

کیونکہ ہم اس کی شد رگ سے بھی زیادہ قریب ہیں۔ یعنی اس کے تمام احوال کو جانتے ہیں۔ ”درید“ ان دورگوں کو کہا جاتا ہے۔ جنہوں نے گلے کے اگلے حصہ کو گھیرا ہوا ہے۔ ماوردی کہتے ہیں درید وہ رگیں ہیں جو دل کے قریب ہے۔ جن سے خون دل تک پہنچتا ہے۔

(آیت نمبر ۱۷) جب دو فرشتے جو انسان کے دائیں اور بائیں اعمال لکھنے کیلئے مقرر ہیں وہ ایک دوسرے کو مل کر ایک دوسرے سے لیتے اور دیتے ہیں اور جو کچھ انسان بولے۔ وہ لکھ کر اپنے پاس محفوظ کر لیتے ہیں۔

فائدہ: اللہ تعالیٰ فرشتوں کے حاصل کردہ سے بے نیاز ہے کیونکہ اس کے علم محیط تک فرشتے نہیں پہنچ سکتے۔ بروز قیامت فرشتے نامہ اعمال لیکر حاضر ہوں گے تو وہ اللہ تعالیٰ کو دکھانے کیلئے نہیں کیونکہ وہ تو تمام تفصیل سے بھی باخبر ہے۔ بلکہ انسان کو بتانے کیلئے کہ ایک دن تیرا اعمال نامہ کھلے گا تا کہ وہ گناہوں سے بچ جائے اور نیک کاموں میں دل لگائے۔ لہذا فرمایا کہ وہ دونوں فرشتے انسان کے دونوں کندھوں پر بیٹھنے والے ہیں۔ یعنی وہ ہمارے نگران بھی ہیں اور اعمال کو لکھنے والے بھی ہیں۔

(آیت نمبر ۱۸) آدمی نہیں نکالتا منہ سے کوئی بات بھلی یا بری مگر اس کے قریب ایک محافظ فرشتہ انتظار میں ہوتا ہے۔ یعنی لکھنے کیلئے وہ ہر وقت تیار رہتا ہے۔ دائیں جانب والا نیکی اور بائیں جانب والا برائی لکھتا ہے۔ منہ سے جو بھی نکلے حتیٰ کہ بیمار کے کراہنے کی آواز نکلے تو وہ بھی لکھ لیتے ہیں۔ جماع یا قضائے حاجت کے وقت انسان سے الگ ہو جاتے ہیں۔ مرنے کے بعد فرشتے اسی مومن کی قبر پر جس کے اعمال لکھتے رہے اللہ تعالیٰ کے حکم پر قیامت تک تسبیح و تہلیل کہہ کر ثواب میت کے کھاتے میں بھیجتے رہتے ہیں۔ بندہ فرشتوں کی حفاظت میں ہے۔ اللہ تعالیٰ کی اپنے بندوں پر اس قدر نظر عنایت ہے کہ ہر بندے پر دو فرشتے مقرب نگران مقرر فرمادیئے۔ انسان بیٹھے تو ایک اس کے دائیں اور دوسرا بائیں جانب کھڑے ہو جاتے ہیں۔ جب سوئے تو ایک سرہانے اور دوسرا پاؤں کی طرف کھڑا رہتا ہے اور جب چلتا ہے تو ایک آگے اور ایک پیچھے اور ایک جوڑا دن کو دوسرا رات کو حفاظت کرتا ہے۔

وَجَاءَتْ سَكْرَةُ الْمَوْتِ بِالْحَقِّ ۚ ذَٰلِكَ مَا كُنْتَ مِنْهُ تَحِيدُ ۝۱۹

اور آئی سختی موت کی حق کے ساتھ۔ یہ ہے جس سے تو ہے بھاگتا۔

وَنُفِخَ فِي الصُّورِ ۚ ذَٰلِكَ يَوْمُ الْوَعِيدِ ۝۲۰ وَجَاءَتْ كُلُّ نَفْسٍ مَّعَهَا

اور پھونکا جائیگا صور میں وہ ہی دن ہے وعید کا۔ اور یوں آئیگا ہر نفس کہ اس کے ساتھ

سَاقٍ وَشَهِيدٌ ۝۲۱

ایک ہاتھنے والا اور ایک گواہ ہوگا۔

(آیت نمبر ۱۹) اور آئی موت کی سختی شدت کے ساتھ اور حق کی طرف سے جو عقل پر غالب آ جائیگی۔ موت کے وقت ہی معلوم ہو جاتا ہے کہ بندہ نیک بخت ہے یا بد بخت اور یہ حقیقت ہے اسی لئے موت کی شدت کو حق کے ساتھ ملتبس کر دیا۔ یعنی موت اللہ تعالیٰ کے حکم سے آئی اور وہ حق ہے۔ آگے فرمایا یہ وہ ہے جس سے تو بھاگتا پھرتا ہے۔ جناب صدیق اکبر کا یقین:

فائدہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ جب ابا حضور صدیق اکبر رضی اللہ عنہ پر موت کے سكرات طاری ہوئے تو میں رونے لگی۔ جب انہیں افاقہ ہوا تو انہوں نے یہی آیت تلاوت فرمائی۔ **حدیث قدسی:** اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔ میں کسی چیز کے متعلق اتنا توقف نہیں کرتا۔ جتنا مومن کی موت پر توقف کرتا ہوں (رواہ البخاری)۔ مثلاً کہتا ہوں ابھی ٹھہر جاؤ۔ **فائدہ:** اس کی وجہ علماء نے یہ بیان کی ہے کہ اللہ تعالیٰ فرشتوں کو فرماتے ہیں۔ ابھی ٹھہر جاؤ۔ میں اسے وہ کرامات اور انعامات دکھاتا ہوں جو میں نے اس کے لئے تیار کی ہیں۔

(آیت نمبر ۲۰) صور میں پھونکا جائیگا۔ اس سے فح ثانی مراد ہے۔ جس میں اسرافیل علیہ السلام پھونکیں گے۔ اس کی تفصیل کئی جگہ گذر گئی ہے۔ وہی وعدے کا دن ہے۔ یعنی وہ دن جس کا دنیا میں وعدہ دیا گیا تھا کہ وہ دن یقیناً آئے گا اور اس کی سختی کے بارے میں بھی بتا دیا گیا تھا۔ یہ وہی دن ہے۔

(آیت نمبر ۲۱) محشر کے میدان میں اس دن ہر نفس خواہ نیک ہے یا برا ہے۔ جب آئیگا تو اس کے ساتھ ایک اسے چلانے والا اور دوسرا گواہ ہوگا۔ یعنی ایک فرشتہ اسے چلا رہا ہوگا۔ اور دوسرا اعمال کا گواہ دونوں رب تعالیٰ کے پاس حاضر ہونگے۔

لَقَدْ كُنْتَ فِي غَفْلَةٍ مِّنْ هَذَا فَكَشَفْنَا عَنْكَ غِطَاءَكَ فَبَصَرُكَ

بے شک تھا تو غفلت میں اس سے پھر ہم نے ہٹادیا تجھ سے تیرا پردہ تو نگاہ تیری

الْيَوْمَ حَدِيدٌ ۝۲۲ وَقَالَ قَرِينُهُ هَذَا مَا لَدَيَّ عَتِيدٌ ۝۲۳

آج تیز ہے۔ اور کہا اس کے ساتھی نے یہ جو میرے پاس حاضر ہے۔

(بقیہ آیت نمبر ۲۱) فائدہ: کشف الاسرار میں ہے۔ کافر کو چلانے والا جہنم کی طرف اور مومن کے ساتھ جانے والا فرشتہ جنت کی طرف لے جائیگا۔ فائدہ: البتہ اس میں اختلاف ہے کہ آیا وہ دونوں کرانا کاتبین ہونگے یا ان کے علاوہ کوئی دوسرے فرشتے ہوں گے۔ یا ایک ہی فرشتہ دونوں کام کرے گا۔

(آیت نمبر ۲۲) تحقیق تو اس سے غافل تھا۔ یعنی انسان کو بروز قیامت یاد کرایا جائیگا کہ تو قیامت میں اٹھنے اور اللہ تعالیٰ کے حضور میں حاضر ہونے اور قیامت کی ہولناکیوں سے غفلت میں تھا۔ آگے فرمایا کہ پھر ہم نے تجھ سے یا تیری آنکھ سے پردہ ہٹادیا۔ یا تیری جہالت کا پردہ ہٹادیا جو کچھ تو دنیا میں سنتا تھا۔ اب وہ دکھادیا جائیگا۔ آج تیری نظر بھی تیز کر دی جائیگی۔ جن جن چیزوں کا تجھے انکار تھا۔ اب اپنی آنکھوں سے دیکھ لے گا۔

مولیٰ علی کرم اللہ وجہہ الکریم کا فرمان ہے کہ اگر سب پردے ہٹ جائیں تو بھی میرے یقین میں کوئی اضافہ نہیں ہوگا۔ یعنی میرا یقین اللہ اور قیامت پر اتنا پختہ ہے لیکن غافل لوگوں کی نظروں پر جو پردے ہیں وہ قیامت کے دن ہٹیں گے تو اس وقت انہیں یقین ہوگا۔ لیکن وہ یقین مجھے ابھی سے حاصل ہے اور علم الیقین سے عین الیقین تک اس دن پہنچیں گے۔ میں آج ہی اس درجے پر فائز ہوں۔

(آیت نمبر ۲۳) اور اس کا ساتھی کہے گا۔ یعنی شیطان جسے وسوسے ڈالتا تھا۔ اس کے بارے میں کہے گا۔ یہی ہے جو میرے پاس یعنی میری ملکیت یا دسترس میں تھا۔ جسے گمراہ کر کے جہنم کے لائق بنایا۔ انسان کیلئے اس وقت بڑی ذلت ہوگی جب اس کے گمراہ کرنے والے بھی اس کا ساتھ چھوڑ جائیں گے۔

سبق: عقل مند کیلئے ضروری ہے کہ وہ شیطان کے کہے پر ہرگز نہ چلے کیونکہ وہ جہنم اور قہر الہی کی طرف لے جاتا ہے۔

أَلْقِيَا فِي جَهَنَّمَ كُلَّ كَفَّارٍ عَنِيدٍ ۖ (۳۳) مَنَّاعٍ لِلْخَيْرِ مُعْتَدٍ مُّرِيبٍ ۖ (۳۵)

ڈالا جہنم میں ہر ناشکرے ہٹ دھرم کو۔ بہت منع کرنے والے بھلائی کو حد سے بڑھنے شک کرنے والا۔

الَّذِي جَعَلَ مَعَ اللَّهِ إِلَهًا آخَرَ فَأَلْقِيَهُ فِي الْعَذَابِ الشَّدِيدِ (۳۶)

جس نے بنایا ساتھ اللہ کے خدا دوسرا۔ پھر دونوں کو ڈالو عذاب سخت میں۔

(آیت نمبر ۲۳) اللہ تعالیٰ فرشتوں سے فرمائے گا کہ جہنم میں ڈال دو۔ ہر اس شخص کو جو نعمتیں دینے والے کا ناشکر اور سرکش ہے۔ یعنی اتنی بڑی بڑی نعمتیں کھا کر پھر نہ نعمت دینے والے کو مانا اور نہ اس کی توحید کا اقرار کیا۔ نہ ایمان لایا ہے بلکہ دوسروں کو بھی کفر کی ترغیب دے کر اسے گمراہ کیا۔ عید وہ ہوتا ہے جو حق کو پہچاننے کے باوجود حق کا انکار کرتا ہے اور سب سے بڑا کفر عناد ہے۔ فائدہ: قتادہ فرماتے ہیں عید وہ ہوتا ہے جو طاعت کا منکر ہو۔

(آیت نمبر ۲۵) مالی حقوق ادا کرنے سے روکنے والا۔ پوری کوشش سے اللہ تعالیٰ کی راہ میں مال خرچ کرنے سے روکنے والا یعنی بہت بڑا بخیل۔ مال فرضی ہو جیسے زکوٰۃ یا نفلی جیسے صدقات و خیرات۔

فائدہ: بعض بزرگوں نے کہا۔ خیر سے مراد اسلام ہے۔ یعنی جو اسلام قبول کرنے سے روکتا ہے۔

شان نزول: یہ آیت ولید بن مغیرہ کے حق میں نازل ہوئی۔ جو اپنے بھتیجیوں کو اسلام سے روکتا تھا اور کہتا تھا جو مسلمان ہوگا اس کی خیر نہیں ہے۔ آگے فرمایا۔ حد سے بڑھنے والا۔ یعنی بہت بڑا ظالم اور مسلمانوں کا دشمن اور اللہ تعالیٰ کے متعلق شک کرنے والا۔ بلکہ دین کے متعلق لوگوں کو شک میں ڈالنے والا۔

(آیت نمبر ۲۶) وہ شخص جس نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ اور بھی معبود بنا ڈالے۔ پس ڈالو ان کو سخت عذاب میں۔ یعنی ان کے مذکورہ کرتوتوں کی وجہ سے انہیں جہنم میں ڈال دو۔ حدیث شریف میں ہے کہ جب لوگوں کا حساب و کتاب ہو رہا ہوگا۔ تو جہنم سے ایک گردن نکلے گی۔ جو کہے گی میں تین قسم کے اشخاص کو پکڑنے پر مجبور ہوں۔ (۱) اللہ تعالیٰ کے ساتھ دوسرا معبود بنانے والا۔ (۲) ناحق قتل کرنے والا۔ (۳) جابر سرکش۔ پھر وہ اس قسم کے لوگوں کو تمام لوگوں کے درمیان سے اچک لے گا۔ جیسے پرندہ دانے کو اٹھاتا ہے اور وہ انہیں جہنم میں پھینک دیگا۔

فائدہ: ایک روایت میں یہ بھی ہے۔ جو مخلوق یعنی ذی روح چیزوں کی تصویریں بناتا رہا۔ خصوصاً بت بناتا رہا (فوٹو گرافر) کو بھی اچک کر جہنم میں ڈال دے گا۔ لہذا تصویریں بنانے والوں کو اس سے عبرت حاصل کرنی چاہئے۔

قَالَ قَرِينُهُ رَبَّنَا مَا أَطْغَيْتُهُ وَلَكِنْ كَانَ فِي ضَلَالٍ بَعِيدٍ ۝۲۷

کہا اس کے ساتھی نے ہمارے رب نہیں میں نے اسے سرکش بنایا لیکن یہ تھا خود ہی گمراہی میں دور۔

قَالَ لَا تَخْصِمُوا لَدَيَّ وَقَدْ قَدَّمْتُ إِلَيْكُمْ بِالْوَعِيدِ ۝۲۸

فرمائے گا نہ جھگڑو میرے پاس تحقیق میں نے پہلے ہی تمہیں عذاب کا ڈر سنا دیا۔

(بقیہ آیت نمبر ۲۶) فائدہ: اس سے مراد زیادہ تر وہ لوگ ہیں۔ جو لوگوں کے مقاصد کیلئے تصویریں بناتے

ہیں۔

حدیث شریف میں ہے۔ تصویریں بنانے والے ایک عرصہ تک میدان محشر میں رکے رہیں گے اور اپنے

پسینے میں غرق ہو رہے ہوں گے کہ نہ معلوم کیا سزا مقرر ہوگی۔ (نہج البلاغہ)

(آیت نمبر ۲۷) اس کا ساتھی کہے گا۔ اے ہمارے رب میں نے تو اسے گمراہ نہیں کیا۔ لیکن وہ تو خود ہی بہت

بڑی گمراہی میں جا پڑا۔ یعنی اس کا حق کی طرف لوٹنے کا اپنا ہی کوئی ارادہ نہیں تھا۔ نہ میں نے اسے گمراہی کی طرف

دعوت دی نہ جبر کیا نہ زبردستی کی۔ اپنے اختیار سے اس نے گمراہی کو اختیار کیا۔ فائدہ: شیطان کے اغوا کا اثر اس پر

ہوتا ہے۔ جس کی اپنی رائے میں خلل اور دل میں فسق و فجور ہو اور حق سے بھٹکا ہوا ہو۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔ جو میری

طرف رجوع کرے اسے ہدایت دے دیتا ہوں۔ اور جو مجھ سے منہ پھیرے۔ میں مزید اسے پھر ادیتا ہوں۔ حتیٰ کہ جہنم

میں چلا جاتا ہے۔ فائدہ: شیطان کے ہاتھ میں گمراہی نہیں ہے اگر اس کے ہاتھ میں گمراہی ہوتی تو دنیا میں کوئی بھی

ہدایت پر نہ ہوتا۔ اسی طرح اگر ہدایت نبی کے ہاتھ میں ہوتی تو کوئی گمراہ نہ ہوتا۔ اصل بات یہ ہے کہ ہدایت اور

گمراہی اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے۔ جو ہدایت لینا چاہے اسے اللہ تعالیٰ ہدایت دے دیتا ہے۔

(آیت نمبر ۲۸) اللہ تعالیٰ ان سے فرمائے گا کہ تم میرے پاس یہ لڑائی نہ کرو کیونکہ اب تمہارے جھگڑنے کا کوئی

فائدہ نہیں۔ بعض بزرگوں نے کہا یہ جھگڑا کفار کا آپس میں ہوگا۔ محشر کے میدان میں بھی اور جہنم میں بھی۔

فائدہ: مومنین کے جھگڑے کو سنا جائیگا۔ لیکن کفار کے جھگڑنے کو نہیں سنا جائیگا۔ اس کے بعد وہ جہنم میں خوب

جھگڑیں گے۔ لیکن ان کے جھگڑے کو کوئی اہمیت نہیں دی جائے گی۔ اللہ تعالیٰ فرمائیں گے۔ میں نے دنیا میں تمہاری

طرف وعید بھیج دی تھی۔ کتابوں میں سب کچھ لکھ دیا اور رسولوں کی زبانی تمہیں بتا دیا تھا۔ لہذا اب تمہاری کوئی حجت

قابل قبول نہیں اور نہ تم کوئی نجات کی امید رکھو۔

مَا يُبَدِّلُ الْقَوْلُ لَدَيَّ وَمَا أَنَا بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيدِ ۝ (۲۹)

نہیں بدلتی بات میرے ہاں اور نہیں میں ظلم کرنے والا بندوں پر

يَوْمَ نَقُولُ لِحَبَّهٖمْ هَلْ اٰمَنَّا وَتَقُولُ هَلْ مِنْ مَّزِيْدٍ ۝ (۳۰)

جس دن ہم کہیں گے جہنم سے کیا تو بھر گئی۔ تو وہ کہے گی کیا کچھ مزید بھی ہیں۔

(آیت نمبر ۲۹) نہیں بدلے گی میرے ہاں کوئی بات وعدے یا وعید کی۔ یعنی میرے فیصلے میں کسی قسم کی تبدیلی نہیں ہوگی۔

فائدہ: جلال الدین دوانی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ وعید کے خلاف ہونا ممکن ہے۔ وعدے کے خلاف ہونا ممکن نہیں۔ جیسے ارشاد نبوی ہے کہ کسی کو کسی عمل پر اگر ثواب کا وعدہ ہے تو وہ ضرور پورا ہوگا۔ اگر کسی برائی پر سزا کی وعید ہے تو اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے۔ چاہے سزا دے یا معاف کر دے۔

آگے فرمایا۔ میں بندوں پر ظلم کرنے والا نہیں ہوں۔ یعنی بندوں کو سزا ان کے اپنے کرتوتوں کی وجہ سے ہوگی۔ جیسے نیکی والوں کو اچھا بدلہ ان کے نیک اعمال کی وجہ سے ہوگا۔ اسی طرح بروں کو برے اعمال کا برابر بدلہ ملے گا۔

(آیت نمبر ۳۰) یاد کرو وہ دن جس دن ہم کہیں گے جہنم سے کہ کیا تو پر ہو گئی ہے۔ ان سے جن کو میں نے تجھ میں ڈالا ہے۔ میں نے اپنا وعدہ پورا کر دیا ہے کہ جو میں نے وعدہ کیا تھا کہ جنت اور جہنم دونوں کو میں بھر دوں گا تو یہ اللہ تعالیٰ کا پوچھنا اپنی خبر کی تصدیق کیلئے ہے اور وعدے کی تحقیق کیلئے اور کفار و مشرکین کو اس عذاب کی آگاہی اور باقی بندوں کو تنبیہ کیلئے ہے تو اللہ تعالیٰ کے پوچھنے پر جہنم جواب میں کہے گی۔ کیا کوئی اور بھی (جہنم کے لائق) ہیں۔ تو انہیں بھی بھیج دیں۔ میرے پیٹ میں ابھی جگہ بہت ہے۔ وہ مانگتی ہی رہے گی۔ حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ اپنی قدرت کا پاؤں اس پر رکھے گا۔ تو اس کا پیٹ چھوٹا ہو جائیگا۔ **فائدہ:** اس میں اختلاف ہے۔ کہ یہ سوال حقیقتاً ہے یا مجازاً ہے۔ بعض کے نزدیک یہ حقیقتاً ہے کہ اللہ تعالیٰ جہنم کو جسم کے اعضاء کی طرح بولنے کی طاقت دے گا۔ یہی مذہب مختار ہے کیونکہ وہ ہر چیز پر قادر ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ دنیوی امور کو آخرت کے امور سے قیاس نہیں کیا جاسکتا۔ حدیث میں ہے کہ جوں جوں بندے جہنم میں ڈالے جائیں گے تو انہیں وہ کہے گی اور بھی لاؤ یہاں تک کہ رب تعالیٰ اس پر قدم قدرت رکھے گا تو اس وقت وہ کہے گا بس بس اب کافی ہیں۔

وَأَزَلَّتِ الْجَنَّةُ لِلْمُتَّقِينَ غَيْرَ بَعِيدٍ ۝ (۳۱) هَذَا مَا تُوْعَدُونَ لِكُلِّ

قریب لائی جائے گی جنت پر ہیزگاروں کے جو نہ ہوگی دور۔ یہ ہے وہ جس کا تم وعدہ دیئے جاتے ہو ہر

أَوَّابٍ حَفِیْظٍ ۝ (۳۲) مَنْ خَشِيَ الرَّحْمَنَ بِالْغَيْبِ وَجَاءَ بِقَلْبٍ مُنِيبٍ ۝ (۳۳)

رجوع کرنے والے حفاظت والے کیلئے۔ جو ڈرا رحمن سے بن دیکھے اور لایا دل رجوع والا۔

ادْخُلُوهَا بِسَلَامٍ ۚ ذَٰلِكَ يَوْمُ الْخُلُودِ ۝ (۳۴)

داخل ہوا جنت میں سلامتی سے۔ یہ دن ہے ہمیشگی کا۔

(آیت نمبر ۳۱) اور جنت متقی لوگوں کے قریب کر دی جائیگی۔ یعنی جو کفر اور نافرمانیوں سے بچے رہے۔ اتنی قریب ہوگی کہ جنتی جنت کے باہر سے ہی اندر کا نظارہ کرتے رہیں گے اور خوش ہوں گے کہ اب جلد ہی ہم ان نعمتوں سے مستفیض ہونگے۔ آگے فرمایا کہ وہ جنت سے دور نہیں ہونگے نہ جنت ان سے دور ہوگی۔ پھر انہیں حساب و کتاب کیلئے بلایا جائیگا جو بہت آسان ہوگا۔ بڑی قسمت والے تو وہ ہیں جن کا حساب ہوگا ہی نہیں۔

(آیت نمبر ۳۲) اور کہا جائیگا کہ یہ ہے وہ جنت جس کا تم دنیا میں وعدہ دیئے گئے تھے۔ یہ اللہ تعالیٰ فرمائے گا۔ یا فرشتے اس کی طرف سے متقیوں کو بتائیں گے۔ کہ یہ جنت ہر اس شخص کیلئے ہے۔ جو اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرنے والا ہے۔ یعنی شرک چھوڑ کر توحید کی طرف اور نافرمانی سے اطاعت کی طرف اور مخلوق سے خالق کی طرف رجوع کرنے والا اور اپنے وعدے کی پابندی کرنے والا ہے۔ حدیث میں ہے۔ جو دن کے شروع میں چار رکعات پابندی سے پڑھے وہ اداب بھی ہے اور حفیظ بھی ہے۔ (ترمذی۔ احیاء العلوم)

(آیت نمبر ۳۳) جو رحمن سے ڈرے۔ یعنی اللہ تعالیٰ کے عذاب دوزخ سے ڈرے۔ بن دیکھے کہ نہ اللہ تعالیٰ کو دیکھنا جہنم کو۔ لیکن دل میں خوف بھی رکھتے ہیں اور رحمت کے امیدوار بھی ہیں اور ایسے دل کے ساتھ آئے جو اس کی طرف رجوع کرنے والا ہے۔ رجوع سے مراد رجوع الی اللہ ہے اور وہ دل سے نہ ہو تو کوئی فائدہ نہیں۔

(آیت نمبر ۳۴) متقین کو کہا جائیگا۔ اس جنت میں داخل ہو جاؤ سلامتی کے ساتھ۔ یعنی نہ عذاب ادھر آئے۔ نہ نعمتیں ختم ہوں اور نہ یہاں سے نکلنا ہو۔ یہ داخلہ ہمیشہ کیلئے ہے۔ جس ہمیشگی کی کوئی انتہا نہیں۔ فائدہ: سعدی مفتی فرماتے ہیں۔ اس سلامتی کا اشارہ خلود کی طرف ہے۔ یعنی انہیں دائمی سلامتی نصیب ہوگی۔

لَهُمْ مَا يَشَاءُونَ فِيهَا وَلَدَيْنَا مَزِيدٌ ﴿۳۵﴾ وَكَمْ أَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ مِّنْ

ان کیلئے ہے جو وہ چاہیں گے اس میں اور ہمارے ہاں اور زیادہ بھی ہے اور کتنی ہلاک کیں ہم نے ان سے پہلے

قَرْنٍ هُمْ أَشَدُّ مِنْهُمْ بَطْشًا فَنَقَّبُوا فِي الْبِلَادِ ۖ هَلْ مِنْ مَّحِيصٍ ﴿۳۶﴾

تو میں وہ زیادہ سخت تھیں ان سے پکڑ میں۔ انہوں نے کوششیں کیں شہروں میں کیا ہے کوئی بھاگنے کی جگہ۔

إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَذِكْرًا لِّمَن كَانَ لَهُ قَلْبٌ أَوْ أَلْقَى السَّمْعَ وَهُوَ شَهِيدٌ ﴿۳۷﴾

بے شک اس میں نصیحت ہے اس کیلئے جو ہے دل والا۔ یا لگائے کان اور وہ متوجہ ہو۔

(آیت نمبر ۳۵) ان کے لئے وہ سب کچھ ہے جو وہ چاہیں گے۔ یعنی جنت میں ہر وہ چیز جو چاہتی چاہیں گے۔

فائدہ: امام قشیری فرماتے ہیں۔ انہیں کہا جائیگا دنیا میں تم کہا کرتے تھے وہی ہوگا جو خدا چاہے گا۔ اب جنت میں آ کے دیکھو اب وہی ہوگا۔ جو تم چاہو گے: (ع: خدا بندے سے خود پوچھے بتا تیری رضا کیا ہے)۔ کیونکہ احسان کا بدلہ احسان ہوتا ہے۔ آگے فرمایا کہ ہمارے ہاں اور بھی زیادہ ہے۔ یعنی ایسی کرامات کہ جو کسی آنکھ نے نہ دیکھیں نہ کان نے سنیں۔ **فائدہ:** مختار مذہب یہ ہے کہ اس سے مراد دیدار الہی ہے۔ یعنی جنت میں ہر جمعہ والے دن اہل ایمان کو دیار نصیب ہوگا۔

(آیت نمبر ۳۶) کئی قرن کے لوگوں کو ہم نے ان سے پہلے ہلاک کیا۔ اس وجہ سے کہ انہوں نے رسولوں کو جھٹلایا اور وہ کفار ان کفار مکہ سے سخت تھے۔ گرفت اور قوت کے لحاظ سے۔ اس سے مراد قوم عاد اور قوم ثمود ہے۔ جنہوں نے پہاڑوں میں شہر آباد کئے۔ یا معنی ہے۔ کئی شہروں کو روند کر غلبہ حاصل کر لیا۔ یا انہوں نے دور دراز تک سفر کر کے بہت سارے اموال و اسباب کمائے۔ آگے فرمایا کہ وہ آپس میں کہیں گے کیا ہے کوئی چارہ۔ یعنی امر الہی سے یا عذاب سے بچنے کا کوئی چارہ ہے۔ جب عذاب کا امر ہوا تو کسی چیز نے ان کی دستگیری نہیں کی۔

فائدہ: اہل مکہ کیلئے اس میں سبق ہے کہ تم سے پہلے لوگ موت سے نہیں بچ سکتے تم کیسے بچ سکتے ہو۔

سبق: جب انبیاء کرام علیہم السلام بھی موت سے دوچار ہوئے تو ہم کس شمار میں ہیں۔

(آیت نمبر ۳۷) بے شک اس میں نصیحت ہے۔ اس میں اشارہ مذکور قصے کی طرف ہے۔ یا بستیوں کی ہلاکت کی طرف۔ آگے فرمایا کہ یہ وعظ و نصیحت ہے۔ اس کیلئے جس کا دل ہے۔ دل بھی وہ جو سلیم ہے۔ جن میں تفکر ہے۔

وَلَقَدْ خَلَقْنَا السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا فِي سِتَّةِ أَيَّامٍ مَدَى وَمَا

اور تحقیق ہم نے بنایا آسمانوں اور زمین کو اور جو ان کے درمیان سے چھ دنوں میں۔ اور نہیں

مَسْنَا مِنْ لُغُوبٍ ۳۸

پہنچی ہمیں کوئی تھکاوٹ۔

(بقیہ آیت نمبر ۳۷) یعنی تفکر کرتا ہے اور سمجھتا ہے کہ سابقہ قوموں کی تباہی کا سبب ان کا کفر ہے۔ یہ بات واضح ہے اور معمولی عقل والا بھی نصیحت قبول کرتا ہے۔

فائدہ: ابواللیث رحمہ اللہ نے فرمایا۔ یہاں قلب سے مراد عقل ہے کیونکہ انسان جو کچھ عقل میں لاتا ہے وہ دل سے لاتا ہے۔ آگے فرمایا۔ وہ کان لگاتا ہے وحی کی طرف اور وہ خود اس پر گواہ ہے۔

فائدہ: شیخ ابوسعید حزار قدس سرہ نے فرمایا قرآن سننے کے وقت یہ تصور ہو کہ گویا وہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سن رہا ہے۔ بلکہ اس سے بھی آگے بڑھ کر یہ تصور کرے کہ وہ جبریل علیہ السلام سے سن رہا ہے۔ پھر اس سے بھی ذرا آگے بڑھے اور یہ تصور کرے کہ خود اللہ تعالیٰ سے گویا وہ سن رہا ہے۔ **فائدہ:** حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔ قرآن کو اتنا بار بار پڑھتا ہوں کہ پھر ایسا معلوم ہوتا کہ گویا خود اللہ تعالیٰ سے سن رہا ہوں۔

(آیت نمبر ۳۸) اور تحقیق ہم نے پیدا کیا جو آسمانوں اور جو زمینوں میں اور جو ان کے اندر ہے چھ دنوں میں۔

فائدہ: اگرچہ اللہ تعالیٰ یہ سب کچھ آنکھ جھپکنے کی دیر میں بھی بنا سکتا ہے۔ لیکن اس میں ہمارے لئے سبق ہے کہ ہر کام کو آرام اور تسلی سے اور سنوار کر کرنا چاہئے۔ سوائے چھ کاموں کے۔

چھ کاموں میں جلدی کرنا ضروری ہے: (۱) نماز کی ادائیگی جب وقت ہو جائے۔ (۲) میت کو دفن کرنے میں۔ (۳) بچی کے نکاح میں جب بالغ ہو جائے۔ (۴) قرض کی ادائیگی جب میعاد پوری ہو جائے۔ (۵) مہمان کی خدمت۔ (۶) گناہ ہو جائے تو توبہ کرنے میں۔

فائدہ: ہر چیز اللہ تعالیٰ نے اپنے حکم سے بنائی اور جناب آدم علیہ السلام کو بھی اللہ تعالیٰ نے اپنے دست قدرت سے بنایا اسی لئے انسان سب سے خوبصورت مخلوق ہے۔ پھر ان میں روح پھونکی اور کل اشیاء کے نام بھی عطا فرمائے۔ آگے فرمایا کہ زمین و آسمان بنانے میں ہمیں کوئی تھکان نہیں ہوئی۔

فَاصْبِرْ عَلَىٰ مَا يَقُولُونَ وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ قَبْلَ طُلُوعِ الشَّمْسِ

پس صبر کریں اس پر جو کافر کہتے ہیں اور تسبیح کہیں ساتھ حمد اپنے رب کے۔ پہلے طلوع آفتاب کے

وَقَبْلَ الْغُرُوبِ ۚ (۳۹) وَمِنَ اللَّيْلِ فَسَبِّحْهُ وَأَدْبَارَ السُّجُودِ ۝ (۴۰) وَاسْتَمِعْ يَوْمَ

اور پہلے ڈوبنے سے۔ اور کچھ رات کے وقت۔ پھر تسبیح پڑھیں بعد نمازوں کے۔ غور سے سن جس دن

يُنَادِ الْمُنَادِ مِنْ مَّكَانٍ قَرِيبٍ ۖ (۴۱)

پکارے گا پکارنے والا جگہ نزدیک سے۔

(آیت نمبر ۳۹) اے محبوب جو کچھ وہ کہتے ہیں۔ اس پر صبر کیجئے۔ یعنی مشرکین کی باطل باتیں سن کر پریشان نہ ہوں۔ آگے فرمایا اے محبوب تسبیح بیان کریں اپنے رب کی حمد کے ساتھ کافر اللہ تعالیٰ کے متعلق جو جو بکواس کرتے ہیں کرنے دو۔ آپ طلوع آفتاب سے پہلے اور غروب آفتاب سے پہلے۔ یعنی نماز فجر اور عصر کے بعد اللہ تعالیٰ کی خوب تعریف کریں۔ ان دونوں اوقات کی احادیث میں بڑی فضیلت آئی ہے۔

ایک حدیث قدسی میں ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ میرے بندے تو مجھے نماز فجر کے بعد اور عصر کے بعد کچھ دیر یاد کر۔ درمیانے وقت میں تیرے سب کام میں پورے کر دوں گا۔ (رواہ مسلم فی الزہد)

(آیت نمبر ۴۰) رات کے کچھ حصے میں تسبیح کیجئے۔ مراد یہ ہے کہ رات کے آخری پہر تسبیح و تحمید بیان کریں۔

فائدہ: علامہ اسماعیل حقی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ اس آیت سے استدلال کر کے بعض اولیاء سالہا سال نہیں سوئے۔ ان کے نزدیک اس کا مطلب دوام ذکر تھا۔ آگے فرمایا۔ سجود کے بعد یعنی نمازوں کے بعد اللہ تعالیٰ کا ذکر کیا جائے۔ رکوع یا سجدہ کو کئی دفعہ نماز کہا گیا۔ جیسے ”وَجْہ“ کا لفظ بول کر ذات مراد لی جاتی ہے۔

(آیت نمبر ۴۱) اے محبوب جو کچھ آپ پر وحی ہوئی۔ اسے سنیں۔ یا اس سے قیامت کی ہولناکی کی طرف اشارہ ہے۔ یعنی وہ سنیں جو آواز دینے والا آواز دے کر بلائے گا۔ وہ فرشتہ جو صور میں پھونکے گا۔ یعنی اسرافیل علیہ السلام ہیں۔ جب قیامت کے دن ایک چٹان پر کھڑے ہو کر آواز دیں گے۔ اے پرانی ہڈیو۔ اے ٹوٹے ہوئے جوڑو۔ اے گوشت کے زرو۔ اے جدا جدا ہونے والے جسم کے ٹکڑو۔ اللہ تعالیٰ کے حکم پر جڑ جاؤ۔ اور اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں آ جاؤ

يَوْمَ يَسْمَعُونَ الصَّيْحَةَ بِالْحَقِّ ۚ ذَٰلِكَ يَوْمُ الْخُرُوجِ ﴿٣٢﴾

جس دن سنیں گے چنگاڑ حق کے ساتھ۔ وہ دن ہے قبروں سے نکلنے کا

اِنَّا نَحْنُ نُحْيِي وَنُمِيتُ وَآلَيْنَا الْمَصِيْرُ ﴿٣٣﴾

بے شک ہم ہی زندہ کرتے اور مارتے ہیں۔ اور ہماری ہی طرف پھرنا ہے

(بقیہ آیت نمبر ۳۱) غالباً صحرہ بیت المقدس پر کھڑے ہو کر اعلان کریں گے جو بہت قریب جگہ سے سن لیا جائیگا۔ ہر آدمی یہی سمجھے گا کہ یہ آواز میرے کان کے بالکل قریب سے ہے۔

(آیت نمبر ۳۲) اس دن سنیں گے آواز یعنی نغمہ ثانیہ کے وقت (انتہائی سخت حق کے ساتھ وہی دن ہے)۔ قبروں سے نکلنے کا۔ یعنی حق کی آواز سن کر قبروں سے نکلیں گے اور حساب کے لئے حاضر ہوں گے پھر وہ حساب و کتاب کے بعد جنت یا دوزخ کی طرف جائیں گے۔

سب سے پہلے حضور ﷺ اپنی قبر سے باہر آئیں گے:

منقول ہے کہ روز محشر جبریل و میکائیل سب سے پہلے زمین پر اتریں گے۔ حضور ﷺ کیلئے تاج پوشاک اور جنتی براق لے کر حضور ﷺ کی قبر کو تلاش کریں گے تو حضور ﷺ کی قبر مبارک پر انوار چمک رہے ہونگے (آپ کا ارشاد ہے۔) کہ سب سے پہلے میں اپنی قبر مبارک سے باہر آؤنگا۔ (اخرجہ مسلم) جبریل کو دیکھ کر۔ امت کے غم خوار نبی فرمائیں۔ میری امت کا کیا حال ہے۔ وہ عرض کریں گے۔ آپ چلیں وہ بھی آ جائیں گے۔ تو آپ پوشاک پہن کر میدان محشر میں تشریف لے آئیں گے۔

(آیت نمبر ۳۳) بے شک ہم ہی زندہ کرتے اور مارتے ہیں۔ یعنی یہ کام صرف اور صرف ہمارا ہے۔

فائدہ: نطفہ مردہ سے بچہ زندہ کرتے ہیں اور انسان زندہ پر موت طاری کرتے ہیں۔ پھر آخرت میں جزاء کیلئے ہمارے پاس سب نے لوٹ کر آنا ہے۔ حشر و شرعام ہے۔ یعنی قبروں سے نکلنا اور حساب و کتاب کیلئے جمع ہونا۔

فائدہ: جان لو ایک حشر عام ہے۔ وہ قیامت کے دن جسموں کا قبروں سے نکلنے کے بعد حشر کی طرف نکلنا دوسرا حشر خاص ہے۔ وہ ہے اخروی ارواح کی طرف دنیوی جسموں کی قبروں سے نکل کر عالم روحانیت کی طرف جانا۔

يَوْمَ تَشْقُقُ الْأَرْضُ عَنْهُمْ سِرَاعًا ذَلِكُمْ حَشْرٌ عَلَيْنَا يَسِيرٌ ﴿۳۳﴾

جس دن پھٹے گی زمین ان سے تو جلدی سے نکلیں گے۔ یہ حشر پنا کرنا ہم پر آسان ہے۔

نَحْنُ أَعْلَمُ بِمَا يَقُولُونَ وَمَا أَنْتَ عَلَيْهِمْ بِجَبَّارٍ فَذَكِّرْ بِالْقُرْآنِ
ہم خوب جانتے ہیں جو وہ کہتے ہیں۔ اور نہیں آپ ان پر جبر کرنے والے۔ تو نصیحت کرو قرآن سے

مَنْ يَخَافُ وَعِيدِ ﴿۳۴﴾

اسے جو ڈرتا ہو میری وعید سے۔

(آیت نمبر ۳۳) اس دن لوگوں سے زمین پھٹے گی اور لوگ اپنی اپنی قبروں سے نکلیں گے۔ تو تیزی سے دوڑتے ہوئے میدان محشر کی طرف جارہے ہوں گے۔ دائیں بائیں بھی نہیں دیکھیں گے۔ دوسرے مقام پر فرمایا کہ سر جھکائے دوڑتے ہوئے آگے فرمایا۔ یہ حشر یعنی قبر سے زندہ کر کے نکالنا ہمارے لئے آسان ہے۔ کیونکہ یہ سب لفظ کن سے ہوگا۔ اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔ لہذا اس پر کوئی کام بھی مشکل نہیں ہے۔ اور یہ کام انتہائی جلدی سے ہوگا۔ کیونکہ یہ کام اس ذات نے کرنا ہے۔ جس کیلئے ہر کام کرنا بہت آسان ہے۔

(آیت نمبر ۳۴) ہم ان کی باتوں کو بہت جاننے والے ہیں۔ یعنی جو جو وہ باتیں کرتے اور جھٹلاتے ہیں۔ ان کی باتوں میں کوئی بھی بھلائی نہیں ہے۔ اور تم بھی ان پر جبر کرنے والے نہیں ہو کہ سختی سے انہیں جو چاہو منوالو۔ تم تو صرف نصیحت کرنے والے ہو۔ لہذا آپ اس قرآن کے ذریعے نصیحت کریں۔ خاص کر اس کو جو میری وعید سے ڈرتا ہے۔ دوسرے مقام پر فرمایا کہ آپ نصیحت کریں۔ بے شک نصیحت مومنوں کو فائدہ پہنچاتی ہے۔ فائدہ بعض عارف فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے پیارے نبی ﷺ کو حکم دیا۔ کہ آپ انہیں نصیحت کریں۔ جو اللہ تعالیٰ کی عظمت سے ڈرنے والے۔ اور اس کی کبریائی سے خوف زدہ ہیں۔ انہیں قرآن کے ذریعے سمجھائیں۔ کیونکہ قرآن والے اللہ والے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ کے خاص لوگ ہیں۔ جو خطاب کی حقیقت کو سمجھتے ہیں۔ وہ قرآن کے ذریعے بلند یوں پر چڑھ کر حق کو حق کے ذریعے بغیر پردہ دیکھیں گے۔ فائدہ: احمد بن حمدان رحمہ اللہ نے فرمایا۔ قرآن سے وہی نصیحت حاصل کرتے ہیں جو اپنے ایمان و اسلام اور اپنے نفس کے نگاہ بان ہیں۔ اس سورۃ میں کثرت سے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء بیان ہوئیں۔

اختتام سورۃ: آج مورخہ ۱۰ فروری ۲۰۱۷ء بمطابق ۱۳ جمادی الاول بروز جمعہ بوقت نماز عشاء

قسم ہے بکھیر کر اڑانے والوں کی۔ پھر اٹھانے والیاں بوجھ کو۔ پھر چلنے والیاں نرمی سے۔

(آیت نمبر ۱) قسم ہے ان ہواؤں کی جو بکھیر کر اڑانے والیاں ہیں۔

فائدہ: اس میں باد صبا کی طرف اشارہ ہے۔

فائدہ: بعض نے کہا ہے کہ زاریات سے مراد وہ عورتیں ہیں جو بچے زیادہ جنتی ہیں۔ علامہ اسماعیل حقّی رحمۃ اللہ فرماتے ہیں یہ معنی زیادہ صحیح ہونے کی دلیل یہ بھی ہے کہ آگے حاملات اور جاریات کے الفاظ ہیں۔ اس لئے کہ بچے جننے والی عورت کو بانجھ عورت پر فضیلت حاصل ہے۔ حدیث: حضور ﷺ نے فرمایا۔ بچے جننے والی کالی عورت سفید بانجھ عورت سے زیادہ اچھی ہے۔ (رواہ الطبرانی فی المعجم)

فائدہ: بچے جننے والی عورت مظہر آثار اور مطلع الانوار ہے۔ اسی طرح وہ شخص جو دین کے زیادہ سے زیادہ پیروکار بنائے۔ یعنی ولی اللہ کو باقی مسلمانوں پر فضیلت حاصل ہے۔

(آیت نمبر ۲) قسم ہے بوجھ اٹھانے والیوں کی۔ اس سے مراد بارش لانے والی بدلیاں ہیں۔ جو زمین کیلئے زندگی ہیں اور بارش اس کی روح ہے۔ عکرمہ کہتے ہیں۔ بارش کے ہر قطرے سے سبزہ پیدا ہوتا ہے۔

(آیت نمبر ۳) پھر قسم ہے آسانی کے ساتھ چلنے والیوں کی یا چلانے والوں کی۔ اس سے مراد وہ کشتیاں ہیں جو دریا میں چلتی ہیں۔ حدیث شریف میں ہے۔ دریا میں یا غازی سوار ہوتا ہے یا حاجی یا عمرے والا۔ (اخرجہ المیزان فی مسندہ)۔ اللہ تعالیٰ نے ان تینوں کو کرامات سے نوازا۔

فائدہ: کعب فرماتے ہیں دریا ہر رات مخلوق کی طرف متوجہ ہو کر کہتا ہے۔ اے اللہ مجھے اجازت دے کہ میں خطا کاروں کو غرق کر دوں۔ لیکن اللہ تعالیٰ اسے حکم دیتا ہے۔ کہ تو سکون سے چلتا رہ۔ حکایت: سلیمان علیہ السلام نے پوچھا۔ کہ دریاؤں کا بادشاہ کون ہے۔ تو سمند سے ایک جانور طلوع آفتاب سے نکلنا شروع ہوا۔ اور دو پہر تک وہ آدھا ہی نکلا۔ تو سلیمان علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے پناہ مانگی کہ یا اللہ تیری مخلوق کتنی بڑی ہے۔

فَالْمُقَسِّمَتِ أَمْرًا ۝۴۰ إِنَّمَا تُوعَدُونَ لَصَادِقٍ ۝۴۱ وَإِنَّ الدِّينَ لَوَاقِعٌ ۝۴۲

پھر بانٹنے والیاں حکم کو۔ بے شک جس کا تم وعدہ دیئے گئے ضرور سچ ہے۔ اور بے شک انصاف ضرور ہونے والا ہے

(آیت نمبر ۴۰) قسم ہے ان کی جو امور کو تقسیم کرنے والے ہیں۔ یعنی وہ فرشتے جو بارش اور رزق تقسیم کرنے والے ہیں۔ **فائدہ:** کشف الاسرار میں ہے یہ فرشتے مدبرات امر والے ہیں۔ عبدالرحمن بن ثابت فرماتے ہیں۔ مدبرات امر فرشتے چار ہیں۔ جبریل، میکائیل، اسرافیل اور عزرائیل علیہم السلام۔ امور کو ان کی طرف اس لئے منسوب کیا گیا ہے کہ یہ ان امور کے ظہور کا ذریعہ ہیں۔ جیسے جبریل امین نے حضرت مریم سے کہا۔ کہ میں اس لئے آیا تھا کہ میں تجھے پاک لڑکا دوں۔ اصل لڑکے دینے والی تو اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔ اور جبریل اس لڑکے کے ظہور کا ذریعہ تھا۔

علامہ حقی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ان آیات کی ترتیب میں راز یہ ہے کہ ہوائیں ان بادلوں کے اوپر ہیں جو بارش کو اٹھانے والی ہیں اور وہ اس پانی کے اوپر ہیں جو کشتیوں کو چلانے والی ہیں۔

(آیت نمبر ۵) بے شک جس کا تمہیں وعدہ دیا گیا ہے۔ وہ برحق ہے۔ یعنی جو تمہیں کہا گیا ہے۔ قیامت اور قبروں سے زندہ ہو کر نکلنے اور حساب و کتاب کیلئے حاضری اور ثواب و عذاب کے بارے میں وہ بالکل حق اور سچ ہے۔ جیسے کہا گیا ہے عیش پسندیدہ اسی طرح کہا گیا وعدہ سچا۔

(آیت نمبر ۶) اور بے شک قیامت قائم ہونے والی ہے۔ یعنی اعمال کی جزاء ضرور ہوگی۔ **فائدہ:** بزرگوں نے فرمایا۔ اللہ تعالیٰ نے اطاعت والوں کو جنت کا۔ توبہ کرنے والوں کو محبت کا۔ اولیاء کو قربت کا۔ عارفین کو وصال کا۔ طالبوں کو وجدان کا وعدہ فرمایا۔ یعنی جو طلب کرتا ہے وہ پالیتا ہے۔ لہذا اللہ تعالیٰ کا کیا ہوا وعدہ ضرور پورا ہوگا۔ اللہ تعالیٰ سے بڑھ کر کون وعدے کو پورا کرنے والا ہے۔ **سوال:** اللہ تعالیٰ کے قسمیں کھانے میں کیا حکمت ہے۔ کیونکہ مومن بغیر قسم کے بھی اللہ تعالیٰ کی ہر بات پر اعتبار کرتا ہے۔ اور کافر اللہ تعالیٰ کی ہزار قسموں پر نہیں مانتا۔ تو پھر اتنی قسمیں کیوں کھائی گئیں۔ **جواب:** چونکہ قرآن عربی لغت میں اتر ا۔ اور عربوں کی عادت ہے۔ کہ بات کو پختہ بنانے کیلئے دو باتوں میں سے ایک کرتے ہیں یا تو بات پر گواہ لاتے ہیں یا اس پر قسم کھاتے ہیں۔ اس لئے اس اسلوب کو اپنایا گیا۔

وہم کا ازالہ: غیر اللہ کی قسمیں کھانے کے دو مطلب ہیں۔ یہ کہ یہاں رب کا لفظ محذوف ہے۔ اصل عبارت رب الذاریات وغیرہ ہے۔ وہ خود مالک ہے جو چاہے کرے۔ جس کی چاہے قسم کھائے۔ لیکن بندوں کیلئے ضروری ہے کہ وہ صرف اللہ تعالیٰ کی قسم کھائیں۔

وَالسَّمَاءِ ذَاتِ الْحُبُكِ ۖ إِنَّكُمْ لَفِي قَوْلٍ مُّخْتَلِفٍ ۖ ۝۸ يُؤْفَكُ عَنْهُ

قسم ہے آسمان آرائش والے کی۔ بے شک تم البتہ بات اختلاف والی میں ہو۔ اوندھا کیا گیا اس قرآن سے

مَنْ أُولَئِكَ ۖ ۝۹ قُتِلَ الْخَرِصُونَ ۖ ۝۱۰ الَّذِينَ هُمْ فِي غَمْرَةٍ سَاهُونَ ۖ ۝۱۱

جو ازیلی اوندھا ہے۔ مارے گئے اٹکل بچو مارنے والے۔ وہ جو نشے میں بھولے ہوئے ہیں

(آیت نمبر ۷) قسم ہے ان راستوں کی جن پر لوگ چلتے ہیں۔ یا قسم ہے ستاروں کی جیسے کہکشاں جو چلتے ہیں۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا۔ قسم ہے آسمان کی جو حسین اور درست ہے۔ ابن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا۔ اس سے ساتوں آسمان مراد ہیں۔

(آیت نمبر ۸) اے اہل مکہ بے شک تم مختلف بات میں ہو۔ یعنی قرآن میں اختلاف کرنے والے اور اس کے مخالف ہو۔ کبھی کہتے ہو یہ شعر ہے۔ کبھی کہتے ہو سحر ہے۔ کبھی کہتے ہو یہ اپنا بنایا ہوا گھڑا ہوا ہے۔ کبھی کہتے ہو یہ پرانی بناوٹی کہانیاں ہیں۔ اسی طرح نبی کریم ﷺ کے بارے میں مجنوں۔ ساحر اور کاہن کہتے ہو۔ قیامت کے بھی منکر ہو۔

(آیت نمبر ۹) پھیرا جاتا ہے۔ اس سے مراد قرآن ہے یا محمد ﷺ ہیں جو بھی پھیرا گیا۔ قرآن مجید سے یا محمد ﷺ سے۔ یعنی ان سے روگردانی کرنا یہ بہت بڑی روگردانی ہے۔ اس لئے کہ وہ خدا کے دین سے محروم ہو گیا۔ بلکہ وہ ہر خیر سے محروم ہو گیا۔ **فائدہ:** بعض نے کہا کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ جو روگردان۔ اللہ تعالیٰ کے علم کے مطابق اس کی قضاء و قدر سے ہو یا ایمان بالکتاب یا ایمان بالرسول سے محروم ہوا۔ وہ یقینی محروم ہے۔

(آیت نمبر ۱۰) اٹکل بچو مارنے والے مارے گئے۔ یہ ان کے لئے بددعا یہ جملہ ہے۔ یعنی یہ کفار اور منافقین کا حال بیان ہوا کہ وہ اپنے گمان پر ہی چلتے ہیں اور ان کے گمان کا کوئی اعتبار نہیں۔ اس لئے کہ ان کی تمام باتیں مختلف ہیں۔ اسی لئے انہیں جھوٹے منافق کہا گیا۔

(آیت نمبر ۱۱) وہ لوگ اپنی گمراہی میں اور جہالت میں سب کچھ بھولے ہوئے ہیں۔ یا وہ غفلت میں ہیں۔

فائدہ: کشف الاسرار میں ہے کہ حراصون وہ ہیں جنہوں نے مکہ مکرمہ کے تمام راستے بند کئے تاکہ باہر سے آنے والوں کو حضور ﷺ کے فیض سے محروم کیا جائے۔ اللہ تعالیٰ نے ان پر لعنت فرمائی۔ بعض لوگ ان کی باتیں سن کر واپس لوٹ جاتے۔

يَسْأَلُونَ أَيَّانَ يَوْمُ الدِّينِ ۚ (۱۲) يَوْمَ هُمْ عَلَى النَّارِ يُفْتَنُونَ (۱۳)

پوچھتے ہیں کب ہے دن جزا کا۔ جس دن وہ آگ پر تپائے جائیں گے۔

ذُوقُوا فِتْنَتَكُمْ ۚ هَذَا الَّذِي كُنْتُمْ بِهِ تَسْتَعْجِلُونَ (۱۴) إِنَّ الْمُتَّقِينَ

چکھو اپنی سزا کا مزہ۔ یہ ہے وہ جسے تم جلد مانگتے تھے۔ بے شک پرہیزگار

فِي جَنَّتٍ وَعُيُونٌ ۖ (۱۵)

باغات اور چشموں میں ہونگے۔

(آیت نمبر ۱۲) آپ سے یہ کفار مکہ نے پوچھا وہ بدلے کا دن کب ہے جب وہ قبروں سے اٹھائے جائیں گے لیکن ان کے سوال کا مقصد حقیقتاً پوچھنا نہیں ہے۔ نہ ان کا یہ کوئی مقصد ہے کہ وہ مسلمان ہونا چاہتے ہیں۔ بلکہ صرف وہ مذاق اڑانا چاہتے تھے۔ تمام کفار کی یہ عادت تھی۔ کہ وہ انبیاء کرام علیہم السلام کا مذاق اڑاتے تھے۔

(آیت نمبر ۱۳) اس دن وہ آگ میں ڈال کر جلائے جائیں گے۔ یعنی سخت تکلیف دیئے جائیں گے کیونکہ وہ سراپا خبث ہیں۔ لہذا ان کا خبث نکالنے کیلئے ہی انہیں آگ میں ڈالا جائے گا۔ جیسے سونا آگ پر اس لئے گرم کیا جاتا ہے۔ تاکہ اس کا کھوٹ جلا کر نکالا جائے۔

(آیت نمبر ۱۴) دیکھو اپنا فتنہ۔ جہنم کے داروغے انہیں کہیں گے کہ یہ چکھو مزے جو دنیا میں تم انبیاء کرام علیہم السلام اور دین اسلام یا قیامت کو جھٹلاتے تھے۔ اس کی یہ سزا ہے۔ یہ ان کے کفر اور اس کے انجام کا بیان ہے۔ ایک اور مقام پر فرمایا۔ یہ لوگ اپنے ہی فتنے میں پڑے ہیں۔ آگے فرمایا کہ انہیں کہا جائیگا۔ یہ وہی چیز ہے۔ جسے تم جلدی مانگتے تھے۔ یعنی دنیا میں تم کہتے تھے۔ وہ وعدہ کب آئیگا۔ کبھی کہتے یوم الدین کب ہے۔

(آیت نمبر ۱۵) بیشک جو لوگ متقی پرہیزگار ہیں۔ یعنی کفرنا فرمانی اور جہالت سے دور ہیں۔ وہ ایسے باغات میں ہوں گے۔ جن کی شان کو کوئی نہیں جان سکتا۔ نہ دنیا کی کسی چیز کے ساتھ اس کی مشابہت دی جاسکتی ہے۔

فائدہ: حضرت سہیل فرماتے ہیں۔ متقی دنیا میں بھی رضا کے باغوں میں پھرتا ہے۔ بعض بزرگوں نے فرمایا۔ وہ فضل کے باغات حکمت کے چشموں اور کرم کے محلات میں ہوں گے۔

اِخْلِیْنِ مَا اٰتٰهُم رَّبُّهُمْ ؕ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَبْلَ ذٰلِكَ مُّحْسِنِیْنَ ؕ (۱۶)

لینے والے ہوں گے جو دے گا انہیں ان کا رب۔ بے شک وہ تھے پہلے اس سے نیکو کار

كَانُوْا قَلِيْلًا مِّنَ الْاٰیِلِ مَا يَهْجَعُوْنَ (۱۷) وَبِالْاَسْحَارِ هُمْ يَسْتَغْفِرُوْنَ (۱۸)

تھے تھوڑا حصہ رات کو سوتے۔ اور سحری کے وقت استغفار کرتے۔

(آیت نمبر ۱۶) وہ قبول کریں گے اور اس پر راضی ہوں گے جو رب تعالیٰ انہیں عطا فرمائے گا۔ یا جو انہیں ثواب نصیب ہوگا۔ وہ نہایت اچھا پسندیدہ اور قبول کرنے کے لائق ہوگا۔ فائدہ: بعض نے فرمایا۔ آج دنیا میں جو کچھ اللہ تعالیٰ نے انہیں دیا۔ اسے وہ قبول کرتے ہیں۔ ان کے دل ہمہ وقت اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہیں۔ اس لئے ان پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے گونا گوں الطاف و عنایات ہیں تو جنت میں بھی اللہ تعالیٰ انہیں طرح طرح کی نعمتیں عطا فرمائے گا۔ بے شک وہ اس سے پہلے ہی نیکی کرنے والے لوگوں میں سے تھے۔

(آیت نمبر ۱۷) رات کے وقت بہت ہی تھوڑا سوتے تھے۔ یعنی رات کا زیادہ حصہ وہ عبادت میں گزارتے ہیں اور ذکر و فکر میں ہر وقت مشغول رہتے ہیں۔ گویا وہ باطل اور غافل لوگوں کی طرح پوری رات نہیں سوتے۔

عالم کا سونا عبادت ہے: وہ عالم جو باعمل ہے وہ تو ہر وقت عبادت میں ہوتا ہے۔ فائدہ: بعض بزرگوں نے فرمایا کہ یہ آیت جناب عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے حق میں نازل ہوئی۔ وہ وتر کی تین رکعات میں مکمل قرآن پڑھتے۔

شبان نزول: بعض بزرگوں نے کہا کہ یہ آیت انصار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے حق میں نازل جو رات بھر عبادت کیا کرتے تھے۔ کاشفی رحمہ اللہ فرماتے ہیں وہ عشاء کی نماز پڑھے بغیر نہیں سوتے تھے۔

(آیت نمبر ۱۸) سحری کے وقت وہ استغفار کرتے ہیں۔ یعنی رات کا آخری چھٹا حصہ۔ جس میں وہ تہجد بھی ادا کرتے ہیں اور وہ کثرت سے استغفار بھی کرتے ہیں۔

فائدہ: اور پھر وہ اپنی عبادت کو بہت کم سمجھتے ہیں۔ حضور ﷺ سے پوچھا گیا کہ استغفار کیا ہے۔ تو فرمایا۔ ”اللھم اغفر لنا وارحمنا وتب علینا انک انت التواب الرحیم“۔

ایصال ثواب پر حدیث: اللہ تعالیٰ بندے کا مرتبہ بڑھاتا ہے تو وہ پوچھتا ہے۔ یہ میرا مرتبہ کیوں اونچا ہوا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے تیرے بیٹے نے تیرے لئے استغفار کیا ہے۔ (رواہ احمد)۔ یعنی تیری بخشش کی دعا کی ہے۔

وَفِي أَمْوَالِهِمْ حَقٌّ لِّلسَّائِلِ وَالْمَحْرُومِ ۝ (۱۹) وَفِي الْأَرْضِ آيَاتٌ لِّلْمُوقِنِينَ ۝ (۲۰)

اور اپنے مالوں میں حق دیتے ملتے ہیں اور بے نصیب کو۔ اور زمین میں نشانیاں، میں یقین والوں کیلئے۔

وَفِي أَنْفُسِكُمْ أَفَلَا تُبْصِرُونَ ۝ (۲۱)

اور تمہارے نفسوں میں بھی کیا نہیں تم دیکھتے۔

(آیت نمبر ۱۹) وہ اپنے مالوں میں دوسروں کا حق (نصیب) جو ان کے نفوس پر واجب ہے۔ یا وہ اپنے اوپر سے ادا کرنا لازم قرار دیتے ہیں۔ یا جو ان کے مالوں پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے ادا کرنا واجب ہے۔ یعنی وہ لوگ مدح کے مستحق ہیں جو زکوٰۃ کی ادائیگی کے بعد نفلی صدقات و خیرات ماں باپ اور رشتہ داروں کے علاوہ غریبوں فقیروں کو دیتے ہیں اور جن کو صدقات و خیرات سے محروم کر دیا گیا ہو۔ وہ اسے بھی دیتے ہیں۔

(آیت نمبر ۲۰) زمین میں یقین والوں کیلئے صانع کے وجود و علم اور قدرت کی بہت بڑی نشانیاں ہیں: (۱) کہ وہ فرش کی طرح بچھی ہوئی ہے۔ (۲) اس میں ہر طرف جانے والوں کیلئے کھلے راستے بنے ہوئے ہیں۔ جن پر لوگ آرام سے چلتے ہیں۔ (۳) اس میں نرم حصے ہیں۔ (۴) سخت پہاڑ ہیں۔ (۵) دریا بھی ہیں۔ (۶) جنگل بھی۔ (۷) نہریں بھی۔ (۸) عجیب و غریب کانیں بھی۔ (۹) گونا گوں درخت۔ (۱۰) رنگ برنگے پھول۔ (۱۱) ہر طرح کے جانور وغیرہ۔ فائدہ: بکلی نے فرمایا کہ گذشتہ صدیوں کے آثار قدیمہ میں آنے والی نسلوں کیلئے عبرت اور نصیحت حاصل کرنے کے اسباب ہیں۔

(آیت نمبر ۲۱) تمہارے اپنے نفسوں میں بھی بہت بڑی نشانیاں ہیں۔ کیونکہ انسان بھی اپنے اندر ایک جہاں رکھتا ہے کہ اس کے اندر اللہ تعالیٰ کی صنعت کی نشانیاں ہیں جو اللہ تعالیٰ کی حکمت و قدرت و تدبیر و ارادہ پر دلالت کرتے ہیں۔ آگے فرمایا کیا تم دیکھتے نہیں تاکہ تم عبرت حاصل کرو۔ فائدہ: واسطی فرماتے ہیں۔ اسی طرح دیکھنے سے عرفان نصیب ہوتا ہے۔ مولا علی نے برسر منبر فرمایا۔ عرش سے پیچھے تک جو چاہو پوچھو۔ میرے اندر بے شمار علوم ہیں۔ ایک شخص نے پوچھا کیا آپ نے خدا کو دیکھا ہے تو فرمایا۔ میں اس خدا کی عبادت ہی نہیں کرتا جسے دیکھا ہی نہیں لیکن اسے دل کی آنکھوں سے دیکھا جاسکتا ہے۔ کیونکہ ظاہری آنکھوں سے جب موسیٰ علیہ السلام نہ دیکھ سکے اور کون دیکھ سکتا ہے۔ (چونکہ اس زمین پر کوئی جگہ اللہ تعالیٰ کی تجلی کو برداشت نہیں کر سکتی۔ جیسے طور پہاڑ تجلی کو برداشت نہیں کر سکا اسی لئے نبی کریم ﷺ کو عرش پر بلا کر دیدار کرایا۔

وَفِي السَّمَاءِ رِزْقُكُمْ وَمَا تُوعَدُونَ ﴿٢٢﴾ فَوَرَبِّ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ إِنَّهُ لَحَقُّ

اور آسمان میں روزی ہے تمہاری اور جو تم وعدہ دیئے گئے۔ تو قسم رب آسمان وزمین والے کی بے شک یہ قرآن حق ہے

مِثْلَ مَا أَنْتُمْ تَنْطِقُونَ ؕ ﴿٢٣﴾ هَلْ أَتَاكَ حَدِيثُ ضَيْفِ إِبْرَاهِيمَ

ویسی ہی زبان جو تم بولتے ہو۔ کیا آئی آپ تک خبر مہمانوں ابراہیم کی

الْمُكْرَمِينَ مَوْفَدٍ لَّازِمٍ ﴿٢٣﴾

جو عزت والے تھے

(آیت نمبر ۲۲) آسمان میں تمہارا رزق ہے۔ یعنی اسباب رزق آسمان میں ہیں۔ سورج۔ چاند۔ ستارے اور فصول میں اختلاف یا اس سے مراد تقدیر کو جو مقدر تھا وہ آسمان پر لکھ دیا گیا۔ آگے فرمایا۔ اور جن کا تم وعدہ دیئے گئے۔ یعنی ثواب کا یا جنت کا چونکہ جنت بھی ساتویں آسمان کے اوپر ہے۔ یا وعدہ سے مراد خیر و شر ثواب و عذاب یا عقاب سختی یا نرمی سب کا آسمانوں میں مقدر ہے۔

(آیت نمبر ۲۳) پس قسم ہے آسمان اور زمین کے رب کی۔ اس میں تربیت بالرزق کا بیان ہے۔ بے شک وہ جو تم وعدے دیئے گئے ہو رزق وغیرہ کا جو سابقہ آیات میں بیان ہوا ہے۔ بے شک وہ ضرور برحق ہے۔

فائدہ: انسان عجیب ہے۔ کوئی بندہ اگر رزق کا وعدہ کرے اس پر اعتماد کرے گا۔ لیکن اللہ تعالیٰ پر رزق کا اعتماد نہیں کرتا۔ اویس قرنی نے ہرم بن سنان کو فرمایا شام چلے جاؤ۔ انہوں نے پوچھا وہاں معاش کا کیا بنے گا۔ فرمایا افسوس ہے۔ ان دلوں پر جن سے شک نہیں نکلتا۔ ایسے لوگوں کو نصیحت کا کیا فائدہ۔ آگے فرمایا۔ ایسی ہی باتیں بے شک تم بولتے ہو۔ یعنی جیسے تمہیں اپنی زبان پر شک نہیں۔ اسی طرح تمہیں اس کی حقیقت میں بھی شک نہیں کرنا چاہئے۔

(آیت نمبر ۲۴) کیا تمہارے پاس ابراہیم علیہ السلام کے مہمانوں کی خبر آئی ہے۔ یہ ایک شان والا واقعہ ہے۔

واقعہ: یہ فرشتے تھے جبریل علیہ السلام سمیت بارہ حضرات انسانی شکل میں۔ وہ آسمانوں سے مہمان کی شکل میں آئے۔ ابراہیم علیہ السلام نے بھی مہمان سمجھ کر ان کی تکریم کی۔ حدیث شریف میں ہے۔ جو اللہ تعالیٰ اور قیامت پر ایمان رکھتا ہے۔ اسے چاہئے کہ وہ مہمان کی عزت و تکریم کرے۔ (بخاری شریف و مسلم شریف)

اِذْ دَخَلُوا عَلَيْهِ فَقَالُوا سَلَامًا ؕ قَالَ سَلَامٌ ؕ قَوْمٌ مُّنْكَرُونَ ؕ ۲۵ قَرَأَ

جب داخل ہوئے ان کے پاس تو کہا سلام ہو فرمایا سلام ہو آپ لوگ نا آشنا ہیں۔ تو گئے

إِلَىٰ أَهْلِهِ فَبِجَاءٍ بِعِجَلٍ سَمِيعٍ ۖ ۲۶ فَقَرَّبَهُ إِلَيْهِمْ قَالَ أَلَا تَأْكُلُونَ ؕ ۲۷

طرف اپنے گھر کے پھر لائے پھر اچھڑا موٹا تازہ۔ پھر قریب کیا ان کے فرمایا کیا نہیں تم کھاتے۔

فَلَوْ جَسَ مِنْهُمْ خِيفَةٌ ؕ قَالُوا لَا تَخَفْ ؕ وَبَشَّرُوهُ بِغُلَمٍ عِلِيمٍ ۚ ۲۸

تو اپنے دل میں ان سے ڈرنے لگے۔ بولے نہ ڈریے اور خوشخبری دی ان کو لڑکے علم والے کی۔

(آیت نمبر ۲۵) جب وہ جناب ابراہیم علیہ السلام کے پاس آئے تو انہیں السلام علیکم کہا تو ابراہیم علیہ السلام نے انہیں سلام کا جواب دیا اور فرمایا کہ نا واقف لوگ معلوم ہوتے ہیں کیونکہ ابراہیم علیہ السلام کے علاقہ میں اس طرح سلام کا طریقہ نہیں تھا۔ کاشفی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ فرشتوں نے خود ہی کہا کہ ہم آپ کے مہمان ہیں۔

(آیت نمبر ۲۶) تو آپ گھر والوں کے پاس گئے۔ یعنی چپکے سے جا کر تاکہ مہمانوں کو پتہ نہ چلے اور ایک بھنا ہوا پھڑا لے آئے۔ فائدہ: معلوم ہوا کہ مہمان سے کھانا وغیرہ پوچھنے کی ضرورت نہیں۔ جو ماحضر ہو وہ مہمان کے آگے رکھ دینا چاہئے۔ لمبے چوڑے تکلفات میں نہیں پڑنا چاہئے۔

(آیت نمبر ۲۷) کھانا مہمانوں کے قریب کیا تاکہ وہ کھانا شروع کر دیں۔ لیکن انہوں نے نہ کھانا تھانہ کھایا تو آپ نے فرمایا۔ تم کھاتے کیوں نہیں۔ یعنی میں پھڑا بھون کر تمہارے لئے لایا تاکہ تم اسے کھاؤ۔

(آیت نمبر ۲۸) تو اس پر ابراہیم علیہ السلام نے کچھ خوف سا محسوس کیا۔ آپ کو خیال ہوا کہ دشمن نہ ہوں۔ اس لئے کھانا نہیں کھا رہے۔ اس لئے کہ دشمن اپنے دشمن کے گھر سے کھانا نہیں کھاتا تھا تو فرشتوں نے کہا۔ آپ ڈریں نہیں۔ ہم اللہ تعالیٰ کی طرف سے بھیجے ہوئے ہیں۔ (یہ پرانے زمانے کی بات ہے۔ آج کل تو کھانا بھی کھا لیتے ہیں۔ بلکہ خود پکواتے۔ حرام کھاتے ہیں اور جاتے جاتے دشمنی بھی ظاہر کر جاتے ہیں۔

معجزہ: جبریل امین نے پر مارا تو بھنا ہوا پھڑا زندہ ہو کر ماں کے پاس چلا گیا۔ اس کے بعد فرشتوں نے جناب ابراہیم علیہ السلام کو صاحبزادے کی خوش خبری سنائی۔ یعنی اسحاق علیہ السلام کی۔ جو بہت بڑے علم والے تھے۔

فَاقْبَلَتْ امْرَأَتُهُ فِي صَرَّةٍ فَصَكَّتْ وَجْهَهَا وَقَالَتْ عَجُوزٌ عَقِيمٌ ۝ (۲۹)

تو آئی ان کی بیوی چلاتی ہوئی۔ پھر ٹھونکا اپنا ماتھا اور کہا بوڑھیا بانجھ۔

قَالُوا كَذَلِكَ قَالَ رَبُّكَ إِنَّهُ هُوَ الْحَكِيمُ الْعَلِيمُ ۝ (۳۰)

بولے اسی طرح فرمایا آپ کے رب نے۔ بے شک وہ ہی حکمت والا علم والا ہے۔

(آیت نمبر ۲۹) اتنے میں آپ کی اہلیہ نے ان سے یہ خوشخبری سن لی جو ایک طرف کھڑے ہو کر انہیں دیکھ رہی تھیں یعنی حضرت سارہ رضی اللہ عنہا نے یہ عجیب بات سنی تو ان کے منہ سے اونچی آواز نکلی اس حال میں کہ انہوں نے ماتھا ٹھونکا اس سے شیعہ حضرات ماتم میں پٹینے کا جواز نکالتے ہیں۔ حالانکہ خوشی کے وقت ماتم کہاں کیا جاتا ہے۔ مائی صاحبہ نے تو عورتوں کی طرح جیسے تعجب کے وقت ہاتھ ماتھے پر رکھتی ہیں۔ ایسے ہی ہاتھ منہ پر رکھا اور تعجب سے کہا۔ کہ اتنی زیادہ عمر والی ہو کر کیا اس عمر والی عورتیں کہاں بچے پیدا کرتی ہیں۔ لہذا شیعوں کے پٹینے کا جواز اس آیت سے نہیں نکل سکتا۔ اور کہا کیا ایک بوڑھی بانجھ عورت سے بچہ ہوگا۔ یعنی ۹۹ سال کی عمر میں بچہ ہوگا۔

(آیت نمبر ۳۰) تو انہوں نے کہا ہاں اسی طرح آپ کے رب نے فرمایا ہے اور ہم اس کی طرف سے یہ خبر سنانے آئے ہیں۔ بے شک وہ حکیم بھی ہے۔ اور علیم بھی ہے۔ یعنی نہ اس کی حکمت سمجھ آ سکتی ہے نہ اس کے علم کی انتہاء ہے۔

فائدہ: مروی ہے کہ جبریل امین نے بی بی صاحبہ سے کہا چھت کی طرف دیکھیں۔ جب اوپر دیکھا تو پرانی لکڑیوں کے ساتھ تازہ پتے لگے ہوئے تھے۔ تو انہوں نے فرمایا۔ جو پرانی بوسیدہ لکڑی کے ساتھ سبز پتے لگا سکتا ہے۔ وہ بڑھاپے میں اولاد بھی عطا فرما سکتا ہے۔ پھر انہیں یقین ہو گیا۔

اختتام پارہ مورخہ: ۱۳ فروری ۲۰۱۷ء بروز سوموار بعد نماز مغرب

قَالَ فَمَا خَطْبُكُمْ أَيُّهَا الْمُرْسَلُونَ ﴿٣١﴾ قَالُوا إِنَّا أُرْسِلْنَا إِلَىٰ قَوْمٍ مُّجْرِمِينَ ۖ ﴿٣٢﴾

فرمایا پھر کیا تمہارا کام ہے اے فرشتو۔ بولے کہ ہم بھیجے گئے طرف قوم مجرم کے۔

لِنُرْسِلَ عَلَيْهِمْ حِجَارَةً مِّنْ طِينٍ ۖ ﴿٣٣﴾ مُّسَوَّمَةً عِندَ رَبِّكَ لِلْمُسْرِفِينَ ﴿٣٤﴾

تاکہ برسائیں ان پر پتھر گارے کے۔ نشان کئے ہوئے نزدیک تیرے رب کے حد سے بڑھنے والوں کیلئے۔

(آیت نمبر ۳۱) اے رسولو اس خوشخبری کے علاوہ تم کون سے بڑے کام کیلئے بھیجے گئے ہو۔ یعنی جب ابراہیم علیہ السلام کو معلوم ہو گیا کہ یہ تو فرشتے ہیں اور یہ کسی معمولی کام کیلئے نہیں آئے اس لئے انہیں پوچھا کہ تمہارے حال سے معلوم ہو رہا ہے کہ تم اس کے علاوہ کسی اور بڑے مقصد کیلئے آئے ہو۔ وہ کیا ہے۔

(آیت نمبر ۳۲) تو انہوں نے کہا کہ ہمیں مجرم لوگوں کو عذاب دینے کیلئے بھیجا گیا ہے جو گناہوں اور نافرمانیوں میں حد سے بڑھ گئے ہیں۔ یعنی لوط علیہ السلام کی قوم جن کے جرائم حد سے بڑھ گئے ہیں۔ فتح الرحمن میں ہے کہ وہ جرائم کے بہت زیادہ ارتکاب کرنے والے ہیں۔ یعنی ایسا جرم جو اس سے پہلے کسی قوم نے نہیں کیا۔

(آیت نمبر ۳۳) اس لئے آئے کہ ان بستیوں کو الٹ دیں اور ان پر مٹی کے پختہ ڈھیلے پھینکیں جو پتھر وہ آسمانوں سے لائے تھے جو آگ پر پکے کئے ہوئے تھے۔ جو اس قوم کیلئے عذاب تھا۔ جس پر وہ ڈھیلا لگتا۔ اسے تباہ کر دیتا۔ انتہائی بلندی سے نیچے گرا نا بھی کوئی کم عذاب نہ تھا۔ پھر اوپر سے ان پر پتھروں کی بارش گویا ڈبل عذاب تھا۔ (آیت نمبر ۳۴) نشان لگے ہوئے تھے تیرے رب کے ہاں سے۔

یعنی ہر ڈھیلے پر اس کا نام تھا جس کیلئے وہ بنایا گیا تھا اور وہ صرف ان لوگوں کیلئے تھا۔ جو فسق و فجور میں حد سے بہت بڑھے ہوئے تھے۔ یعنی اپنی عورتوں کے بجائے وہ لڑکوں سے مباشرت کرتے تھے۔

فائدہ: ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ یہ اتنا بڑا گناہ ہے کہ اس سے بڑھ کر کوئی اور گناہ نہیں۔ لہذا ان کی تباہی کیلئے ایسا طریقہ اپنایا گیا۔ اور پھر وہ اس گناہ کو گناہ بھی نہیں سمجھتے تھے۔ اور ان کے پیغمبر لوط علیہ السلام نے انہیں سمجھایا تو وہ انہیں بھی قتل کرنے کے درپے ہو گئے تھے۔

فَاَخْرَجْنَا مَنْ كَانَ فِيهَا مِنَ الْمُؤْمِنِينَ ۝ (۳۵) فَمَا وَجَدْنَا فِيهَا غَيْرَ بَيْتٍ

پھر نکال لئے ہم نے جو بھی تھے اس شہر میں مسلمان۔ تو نہیں پایا ہم نے اس میں سوائے ایک گھر

مِّنَ الْمُسْلِمِينَ ۝ (۳۶) وَتَرَكْنَا فِيهَا آيَةً لِلَّذِينَ يَخَافُونَ الْعَذَابَ الْأَلِيمَ ۝ (۳۷)

مسلمان کے۔ اور چھوڑی ہم نے اس میں نشانی ان کیلئے جو ڈرتے ہیں عذاب دردناک سے۔

وَفِي مُوسَىٰ إِذْ أَرْسَلْنَاهُ إِلَىٰ فِرْعَوْنَ بِسُلْطٰنٍ مُّبِينٍ ۝ (۳۸)

اور موسیٰ کے قصہ میں جب ہم نے اسے بھیجا طرف فرعون کے ساتھ ذلیل واضح کے۔

(آیت نمبر ۳۵) تو ہم نے نکال لیا اپنے حکم سے۔ ان لوگوں کو جو مومن تھے۔ تاکہ وہ عذاب سے بچ جائیں۔

فائدہ: کاشفی فرماتے ہیں کہ جب جناب ابراہیم علیہ السلام نے سنا کہ یہ فرشتے اس قوم کیلئے عذاب لیکر آئے جن میں میرے بھتیجے بھی ہیں تو سوچا کہ پھر میرے بھتیجے لوط کا کیا بنے گا۔ تو بتایا گیا کہ ہم ان سب کو عذاب آنے سے پہلے نکال لیں گے۔ آپ ان کا کوئی فکر نہ کریں۔

(آیت نمبر ۳۶) ہم نے اس بستی میں مسلمانوں کے ایک گھر کے سوا کوئی مسلمان گھر نہ پایا اور وہ بھی لوط علیہ السلام کا گھر تھا۔ جس میں آپ کی دو بیٹیاں مسلمان تھیں۔ بیوی تو کافرہ تھی۔ اسی لئے اس کا انجام بھی ان کے ساتھ ہوا۔
فائدہ: بعض بزرگوں نے لوط علیہ السلام پر ایمان لانے والوں کی تعداد تیرہ بتلائی ہے۔ **فائدہ:** مومن اور مسلم میں عام خاص مطلق کی نسبت ہے۔ یعنی ہر مومن مسلم ہے۔ لیکن ہر مسلم مومن نہیں۔

(آیت نمبر ۳۷) اور چھوڑی ہم نے نشانی اس بستی میں۔ ان لوگوں کیلئے جو دردناک عذاب سے ڈرتے ہیں۔ اس لئے کہ جن کی فطرت سلیم ہے ان کے دل نرم ہیں۔ وہ ایسے واقعات سے عبرت حاصل کرتے ہیں۔ ان کے علاوہ سخت دل لوگ ہیں۔ جب اس بستی پر گذرتے ہیں تو بے پرواہی سے گذر جاتے ہیں۔ حالانکہ حضور ﷺ جب ایسی جگہ سے گذرتے تو روتے اور سر جھکائے گذرتے اور غلاموں کو بھی فرماتے ہیں کہ روتے ہوئے جلدی جلدی یہاں سے نکل جاؤ۔ یہ غضب الہی کا مقام ہے۔

(آیت نمبر ۳۸) موسیٰ علیہ السلام کے واقع میں بھی نشانی ہے۔ یعنی جب انہیں فرعون کی طرف بھیجا۔ پھر جو ایمان والے تھے نجات پا گئے اور فرعون قوم سمیت دریا میں غرق ہو کر تباہ ہو گیا۔ اس میں کفار مکہ کیلئے نشان عبرت ہے۔

فَتَوَلَّى بِرُكْنِهِ وَقَالَ سِحْرٌ أَوْ مَجْنُونٌ ﴿۳۹﴾ فَأَخَذْنَاهُ وَجُنُودَهُ فَنَبَذْنَاهُمْ

تو وہ پھر اپنے لشکر کے ساتھ اور کہا جادوگر ہے یا دیوانہ پھر ہم نے اسے اور اس کے لشکر کو پکڑا پھر ڈال دیا انہیں

فِي الْيَمِّ وَهُوَ مَلِيمٌ ﴿۴۰﴾ وَفِي عَادٍ إِذْ أَرْسَلْنَا عَلَيْهِمُ الرِّيحَ الْعَقِيمَ ﴿۴۱﴾

دریا میں اور وہ اپنے کو ملامت کر رہا تھا۔ اور عاد پر جب ہم نے بھیجی آندھی خشک۔

(بقیہ آیت نمبر ۳۸) آگے فرمایا کہ جب ہم نے انہیں فرعون کی طرف بھیجا دلائل ظاہرہ اور معجزات باہرہ یعنی واضح دلیل کے ساتھ۔ جیسے عصا کا اڑدہا بننا اور ہاتھ کا روشن ہونا۔ اور اس کے علاوہ بھی کئی معجزات اور عقلی نقلی دلائل دیئے۔ تاکہ وہ ان دلائل کو دیکھ کر مسلمان ہو جائے۔ لیکن اس نے ذلت سے مرنا گوارہ کر لیا۔ مگر مسلمان نہ ہوا۔

(آیت نمبر ۳۹) تو اس نے اپنی گردن موڑ لی یعنی ایمان سے منہ پھیر لیا اور کہا کہ موسیٰ (علیہ السلام) جادوگر ہیں۔ یعنی خارق عادت پر آنکھ میں بندش کر دیتے ہیں۔ یا یہ دیوانے ہیں۔ جنہیں اپنے انجام کی فکر نہیں ہے۔ فرعون کی حماقت تھی کہ اس نے موسیٰ (علیہ السلام) کو جادوگر یا مجنون کہا۔ بلکہ یہ اس کی جہالت کی دلیل ہے کیونکہ جادوگر اور مجنون ضدین ہیں۔ اس لئے کہ جادوگر بڑا ہوشیار چالاک ہوتا ہے اور چالاک عقل سے ہوتی ہے اور مجنون تو جادوگر ہو ہی نہیں سکتا۔

(آیت نمبر ۴۰) پھر ہم نے فرعون کو پکڑا اور اس کے لشکر کو بھی پکڑ کر دریا میں ڈال دیا۔ جیسے دریا میں کنکریاں ڈالتے ہیں اور وہ اپنے آپ کو ملامت کر رہا تھا۔ یعنی اپنی غلطی پر پشیمان ہو کر خود کو ملامت کر رہا تھا۔

فائدہ: کاشفی فرماتے ہیں کہ ملیم کا معنی ہے۔ کہ وہ مستحق ملامت تھا کہ اس نے موسیٰ (علیہ السلام) سے کیوں پنگالیا بجائے ان پر ایمان لانے کے الٹا انہیں جادوگر اور دیوانہ کہا۔ اب موت کے وقت کہا میں موسیٰ کے رب پر ایمان لایا۔ (انبیاء کرام علیہم السلام کو کبھی عقل پر فتور نہیں آتا۔ ہر پیغمبر دماغی طور پر سب سے زیادہ باصلاحیت ہوتا ہے)۔

(آیت نمبر ۴۱) قوم عاد میں بھی نشانیاں ہیں کہ جب ہم نے ان پر تیز اور ٹھنڈی ہوا بھیجی۔ آندھی کو عقیم اس لئے کہا کہ اس نے ان تمام کوتاہ و برباد کر دیا اور ان کی جڑ اکھیڑ دی۔ یہ استعارہ تبعیہ ہے۔ ریح عقیم اس کو کہتے ہیں۔ جس میں کوئی خیر و بھلائی نہ ہو۔ اسی لئے بانجھ عورت کو بھی عقیم کہا جاتا ہے کہ اس سے کوئی نفع یا خیر و بھلائی حاصل نہیں ہوتی۔ **فائدہ:** اس قسم کی آندھی عذاب الہی کے وقت ہوتی ہے۔ مولا علی (علیہ السلام) فرماتے ہیں۔ یہ وہ ہوا ہے جو کھیتیاں جلا دیتی ہے۔ اور گھروں کو ویران کر دیتی ہے، اسی لئے نبی کریم (صلی اللہ علیہ وسلم) آندھی دیکھ کر گھبرا جاتے۔

مَا تَذَرُ مِنْ شَيْءٍ أَتَتْ عَلَيْهِ إِلَّا جَعَلَتْهُ كَالرِّمِيمِ ۚ (۳۱) وَفِي ثَمُودَ

نہیں چھوڑی اس نے کوئی چیز آئی جس پر مگر کر دیا اسے گلی ہوئی چیز کی طرح۔ اور ثمود میں

إِذْ قِيلَ لَهُمْ تَمَتَّعُوا حَتَّىٰ حِينٍ (۳۲)

جب کہا گیا انہیں نفع اٹھالو ایک وقت تک۔

(بقیہ آیت نمبر ۳۱) فائدہ: اس ہوا کو دبور بھی کہا جاتا ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اس کی تائید حضور ﷺ کے ارشاد مبارک سے ہوتی ہے کہ باد صباء سے میری مدد کی گئی ہے۔ عادی قوم دبور سے ہلاک ہوئی۔

فائدہ: باد صبا وہ ہے جو مشرق کی طرف سے آتی ہے اور دبور شمال کی طرف سے آتی ہے۔ جب دبور ہوا آئے تو زیادہ تر وہ عذاب بن کر آتی ہے۔ اور تباہی پھیر جاتی ہے۔

(آیت نمبر ۳۲) نہیں چھوڑتی کسی چیز کو کہ جس پر آئی۔ یعنی انسان حیوان مکانات اور مال مویشی جس جس چیز پر وہ ہوا آئی۔ تو اسے چورہ چورہ کر دیا۔ خواہ وہ ہڈی ہو یا گھاس یا کوئی اور چیز۔ ریمیم اسے کہتے ہیں جوشی ٹکڑے ٹکڑے ہو کر گل سڑ جائے اور ریزہ ریزہ ہو جائے۔

فائدہ: ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا۔ قوم عاد پر جو آندھی آئی۔ وہ صرف میری انگوٹھی کے برابر سوراخ سے نکلی اور پوری قوم کو تباہ و برباد کر گئی اور وہ ایسی تیز آندھی تھی کہ جن جن آبادیوں اور گھروں پر چلی انہیں ملیا میٹ کر کے ان مکانوں کو چٹیل میدان کر گئی۔ گویا وہاں کوئی آبادی وغیرہ نہ تھی۔

(آیت نمبر ۳۳) اور قوم ثمود جو جناب صالح علیہ السلام کی قوم تھی۔ ان میں بھی آیات (نشانیوں) ہیں۔ جب انہیں کہا گیا کہ اس دنیا کی زندگی سے نفع اٹھالو۔ اس عذاب کے آنے تک تین دن کی انہیں مہلت دی گئی۔ وہ تین دن بدھ، جمعرات اور جمعہ تھا۔ بدھ کے دن انہوں نے اونٹنی کو قتل کیا اور ہفتے کے دن وہ تباہ ہو گئے۔

فائدہ: صالح علیہ السلام نے انہیں بتا دیا تھا کہ پہلے دن تمہارے چہرے زرد ہوں گے۔ دوسرے دن سرخ ہو جائیں گے اور اگلے دن سیاہ ہو جائیں گے۔ اگلی صبح کو تم پر عذاب نازل ہوگا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ چہروں کی سیاہی غضب الہی کی نشانی ہے۔ اسی لئے جہنم بھی سیاہ اور جہنم والوں کا لباس بھی سیاہ۔ سیاہ لباس پہننے والوں کیلئے عبرت ہے۔

فَعَتَوْا عَنْ أَمْرِ رَبِّهِمْ فَأَخَذَتْهُمُ الصَّعِقَةُ وَهُمْ يَنْظُرُونَ ﴿٣٣﴾ فَمَا اسْتَطَاعُوا

تو سرکشی کی انہوں نے اپنے رب کے حکم سے تو آ لیا انہیں ایک کڑک نے اور وہ دیکھتے رہ گئے۔ تو پھر نہ طاقت ہوئی

مِّنْ قِيَامٍ ۖ وَمَا كَانُوا مُتَّبِعِينَ ۖ ﴿٣٤﴾ وَقَوْمَ نُوحٍ مِّنْ قَبْلُ ۖ إِنَّهُمْ كَانُوا قَوْمًا فَسِيقِينَ ۖ ﴿٣٥﴾

کھڑے ہونے کی اور نہ تھے بدلہ لینے والے۔ اور قوم نوح اس سے پہلے (ہلاک ہوئی) بے شک وہ تھے لوگ فاسق۔

(آیت نمبر ۳۳) تو انہوں نے اپنے رب کے حکم سے سرکشی کی۔ یعنی فرمانبرداری کے بجائے روگردانی کی۔ جب صالح علیہ السلام نے انہیں فرمایا تھا کہ اس اونٹنی کو کچھ نہیں کہنا۔ انہوں نے اس میں بھی اللہ اور رسول کے حکم سے سرکشی کی۔ پھر انہیں جب ایمان کی دعوت دی اور بت پرستی چھوڑنے کا حکم دیا تو انہوں نے ہر حکم کی مخالفت کی۔ اور دین کے معاملے میں سرکشی کا مظاہرہ کر کے عذاب الہی کو خود دعوت دی۔ صالح علیہ السلام کے فرمان کے مطابق جب ان کے چہرے سرخ ہوئے تو سمجھ گئے اب عذاب سے نہیں بچ سکتے تو صالح علیہ السلام کو قتل کرنے کا منصوبہ بنایا۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے انہیں بچالیا۔ اگلے دن صبح کے وقت ہی جبریل امین نے ایک چیخ ماری۔ جس کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا انہیں ایک گرج نے پکڑ لیا۔ اس سخت آواز سے ان کے دل پھٹ گئے۔ بعض نے لکھا ہے۔ کہ اس آواز کے ساتھ ان پر آگ گری اور وہ دیکھتے دیکھتے جل کر ختم ہو گئے۔ یعنی عذاب آتا ہوا دیکھ رہے تھے۔

(آیت نمبر ۳۴) چہرے سیاہ ہونے کے بعد ان میں کھڑے ہونے کی بھی ہمت نہ تھی کیونکہ وہ اپنے ہی گھروں میں گھٹنوں کے بل پڑے ہوئے تھے ان کے خداؤں میں بھی ہمت نہ تھی کہ ان کی مدد کرتے وہ خود اپنے جسم کو حرکت نہیں دے سکتے تھے۔ دوسروں کی کیا مدد کرتے یا کہاں وہ بھاگ کر جاتے۔

(آیت نمبر ۳۵) اور اس سے پہلے نوح علیہ السلام کی قوم کو ہلاک کیا گیا۔ بے شک وہ فاسقوں کی قوم تھی۔ جو حد سے بہت ہی نکلی ہوئی تھی۔ انتہائی نافرمان اور منکر قوم تھی۔ ساڑھے نو سو سال نوح علیہ السلام نے انہیں سمجھایا۔ مگر وہ بگڑتے ہی گئے۔ اور نوح علیہ السلام سے سخت نفرت کرتے تھے، انہیں ایمان کیسے ملتا۔

فائدہ: اللہ تعالیٰ نے رسول بھیج کر ان کے ذریعے بندوں تک اپنے احکام پہنچائے لیکن جو لوگ حدود شرع سے متجاوز ہو کر فاسق بن جاتے ہیں پھر شیطان کے وہ مطیع بن جاتے ہیں لہذا وہ عذاب کے مستحق ہو جاتے ہیں۔ فاسق اعلانیہ گناہ کرنے والے کو کہتے ہیں۔

وَالسَّمَاءَ بَنَيْنَاهَا بِأَيْدٍ وَإِنَّا لَمُوسِعُونَ ﴿۴۷﴾ وَالْأَرْضَ فَرَشْنَاهَا فَنِعْمَ

اور آسمان کو بنایا ہم نے دست قدرت سے اور ہم ہیں وسعت والے۔ اور زمین کو ہم نے فرش بنایا کتنے ہی اچھے ہیں

الْمُهْدُونَ ﴿۴۸﴾ وَمِنْ كُلِّ شَيْءٍ خَلَقْنَا زَوْجَيْنِ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُونَ ﴿۴۹﴾

بچانے والے۔ اور ہر چیز کو ہم نے بنایا جوڑا جوڑا تاکہ تم دھیان کرو۔

(آیت نمبر ۴۷) اور ہم نے آسمان بنائے اپنے دست قدرت سے۔ یہاں ہاتھ سے مراد قوت یا قدرت ہے۔ امام راغب فرماتے ہیں کہ ہاتھ کا ذکر اس لئے کیا۔ چونکہ سارے مشکل کام ہاتھ کے زور سے کئے جاتے ہیں۔ آگے فرمایا کہ بے شک ہم ہی وسعت دینے والے ہیں۔ یعنی بہت بڑی قدرت والے ہیں۔ اس کے رزق کی وسعت یہ ہے کہ ہر ذی روح تک اس کا دیا ہوا رزق پہنچتا ہے۔ اور اس نے آسمانوں کو بہت ہی وسیع بنایا۔

(آیت نمبر ۴۸) اور زمین کو ہم نے بچایا جس کی ابتداء کعبہ شریف کے نیچے سے ہوئی اور اسے اس قدر پھیلا دیا گیا کہ پانچ سو سال تک چلنے سے ایک سائڈ کا کنارہ مل سکتا ہے۔ فائدہ: اسے بچایا اس لئے تاکہ لوگ آرام سے اس پر چل پھر اور ٹھہر سکیں۔ جیسے بندہ بچھونے پر آرام سے کروٹ بدل لیتا ہے۔۔۔ لہذا آگے فرمایا کہ ہم کتنے ہی اچھا بچانے والے ہیں۔ یعنی یہ اللہ تعالیٰ ہی کر سکتا ہے۔

زمین سات ہیں: قدیم علماء فرماتے ہیں کہ زمینیں سات ہیں۔ لیکن آسمانوں کی طرح ان میں فاصلہ نہیں بلکہ وہ آپس میں ملی ہوئی ہیں۔ اسی لئے آسمانوں کیلئے (سماوات) جمع کا صیغہ اور زمینوں کیلئے واحد کا صیغہ (الارض) قرآن میں لایا گیا ہے۔

(آیت نمبر ۴۹) موجودات میں سے ہر چیز اور ہر جنس سے ہم نے جوڑے بنائے۔ یعنی نر اور مادہ بنائے۔ زمین اور آسمان رات اور دن۔ ایمان اور کفر۔ نیکی بختی اور بد بختی۔ حق اور باطل۔ میٹھا اور کڑوا۔ موت و حیات۔ اندھیرا اور روشنی۔ عزت و ذلت۔ قوت و ضعف۔ علم و جہالت۔ صحت و بیماری۔ خوشی و غمی وغیرہ یا اس سے مراد ایک ہی جیسا ہوتا۔ جیسے جوڑوں کا جوڑا۔ موزوں کا جوڑا۔ یعنی عالم میں ہر چیز کا جوڑا جوڑا بنادیا گیا تاکہ تم نصیحت حاصل کرو اور جان لو کہ اللہ تعالیٰ ہی ہر چیز کا خالق و مالک ہے۔ سب کو وہی روزی دینے والا ہے۔ لہذا عبادت کا بھی وہی مستحق ہے اور وہی قیامت کے دن دوبارہ زندہ فرمائے گا۔

فَفِرُّوْا إِلَى اللَّهِ ۖ إِنَّى لَكُمْ مِّنْهُ نَذِيرٌ مُّبِينٌ ﴿۵۰﴾

تو بھاگو طرف اللہ کے بے شک میں تمہیں اس کی طرف سے ڈرانے والا ہوں کھلا ۔

وَلَا تَجْعَلُوْا مَعَ اللَّهِ إِلَهًا آخَرَ ۖ إِنَّى لَكُمْ مِّنْهُ نَذِيرٌ مُّبِينٌ ﴿۵۱﴾

اور نہ بناؤ ساتھ اللہ کے معبود اور ۔ بے شک میں تمہیں اس کی طرف سے ڈرانے والا کھلا ۔

كَذٰلِكَ مَا آتٰی الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِہُمْ مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا قَالُوْا سٰحِرٌ اَوْ مَجْنُوْنٌ ﴿۵۲﴾

اسی طرح نہیں آئے ان سے پہلے لوگوں کی طرف کوئی رسول ۔ مگر انہوں نے کہا جادوگر ہے یا دیوانہ ۔

(آیت نمبر ۵۰) بھاگو اللہ تعالیٰ کی طرف ۔ یعنی فوراً اللہ تعالیٰ پر ایمان لاؤ اور اس کی اطاعت کرو تا کہ اس کی سزا

سے بچ جاؤ اور ثواب حاصل کرو ۔ حدیث شریف : حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا ۔ حضور ﷺ نے بارگاہ الہی میں

عرض کیا ۔ یا اللہ میں تیری پناہ میں آتا ہوں ۔ (مسلم شریف) ۔ اس آیت کا ایک معنی یہ ہے ۔ کہ اذان کے بعد جلد نماز

کو پہنچو ۔ **حافظہ :** حضرت واسطی رحمہ اللہ فرماتے ہیں ۔ (ففرّوا الی اللہ) کا معنی ہے کہ اس طرح چلو جیسے تمہارے لئے

اللہ تعالیٰ نے مقرر فرمایا ہے نہ کہ اپنی مرضی پر اور نفس کے مطابق ۔ آگے فرمایا میں تمہیں کھلے طور پر ڈرانے والا ہوں ۔

اللہ تعالیٰ کا ڈر سنانے کیلئے مجھے اللہ تعالیٰ کی طرف سے مقرر کیا گیا ۔ میرے نذیر ہونے کی دلیل میرے معجزات ہیں ۔

(آیت نمبر ۵۱) اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی اور کو خدا نہ بناؤ ۔ یعنی نہ یہ عقیدہ رکھو نہ یہ بات زبان پر بھی لاؤ کہ

میرے سوا کوئی اور خدا ہے ۔ بے شک میں تمہیں کھلے طور پر ڈرانے والا ہوں ۔ **حافظہ :** برہان القرآن میں ہے ۔ پہلی

دفعہ عدم طاعت سے ڈرایا گیا اور اب اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک کرنے سے ڈرایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی

کو شریک ٹھہرانے کا جرم کبھی معاف نہیں کیا جائیگا ۔

(آیت نمبر ۵۲) اسی طرح پہلی امتوں نے جب شرک کیا اور رسولوں کی تکذیب کی اور انہیں جادوگر وغیرہ کہا تو

جوان کا حال ہوا ۔ ان اہل مکہ کا حال بھی وہی ہوگا ۔ آگے فرمایا ۔ نہیں آئے ان سے پہلے کوئی رسول مگر ان کی قوم والوں

نے کہا کہ یہ جادوگر ہے یا دیوانہ ۔ یعنی جب انہوں نے نبی کے معجزات کو دیکھا تو کہا یہ جادوگر ہے ۔ کبھی کہا یہ دیوانہ

ہے ۔ (معاذ اللہ) لہذا اے محبوب ۔ اگر آپ کو یہ دیوانہ وغیرہ والی باتیں کہتے ہیں تو آپ نہ گھبرائیں ۔ ان سے پہلے

کفار نے اپنے اپنے انبیاء کرام علیہم السلام یہی الفاظ کہے ۔ گویا ہر نبی سے یہی کیا گیا ۔

أَتَوَاصُوا بِهِ ۚ بَلْ هُمْ قَوْمٌ طَاغُونَ ۝۵۳ فَتَوَلَّ عَنْهُمْ فَمَا أَنْتَ

کیا وصیت کر مرے ایک دوسرے کو بلکہ وہ قوم سرکش تھی تو منہ پھیر لیجئے ان سے نہیں ہے آپ پر

بِمَلُومٍ ۝۵۴ وَذَكِّرْ فَإِنَّ الذِّكْرَ يُنْفَعُ الْمُؤْمِنِينَ ۝۵۵

الزام۔ اور سمجھائیے بے شک سمجھانا فائدہ دیتا ہے مومنوں کو۔

(آیت نمبر ۵۳) کچھ ملامت نہیں ان پہلوں نے انہیں وصیت کی کہ تم بھی اپنے نبی کو یہی کہنا۔ یا یہ اپنی طرف سے کہہ رہے ہیں۔ فائدہ: بڑے تعجب کی بات کہ پہلی جھڑپ والی قوموں اور ان مکہ والوں کے درمیان کافی عرصہ گزر گیا۔ لیکن بولی یہ مکہ والے وہی بولتے ہیں۔ جو پہلے والے بولتے تھے تو شاید ان پہلوں نے انہیں وصیت کی تھی کہ تم بھی اپنے نبی کو یہی بات کہنا۔ بلکہ اصل بات یہ ہے کہ یہ لوگ ہی سرکش ہیں۔ وہ بھی اپنے انبیاء علیہم السلام کو برا بھلا کہتے تھے اور یہ بھی وہی بکواسات کر رہے ہیں۔ اصل بات یہ ہے کہ جب جبلت خبیث ہو تو سرکشی خود بخود آ جاتی ہے پھر ان کے منہ میں جو آئے وہ بک دیتے ہیں۔ یہ بھی نہیں سوچتے کہ بات کہاں تک پہنچ رہی ہے۔

(آیت نمبر ۵۴) اے محبوب ان سے منہ پھیر لیں۔ ان سے جنگ و جدل کی ضرورت نہیں۔ آپ کی طرف سے انہیں بار بار دعوت دی جا چکی ہے اور وہ اپنے تکبر کی وجہ سے انکار ہی کر رہے ہیں۔ لہذا اس بات میں آپ پر کوئی ملامت نہیں ہے کیونکہ آپ نے اپنی کوشش سے ابلاغ و تبلیغ کا حق ادا کر دیا ہے۔ آپ کا کام تھا۔ میرا پیغام ان تک پہنچانا۔ وہ آپ نے کما حقہ کر دیا۔ اب میں جانوں اور وہ جانیں۔

(آیت نمبر ۵۵) آپ اپنی وعظ و نصیحت جاری رکھیں۔ اسے نہ چھوڑیں۔ اس لئے کہ بے شک آپ کے وعظ و نصیحت سے اہل ایمان کو ضرور فائدہ پہنچتا ہے۔ یا جن کے مقدر میں ایمان لانا ہے۔ انہیں ضرور نفع حاصل ہوگا۔ خصوصاً جو ایمان لا چکے ہیں۔ وعظ و نصیحت سے ان کی بصیرت اور قوت یقینی میں ضرور اضافہ ہوتا ہے۔

نصیحت کے دس موتی: (۱) لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی نعمتیں یاد دلانا۔ (۲) دکھ اور تکلیف پر صبر کا ثواب بتائیں۔ (۳) گناہوں پر ہونے والے عذاب بتائیں۔ (۴) شیطان کے مکر و فریب سنائیں۔ (۵) دنیا کی بے ثباتی و بے وفائی سمجھائیں۔ (۶) موت کی تیاری کرائیں۔ (۷) آخرت انہیں یاد کرائیں۔ (۸) جہنم سے ڈرائیں۔ (۹) جنت کا شوق دلائیں۔ (۱۰) خوف و امید دونوں دل میں جمائیں۔

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ ﴿٥٦﴾ مَا أُرِيدُ مِنْهُمْ مِنْ رِزْقٍ

اور نہیں بنائے جن اور انسان مگر اپنی عبادت کیلئے۔ نہیں چاہتا میں ان سے کوئی روزی۔

وَمَا أُرِيدُ أَنْ يُطْعَمُونِ ﴿٥٧﴾

اور نہ چاہتا ہوں کہ وہ مجھے کھلائیں۔

(آیت نمبر ۵۶) نہیں پیدا کیا ہم نے جنوں اور انسانوں کو مگر اپنی عبادت کیلئے۔

فائدہ: عبادت اصل میں حد درجہ کی عاجزی کو کہتے ہیں۔ جس میں عاجزی آگئی۔ اس نے حد درجہ کی فضیلت پائی۔ **فکتہ:** جن وانس کی پیدائش سے عبادت کی غرض اصلی ہے۔ اگرچہ اللہ تعالیٰ کو کسی کی عبادت سے کوئی غرض نہیں۔ کیونکہ وہ اغراض سے پاک ذات ہے۔ اور وہ ذات رحیم و کریم ہے۔ یہ رحمت و عبادت بھی اس کے فضل و احسان کے حصول کا سبب ہے۔

معتزلہ کا عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے اغراض ہیں۔ ان کی دلیل یہی آیت ہے۔ اس لئے کہ یہاں لام تعلیق کیلئے ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ اس کی تخلیق اس غرض کیلئے ہے جن وانس دونوں صرف اللہ تعالیٰ کی ہے۔ اہل سنت کا جواب یہ ہے کہ یہاں ”لیعبدون“ کا تعلق طلب سے ہے۔ ارادہ سے نہیں۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے ان سے مطالبہ کیا ہے کہ لوگ اس کی عبادت کریں۔ اور اس سے انعام حاصل کریں۔ اگر معتزلہ والا معنی کیا جائے تو لازم آتا ہے کہ جن وانس ایک لمحہ کیلئے بھی اس کی عبادت کے بغیر نہ ہوں۔ یہ تکلیف مالا یطاق ہے۔

فائدہ: زیادہ بہتر یہ ہے کہ ”لیعبدون“ کا معنی ”لیعرفون“ کر دیا جائے تاکہ کوئی اشکال ہی نہ رہے۔ اکثر علماء اہل سنت اور صوفیاء نے یہی معنی کیا ہے۔ کہ جن وانس کو پیدا کرنے کا مقصد یہ ہے۔ کہ وہ اللہ تعالیٰ کو پہچانیں۔ (آیت نمبر ۵۷) میں جنوں اور انسانوں سے نہیں چاہتا اپنا رزق اور نہ میں چاہتا ہوں کہ وہ مجھے کھلائیں۔

فائدہ: یعنی اللہ تعالیٰ دنیوی حاکموں کی طرح نہیں ہے۔ جو اپنے ماتحتوں سے اپنی معیشت کی اشیاء خوردنی وغیرہ بٹورتے ہیں۔ لیکن اللہ تعالیٰ بندوں کے ہر معاملے سے مستغنی ہے۔ اسے بندوں سے کوئی منفعت نہیں چاہئے۔ یہاں تک کہ بندے جو عبادت، نماز، روزہ وغیرہ بھی کرتے ہیں۔ ان کا بھی اصل فائدہ بندوں کا ہے۔ اللہ تعالیٰ کو اس کا کوئی فائدہ نہیں۔ یہاں رزق سے مراد بھی عام ہے۔ کھانا ہوا کوئی اور چیز۔

إِنَّ اللَّهَ هُوَ الرَّزَّاقُ ذُو الْقُوَّةِ الْمَتِينُ ﴿۵۸﴾ فَإِنَّ لِلَّذِينَ ظَلَمُوا ذُنُوبًا

بے شک اللہ ہی رزق دینے والا بڑی قوت و قدرت والا ہے۔ تو بے شک ظالموں کے گناہ ہیں

مِثْلَ ذُنُوبِ أَصْحَابِهِمْ فَلَا يَسْتَعْجِلُونَ ﴿۵۹﴾ فَوَيْلٌ لِلَّذِينَ كَفَرُوا

جیسے گناہ تھے ان جیسوں کے۔ تو نہ وہ جلدی کریں۔ پس خرابی ہے کافروں کیلئے

مِنْ يَوْمِهِمُ الَّذِي يُوعَدُونَ ﴿۶۰﴾

اس دن کہ جس کا وہ وعدہ دیئے جاتے ہیں۔

(آیت نمبر ۵۸) بے شک اللہ تعالیٰ بہت بڑا روزی رساں ہے۔ یعنی وہ دوسروں کو روزی پہنچاتا ہے۔ خود نہیں کھاتا۔ البتہ کسی غریب کو کھانا دینا اللہ تعالیٰ کو ہی دینا ہے۔ جیسا کہ حدیث شریف میں ہے۔ اللہ تعالیٰ بندے سے فرمائے گا۔ میں نے تجھ سے کھانا مانگا تو نے نہیں دیا۔ یعنی فلاں بندے نے مانگا تھا۔ اگر تو نے اسے دیا ہوتا تو تو نے گویا مجھے دیا ہوتا۔ (یہ حدیث بہت لمبی ہے ہم نے مختصر لکھ دی)۔ (مسلم شریف و جامع السنۃ، ریاض الصالحین) آگے فرمایا۔ اللہ تعالیٰ ساری مخلوق پر بہت بڑی طاقت والا ہے۔

(آیت نمبر ۵۹) پس بے شک ظالموں کیلئے جنہوں نے اپنی جانوں پر ظلم کیا کہ اللہ کے رسول ﷺ کی تکذیب کر کے ہمیشہ کا عذاب اپنے سر لیا۔ اسی لئے کہ انہوں نے گناہوں کا وہ افر حصہ کمایا جیسے ان کے دوستوں نے جن کا ذکر پیچھے ہو گیا کہ انہوں نے بڑے بڑے گناہ کئے تو انہیں عذاب بھی اس قدر بڑا ہوا۔ اور ان کفار مکہ کو بھی اپنے گناہوں کا عذاب ہوگا۔ لہذا وہ اس عذاب کو جلدی نہ مانگیں۔ کعبہ کا غلاف پکڑ کر کہا کہ اللہ تعالیٰ اگر یہ نبی برحق ہے۔ تو ہم پر پتھروں کا عذاب اتار دے۔ **فائدہ:** جیسے نصر بن حارث نے مانگا تو بدر میں مارا گیا اور جہنم میں جا پہنچا۔

(آیت نمبر ۶۰) بس خرابی ہے کافروں کیلئے ان کے اس دن میں جس کا وہ وعدہ دیئے گئے۔ یعنی اہل مکہ کو بتایا گیا تھا کہ قیامت سے پہلے ان پر عذاب آئے گا تو وہ بدر کے دن ان پر عذاب آیا۔ قیامت کے عذاب میں بھی وہ ضرور مبتلا ہوں گے بلکہ اس سے پہلے قبر کا عذاب بھی ہوگا۔ اس کے بعد وہ آخرت والے جہنم کے عذاب کا مزہ پائیں گے۔

اختتام سورۃ مومنین: ۱۶۔ فروری بروز جمعرات بوقت نماز عصر

وَالطُّورُ ۱ وَكِتَابٍ مُّسْتَوٍ ۲ فِي رَقٍ مُّنْشُورٍ ۳ وَالْبَيْتِ الْمَعْمُورِ ۴

قسم ہے طور کی۔ اور کتاب لکھی ہوئی کی۔ اس دفتر میں جو کھلا ہوا ہے۔ اور قسم بیت المعمور کی۔

(آیت نمبر ۱) قسم ہے طور پہاڑ کی۔ مشہور بات یہی ہے کہ اس سے مراد وہی پہاڑ ہے۔ جسے طور سینا کہا جاتا ہے جو مدین کے قریب ہے۔ جس پر جناب موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے کلام کی اور سنی۔ جس پہاڑ کی اللہ تعالیٰ نے قسم کھائی۔ اس سے طور کی عظمت کا انداز لگایا جائے۔ کہ وہ کتنی بڑی شان والا ہے۔

(آیت نمبر ۲) اور اس کتاب کی قسم جو پورے اہتمام سے لکھی گئی۔ اس سے مراد قرآن یا توراۃ یا وہ جو لوح محفوظ میں ہے۔ یا اس سے مراد اعمال نامے کی کتاب ہے۔ جس کو قیامت کے دن کھولا جائے گا۔

(آیت نمبر ۳) وہ کھلے ہوئے صحیفوں میں ہے کہ جسے پڑھنے والا آسانی سے پڑھ سکتا ہے۔

فائدہ: بعض نے کہا منشور وہ کھلا ہوا خط جس پر مہر نہ ہو۔ یعنی قسم ہے اس لکھی ہوئی کتاب کی جو صحیفے میں ہے جو پڑھنے کے وقت کھلے گی۔ یا وہ اعمال نامے جو قیامت کے دن کھولے جائیں گے۔

(آیت نمبر ۴) اور قسم ہے بیت المعمور کی جو ساتویں آسمان پر ہے۔ اس کا نام عروب ہے اور وہ کعبہ شریف کے بالکل اوپر ہے اس کے ارد گرد فرشتے طواف کرتے ہیں اور نماز پڑھتے ہیں۔ جیسے زمین والے کعبہ کے ارد گرد طواف کرتے ہیں اور نماز پڑھتے ہیں۔ بیت اللہ شریف بیت المعمور کے مطابق ہی بنایا گیا۔

معراج کی رات:

حضور ﷺ نے معراج کی رات بیت المعمور کو ساتویں آسمانوں کے اوپر دیکھا۔ فائدہ: یہ جو مشہور ہے کہ ہر آسمان پر بیت المعمور ہے یہ صحیح نہیں بیت المعمور ایک ہی ہے جو ساتویں آسمان سے اوپر ہے۔ البتہ یہ ممکن ہے کہ بیت المعمور کی طرح ہر آسمان پر ایک ایسا مقام ہو جس کا ہر آسمان والے طواف کرتے ہوں۔ حضور ﷺ نے فرمایا میں نے ابراہیم علیہ السلام کو ساتویں آسمان پر دیکھا کہ وہ بیت المعمور کے ساتھ ٹیک لگا کر بیٹھے تھے۔ (بخاری)

وَالسَّقْفِ الْمَرْفُوعِ ۝ ٥ وَالْبَحْرِ الْمَسْجُورِ ۝ ٦ إِنَّ عَذَابَ رَبِّكَ لَوَاقِعٌ ۝ ٧

اور چھت کی جو بلند ہے۔ اور سمندر سگائے ہوئے کی۔ بے شک عذاب تیرے رب کا ضرور ہوگا۔

مَا لَهُ مِنْ دَافِعٍ ۝ ٨ يَوْمَ تَمُورُ السَّمَاءُ مَوْرًا ۝ ٩

نہیں اسے کوئی ٹالنے والا۔ جس دن اہل جائیں آسمان ہلنا۔

(آیت نمبر ۵) اور بلند چھت کی قسم یعنی آسمانوں کی۔ جس کی مسافت پانچ سو سال کی راہ ہے۔ دوسرے مقام پر فرمایا۔ ہم نے آسمان کو محفوظ چھت بنایا۔ آسمان کی قسم کھائی۔ اس لئے وہ مجمع انوار حکمت ہے اور مخزن اسرار حکمت ہے۔ یا اس آسمان سے مراد عرش معلیٰ ہے۔

(آیت نمبر ۶) مسجور وہ دریا جسے بحر محیط بھی کہتے ہیں جو دنیا کے تمام دریاؤں کا مادہ ہے اور جس دریا کا کوئی کنارہ نہیں۔ جس کی گہرائی اللہ تعالیٰ کے بغیر کوئی نہیں جانتا۔ دنیا کے تمام دریا اسی سے نکلے ہیں۔ اسی دریا میں مرجان ہوتا ہے۔ یا مراد ہے کہ ان دریاؤں کو سلگایا جائیگا۔ یعنی قیامت کے قریب تمام دریاؤں کو سلگا کر ختم کر دیا جائیگا۔

(آیت نمبر ۷) بے شک آپ کے رب کا عذاب ضرور واقع ہوگا۔ یعنی اس عذاب کو کوئی روک نہیں سکتا۔ وہ کفار و مشرکین کیلئے تیار کیا گیا ہے۔ فائدہ: اس سے مراد عذاب آخرت ہے۔ اس سے دنیوی عذاب مراد نہیں ہے۔ اس کی تفصیل سورہ زاریات میں بیان ہوگئی ہے۔

(آیت نمبر ۸) اس عذاب کو کوئی ہٹانے والا نہیں ہے۔ دوسری جگہ فرمایا۔ اللہ کے بغیر اسے کوئی رد کرنے والا

نہیں۔

پراثر آیت: جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں مکہ مکرمہ سے مدینہ پاک میں بدر کے قیدیوں کو چھڑانے کیلئے آیا۔ صبح کی نماز میں حضور ﷺ اسی سورۃ کی بلند آواز سے تلاوت فرما رہے تھے اور اتنے سوز سے کہ لوگوں کے دل پھٹ رہے تھے۔ اسی سے اسلام کی عظمت میرے دل میں بیٹھ گئی۔ میں مسلمان ہو گیا تاکہ عذاب سے بچ جاؤں۔

(آیت نمبر ۹) جس دن آسمان ہلادیئے جائیں اور اس طرح آسمان گھومیں گے کہ جس طرح چکی گھومتی ہے اوپر کی تمام چیزوں کو نیچے گرا دے گا یا اوپر نیچے کی تمام اشیاء کس ہو جائیں گی۔ یہ سب عذاب الہی کے خوف سے ہوگا۔

وَتَسِيرُ الْجِبَالُ سَيْرًا ۝۱۰ فَوَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِينَ ۝۱۱ الَّذِيْنَ هُمْ

اور چلیں گے پہاڑ چلنا۔ تو ہلاکت ہوگی اس دن جھٹلانے والوں کی۔ وہ لوگ

فِيْ خَوْضٍ يَلْعَبُوْنَ ۝۱۲ يَوْمَ يَدْعُوْنَ اِلَى نَارٍ جَهَنَّمَ دَعَا ۝۱۳

اپنے مشغلہ میں کھیل رہے ہیں۔ جس دن دھکیلے جائیں گے طرف آگ جہنم کے دھکا دیکر۔

هٰذِهِ النَّارُ الَّتِي كُنْتُمْ بِهَا تُكَذِّبُوْنَ ۝۱۴

یہ ہے وہ آگ جسے تم جھٹلاتے۔

(آیت نمبر ۱۰) اور پہاڑوں کو چلا دیا جائیگا۔ بلکہ زمین پر اڑتے ہوئے نظر آئیں گے۔ جیسے غبار اڑتا ہے۔ بعض نے کہا۔ بادلوں کی طرح اوپر کواڑ کر پھٹ جائیں گے یا دھنی ہوئی روئی کی طرح اڑیں گے۔

(آیت نمبر ۱۱) پس خرابی ہے۔ اس دن جھٹلانے والوں کیلئے۔ یعنی جب مذکورہ حالات ہو جائیں گے۔ پھر جھٹلانے والوں کے لئے ان کے عذاب کی شدت کا وقت ہو جائیگا۔ یعنی جو لوگ دنیا میں انبیاء کرام علیہم السلام یا ان کی کتابوں کو جھٹلانے والے ہیں۔ ان کا عذاب میں پڑنے کا وقت آ جائیگا۔ اور وہ حساب و کتاب کے بعد جہنم میں ڈال دیئے جائیں گے۔

(آیت نمبر ۱۲) وہ لوگ جو اپنے ہی غور و حوض یعنی کھیل تماشے میں ہیں۔ عجیب عجیب باطل اور جھوٹی باتوں کے غور و فکر میں پڑے ہیں۔ کبھی مسلمانوں سے تمسخر کبھی نبی کی تکذیب کبھی آخرت میں زندہ ہونے کا انکار کرتے ہیں۔ یعنی ان باطل باتوں سے کھیلتے ہیں۔ اور نہ آیات پر ایمان لاتے ہیں، نہ ان میں غور و فکر کرتے ہیں۔

(آیت نمبر ۱۳) جس دن وہ جہنم کی طرف دھکیلے جائیں گے۔ یعنی کافروں کو قیامت کے دن دھکے دے دے کر جہنم کی طرف دھکیلا جائیگا اور ان کے ہاتھ گردنوں کے ساتھ بندے ہوں گے۔ پیشانیاں پاؤں کی طرف جھکی ہوگی۔ انتہائی ذلت آمیز طریقے سے اور رسوائی کے ساتھ جہنم لے جایا جائیگا۔

(آیت نمبر ۱۴) تو انہیں کہا جائیگا۔ یعنی جہنم کے داروغے انہیں کہیں گے۔ یہی وہ عذاب ہے۔ جسے دنیا میں تم جھٹلایا کرتے تھے۔ حالانکہ تمہیں وحی کے ذریعے اس عذاب کی خبر دی گئی تھی لیکن تم نے نہیں مانا اور اپنی ضد پر اڑے رہے۔ التام اس کی مزاحیں بناتے اور مسلمانوں کو پریشان کرتے تھے۔

اَفْسَحِرْ هَذَا اَمْ اَنْتُمْ لَا تَبْصِرُوْنَ ۚ (۱۵) اِصْلَوْهَا فَاصْبِرُوْا اَوْ لَا تَصْبِرُوْا ۚ

کیا جادو ہے یا کیا تم نہیں دیکھتے۔ داخل ہو اس میں پھر صبر کرو یا نہ صبر کرو۔

سَوَاءٌ عَلَیْكُمْ ؕ اِنَّمَّا تُجْزَوْنَ مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ (۱۶) اِنَّ الْمُتَّقِیْنَ

برابر ہے تم پر۔ بے شک تم دیئے جاؤ گے بدلہ جو تھے تم عمل کرتے۔ بے شک پرہیزگار

فِیْ جَنَّتٍ وَّ نَعِیْمٍ (۱۷)

باغات اور نعمتوں میں۔

(آیت نمبر ۱۵) کیا یہ جادو ہے۔ بڑے زبردست سے ڈانٹ کر کہا جائیگا کہ دنیا میں تم قرآن اور صاحب قرآن کے متعلق جادو کہا کرتے تھے۔ اب بتاؤ۔ کیا یہ سب جادو ہے۔ دھکے بھی دیئے جا رہے ہوں گے اور یہ بھی ساتھ کہا جائیگا۔ بجائے تصدیق کے تم ان احوال آخرت کی تکذیب کرتے تھے۔ کیا اب تم دیکھ نہیں رہے۔ دنیا میں تو کہہ دیا کرتے۔ ہماری آنکھیں باندھ دی گئیں۔ ہم پر جادو ہو گیا۔ اب بتاؤ یہ جھوٹ ہے۔ یا حقیقت ہے۔

(آیت نمبر ۱۶) اب داخل ہو جاؤ اس جہنم میں اور اس کی گرمی اور سختی کو چھیلو۔ آگے صبر کرو یا بے صبری۔ جو مرضی ہے کر لو۔ یہ تمہارے لئے برابر ہے۔ تمہاری جان اب جہنم سے نہیں چھوٹ سکتی۔ یہ صرف تمہارے عملوں کی سزا ہے۔

فائدہ: یہ جملہ ان کی تمام امیدیں ختم کرنے کیلئے کہا گیا ہے۔ آگے فرمایا۔ اب چیخو چلاؤ یا چپ رہو۔ یہ سب تمہارے لئے برابر ہے۔ چیخنا چلانا تمہیں کوئی فائدہ نہیں دیگا۔ دنیا میں چیخنے چلانے کا فائدہ تھا۔ کہ کوئی نہ کوئی فریاد کو پہنچ جاتا تھا لیکن یہاں کوئی فائدہ نہیں۔ یہ جو تمہیں سزا مل رہی ہے یہ وہ ہے جو تم دنیا میں عمل کرتے رہے۔ اور تمہارا ہر عمل ہماری نافرمانی اور ہمارے حکم کے خلاف ہوتا تھا۔

(آیت نمبر ۱۷) بے شک پرہیزگار لوگ یعنی جو کفر اور نافرمانیوں سے بچتے رہے۔ وہ باغات اور چشموں میں ہوں گے اور نعمتوں میں ہوں گے۔ جہاں پہ خوشحالی اور آسائش اور طرح طرح کی نعمتوں میں سرشار ہونگے۔ امام راغب نے فرمایا نعیم کا معنی نعمتہائے کثیر۔ یعنی نہ ختم ہونے والی نعمتوں میں ہوں گے۔ متقین جو ہر چھوٹے بڑے گناہ سے بچنے والے۔

فَكِهِينَ بِمَا آتَاهُمْ رَبُّهُمْ ۖ وَوَقَّهْمُ رَبُّهُمْ عَذَابَ الْجَحِيمِ ۝۱۸ كُلُوا

خوش ہیں اس پر جو دیا ان کو ان کے رب نے اور بچایا انہیں رب نے عذاب جہنم سے۔ کھاؤ

وَأَشْرَبُوا هَنِيئًا بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ ۖ ۝۱۹ مُتَكَبِّرِينَ عَلَىٰ سُرُرٍ

اور پیو خوشی سے بدلہ ہے اس کا جو تھے تم عمل کرتے۔ تکبر لگائے تختوں پر

مَصْفُوفَةٍ ۖ وَزَوَّجْنَاهُم بِحُورٍ عِينٍ ۝۲۰

جو قطار میں لگائے گئے اور نکاح دیا ساتھ موٹی آنکھوں والی حوروں کے

(آیت نمبر ۱۸) عیش و عشرت والے شاداب و فرحان ہونگے۔ قاموس میں ہے۔ خوش و خرم بہترین عیش

و آرام سے زندگی بسر کرنے والے جو انہیں پروردگار نے دائمی عزتیں دیں۔ ان پر خوش رہنے والے جہاں لذت ہی

لذت ہوگی اور ان کے رب نے انہیں بچالیا جہنم کے عذاب سے۔ اور جنت میں داخل فرمادیا۔

(آیت نمبر ۱۹) اور جنت کے فرشتے انہیں کہیں گے۔ کھاؤ اور پیو خوب سیر ہو کر عیش کرنے والے اور لذات

پانے والے خوش باش رہنے والے۔ قاموس میں ہے۔ پھل میوے کھانے والے اور بھی جو انہیں ان کے رب کی

طرف سے ملا۔ یہ سب بدلہ ہے اس کا جو تم دنیا میں نیک اعمال کرتے رہے۔

فائدہ: جنت میں داخلہ ایمان اور محض فضل الہی سے ہوگا۔ اور جنت کی نعمتیں اعمال صالحہ کا بہترین بدلہ ہیں۔

اللہ تعالیٰ پر نیک اعمال کا بدلہ دینا واجب نہیں۔ یہ بھی محض اس کا احسان ہوگا۔

(آیت نمبر ۲۰) تکبر لگانے والے تختوں پر ہوں گے۔ ایک دوسرے کے قریب ایک ہی لائن میں صف کی

طرح۔ بیٹھے خوش گپی کریں گے۔ سونے چاندی کے زیورات اور جواہرات سے مزین ہوں گے۔ **فائدہ:** امام کلبی

نے فرمایا۔ وہ تخت صف بستہ ہوں گے۔ جو انتہائی لمبے ہوں گے۔ بیٹھنے کیلئے نیچے ہو جائیں گے۔ بیٹھنے کے بعد انتہائی

بلند ہوں گے اور ملاقات میں سب ایک دوسرے کے آمنے سامنے ہوں گے۔ آگے فرمایا۔ ہم انہیں نکاح میں دینگے

موٹی آنکھوں والی حوریں۔ (یعنی ان کی بیویاں عام دنیاوی عورتیں ہی نہیں بلکہ حوریں بھی ہوں گی)۔

وَالَّذِينَ آمَنُوا وَاتَّبَعَتْهُمْ ذُرِّيَّتُهُمْ بِإِيمَانٍ أَلْحَقْنَا بِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ وَمَا

اور جو ایمان لائے اور پیروی کی ان کی اولاد نے ایمان کے ساتھ۔ ملا دی ان سے ان کی اولاد اور نہیں

أَلْتَنَّهُمْ مِّنْ عَمَلِهِمْ مِّنْ شَيْءٍ ۚ كُلُّ امْرِئٍ بِمَا كَسَبَ رَهِينٌ ﴿٢١﴾

کی ان کے عمل میں کچھ۔ ہر آدمی اپنے کئے پر مرہون ہے۔

وَأَمَدَدْنَاهُمْ بِفَاكِهَةٍ وَلَحْمٍ مِّمَّا يَشْتَهُونَ ﴿٢٢﴾

اور انہیں مدد دی پھلوں اور گوشت سے جو وہ چاہیں گے۔

(آیت نمبر ۲۱) اور وہ لوگ جو ایمان لائے اور ان کی اولاد نے بھی ان کی پیروی کی۔ ایمان اور طاعت میں۔

اگرچہ وہ بزرگوں کے رتبہ تک نہیں پہنچے تو ہم ان کی اولاد کو (جنت میں) ان کے ساتھ ملا دیں گے۔ یعنی جس درجے اور کلاس میں والدین ہوں گے۔ اسی درجے میں ان کی اولاد کو بھی پہنچا دیں گے تاکہ ان کی آنکھیں ٹھنڈی ہوں اور ان کے سرور اور فرحت میں مزید اضافہ ہو۔ آگے فرمایا کہ ہم ان کے اعمال میں سے کوئی کمی نہیں کریں گے۔ یعنی ان کے والدین کے ثواب میں کمی نہیں کریں گے۔ آگے فرمایا کہ ہر عاقل بالغ مکلف مرد نے جو بھی عمل کیا۔ خواہ اچھا یا برا۔ وہ اسی کے ساتھ ہوگا۔ یعنی اسی کے مطابق جزاء و سزا پائیں گے۔ یہاں رہن بمعنی مرہون ہے۔ یعنی رہن رکھا ہوا۔ عمل صالح گویا اس کا قرض رکھا ہوا ہے۔ جس کا قیامت کے دن وہ مطالبہ کرے گا۔

(آیت نمبر ۲۲) اور ہم نے ان کی مدد کی۔ یعنی قیامت میں کریں گے۔ یہاں ماضی بمعنی مضارع ہے۔ یعنی ہر

طرح کے پھلوں سے اور ایسے گوشت سے ان کی مہمانی کریں گے۔ جیسا وہ چاہیں گے۔ یعنی جنت میں جب اولادیں اپنے آباء کرام سے مل جائیں گی۔ اگرچہ اولاد طفیلی ہی رہے گی۔ لیکن انعامات دونوں پر برابر ہونگے تو پھلوں کے علاوہ انہیں وہ گوشت دیا جائیگا۔ جسے وہ چاہیں گے۔ پھر نہ پھل فروٹ ختم ہونگے نہ دوسری اشیاء۔

حدیث شریف میں ہے کہ جب کسی اڑتے پرندے کا بھنا ہوا گوشت چاہو گے تو وہ بھنا ہوا ہو کر تمہارا۔

سامنے آ جائیگا۔ تھوڑی دیر بعد وہی پرندہ اڑ کر نہر کے کنارے جا بیٹھے گا۔ (تفسیر ابن سیرین)

يَتَنَازَعُونَ فِيهَا كَأْسًا لَا لَغْوٌ فِيهَا وَلَا تَأْنِيمٌ ﴿٣٣﴾

ایک دوسرے کا اٹھا لیں گے جنت میں جام۔ نہ بے ہودگی ہے اس میں اور نہ گناہ گاری۔

وَيَطُوفُ عَلَيْهِمْ غِلْمَانٌ لَهُمْ كَأَنَّهُمْ لُؤْلُؤٌ مَّكْنُونٌ ﴿٣٤﴾

اور پھریں گے ان میں نوکر ان کے۔ گویا وہ موتی ہیں چھپے ہوئے۔

(آیت نمبر ۲۳) جنت میں اکٹھے بیٹھنے والے محبت و سرور میں ایک دوسرے سے ہنسی مزاق بھی کریں گے۔ جیسے دوست ایک دوسرے کے ساتھ کرتے ہیں کہ وہ ایک دوسرے سے چیزیں اپنی طرف کھینچ لیں گے۔

فائدہ: اس میں ان کے کمال رغبت و اشتیاق کی طرف اشارہ ہے کہ وہ آپس میں ایک دوسرے کا پیالہ اپنی طرف کھینچ لیں گے۔ لیکن اس میں نہ تو کوئی لغو بات ہوگی۔ (یعنی پیالہ لیتے وقت کوئی لغویات فضول کلام یا گھٹیا گفتگو نہیں ہوگی)۔ **فائدہ:** راغب اصفہانی فرماتے ہیں۔ لغوہ کلام ہے جو غیر معتبر ہو اور بغیر سوچے سمجھے منہ سے نکال دی جائے اور اس میں کوئی گناہ کی بات نہیں کہ جس سے وہ گناہ گار ہو۔ جیسے جھوٹ گالی یا کوئی بکواس وغیرہ جیسے دنیا میں شرابیوں کی عادت ہوتی ہے۔ **فائدہ:** جنت کی شراب پی کر عقل سلامت ہوگی۔ حکمت دانائی کی باتیں کریں گے۔ جیسے معزز لوگ اور اعلیٰ شخصیات کرتے ہیں۔

(آیت نمبر ۲۴) اور غلمان گھومیں گے۔ یعنی جنتیوں کے ارد گرد جنت کے اعلیٰ مشروب لیکر ایسے گھومیں گے۔ جیسے کوئی کعبہ کے ارد گرد گھومتا ہے۔ وہ نہایت خوبصورت نوجوان ہوں گے۔ جو جنتیوں کی خدمت پر مامور ہوں گے۔ یہ غلام دنیا والے نہیں بلکہ جنت میں ہی ہوں گے۔ انہیں اسی خدمت کیلئے بنایا جائیگا۔

فائدہ: اور ہر ایک جو جنت میں داخل ہوگا۔ اسے خدام خدمت کیلئے ملیں گے۔ جو ان کی خدمت کریں گے تاکہ ان سے ان کی پریشانی اور حیرانی دور ہو اور وہ اتنے خوبصورت ہوں گے۔ گویا وہ خالص موتی ہیں جو ابھی ابھی صدف سے نکلے ہیں۔ کیوں کہ سب سے زیادہ خوبصورت موتی وہی ہوتا ہے جو بالکل نیا ہو۔ مکنون کا ایک معنی خزانے میں رکھا ہوا بھی ہے۔ جو سب سے زیادہ قیمتی ہوتا ہے۔ وہ بہت بڑے خزانے میں محافظوں کی نگرانی میں رکھا جاتا ہے

حدیث شریف: حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا۔ خادم کی یہ شان ہے تو مخدوم کا کیا مقام ہوگا۔ تو فرمایا۔ وہاں مخدوم چودہویں کے چاند کی طرح اور خادم ستارے کی طرح چمکتے ہوں گے۔ (تفسیر بیضاوی)

وَأَقْبَلَ بَعْضُهُمْ عَلَى بَعْضٍ يَتَسَاءَلُونَ ﴿٢٥﴾ قَالُوا إِنَّا كُنَّا قَبْلُ

اور متوجہ ہو کر ایک دوسرے سے پوچھیں گے۔ کہیں گے بے شک ہم اس سے پہلے

فِي أَهْلِنَا مُشْفِقِينَ ﴿٢٦﴾ فَمَنْ اللَّهُ عَلَيْنَا وَوَقَّعْنَا عَذَابَ السَّمُومِ ﴿٢٦﴾

گھر میں سہے ہوئے تھے۔ پھر احسان کیا اللہ نے ہم پر اور بچایا ہمیں عذاب لو والے سے۔

(آیت نمبر ۲۵) جنتی ایک دوسرے کی طرف متوجہ ہو کر ایک دوسرے سے پوچھیں گے۔ یعنی حال و احوال کا پتہ کریں گے کہ تم پر کیسے انعام ہوا اور کیا انعام ہوا۔ اس پوچھنے میں بڑی لذت اور بہت سرور ہوگا کہ انہیں اللہ تعالیٰ نے بہت بڑے بڑے انعامات سے نوازا ہوگا۔ جیسے دنیا میں بھی جب ملتے ہیں تو ایک دوسرے کے احوال پوچھتے ہیں تو جو جوان پر انعامات ہوئے یا اچھے اوقات گزرے۔ ان کو بیان کریں گے۔ پھر احوال سن کر انتہائی خوش ہوں گے۔ ایک دوسرے سے مانوس ہوں گے۔ آپس میں دنیوی طاعات کا اور اخروی انعامات کا ذکر کر کے ایک دوسرے کے حالات سن کر خوش ہونگے۔ اور ایک دوسرے کو بتائیں گے۔

(آیت نمبر ۲۶) آپس میں مل بیٹھ کر جنتی ایک دوسرے سے کہیں گے۔ بے شک دنیا میں ہم اپنے اہل و عیال میں جب ہوتے تھے۔ تو بڑے سہے ہوئے تھے کہ نہ معلوم ہمارا کیا بنے گا کیونکہ ہم سے گناہ اور نافرمانیاں بھی ہو جاتیں۔ لہذا ہم اپنے انجام کے بارے میں بے خبری کی وجہ سے ڈرتے تھے۔

فائدہ: لیکن جو اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہے (وہی کامیاب ہے) یا اس سے مراد یہ ہے کہ ابھی میدان محشر میں ڈر رہے تھے کہ نامعلوم اب کیا فیصلہ ہوگا اور ہم کدھر جائیں گے۔

(آیت نمبر ۲۷) ابھی سوچ اور خوف میں تھے کہ اتنے میں اللہ تعالیٰ کا فضل و احسان ہو گیا ہم پر کہ ہمیں جنت میں جانے کا حکم ہو گیا اور جنت کی نعمتوں سے نوازا دیا گیا اور اس سے بڑا احسان یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں عذاب جہنم سے بچالیا۔ جس کے زہریلے دھوئیں سے ہی آدمی کا برا حال ہو جاتا ہے۔

فائدہ: امام علی علیہ السلام فرماتے ہیں کہ یہ ان لوگوں کے شکر کا بیان ہے۔ جن کو ابھی جنت اور اس کی نعمتیں ملی ہیں تو جب انہیں دیدار نصیب ہوگا پھر ان کا کیا حال ہوگا۔ (سبحان اللہ رب العرش الكريم)

إِنَّا كُنَّا مِنْ قَبْلُ نَدْعُوهُ ۚ إِنَّهُ هُوَ الْبَرُّ الرَّحِيمُ ۝ (۲۸)

بے شک تھے ہم پہلی زندگی میں اسے یاد کرتے۔ بے شک وہ احسان والا رحمت والا ہے۔

فَذِكْرُ قَمًا أَنْتَ بِنِعْمَتِ رَبِّكَ بِكَاهِنٍ وَلَا مَجْنُونٍ ۝ (۲۹)

تو نصیحت کریں۔ نہیں ہیں آپ اپنے رب کے فضل سے کاہن اور نہ دیوانے۔

(آیت نمبر ۲۸) بے شک ہم اس سے پہلے یعنی دنیا میں اسی ذات پاک کی عبادت کرتے تھے اور اسی کی بارگاہ میں جہنم سے بچنے کی دعا کرتے تھے۔ بے شک وہ ذات بہت ہی احسان کرنے والی اور بڑی رحمت والی ہے۔ بر اور رحیم کی نسبت بندے کی طرف بھی ہو سکتی ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کی طرف بھی ہو سکتی ہے۔ بندے کی طرف بر کی نسبت ہو تو مراد ہے کثرت عبادت اور اللہ تعالیٰ کی طرف ہو تو کثرت ثواب مراد ہوتا ہے کہ وہ معمولی نیکی پر بہت بڑا ثواب بھی عطا فرمادیتا ہے۔ کیونکہ وہ بادشاہ ہے اور بادشاہوں کی عطا معمولی نہیں ہوتی۔ وہ بندے کی سوچ سے بھی بڑی ہوتی ہے۔

فائدہ: شرح اسماء حسنیٰ میں ہے۔ برا الرحیم کو جس نے جان لیا اور وہ ہر مراد میں اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرے گا۔ اور جو اس کی طرف رجوع کرے۔ اللہ تعالیٰ بھی اپنے فضل و کرم سے اس کی مراد سے بڑھ کر اسے عطا فرماتا ہے۔ (بس بندے کا کام ہے اس کی طرف رجوع کرنا)۔

(آیت نمبر ۲۹) اے محبوب آپ نصیحت کریں۔ اگرچہ کچھ بندے اپنے اہل و عیال میں رہتے ہوئے خوف خدا میں زندگی بسر کرتے ہیں اور آپ آخرت کا ڈر سنانے پر مامور ہیں۔ اس لئے اے محبوب آپ اپنے کام کو جاری رکھیں اور یہ کفار مکہ جو کچھ بھی آپ کی شان میں بکتے ہیں۔ آپ اس سے پریشان نہ ہوں۔ اور ان کی بہتان تراشی کا فکر نہ کریں۔ میں آپ کا رب ہو کر یہ آپ کی صفائی دیتا ہوں کہ آپ اپنے رب کی رحمت سے نہ کاہن ہیں نہ مجنون ہیں۔

کاہن: وہ ہوتا ہے جو صرف اپنے گمان سے زمانہ ماضی کی مخفی خبریں دیتا ہے۔ اور عرفاء جو زمانہ مستقبل کی اپنے اٹکل پچھ سے خبریں دیتا ہے۔ ایسی خبروں میں صحیح اور غلط دونوں باتوں کا احتمال ہوتا ہے۔ حدیث شریف میں ہے۔ جو کاہن یا عرفاء کے پاس گیا اور اس کی بات کو سچ کہا۔ اس نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ کفر کیا۔ مجنون وہ ہے جس کے عقل میں فساد ہو۔ علامہ حقی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے کفار کی تردید فرمائی اور حضور ﷺ کو تسلی دی کہ آپ میں یہ دونوں خرابیاں نہیں ہیں۔

أَمْ يَقُولُونَ شَاعِرٌ نَّتَرَبَّصُ بِهِ رَبِّبَ الْمُنُونِ ۚ قُلْ تَرَبَّصُوا فَإِنِّي مَعَكُمْ

یا کہتے ہیں شاعر ہے ہمیں انتظار ہے اس پر گردش زمانہ کی۔ فرمادو انتظار کرو میں بھی تمہارے ساتھ

مِّنَ الْمُتَرَبِّصِينَ ۚ (۳۱) أَمْ تَأْمُرُهُمْ أَحْلَامُهُمْ بِهَذَا أَمْ هُمْ قَوْمٌ طَاغُونَ ۚ (۳۲)

انتظار میں ہوں۔ یا بتاتی ہیں انہیں عقلیں یہ یا وہ لوگ سرکش ہیں۔

(آیت نمبر ۳۰) بلکہ وہ شاعر ہیں۔ یہ کلمہ ان کی قباحت ظاہر کرنے بلکہ انہیں جھڑکنے کے طور پر ہے۔ شاعر اور شعر کی تفصیلات سورہ یاسین میں گذر گئی ہیں۔ حماسہ کے شارح امام مرزوقی نے لکھا ہے کہ بلاغت کا مرتبہ شاعری سے زیادہ ہے۔ عرب کے بادشاہ اسلام آنے سے پہلے اور بعد بھی خطابت کی وجہ سے عظیم سمجھے جاتے تھے۔ شاعری کو وہ معمولی چیز سمجھتے تھے کیونکہ شاعر تو اعلیٰ کو گھنیا اور گھنیا کو اعلیٰ کر کے پیش کرتا ہے۔ جو ایک تجارتی شے ہے۔ اسی لئے نثر کو نظم پر فوقیت ہے۔ اس کی دلیل میں قرآن مجید کو پیش کیا جاتا ہے۔ اگر نظم کو شرف ملتا تو قرآن نظم میں ہوتا۔

مزید کفار یہ کہتے تھے کہ ہم اس نبی کی موت کا انتظار کر رہے ہیں۔ جیسے باقی شعراء مر گئے تو ان کا نام ختم ہو گیا اب یہ بھی ختم ہو جائیں گے تو بے نام ہو جائیں گے۔ (معاذ اللہ)۔ ان بے وقوفوں کو کیا پتہ۔ کہ اس نبی کی ہر آنے والی گھڑی پہلی گھڑی سے بہتر ہوگی۔ یعنی دن بدن اس کا چرچا اور شان بڑھتی ہی جائے گی۔

(آیت نمبر ۳۱) اے محبوب ان کو فرمادیں۔ تم میری موت کا انتظار کرو۔ میں بھی تمہاری طرح تمہاری موت کا انتظار کرنے والوں سے ہوں۔ فائدہ: اس میں کفار کی ہلاکت کا وعدہ دیا گیا۔ اور تفاسیر میں ہے کہ حضور ﷺ کی وفات کا انتظار کرنے والے تمام کفار حضور ﷺ کے وصال مبارک سے پہلے مرے۔ فائدہ: اسی طرح کئی امیر و وزیر جو اولیاء کرام سے دشمنی رکھتے تھے، وہ زیادہ دیر نہیں رہے۔ وہ جلد ہی ہلاک ہو جاتے ہیں۔ لہذا لوگوں کو چاہئے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے فیصلے کا انتظار کریں۔

(آیت نمبر ۳۲) کیا ان کے عقل انہیں اس قسم کا حکم دیتے ہیں جو یہ منافقوں والی باتیں کرتے ہیں۔ اے محبوب انہیں ان باتوں میں لگے رہنے دیں۔ یہ قبیح تر اور بے عقل اور بد تمیز سرکش لوگ ہیں۔

یاد رہے: حلم عقل نہیں لیکن اہل تفاسیر اسے عقل سے تعبیر کیا ہے۔ البتہ یہ عقل کے مسببات میں سے ہے۔ لہذا اس میں یہ نسبت مجازی ہے۔ آگے فرمایا۔ یا وہ سرکش لوگ ہیں جو تکبر و عناد میں حد سے بڑھے ہوئے ہیں اور وہ ہدایت کے قریب بھی نہیں آتے۔ لہذا وہ ایسا جھوٹ بولتے ہیں جو عقل و گمان میں بھی نہیں آتا۔

أَمْ يَقُولُونَ تَقَوَّلَهُ ۚ بَلْ لَا يُؤْمِنُونَ ۚ ﴿٣٣﴾ فَلْيَأْتُوا بِحَدِيثٍ مِّثْلِهِ

یا کہتے ہیں یہ قرآن اس نے بنالیا بلکہ نہیں وہ مومن۔ پھر لے آئیں ایک بات اس جیسی

إِنْ كَانُوا صَادِقِينَ ۚ ﴿٣٤﴾ أَمْ خُلِقُوا مِنْ غَيْرِ شَيْءٍ أَمْ هُمُ الْخَالِقُونَ ۚ ﴿٣٥﴾

اگر ہیں سچے۔ یا وہ بنائے گئے بغیر کسی اصل چیز کے یا وہی بنانے والے ہیں۔

أَمْ خَلَقُوا السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ ۚ بَلْ لَا يُؤْقِنُونَ ۚ ﴿٣٦﴾

یا انہوں نے بنایا آسمان اور زمین کو۔ بلکہ نہیں وہ یقین رکھتے۔

(آیت نمبر ۳۳) یا وہ یہ کہتے ہیں کہ اس قرآن کو اس رسول نے خود ہی لکھ لیا ہے اور منسوب اللہ تعالیٰ کی طرف کر دیا ہے۔ یہ (معاذ اللہ) اللہ تعالیٰ پر افتراء ہے۔ اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ بلکہ اصل بات یہ ہے کہ یہ ایمان ہی نہیں لاتے۔ کیونکہ ان کے عناد کی وجہ سے ان کے دلوں پر مہر لگ چکی ہے۔ ان کی باتیں ایمان نہ لانے کے بہانے ہیں۔ کبھی کوئی بہانہ کبھی کوئی بہانہ۔

(آیت نمبر ۳۴) اگر یہ کتاب نبی نے خود بنائی تو لے آئیں کوئی ایک بات اس کی مثل۔ یعنی اگر میرے رسول نے قرآن مجید جیسا کلام خود بنایا ہے۔ تو تم بھی اس جیسا کلام نظم و معنی کے لحاظ سے بالکل اسی کی مثل ہو لے آؤ۔ اگر مشکل سمجھو کہ تم اس کتاب جیسی پوری کتاب نہیں لا سکتے تو نہ سہی۔ پوری سورۃ بھی نہیں لا سکتے تو کم از کم ایک بات ہی بنا کر لے آئیں۔ کیونکہ تمہیں اپنی زبان دانی اور اپنی فصاحت و بلاغت کا بڑا ذخیرہ ہے۔ تو یہ کام کر دکھاؤ۔

(آیت نمبر ۳۵) یا یہ پیدا ہوئے بغیر کسی چیز کے بغیر ماں باپ کے پیدا ہو گئے یا وہ خود ہی اپنی ذات کے خالق ہیں۔ اسی لئے وہ اللہ تعالیٰ کی عبادت نہیں کرتے۔ کہ ان کے پیدا ہونے اور بڑا ہونے میں ان پر کسی کا احسان نہیں یعنی وہ بتائیں کہ انہیں کس بات کا فخر ہے کہ وہ اس قرآن پر یا اس نبی ﷺ پر ایمان نہیں لاتے۔

(آیت نمبر ۳۶) کیا انہوں نے زمین و آسمان بنائے۔ بلکہ ان سے تو جب بھی پوچھا گیا کہ زمین و آسمان کس نے بنائے تو یہی کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے بنائے ہیں تو جب یہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے بنائے۔ تو پھر اس پر وہ یقین کیوں نہیں کرتے۔ اگر وہ اس پر یقین کر لیتے تو یہ اس کی عبادت سے کبھی روگردانی نہ کرتے۔ بلکہ ان کو تو اللہ تعالیٰ کی باتوں پر بھی یقین نہیں ہوتا۔ یعنی اللہ کو بھی جو مانتے ہیں وہ دل سے نہیں مانتے۔

أَمْ عِنْدَهُمْ خَزَائِنُ رَبِّكَ أَمْ هُمُ الْمُصِيطِرُونَ ۚ (۳۷) أَمْ لَهُمْ سُلَّمٌ

یا ان کے پاس خزانے ہیں تیرے رب کے یا وہ کوئی حاکم ہیں۔ یا ان کے پاس سیڑھی ہے

يَسْتَمِعُونَ فِيهِ ۚ فَلِيَاتٍ مُسْتَمِعُهُمْ بِسُلْطَنِ مُبِينٍ (۳۸) أَمْ لَهُ الْبَنَاتُ

کہ سن لیتے اس میں چڑھ کر۔ تو لے آئے سننے والا ان کا دلیل واضح۔ یا اس کی بیٹیاں

وَلَكُمْ الْبَنُونَ (۳۹) أَمْ تَسْأَلُهُمْ أَجْرًا فَهُمْ مِّنْ مَّغْرَمٍ مُّثْقَلُونَ (۴۰)

اور تمہارے بیٹے ہیں۔ یا مانگی تم نے ان سے اجرت تو وہ اس چٹی کے بوجھ میں دبے ہیں

(آیت نمبر ۳۷) یا ان کے پاس تیرے رب کے خزانے ہیں۔ یعنی رزق رحمت کے خزانے ہیں یا ان کے پاس علم و حکمت کے خزانے ہیں اور سب اختیارات بھی ان کے پاس ہیں۔ جسے چاہیں دیں اور جس سے چاہیں روک لیں۔ کیونکہ یہی ان پر مسلط ہیں۔ مصیطروہ مسلط اور قاہر ہوتا ہے جو کسی کے امر و نہی کے ماتحت نہ ہو۔ اور وہ خود مختار ہو۔ جسے چاہے دے اور جس سے چاہے چھین لے۔

(آیت نمبر ۳۸) یا کیا ان کی کوئی سیڑھی ہے جو آسمان کی بلندی تک پہنچی ہوئی ہے۔ جس پر چڑھ کر یہ آسمان تک پہنچ جاتے ہیں اور وہاں فرشتوں کی یہ کلام سن لیتے ہیں یا جو ان کی طرف وحی کی جاتی ہے۔ یہ اس کو سنتے ہیں اور ہونے والے تمام امور کو یہ جان لیتے ہیں۔ یا یہ ویسے جھوٹی باتیں کر رہے ہیں۔ اگر یہ سن لیتے ہیں تو اس سنی سنائی بات پر کوئی کھلی اور واضح دلیل لائیں کہ واقعی انہوں نے غیبی بات سنی ہے۔

(آیت نمبر ۳۹) کیا اس کی لڑکیاں اور تمہارے لئے لڑکے ہیں۔ فائدہ: چونکہ ان کا عقیدہ تھا کہ فرشتے اللہ تعالیٰ کی لڑکیاں ہیں۔ حالانکہ خود انہیں لڑکیوں سے سخت نفرت تھی۔ اس آیت میں ان کی بے وقوفی کا اظہار ہے اور ان کی کم عقلی کا واضح ثبوت ہے کہ خود انہیں اگر لڑکی کی خوشخبری دی جائے تو ان کا چہرہ سیاہ ہو جاتا ہے اور وہ اندر سے کڑھتا ہے۔ یہی تو ان کی بے وقوفی ہے کہ جس چیز کو اپنے لئے مکروہ جانتے ہیں۔ وہ اللہ تعالیٰ کے لئے ہونے کو جائز سمجھتے ہیں۔

(آیت نمبر ۴۰) یا کیا تم ان سے اجر مانگتے ہو یعنی اے محبوب تبلیغ رسالت پر کیا آپ نے ان سے کوئی اجر مانگا ہے کہ وہ اس اجر اور تاوان کو برداشت نہیں کر سکتے اور بوجھل ہو گئے ہیں۔ اس لئے وہ آپ کی اتباع سے بھاگتے ہیں۔ الغرض اب ان کے پاس کوئی عذر نہیں رہا۔

أَمْ عِنْدَهُمُ الْغَيْبُ فَهُمْ يَكْتُبُونَ ﴿۴۱﴾ أَمْ يُرِيدُونَ كَيْدًا ط فَالَّذِينَ

یا ان کے پاس غیب ہے تو وہ لکھتے ہیں۔ یا ارادہ کر رہے ہیں فریب کا پھر

کُفَرُواهُمْ الْمَكِيدُونَ ﴿۴۲﴾ أَمْ لَهُمْ إِلَهٌ غَيْرُ اللَّهِ ج سُبْحَنَ اللَّهِ عَمَّا يُشْرِكُونَ ﴿۴۳﴾

ان کافروں پر ہی فریب پڑتا ہے۔ یا ان کا کوئی خدا ہے سوا اللہ کے۔ پاک ہے اللہ اس سے جو شرک کرتے ہیں

وَأَنْ يَّرَوْا كِسْفًا مِّنَ السَّمَاءِ سَاقِطًا يَقُولُوا سَحَابٌ مَّرْكُومٌ ﴿۴۴﴾

اور اگر دیکھ لیں ٹکڑا آسمان سے گرتا تو کہیں یہ بادل ہے تہ بہ تہ ۔

(آیت نمبر ۴۱) کیا ان کے پاس کوئی غیب کی خبر ہے۔ یعنی لوح محفوظ سے دیکھ کر لکھ لی ہے۔ یہاں تک کہ وہ جو بھی ہاں یا نہ میں بولتے ہیں۔ اس سے دیکھ کر ہی بولتے ہیں۔ وہ اسی غیبی علم کا حصہ ہے۔

فائدہ: علامہ کا شفی مرحوم فرماتے ہیں کیا وہ حضور ﷺ کی خبریں لکھتے ہیں اور انہیں پتہ ہے کہ قیامت یا اس میں جواٹھنا ہے۔ وہ سب (معاذ اللہ) باطل ہے۔ یا آپ کی موت کے بارے میں لکھتے ہیں کہ کب آئے گی۔

(آیت نمبر ۴۲) یا کیا وہ کوئی مکر و حیلہ کا ارادہ رکھتے ہیں۔ یعنی وہ اسی پر اکتفاء نہیں کرتے بلکہ مزید وہ کوئی مکر و حیلہ کر کے کوئی بری تکلیف پہنچانا چاہتے ہیں۔ **فائدہ:** سعدی مفتی فرماتے ہیں۔ یہ بھی اخبار عن الغیب سے ہے کہ واقعی انہوں نے دارالندوہ میں حضور ﷺ کے قتل کا حیلہ بنایا تھا۔

آگے فرمایا۔ پس وہی کافر مکر و حیلہ والے خود اپنے مکر و فریب کی زد میں آ گئے۔ یا مکر و فریب کا وبال ان کی طرف ہی لوٹے گا۔ کیونکہ وہ جس ذات کیلئے مکر و فریب کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اسے غالب اور فتح یاب ہی رکھے گا۔

(آیت نمبر ۴۳) یا کیا ان کا اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی اور خدا ہے جو ان کی مدد کرے گا۔ اور ان کو قیامت کے عذاب سے بچائے گا۔ اللہ تعالیٰ کی ذات تو اس سے پاک ہے اس سے جو یہ اس کے ساتھ شریک ٹھہراتے ہیں۔ یا یہ مطلب ہے کہ اللہ تعالیٰ کی تزیہہ ہے۔ ان کی اس شرکت سے جو یہ اس کے ساتھ شریک کرتے ہیں۔

(آیت نمبر ۴۴) اور اگر دیکھیں کوئی ٹکڑا۔ کہ جو آسمان سے گرنے والا ہے تاکہ انہیں عذاب ملے۔

فائدہ: عین المعانی میں ہے۔ ٹکڑا عذاب کا آسمان سے یا ٹکڑا آسمان کا عذاب بن کر اترے تو پھر بھی یہ اپنی سرکشی کی بناء پر یہی کہیں گے کہ یہ کوئی تہہ بہ تہہ بادل ہے۔ ایک دوسرے پر جمع ہو کر گاڑھا ہو گیا۔ گویا بارش آ رہی ہے۔

فَذَرَهُمْ حَتَّى يُلْقُوا يَوْمَهُمُ الَّذِي فِيهِ يُصْعَقُونَ ﴿٣٥﴾

تو چھوڑیں انہیں یہاں تک کہ ملیں اپنے اس دن کو جس میں وہ بے ہوش ہوں گے۔

يَوْمَ لَا يُغْنِي عَنْهُمْ كَيْدُهُمْ شَيْئًا وَلَا هُمْ يُنصَرُونَ ﴿٣٦﴾

جس دن انہیں کام آئیگا انہیں ان کا مکر کچھ اور نہ وہ مدد کئے جائیں۔

وَأَنَّ لِلَّذِينَ ظَلَمُوا عَذَابًا دُونَ ذَلِكَ وَلَكِنَّ أَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُونَ ﴿٣٧﴾

اور بے شک ظالموں کیلئے عذاب ہے سوائے اس کے لیکن اکثر ان میں نہیں جانتے۔

(آیت نمبر ۳۵) اے محبوب چھوڑ دیں انہیں ان سے جھگڑنے کی ضرورت نہیں۔ نہ ان سے بدلہ لیں یہاں تک کہ وہ آپلیں قیامت کو۔ یعنی وہ اپنی آنکھوں سے اپنے اس دن کو دیکھ لیں جس میں مدہوش ہو جائیں گے۔ یعنی اس دن کی ہولناکی سے جب وہ ہلاک ہونے کے قریب ہو جائیں گے۔ اس سے مراد دنیا کا عذاب ہے اور اے محبوب اگر آپ ان کے ہر سوال کا جواب دیتے جائیں تو ان کا تکبر اور عناد اور بڑھے گا لہذا انہیں دفع کریں۔

(آیت نمبر ۳۶) اس دن ان کا کوئی مکر انہیں کام نہیں دیگا۔ یعنی عذاب سے بچنے کیلئے جتنے مرضی ہے حیلہ کریں۔ کوئی مکر و حیلہ انہیں کام نہیں دے گا اور نہ وہ کسی طرح مدد کئے جائیں گے۔ یعنی عذاب سے بچانے کیلئے انہیں کوئی کہیں سے مدد نہیں پہنچے گی۔ اور جن کی مدد کی وہ امید لگائے بیٹھے ہیں وہ بھی گم ہو جائیں گے۔

(آیت نمبر ۳۷) اور بے شک ان ظالموں کیلئے یعنی ابو جہل وغیرہ کیلئے اس کے علاوہ بھی عذاب ہے۔ یعنی ایک عذاب تو انہیں بدر میں پہنچا کہ کوئی قتل ہوئے اور کوئی قیدی ہوئے اس سے پہلے ان پر ایک عذاب قحط کی شکل میں بھی ہوا۔ جس میں وہ گندگی اور گوبر وغیرہ بھی کھا گئے۔ جس کی تفصیلات سورہ دخان میں گذر گئیں۔ فائدہ: یا اس سے مراد قبر کا عذاب ہے۔ جو آخرت کے عذاب سے پہلے ہے۔ آگے فرمایا۔ لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔

مکرین عذاب قبر: بعض لوگ دعویٰ مسلمانانہ کرتے ہیں اور وہ حدیث کا انکار کرتے ہیں۔ (پرویزی چکڑالوی) کہتے ہیں۔ عذاب قبر کی کوئی حقیقت نہیں۔ (حالانکہ بے شمار احادیث سے عذاب قبر کا ثبوت ملتا ہے)۔ فائدہ: عذاب قبر گناہوں کی مناسبت سے ہوتا ہے۔ خصوصاً پیشاب کے چھینٹوں سے ہوتا ہے۔ اس پر بے شمار احادیث کتب حدیث میں موجود ہیں۔

وَأَصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ فَإِنَّكَ بِأَعْيُنِنَا وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ حِينَ تَقُومُ ﴿۴۸﴾

اور صبر کر اپنے رب کے حکم پر تو بے شک آپ ہماری نگرانی میں ہیں اور تسبیح کریں اپنے رب کی حمد کے ساتھ جب کھڑے ہوں

(بقیہ آیت نمبر ۴۷) **فائدہ:** عذاب قبر کو ہر چیز دیکھتی سنتی ہے۔ سوا جن اور انسان کے اسی لئے اس عذاب

کے بارے میں کہا گیا کہ اکثر لوگ اس معاملہ کو نہیں جانتے۔ اس کا مطلب ہے کہ کچھ اس کو جانتے بھی ہیں حضور ﷺ نے فرمایا۔ مجھے یہ ڈرنہ ہوتا کہ تم مردے دفن کرنا چھوڑ دو گے۔ تو میں تمہیں عذاب قبر ہوتا ہوا دکھا دیتا۔ (مشکوٰۃ)

سبق: عقلمند پر لازم ہے کہ وہ علوم آخرت حاصل کرے اور ان پر عمل بھی کرے تاکہ قبر اور قیامت کے عذاب سے بچ سکے۔ اور قبر و قیامت کے سوالات پر صحیح جوابات دے سکے کیونکہ جو صحیح جواب دے گا اسے ہی جنت نصیب ہوگی۔

(آیت نمبر ۴۸) رب کے حکم پر صبر کریں۔ یعنی جو آپ پر دکھ درد اور غم و الم دشمنوں کی طرف سے آرہے ہیں یا جو بھی وہ مکرو فریب کر رہے ہیں۔ اس پر دل میں تنگی نہ لائیں۔

فائدہ: اللہ تعالیٰ اپنے حبیب پاک ﷺ کو کفار کے ظلم و ستم پر صبر کی تلقین فرما رہے ہیں کیونکہ صبر میں لذت بھی ہے اجر بھی۔ دوسرے مقام پر فرمایا۔ صبر کریں آپ کا صبر صرف اللہ تعالیٰ کیلئے ہے۔ یعنی آپ میری نگرانی میں ہیں۔ آپ کا کوئی کچھ بھی بگاڑ نہیں سکتا کیونکہ ہم آپ کے ساتھ ہیں۔

فائدہ: اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی حفاظت کرتا ہے۔ ابراہیم خواص رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔ میں مکہ مکرمہ کو جا رہا تھا۔ ایک ویرانے میں رات آئی۔ جہاں شیر اور بھیڑیے پھر رہے تھے۔ مجھے خوف ہوا تو ہاتھ غیبی سے آواز آئی۔ گھبرائیں نہیں فرشتے تمہاری حفاظت کر رہے ہیں۔ کوئی درندہ نقصان نہیں پہنچائے گا۔

آگے فرمایا۔ اللہ تعالیٰ کی شان کے لائق تسبیح بیان کریں اپنے رب کی حمد کے ساتھ جب تم کھڑے ہو۔ یعنی جہاں بھی ہو۔ اللہ تعالیٰ کی حمد و تسبیح پڑھتے رہو۔

فائدہ: سعید بن جبیر اور عطاء بن یشیخ فرماتے ہیں کہ جب تم مجلس ختم کر کے کھڑے ہو تو یوں کہو: ”سبحانک اللہم وبحمدک“ اگر اچھی مجلس تھی تو مزید اس کے حسن و جمال میں اضافہ ہوگا اور مجلس بری تھی تو یہ کلمات اس کا کفارہ بن جائیں گے۔

وَمِنَ اللَّيْلِ فَسَبِّحْهُ وَادْبَارَ النُّجُومِ ﴿۳۹﴾

اور کچھ رات کو تسبیح پڑھیں اور جب پیٹھ دیں تارے

(آیت نمبر ۳۹) اور اے محبوب رات کو بھی اللہ تعالیٰ کی تسبیح کہیں۔ رات کی تسبیح و عبادت کو علیحدہ ذکر کرنے میں اشارہ کہ رات عبادت اور ذکر و فکر یکسوئی کے ساتھ زیادہ بہتر ہے۔ اس میں

نکتہ: یہ ہے کہ رات کی عبادت میں مشقت زیادہ اور ریاء کاری کم ہے۔ اور عبادت میں سکون ہے۔ دوسرا

نکتہ: علامہ اسماعیل حقؑ فرماتے ہیں۔ معراج بھی رات کو ہوئی اور نماز بھی معنوی معراج ہے۔ لہذا جو معراج کرنا چاہتا ہے۔ وہ رات کو ایسے وقت میں نماز پڑھے۔ جب لوگ سو رہے ہوں۔ خصوصاً سحری کا وقت یعنی رات کا آخری حصہ اس میں نماز بھی قبول اور دعا بھی قبول ہوتی ہے۔ اسی لئے آگے فرمایا اور اس وقت نماز یا تسبیح پڑھیں جب ستارے پیٹھ پھیر لیں۔ یعنی جب اندھیرا ختم ہو اور صبح کا اجالا ہو جائے۔ اس سے نماز فجر مراد ہے۔ ”ومن اللیل“ سے مراد مغرب و عشاء کی نماز ہے۔ اور ”ادبار النجوم“ سے صبح کی نماز مراد ہے۔

اور تسبیح کا معنی یہ ہے۔ کہ جو چیزیں اللہ تعالیٰ کی شان کے لائق نہیں۔ ان سے اللہ تعالیٰ کو پاک جاننا۔

صبح کی نماز کا درجہ: حدیث شریف: حضور ﷺ نے فرمایا۔ صبح کی سنتیں دنیا سے اور جودنیا میں ہے۔ اسے بہتر ہیں۔ یعنی ان کا بہت بڑا ثواب ہے۔ (بخاری شریف)

نکتہ: اس آیت کریمہ میں صبح کی نماز کے بارے میں فرمایا۔ کہ جب ستارے چھپ جائیں۔ اس وقت پڑھیں۔ اس سے یہ مسئلہ معلوم ہوا۔ کہ صبح کی نماز اس وقت پڑھی جائے۔ جب اچھی طرح روشنی ہو جائے۔ کیونکہ جب ستارے غائب ہو جاتے ہیں۔ اس وقت اچھی خاصی روشنی ہو جاتی ہے۔

وتر کی نماز: حدیث شریف: حضور ﷺ نے فرمایا۔ کہ جو رات کے آخری حصے میں نہیں جاگ سکتا۔ وہ رات کو ہی وتر پڑھ لے۔ اور جو آخری حصہ میں اٹھنے کی امید رکھتا ہے۔ وہ اس وقت وتر ادا کرے۔ کہ وہ وقت مشہود ہے۔ یعنی اس وقت دن رات کے سب فرشتے حاضر ہوتے ہیں۔ حضور ﷺ پر جب تہجد کی نماز فرض تھی۔ اس وقت آپ پر تہجد کے ساتھ ہی وتر پڑھتے تھے۔ جب معراج کی رات نمازیں فرض ہوئیں۔ تو پھر آپ کبھی عشاء کے ساتھ اور کبھی تہجد کے ساتھ ادا فرماتے تھے۔ (حضرت عمر رضی اللہ عنہ رات کو بھی پڑھتے اور تہجد کے ساتھ بھی پڑھ لیا کرتے تھے)۔

اختتام سورہ طور: مورخہ ۲۱ فروری ۲۰۱۷ء بمطابق ۲۲ جمادی الاولیٰ ۱۴۳۸ھ بروز منگل بعد نماز صبح

وَالنَّجْمِ إِذَا هَوَىٰ ۝ ① مَا ضَلَّ صَاحِبُكُمْ وَمَا غَوَىٰ ۝ ②

قسم ہے ستارے کی جب اترے۔ نہ بہکے تمہارے ساتھی اور نہ بے راہ چلے

(آیت نمبر ۱) یہ پہلی سورۃ ہے جو حضور ﷺ نے حرم شریف کے اندر تمام مشرکین کی موجودگی میں علی الاعلان پڑھی۔ تمام مشرکوں نے سنی یہ اعلان نبوت کے پانچویں سال ماہ رمضان میں نازل ہوئی۔ جب سجدہ والی آیت تلاوت کی تو ابولہب کے سوا تمام مشرکین نے سجدہ کیا۔ بلکہ تمام جن و انس نے سجدہ کیا۔ مشرکین کے سجدہ کرنے کی وجہ یہ ہے کہ ان کے بتوں کے نام درمیان میں آئے۔ اگرچہ شیطان نے شرارت سے اس میں گڑبڑ کی۔ مگر اللہ تعالیٰ نے جلد اس پر متنبہ فرمادیا۔ جس کا ذکر سورۃ حج میں گذر چکا ہے۔ نجم سے مراد یا ثریا ستارہ ہے۔ اس پر تمام علماء کا اتفاق ہے۔ امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔ یہاں نجم سے مراد حضرت محمد ﷺ ہیں۔ ”اذا ہوی“ سے مراد جب آپ معراج سے واپس تشریف لائے۔

(آیت نمبر ۲) نہ تو رسول اکرم ﷺ بھولے نہ بھٹکے۔ ایسی تمام باطل باتوں سے حضور ﷺ منزہ و مبرا ہیں۔ **شان نزول:** کفار نے کہا کہ حضور ﷺ اپنے آباء کے دین کو چھوڑ کر گمراہ ہو گئے۔ اللہ تعالیٰ نے اس آیت کے اندر اس کا جواب دیا۔ کفار نے حضور ﷺ کو صاحب اس لئے کہا کہ اعلان نبوت سے پہلے حضور ان کے ساتھ اکثر بیٹھتے تھے اور یہ بھی ایک دو مقامات پر کہا گیا ہے۔

غی اور ضلال میں فرق: غی باطل عقائد کو اور ضلال باطل اقوال اور افعال کو کہتے ہیں۔ عقیدہ اہل سنت یہی ہے کہ حضور ﷺ کبھی گمراہ نہیں ہوئے۔ نہ اعلان نبوت سے پہلے نہ بعد۔ آپ پہلے بھی اللہ تعالیٰ کی توحید کے قائل تھے۔ اسی لئے غار حرا میں اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے تھے۔ اور ہر قسم کے قبیح کاموں سے محفوظ تھے۔ اور اعلان نبوت کے بعد تو گمراہوں کو بھی ہدایت دیتے تھے۔ ایک فکتہ: ”مَا ضَلَّ“ کے لفظ سے یہ بھی معلوم ہو گیا۔ کہ ”وجدك ضالاً“ میں ضال کا معنی حضور ﷺ کیلئے گمراہ کرنا غلط ہے۔ کیونکہ ”ما ضلَّ“ کا لفظ اس کی نفی کر رہا ہے۔ جو حضور ﷺ کو گمراہ کہے، اس کا اپنا ایمان کہاں سلامت ہوگا۔ (قاضی)

وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوَىٰ ۖ (۳) اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُوحَىٰ ۖ (۴) عَلَّمَهُ

اور نہیں بولتے وہ اپنی خواہش سے۔ نہیں وہ مگر وحی جو انہیں کی جاتی ہے۔ سکھایا انہیں

شَدِيْدُ الْقُوَاي ۖ (۵)

سخت طاقت والے نے۔

(آیت نمبر ۳) اور وہ اپنی خواہش سے نہیں بولتے۔ یعنی حضور ﷺ سے کلام کا صدور اپنی خواہش اور رائے سے ہرگز نہیں ہوتا۔ ”ہوی“ کا معنی وہ خواہش ہے۔ جو مذموم ہو اور انبیاء کرام ﷺ نفسانی خواہشات سے ہمیشہ محفوظ رہے۔

گستاخ نبی کی کہانی: ایک بزرگ (غالباً بایزید بسطامی) کی مجلس میں ایک نا اہل نے کہا۔ خواہش نفسانی سے تو کوئی بھی نہیں بچا۔ یہاں تک کہ حضور ﷺ نے بھی فرمایا۔ میرے دل میں تین چیزوں کی محبت ڈال دی گئی: (۱) خوشبو۔ (۲) عورتیں۔ (۳) میری آنکھوں کی ٹھنڈک نماز میں ہے۔ تو بزرگ نے فرمایا۔ ظالم شرم کر۔ حضور ﷺ نے ”اُحِبُّتُ“ نہیں کہا ”حُبِّبَ“ کہا۔ ماضی مجہول ہے۔ یعنی میں محبت کرتا نہیں بلکہ ڈال دی گئی ہے۔ بزرگ فرماتے ہیں۔ مجھے اس بات کا سخت صدمہ ہوا۔ رات کو خواب میں حضور ﷺ کی زیارت ہوئی۔ آپ نے فرمایا۔ پریشان نہ ہو ہم نے اس کا کام تمام کر دیا۔ صبح معلوم ہوا کہ وہ اپنی زمین کی طرف جاتے ہوئے راستے میں قتل ہو گیا۔

(آیت نمبر ۴) نبی ﷺ خود بخود کلام نہیں کرتے مگر وحی ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے بواسطہ جبریل علیہ السلام کے آپ پر اترتی ہے۔ یہ وحی حقیقی ہے۔ مجازی نہیں ہے چونکہ حضور ﷺ ذات و صفات اور افعال سے فانی فی اللہ اور باقی باللہ ہیں۔ اس لئے آپ جو بولتے ہیں وہ حق بولتے ہیں۔ لہذا وہ جو کچھ بولتے ہیں یا کرتے ہیں وہ سب شریعت ہے کیونکہ آپ خطا سے معصوم ہیں۔ آپ کا قول و فعل اپنا نہیں وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے۔

(آیت نمبر ۵) سکھایا اس کو یعنی رسول اللہ ﷺ کو قرآن۔ یعنی آپ پر نازل کیا۔ اگر وحی بمعنی کتاب ہو تو وحی بمعنی الہام ہوگا۔ یعنی قرآن دل میں اتارا۔ اسی لئے دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا۔ اتارا سے روح الامین نے آپ کے دل پر۔ آگے فرمایا۔ جس نے اتارا وہ بہت زبردست قوت والا ہے۔ یعنی جبریل علیہ السلام جن کی طاقت کا یہ عالم ہے کہ انہوں نے لوط علیہ السلام کی تمام بستیوں کو ایک پر پٹھا کر آسمان کے قریب لے جا کر الٹ دیا اور قوم ثمود کو ایک ہی آواز سے ہلاک کر دیا۔ سدرۃ المنتہی سے ایک آن میں زمین پر آ جاتے ہیں۔

ذُو مِرَّةٍ ۚ فَاسْتَوَى ۖ ۝ ۶ ۚ وَهُوَ بِالْأُفُقِ الْأَعْلَى ۚ ۝ ۷ ثُمَّ دَنَا فَتَدَلَّى ۖ ۝ ۸

قوتوں والا پھر قصد کیا۔ اور وہ کنارے بلند پر تھے۔ پھر قریب ہوا پھر اتر آیا۔

فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ أَوْ أَدْنَى ۚ ۝ ۹

پھر ہوا فاصلہ دو کمانوں کا یا اس سے بھی کم۔

(آیت نمبر ۶) وہ قوت و عقل و رائے والے ہیں۔ پھر وہ برابر ہوئے۔ یعنی جبریل علیہ السلام جب اصلی صورت میں آئے۔ جس پر انہیں پیدا کیا گیا۔ حضور ﷺ نے ان کے چھ سو پروں سمیت انہیں دوبار اصل شکل میں دیکھا۔ زمین پر زیادہ تر وہ دجیہ کلبی کی شکل میں تشریف لاتے تھے۔ حضور ﷺ کے بغیر کسی انسان نے جبریل امین کو اصل شکل میں نہیں دیکھا۔ کسی کو انہیں دیکھنے کی ہمت ہی نہیں۔ دجیہ کلبی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں بہت ہی حسین و جمیل تھے۔

(آیت نمبر ۷) وہ بلند کنارے پر تھے۔ جو دنیا سے انتہائی بلند جگہ ہے۔ افق اس دائرے کو کہا جاتا ہے جو دیکھا جاسکتا ہے۔ اس وقت جبریل امین انتہائی بلند جگہ پر تھے۔ یعنی وہ سدرة المنتہی پر تھے۔ جو فرشتوں کی آخری منزل ہے۔ اس سے اوپر وہ نہیں جاسکتے نہ اس سے اوپر والے نیچے آسکتے ہیں۔ اور وہ بالکل عرش کے نیچے ہے۔ اس مقام پر حضور ﷺ نے جبریل علیہ السلام کو پورے طور پر دیکھا۔ اس سے پہلے ہمیشہ بشری لباس میں دیکھا۔

(آیت نمبر ۸) پھر قریب ہوا۔ یعنی جبریل علیہ السلام حضور ﷺ کے قریب ہوئے۔ ”دَنُو“ کا لفظ زمان و مکان یا منزل کے قریب کیلئے استعمال ہوتا ہے۔ پھر جبریل علیہ السلام حضور ﷺ کے قریب ہو گئے۔ یعنی وہ اوپر سے نیچے آ گئے۔ یعنی انتہائی قریب ہو گئے۔ (بخاری شریف میں ہے کہ ”دَنَى الْجَبَّار“ حضور ﷺ اللہ تعالیٰ کے قریب ہوئے)۔ یہ بات زیادہ قرین قیاس ہے۔ کیونکہ حضور ﷺ اللہ تعالیٰ سے ہم کلام ہونے گئے۔ جبریل یا دیگر عجائبات تو مقصود اصل نہیں تھے۔

(آیت نمبر ۹) تو ان کے درمیان کی مسافت دو کمانوں کی رہ گئی۔ یعنی اللہ تعالیٰ یا جبریل امین کے بہت ہی قریب ہوئے۔ یہاں تک کہ دونوں کے درمیان بہت ہی کم فیصلہ رہ گیا تھا۔ فائدہ: عربوں کی عادت تھی کہ وہ انتہائی قرب کی مسافت کو کمانوں سے بتاتے۔ کیونکہ ان کے ہاں انتہائی قرب کا کوئی آلہ نہیں تھا۔ فائدہ: عرب میں دستور تھا کہ جب دو آدمیوں میں صلح صفائی ہو جاتی یا کوئی معاہدہ کرتے تو دو کمانیں آپس میں ملا دیتے اور یہ سمجھا جاتا۔ اب وہ دونوں ایک ہو گئے ہیں۔ اس لئے فرمایا وہ دو کمانوں سے بھی زیادہ قریب ہو گئے۔

فَأَوْحَىٰ إِلَىٰ عَبْدِهِ مَا أَوْحَىٰ ۝ ۱۰ مَا كَذَبَ الْفُؤَادُ مَا رَأَىٰ ۝ ۱۱

پھر وحی کی اپنے بندے کی طرف جو وحی فرمائی۔ نہیں جھوٹ کہا دل نے جو دیکھا۔

اَفْتَمَرُوْنَهٗ عَلٰی مَا يَرٰی ۝ ۱۲ وَلَقَدْ رَاَهُۥ نَزْلَةً اٰخَرٰی ۝ ۱۳

کیا تم جھگڑتے ہو اس پر جو اس نے دیکھا۔ اور تحقیق دیکھا اسے اترتے ہوئے دوبارہ۔

(آیت نمبر ۱۰) تو جبریل امین نے اللہ تعالیٰ کے بندے حضرت محمد ﷺ پر وحی پیش کی جو بھی وحی کی۔ یعنی ان امور عظیمہ میں سے جسے بیان نہیں کیا جاسکتا۔ (یا اللہ تعالیٰ نے حضور ﷺ کو وحی کی جو بھی وحی کی۔ دونوں معنی صحیح ہیں بعض روایات میں ہے۔ اس مقام پر اللہ تعالیٰ نے حضور ﷺ سے تین قسم کی کلام فرمائی۔ ایک وہ جس کے بتانے کا حکم نہیں تھا۔ دوسری وہ جس کے بتانے کا حکم صرف خاص لوگوں کے لئے تھا اور تیسری وہ جس کے بتانے کا حکم سب کیلئے تھا۔ فائدہ: یہ وحی کا سب سے اعلیٰ درجہ ہے۔ وحی کی کل آٹھ قسمیں ہیں۔

(آیت نمبر ۱۱) حضور ﷺ کے دل مبارک نے جو کچھ دیکھا اسے نہیں جھٹلایا۔ یعنی یہ نہیں فرمایا کہ میں نے نہیں پہچانا۔ ورنہ جھوٹ ہوتا۔ گویا آپ نے جو دیکھا صحیح پہچانا اور دل سے جانا کہ یہ جبریل امین ہیں۔ یا آپ نے اللہ تعالیٰ کو دیکھا اور جو دیکھا وہ صحیح دیکھا اور دل نے اس کی صحیح گواہی دی۔ یہی اہل سنت کا مذہب ہے اور اکثر ائمہ کا بھی یہی خیال ہے کہ معراج کی رات حضور ﷺ نے اللہ تعالیٰ کا دیدار کیا ہے۔

(آیت نمبر ۱۲) تو کیا تو جھگڑا کرتے ہو اس بات پر کہ جو انہوں نے دیکھا۔ فائدہ: جب حضور ﷺ نے قریش مکہ کو اللہ تعالیٰ یا جبریل امین کے دیکھنے کی خبر دی تو انہوں نے اس میں اختلاف اور جھگڑا کیا۔ بلکہ جھٹلایا۔ حسن بصری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ مذکورہ تمام آیات میں دیکھنے اور سیکھنے اور قریب ہونے حضور کی ذات ہے کہ آپ نے اللہ تعالیٰ کو ان ظاہری آنکھوں سے دیکھا۔ (دنی فتلی سے بھی امام بخاری نے دنی البجار مراد لی ہے۔) امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ اس دنی میں رب تعالیٰ کا قرب مراد ہے۔ (دیدار الہی پر تفصیلات دیکھنی ہوں تو فیوض الرحمان کا مطالعہ کریں)۔

(آیت نمبر ۱۳) بے شک اسے آپ نے دوبارہ دیکھا۔ جب کہ نیچے اتر رہے تھے۔ نیچے اوپر تو دوبار اترے ہر بار دیکھا۔ اس سے مراد بھی یا جبریل امین ہیں۔ یا اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔ علماء نے لکھا ہے خصوصاً ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ حضور نے اللہ تعالیٰ کو دوبار دیکھا۔ ایک بار ظاہری آنکھوں سے اور دوسری بار دل کی آنکھوں سے۔

عِنْدَ سِدْرَةِ الْمُنْتَهَى ۝ (۱۳) عِنْدَهَا جَنَّةُ الْمَأْوَى ۝ (۱۵) إِذْ يَغْشَى السِّدْرَةَ

پاس سدرۃ المنتہی کے۔ اس کے نزدیک جتہ الماوی ہے۔ جب چھارہا تھا بیر پر

مَا يَغْشَى ۝ (۱۴) مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغَى ۝ (۱۶) لَقَدْ رَأَى مِنْ آيَاتِ

جو چھا رہا تھا۔ نہ پھری آنکھ کسی طرف اور نہ حد سے بڑھی۔ تحقیق دیکھیں نشانیاں

رَبِّهِ الْكُبْرَى ۝ (۱۸)

اپنے رب کی بہت بڑی

(آیت نمبر ۱۳) سدرۃ المنتہی کے پاس۔ یہ آخری حد ہے جبریل امین کی کیونکہ انہوں نے فرمایا کہ اگر میں بال برابر آگے بڑھوں تو میں جل جاؤں۔ فائدہ: اس سے معلوم ہوا کہ جبریل کی بھی ایک حد ہے۔ مگر ہمارے حضور اس حد سے بھی آگے نکل گئے۔ اس سے مقام مصطفیٰ کا بخوبی انداز لگایا جاسکتا ہے۔ کو نور و بشر پیچھے رہ گئے۔

(آیت نمبر ۱۵) اس سدرۃ المنتہی کے قریب یہی جتہ الماوی ہے۔ جو متقین کا ٹھکانہ ہے۔ اسی جنت میں آدم علیہ السلام ٹھہرائے گئے تھے۔ یہ آٹھ جنتوں میں سے ایک ہے۔ جو اپنے حسن و خوبی میں بے مثال ہے۔

(آیت نمبر ۱۶) جب سدرہ پر چھارہا تھا جو بھی چھارہا تھا۔ اس میں سدرۃ المنتہی کی عظمت کا اظہار ہے۔ یعنی جب حضور ﷺ نے جبریل امین کو سدرہ پر اصلی شکل میں دیکھا۔ اس حال میں کہ وہ اس سدرہ پر چھارہا ہے تھے۔ جس کی کیفیت بیان سے باہر ہے۔ (مقام سدرہ زمین سے بڑا ہے اور جبریل علیہ السلام نے جب پرکھو لے تو وہ اس پر چھا گئے)۔

(آیت نمبر ۱۷) آنکھ نہ کسی طرف پھری اور نہ حد سے بڑھی۔ فائدہ: یعنی دیدار الہی کے وقت حضور ﷺ دیکھتے ہی رہے۔ فائدہ: جو کچھ حضور ﷺ نے دیکھا۔ آپ دیکھتے ہی رہے۔ ذرا بھی آنکھ ادھر ادھر نہیں پھری اور نہ نگاہ کو دیدار سے آگے جانے دیا۔

دیدار الہی: حضور ﷺ نے ان ظاہری آنکھوں سے کیا۔ اس پر دلیل یہی آیت ہے اور وہ دیدار جانتے ہوئے کیا۔ (آیت نمبر ۱۸) بے شک آپ نے اپنے رب کی بہت بڑی نشانیاں دیکھیں۔ یعنی تمام ملک و ملکوت اور عظیم عجائبات دیکھے۔ فائدہ: معراج کی رات: رجب کی ستائیسویں شب کو آپ نے بہت کچھ دیکھا۔ اکثر علماء کے نزدیک نبوت کا بارہواں سال تھا۔ علماء فرماتے ہیں: کل معراج چونتیس تھے۔ (اسی لئے معراج کے معاملے میں علماء کے اندر کافی اختلاف ہے)۔

أَفَرَأَيْتُمُ اللَّاتَ وَالْعُزَّىٰ ۖ (۱۹) وَمَنَاةَ الثَّالِثَةَ الْأُخْرَىٰ (۲۰)

کیا تم نے دیکھا لات وعزی کو۔ اور منات تیسرے ایک اور کو ۔

الْكُمُ الذَّكَرُ وَلَهُ الْأُنثَىٰ (۲۱) تِلْكَ إِذَا قُسِمَةُ ضِيزَىٰ (۲۲)

کیا تمہارے بیٹے اور اس کی لڑکی ہے۔ یہ جہی تو تقسیم بھونڈی ہے۔

(بقیہ آیت نمبر ۱۸) ان میں ایک جسمانی معراج ہے باقی روحانی یا منامی یعنی نیند میں۔ معراج کی ابتداء مکہ مکرمہ کی مسجد حرام سے ہوئی۔ آپ نے مسجد اقصیٰ میں سب انبیاء علیہم السلام کی امامت فرمائی۔ جاتے یا آتے ہوئے۔

(آیت نمبر ۱۹) کیا تم نے لات وعزی اور منات کو دیکھا۔ یہ تینوں کفار کے بناوٹی خدا تھے۔ جن کو مشرکین پوجتے تھے۔ لات یہ طائف کے بنو ثقیف کا بت تھا وہ اس کو پوجتے اور طواف کرتے تھے۔ عزی یہ کیکر کا درخت تھا جسے لوگ پوجتے زیادہ تر غطفان قبیلہ والے اس کو پوجتے تھے۔ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ حضور علیہ السلام کے حکم سے اسے کاٹنے آئے۔ تو اس سے ایک شیطان نکلی جس کے بال بکھرے ہوئے تھے۔ انہوں نے اس کے بھی ٹکڑے کر دیئے۔ اس کے بعد درخت کو بھی جڑ سے اکھیڑ پھینکا۔ جب حضور علیہ السلام کو بتایا تو آپ نے فرمایا۔ اب کبھی بھی اس کی پوجا نہیں ہوگی۔ منات یہ پتھر کا بت بنی ہزیل اور خذاعہ کا تھا۔ اس اور حزر ج والے بھی اس کو پوجتے تھے۔ اس کو توڑنے کیلئے سعد بن زید اشفلی کو بیس سواروں کے ساتھ بھیجا۔ جب یہ بت کے قریب پہنچے تو اس کے نگران اور خادموں نے پوچھا۔ کیسے آئے۔ حضرت سعد نے فرمایا بت توڑنے۔ جب بت کے قریب ہوئے۔ تو اس سے ایک نگلی اور سیاہ کالی عورت بکھرے بالوں کے ساتھ نکلی اور سر کو بی کر رہی تھی۔ حضرت سعد نے اسے بھی فی النار کیا پھر بت کو بھی توڑ دیا۔

(آیت نمبر ۲۰-۲۱) کیا تمہارا لڑکے ہے اور اللہ تعالیٰ کیلئے لڑکیاں ہیں۔ یعنی تم اپنے لئے لڑکے پسند کرتے ہو اور رب کیلئے لڑکیاں پسند کرتے ہو۔ گویا تم چاہتے ہو کہ تمہارے ہاں لڑکے ہوں اور اللہ تعالیٰ کیلئے تم نے لڑکیوں کا انتخاب کیا کہ فرشتے اس کی لڑکیاں ہیں۔ معاذ اللہ۔ کس قدر غلیظ سوچ ہے۔

(آیت نمبر ۲۲) یہ تو بڑی ہی بھونڈی قسم کی تقسیم ہے کہ اللہ تعالیٰ کیلئے وہ پسند کر رہے ہو۔ جس سے خود نفرت کرتے ہو۔ اس تقسیم میں عدل سے کام نہیں لیا گیا۔ اگرچہ اللہ تعالیٰ لڑکوں سے بھی مبرا منزه ہے۔ لیکن کفار نے توحید ہی کر دی۔ اللہ تعالیٰ کیلئے اولاد کا لفظ کہنا ہی بہت بڑا کفر ہے۔ اور پھر جو چیز اپنے لئے ناپسند ہے وہ اللہ تعالیٰ کیلئے مقرر کرنا اس سے بھی برا ہے۔ اور یہ جملہ اتنا برا ہے۔ قریب ہے۔ زمین یہ سن کر پھٹ جائے۔

إِنْ هِيَ إِلَّا أَسْمَاءٌ سَمَّيْتُمُوهَا أَنْتُمْ وَآبَاؤُكُمْ مَا أَنْزَلَ اللَّهُ بِهَا

نہیں ہیں یہ مگر نام جو یا تو رکھے تم نے یا تمہارے باپ دادا نے نہیں اتاری اللہ نے اس پر

مِنْ سُلْطَانٍ ۚ إِنْ يَتَّبِعُونَ إِلَّا الظَّنَّ وَمَا تَهْوَى الْأَنْفُسُ ۚ وَلَقَدْ جَاءَهُمْ

کوئی دلیل۔ نہیں پیروی کرتے مگر گمان کی اور جو چاہتے ہیں ان کے نفس۔ البتہ تحقیق آئی ان کے پاس

مِّنْ رَبِّهِمُ الْهُدَى ۚ ۲۳) أَمْ لِلْإِنْسَانِ مَا تَمَنَّى ۚ ۲۴) فَلِلَّهِ الْآخِرَةُ وَالْأُولَىٰ ۚ ۲۵)

ان کے رب کی طرف سے ہدایت یا آدمی کیلئے وہی ہے جو اس نے خیال کیا تو اللہ ہی مالک ہے آخرت اور دنیا کا

(آیت نمبر ۲۳) یہ تمہارے بت اس لائق نہیں ہیں کہ انہیں خدا کہا جائے۔ یہ تو صرف نام ہی نام ہیں۔ ان

کے اندر الوہیت کا تو کوئی شائبہ بھی نہیں ہے۔ تمہارا انہیں خدا کہنا دعویٰ ہی ہے۔ تمہارے پاس آسمانی کسی کتاب کی

کوئی دلیل نہیں۔ یہ تو صرف تم نے ان کے نام رکھ دیئے۔ ورنہ تو ان کا نام ہی کوئی نہیں تھا۔ جو تم نے اپنی خواہشات

کے مطابق رکھ لئے۔ اللہ تعالیٰ نے تو ان ناموں کے بارے میں کوئی دلیل نہیں اتاری۔ آگے فرمایا نہیں تم پیروی

کر رہے مگر اپنے گمان کی۔ جو تمہارے وہم میں آئے اسی کو اپنا مذہب بنا لیا اور جو تمہارے نفس امارہ کہتے ہیں۔ اسی پر

عمل کرتے ہو اور البتہ تحقیق آگئی رب کی طرف سے ان کے پاس ہدایت۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے ان کے پاس کتاب اور

رسول بھیجے۔ اور انہیں فرمایا کہ تم اپنی خواہشات پر چلنے کے بجائے ان رسولوں کی پیروی کرو تا کہ تمہیں ہدایت حاصل

ہو۔ بتوں کو ماننا یا ان کی پوجا کرنا خالص گمراہی ہے۔

(آیت نمبر ۲۴) یا انسان کیلئے وہی ہے جس کی وہ تمنا کرے۔ یعنی وہ جو بتوں کے بارے میں عقیدہ رکھیں گے

کہ ان کے بت ان شفاعت کریں گے۔ یا انہیں بچائیں گے وغیرہ وغیرہ کیا تم جو کہتے ہو وہی ہوگا۔

(آیت نمبر ۲۵) اول آخر سب اللہ تعالیٰ کی ہی ملک میں ہے اور کوئی کسی چیز کا حقیقی مالک نہیں ہے۔ دنیا

و آخرت کے سب امور اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہی خاص ہیں۔ اگر تم دنیا و آخرت کی کامیابی چاہتے ہو۔ تو تم اسی کے ساتھ

تعلق قائم کرو۔ اور پھر دونوں جہانوں میں کامیابی حاصل کرو۔ بتوں سے تمہیں امیدیں ہیں جو کچھ نہیں دے سکتے اور

رب سے ناامید ہو، جو سب کچھ دے سکتا ہے۔

وَكَمْ مِّنْ مَّلَكٍ فِي السَّمٰوٰتِ لَا تُغْنِيْ شَفَاعَتُهُمْ شَيْئًا اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ

اور کتنے ہی فرشتے آسمانوں میں کہ نہیں کام آئے گی ان کی سفارش کچھ مگر اس کے بعد

اَنْ يَّاْذَنَ اللّٰهُ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيَرْضٰى ۝۳۶ اِنَّ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ

کہ اجازت دے اللہ جس کیلئے چاہے اور راضی ہو۔ بے شک جو نہیں ایمان رکھتے قیامت پر

لَيُسَمُّوْنَ الْمَلٰٓئِكَةَ تَسْمِيَةً الْاُنْثٰى ۝۳۷ وَمَا لَهُمْ بِهٖ مِنْ عِلْمٍ ؕ

وہ فرشتوں کے نام عورتوں والے رکھتے ہیں حالانکہ نہیں انہیں اس کی کوئی خبر۔

اِنْ يَّتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ ۚ وَاِنَّ الظَّنَّ لَا يُغْنِيْ مِنَ الْحَقِّ شَيْئًا ۝۳۸

نہیں پیروی کرتے مگر گمان کی اور بے شک گمان نہیں کام دیتا حق کے مقابل کچھ۔

(آیت نمبر ۲۶) زمینوں اور آسمانوں میں کتنے ہی فرشتے ہیں۔ جن کی شفاعت حکم الہی کے بغیر ان کو کوئی کام

نہیں دے گی۔ **فائدہ:** اس میں کافروں کی جو طمع ہے اس کی جڑ ہی کاٹ دی گئی۔ علامہ حقی مرحوم فرماتے ہیں۔ اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ ان کی شفاعت نفع نہیں دے گی۔ بلکہ یہ مطلب ہے کہ ان کی شفاعت کافروں کیلئے نہیں ہوگی۔ سوائے لوگوں کے جن کے لئے شفاعت کی اجازت اللہ بخشے اور جن کی شفاعت کرنے کو اللہ تعالیٰ پسند فرمائے گا۔ لہذا یہ کفار اور سرکش لوگ شفاعت کی نعمت سے محروم رہیں گے۔

(آیت نمبر ۲۷) بے شک جو لوگ آخرت پر ایمان نہیں رکھتے۔ وہ فرشتوں کے نام رکھتے ہیں۔ بیٹیوں

والے۔ کیونکہ وہ فرشتوں کو اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں سمجھتے ہیں۔ اور ان فرشتوں کے لڑکیوں والے نام بھی انہوں نے خود ہی رکھے۔ یہ ان کی انتہائی فضاحت ہے اور وہ سخت عذاب کے مستحق ہیں۔

(آیت نمبر ۲۸) اور ان جاہلوں کو کسی چیز کا علم نہیں۔ وہ جس کے متعلق علم ہی نہیں رکھتے۔ اس کی بات کیوں

کرتے ہیں۔ چونکہ وہ صرف اپنے گمان پر چلتے ہیں تو بے شک گمان انہیں اللہ تعالیٰ کے مقابلے میں کوئی کام نہیں دیتا۔

فائدہ: اس آیت میں ظن کی مذمت ہے اور غیر مسلم باپ دادا کی اندھی تقلید کا بھی کوئی اعتبار نہیں۔ اس کی

بہت ہی مذمت کی گئی۔ (مسلمان صاحب علم باپ دادا کی تقلید جائز ہے)۔

فَاعْرِضْ عَنْ مَنْ تَوَلَّى ۖ عَنْ ذِكْرِنَا وَلَمْ يُرِدْ إِلَّا الْحَيَاةَ الدُّنْيَا ۚ (۲۹)

تو منہ پھیر لو اس سے جو پھر جائے ہمارے ذکر سے اور نہیں چاہتا سوائے زندگی دنیا کے۔

ذَلِكَ مَبْلَغُهُم مِّنَ الْعِلْمِ ۚ إِنَّ رَبَّكَ هُوَ أَعْلَمُ بِمَنْ ضَلَّ عَنْ سَبِيلِهِ

یہ ہے ان کا مبلغ علم۔ بے شک آپ کا رب جانتا ہے اسے جو گمراہ ہوا اس کی راہ سے۔

وَهُوَ أَعْلَمُ بِمَنِ اهْتَدَى (۳۰)

اور وہ خوب جانتا ہے اسے جو ہدایت پائے۔

(آیت نمبر ۲۹) اے میرے محبوب ﷺ ان کافروں سے منہ پھیر لیں۔ جو ہمارے ذکر سے منہ پھیرتے ہیں۔ اس لئے کہ ہمارے ذکر کے بغیر کچھ بھی ان کو علم تک نہیں پہنچاتا۔ اس لئے کہ وہ آپ کی دعوت کو قبول کرنے کے بجائے اسے رد کر رہے ہیں۔ یعنی ایمان نہیں لاتے۔

فائدہ: یہاں ذکر سے مراد قرآن پاک ہے۔ جس میں پہلوں اور پچھلوں سب کا بیان ہے۔ اور یہ قرآن آخرت کی یاد دلاتا ہے۔ لہذا جو قرآن سے منہ پھیرتا ہے آپ ان سے منہ پھیر لیجئے۔ ہمارے ذکر سے وہ کیوں روگرداں ہے حالانکہ اس قرآن میں تمام پسندیدہ باتیں ہیں تو جو اس سے بھی منہ پھیرتا ہے اس کا مطلب ہے کہ وہ صرف دنیا کا طالب ہے دنیا کی زندگی پر خوش ہے۔ اسی کے منافع جمع کرنے پر لگا ہوا ہے۔ لہذا ایسے بد بخت کو دعوت دینے سے منع کر دیا گیا کیونکہ جو دنیا میں اس قدر منہمک ہے اور قرآن سے روگرداں ہے۔ اس کی ساری محنت کا مقصد ہی دنیا طلبی ہے۔ اسے دعوت دینے کا کوئی فائدہ نہیں۔ (یعنی جو خوشی سے ہماری طرف نہیں آتا۔ ہم بھی اسے جنت کی طرف نہیں بلاتے)۔ **فائدہ:** یہ آیت قتال والی آیت سے منسوخ ہے۔ اب اس سے مراد یہ ہے کہ جن کفار پر حجۃ و دلائل واضح ہو چکے۔ اور وہ کوئی بات نہیں مانتے۔ ان پر مزید کوشش نہ فرمائیں۔ البتہ ان سے جنگ کریں۔

(آیت نمبر ۳۰) ان کا مبلغ علم تو اتنا ہی ہے۔ یعنی جو دنیا ہی کے طالب ہیں اور دنیا کو آخرت پر ترجیح دیتے ہیں۔ ان کا علم اس سے آگے نہیں بڑھتا وہ تو صرف دنیا کی ہی زیب و زینت کو جانتے ہیں۔ اس لئے وہ آخرت کے امور سے بالکل غافل ہیں۔

وَلِلّٰهِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ ۚ لِيَجْزِيَ الَّذِیْنَ اَسَءُوْا بِمَا عَمِلُوْا

اللہ ہی کا ہے جو آسمانوں اور جزمین میں ہے تاکہ سزا دے انہیں جنہوں نے برائی کی یہ بدلہ ہے ان کے عمل کا

وَيَجْزِيَ الَّذِیْنَ اَحْسَنُوْا بِالْحُسْنٰی ۝ (۳۱)

اور جزا دے نیکوں کو اچھی۔

(بقیہ آیت نمبر ۳۰) دنیا کی مذمت : دنیا کی قدر و قیمت اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے کم تر چیز ہے۔

جیسے حضور ﷺ نے فرمایا کہ دنیا کو اللہ تعالیٰ نے مغضوب پیدا فرمایا۔ البتہ اس دنیا کا اصل مقصد یہ ہے۔ کہ یہ آخرت کی کامیابی کا ذریعہ اور وسیلہ ہے۔ اسی لئے حضور ﷺ نے فرمایا کہ دنیا آخرت کی کھیتی ہے۔ اس میں جو جیسا بیج ڈالتا ہے۔ ویسا ہی آخرت میں کاٹے گا۔ آگے فرمایا۔ آپ کا رب اسے خوب جانتا ہے۔ جو سیدھی راہ سے بھٹک گیا اور اسے بھی خوب جانتا ہے جو ہدایت یافتہ ہے۔ حدیث قدسی : اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ میں نے جنت اور اس کے اہل پیدا کئے۔ اسی طرح جہنم اور اس کے اہل پیدا کئے۔ خرابی ہے اس کیلئے جو دوزخ کیلئے بنایا گیا۔ لہذا اے محبوب ان دنیا سے محبت رکھنے والوں کو دعوت دینے میں زیادہ تکلیف نہ فرمائیں۔ (سنن ابوداؤد)

(آیت نمبر ۳۱) اور اللہ تعالیٰ کا ہی ہے۔ تخلیقاً اور ملکاً جو کچھ آسمانوں میں یا جزمین میں ہے اور کسی کیلئے

استقلالاً کوئی ملکیت نہیں ہے وہ گمراہوں کو اچھی طرح جانتا ہے۔ وہ اسی اپنے علم کے مطابق برے عمل کرنے والوں کو ان کی برائی کی سزا دے گا کیونکہ انہوں نے خود گمراہی اختیار کی ہدایت کے مقابلے میں۔ اور جنہوں نے نیک عمل کئے ان کے نیک اعمال کے بدلے میں انہیں اچھا بدلہ دے یعنی جنت عطا فرمائے۔ ہر ایک کو اس کے اعمال کے مطابق بدلہ ملے گا۔ حسنی سے مراد جنت ہے۔ دوسرے مقام پر فرمایا: ”حسنی و زیادہ“ اس سے علماء کرام نے یہ مطلب نکالا ہے۔ کہ حسنی سے مراد جنت ہے۔ اور زیادہ سے مراد اللہ تعالیٰ کا دیدار ہے۔ جنت میں سب سے بڑی نعمت اللہ تعالیٰ کا دیدار ہے۔ جب اہل جنت اللہ تعالیٰ کا دیدار کریں گے۔ تو پھر بار بار اس بات کی تمنا کریں گے۔ کاش یہ کرم پھر ہو جائے۔ (اللہ پاک اس نعمت سے ہمیں محروم نہ کرنا)۔

الَّذِينَ يَجْتَنِبُونَ كَبِيرَ الْإِثْمِ وَالْفَوَاحِشَ إِلَّا اللَّمَمَ ۚ إِنَّ رَبَّكَ وَاسِعُ

جو بچتے ہیں کبیرہ گناہوں سے اور بے حیائیوں سے مگر گناہ کے قریب جانے سے رک گئے بے شک آپ کا رب وسیع

الْمَغْفِرَةُ ۚ هُوَ أَعْلَمُ بِكُمْ إِذْ أَنْشَأَكُمْ مِنَ الْأَرْضِ وَإِذْ أَنْتُمْ أَجْنَةٌ

مغفرت والا ہے۔ وہ خوب جانتا ہے تم کو جبکہ تمہیں بنایا مٹی سے۔ اور جب تم حمل میں تھے

فِي بُطُونِ أُمَّهَاتِكُمْ ۚ فَلَا تُزَكُّوْا أَنْفُسَكُمْ ۚ هُوَ أَعْلَمُ بِمَنِ اتَّقَى ۚ (۳۲)

پیٹوں میں اپنی ماؤں کے۔ پس نہ پاک بناؤ اپنے آپ کو وہ خوب جانتا ہے اسے جو پرہیزگار ہے

(آیت نمبر ۳۲) نیک عمل والے وہ لوگ ہیں جو ہر قسم کے گناہوں سے بچتے ہیں۔ خصوصاً بڑے گناہوں سے۔

یہ مومن کی شان ہے کہ وہ ہمیشہ بڑے گناہوں سے بچتا ہے۔ جو بڑے گناہوں سے بچے وہ اعلیٰ ثواب پانے کا مستحق

ہوتا ہے۔ **فائدہ:** ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں۔ کبیرہ گناہ ستر ہیں۔ جیسے ہم نے پیچھے بیان کیا (سورہ جم عسق میں)

آگے فرمایا کہ وہ بے حیائیوں سے بھی بچتے ہیں جو انتہائی قبیح اقوال یا افعال ہیں۔ مگر چھوٹے گناہ معاف ہیں۔

مسئلہ: جو کبیرہ گناہوں سے بچے۔ صغیرہ خود ہی معاف ہو جاتے ہیں۔ اگر کبیرہ سے نہ بچے تو صغیرہ بھی اس کے سر

پر ہیں۔ **فائدہ:** لہذا کا ایک معنی یہ ہے کہ معمولی سی خطا ہوئی۔ فوراً معافی مانگ لی۔

شان نزول: ایک صحابی کے پاس کھجوریں لینے ایک عورت آئی تو انہوں نے کہا اچھی کھجوریں اندر ہیں۔

جب وہ اندر گئی تو اسے پکڑ کر بوسہ دیدیا تو اس نے کہا تم نے اپنے بھائی کی خیانت کی۔ سخت پشیمان ہو کر بارگاہ رسالت

میں حاضر ہوئے تو اس پر آیت کریمہ نازل ہوئی۔ **مسئلہ:** دل پر گناہ کا خیال بھی لم میں آتا ہے۔

فائدہ: بعض بزرگ فرماتے ہیں۔ جس گناہ پر حد مقرر نہیں وہ بھی لم میں آتا ہے۔

آگے فرمایا بے شک آپ کا رب وسیع بخشش والا ہے کہ وہ کبیرہ گناہوں سے بچنے والے کے صغیرہ گناہ خود بخش

دیتا ہے۔ صغیرہ گناہ پر اصرار اسے کبیرہ بنا دیتا ہے۔ تو پھر اس پر پکڑ نہیں۔ آگے فرمایا کہ وہ تمہیں اچھی طرح جانتا ہے۔

اس لئے کہ جب اسی نے تمہیں پیدا کیا زمین سے یعنی جناب آدم علیہ السلام کو مٹی سے بنایا پھر جب تم اپنی ماؤں کے

پیٹوں میں ایک تو تھڑا تھے۔ پھر مختلف اطوار میں تمہاری ترکیب ہوئی تو اس سے کون سی بات مخفی ہے۔

أَفَرَأَيْتَ الَّذِي تَوَلَّى ۖ (۳۳) وَأَعْطَى قَلِيلًا وَأَكْدَى (۳۴) أَعِنْدَهُ عِلْمُ

تو کیا تو نے دیکھا جو مڑ گیا۔ اور دیا کچھ اور رک گیا۔ کیا اس کے پاس علم

الْغَيْبِ فَهُوَ يَرَى (۳۵) أَمْ لَمْ يُنَبَّأْ بِمَا فِي صُحُفِ مُوسَى ۖ (۳۶)

غیب ہے تو وہ دیکھتا ہے۔ یا نہیں خبر ہوئی اسے کہ جو صحیفوں میں ہے موسیٰ علیہ السلام کے۔

(بقیہ آیت نمبر ۳۲) اسی طرح پیدا ہونے کے بعد کے بھی ہر ہر لمحے کا اسے علم ہے۔ اگر اس کی وسیع رحمت نہ ہوتی تو تم ضرور وبال میں پڑتے۔ لہذا تم اپنے آپ کو پاک نہ بناؤ۔ اور اپنی صفائی بیان نہ کرو کہ اپنے اچھے اعمال کی خود ہی تعریف کرو۔ اللہ تعالیٰ متقیوں کو خوب جانتا ہے۔ یعنی وہ جانتا ہے کہ کون گناہ کرتا ہے اور کون گناہوں سے بچتا ہے۔

(آیت نمبر ۳۳) کیا تم نے اسے دیکھا ہے۔ جس نے منہ پھیرا۔ یعنی حق پر چلنے اور اس پر ثابت قدم رہنے سے روگردانی کی۔ شان نزول: یہ ولید بن مغیرہ کے حق میں نازل ہوئی۔ وہ حضور ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہوتا۔ آپ کی باتیں سنتا تھا۔ اس کی آمد و رفت پر مشرکین نے اسے عار دلائی اور طعن و تشنیع کی تو پھر اس کا حضور ﷺ کے پاس آنا بند ہو گیا۔ اس کے شان نزول اور بھی کئی روایات ہیں۔

(آیت نمبر ۳۴) تھوڑا سا مال دیا۔ پھر بخل کی وجہ سے روک لیا۔ فائدہ: جب لوگوں نے اسے برا بھلا کہا کہ تو باپ دادا کے دین سے پھر گیا۔ تو اس نے کہا میں عذاب سے ڈرتا ہوں تو ایک شخص نے کہا تو مجھے کچھ مال دے تو میں تیرے عذاب کو اٹھاؤں گا۔ اسے معمولی مال دیا پھر بند کر دیا۔ فائدہ: یہ اس کے بخل کی مذمت ہے۔ بخل بہر حال برا ہے۔ خواہ کافر سے ہو یا مسلمان سے۔ فائدہ: امام مقاتل فرماتے ہیں کہ اس نے مسلمانوں پر کچھ خرچ کیا پھر ہاتھ روک لیا۔

(آیت نمبر ۳۵) کیا اس کے پاس غیب کا علم ہے جس سے وہ دیکھتا ہے۔ یعنی آخرت کے امور میں سے کوئی علم آ گیا اور اس نے جان لیا کہ واقعی کوئی اس کے عذاب کو اپنے سر لے لے گا۔ اور یہ اس عذاب سے بچ جائے گا۔

(آیت نمبر ۳۶) یا کیا وہ اتنا بڑا جاہل ہے۔ اسے یہ نہیں بتایا گیا کہ موسیٰ علیہ السلام کے صحیفوں یعنی تورات کے مضامین میں کیا لکھا ہے۔ فائدہ: امام راغب فرماتے ہیں۔ صحیفہ وہ چیز ہے۔ جس میں خاص قسم کے مضامین لکھے جاتے ہیں۔ ان جمع شدہ مکتوبات کو مصحف کہتے ہیں۔

وَابْرَاهِيمَ الَّذِي وَفَّى ۝ (۳۷) اَلَّا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِزْرَ أُخْرَى ۝ (۳۸)

اور ابراہیم علیہ السلام وہ جو پورا حکم بجالایا۔ کہ نہیں اٹھائے گا اٹھانے والا بوجھ کسی دوسرے کا۔

وَأَنْ لَّيْسَ لِلْإِنْسَانِ إِلَّا مَا سَعَى ۝ (۳۹)

اور یہ کہ نہیں انسان کیلئے مگر جو اس نے کوشش کی

(آیت نمبر ۳۷) اور ابراہیم علیہ السلام کے صحیفوں کو جس نے مکمل کیا۔ یا ابراہیم علیہ السلام جن باتوں میں آزمائے گئے۔ ان سب میں کامیاب ہوئے۔ جیسے سورہ بقرہ میں بیان ہوا۔ چنانچہ جناب ابراہیم علیہ السلام پر بہت بڑی آزمائشیں آئیں۔ حتیٰ کہ آپ کو جلتی آگ میں ڈال دیا گیا۔ پھر بچے کے ذبح کا وقت بھی عجیب منظر تھا۔ صبر کی بھی انتہاء تھی۔ آپ ہر امتحان میں کامیاب ہوئے۔ **حدیث شریف:** ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ نے حضور ﷺ کی بارگاہ میں عرض کی کہ اللہ تعالیٰ نے کتنی کتابیں نازل فرمائیں۔ فرمایا ایک سو چار ان میں چار کتابیں اور ایک سو صحیفے۔ جن میں سے دس صحیفے ابراہیم علیہ السلام کو دیئے۔ (رواہ ابن حبان)

(آیت نمبر ۳۸) ان صحیفوں میں یہ لکھا تھا کہ کوئی کسی دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائے گا۔ نہ ایک کے گناہوں کی پکڑ دوسرے کو ہوگی۔ تاکہ اصل گناہ والا بچ جائے۔ اس میں اس کا رد ہے جو ولید کے گناہ اپنے سر پر اٹھانے کیلئے تیار ہو گیا۔ یعنی ہر آدمی اپنے گناہوں کا بوجھ خود اٹھائے گا۔ البتہ جس نے دوسروں کو گمراہ کیا۔ گمراہ ہونے والوں کے برابر گمراہ کرنے والوں کو سزا ملے گی۔ (یا جس نے ظلم کیا۔ تو مظلوم کے گناہ ظالم پر ڈال دیئے جائیں گے)۔

(آیت نمبر ۳۹) اور یہ کہ نہیں ہے انسان کیلئے مگر وہی جو اس نے خود محنت کی۔ **فائدہ:** یعنی جیسے کوئی دوسرے کے گناہ سے پکڑا نہیں جائیگا۔ اسی طرح ایک کا ثواب کسی دوسرے کو نہیں دیا جائیگا۔ لیکن یہ آیت ”الْحَقْنَا بِهِمْ ذُرِّيَّتَهُم“ والی آیت سے منسوخ ہوگئی۔ یعنی باپ دادا کی شفاعت اولاد کے حق میں قبول ہوگی۔ عکرمہ کہتے ہیں کہ یہ حکم ابراہیم اور موسیٰ علیہ السلام کی امت کیلئے تھا۔ امت محمدیہ ﷺ کو یہ اعزاز حاصل ہے کہ ان کے اعمال کا فائدہ دوسرے مسلمانوں کو بھی پہنچے گا۔ **حدیث:** ایک عورت نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ میرے چھوٹے بچے پر حج ہے۔ یعنی حج کر سکتا ہے تو فرمایا۔ ہاں اس کا ثواب تجھے ملے گا۔ (رواہ مسلم)۔ **دلیل نمبر ۲:** ربیع بن انس نے فرمایا۔ اس آیت میں حکم کفار کیلئے ہے کہ دوسرے کے نیک عمل سے کوئی فائدہ نہیں اٹھا سکتا۔ مومن کے عمل کا ثواب اسے بھی ملے گا اور وہ جسے ثواب بخشے گا اسے بھی ثواب ملے گا۔ (اور اس کے ماں باپ اور اساتذہ کو ثواب پہنچے گا)۔

وَأَنَّ سَعْيَهُ سَوْفَ يُرَىٰ ۝۴۸

اور بے شک اس کی کوشش عنقریب دیکھی جائیگی

(بقیہ آیت نمبر ۳۹) مزید تشریح: ابن تیمیہ صاحب ایصال ثواب کے متعلق لکھتے ہیں کہ مسلمانوں کا اس پر اتفاق ہے۔ کہ میت کی طرف سے صدقہ کرنے کا میت کو ثواب پہنچتا ہے۔ اور اس کو نفع ہوتا ہے۔ سعد بن عبادہ والی حدیث اس پر دلیل ہے۔ اسی طرح میت کی طرف سے حج کرنے یا قربانی دینے یا غلام آزاد کرنے، اسی طرح دعا و استغفار سے میت کو نفع ہوتا ہے۔ البتہ نماز، روزہ یا تلاوت قرآن سے میت کو نفع ہوتا ہے یا نہیں۔ اس میں علماء کے دو اقوال ہیں۔ امام ابو حنیفہ، امام احمد اور بعض شافعی حضرات کا مذہب یہ ہے۔ کہ اس سے میت کو نفع ہوتا ہے۔

ایک واقعہ: مولانا قاسم نانوتوی صاحب نے تحذیر الناس ص ۴۴ پر لکھا کہ ایک محفل میں جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ تشریف فرما تھے ان کے کسی مرید کا رنگ یکا یک متغیر ہو گیا۔ آپ نے اس سے وجہ پوچھی تو اس نے کہا کہ میں اپنی ماں کو دوزخ میں دیکھ رہا ہوں۔ جنید بغدادی نے ایک حدیث میں پڑھا تھا کہ ستر ہزار کلمہ طیبہ کا ورد کر کے جو دعا کی جائے وہ قبول ہو جاتی ہے۔ انہوں نے ستر ستر ہزار کے کئی نصاب پڑھ رکھے تھے۔ تو انہوں نے اس مرید کی ماں کو ایک نصاب کلمہ طیبہ کا ثواب بخش دیا اور کسی کو اس کی اطلاع بھی نہیں کی تو وہ نوجوان ہشاش بشاش ہو گیا۔ آپ نے پوچھا۔ اب کیا ہوا۔ تو وہ کہنے لگا کہ اب میں اپنی ماں کو جنت میں دیکھ رہا ہوں۔ تو جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اس نوجوان کے کشف کی صحت مجھے حدیث سے معلوم ہوئی اور حدیث کی صحت کے کشف سے معلوم ہوئی۔ دلیل نمبر ۳: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اپنے بھائی عبدالرحمن رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد ان کے ثواب کیلئے ایک غلام آزاد فرمایا۔ دلیل نمبر ۴: حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کی۔ میری ماں فوت ہو گئی تو میں اس کی طرف سے کیا صدقہ کروں تو آپ نے فرمایا۔ لوگوں کو پانی پلا۔ حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے کتواں کھدوا کر ماں کے نام پر وقف لٹہ کر دیا۔ (مزید ایصال ثواب پر معلومات فیوض الرحمن سے حاصل کریں)۔

(آیت نمبر ۴۰) انسان نے جو بھی سعی کی ہے اسے عنقریب دیکھا جائیگا۔ یعنی جب بروز قیامت اس کے صحیفے اور اعمال میزان پر رکھے جائیں گے تو سب کچھ معاملہ کھل کر سامنے آ جائے گا۔ **فائدہ:** واسطی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ انسان اس لائق کہاں ہے کہ اس کی کوئی سعی قبول ہو جب تک کہ اس کے ساتھ فضل الہی نہ ہو جب یہ ہو تو پھر اس پر اجر و ثواب ملے گا۔ اس کی شرح میں حضرت سہل رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جس پر فضل ربانی ہوگا۔ اسی کی سعی قبول ہوگی ورنہ نہیں۔ **فائدہ:** جس عمل میں اخلاص ہو وہ مقبول ہے۔ اور اسی پر فضل ربی ہوتا ہے۔

ثُمَّ يُجْزَاهُ الْجَزَاءَ الْأَوَّلَى ۝ (۴۱) وَأَنَّ إِلَىٰ رَبِّكَ الْمُنْتَهَى ۝ (۴۲)

پھر بدلا اس کا دیا جائیگا بھرپور۔ اور بے شک طرف تیرے رب کے انتہاء ہے۔

وَأَنَّهُ هُوَ أَضْحَكَ وَأَبْكَى ۝ (۴۳) وَأَنَّهُ هُوَ أَمَاتٌ وَأَحْيَا ۝ (۴۴)

اور وہی ہے جس نے ہنسایا اور رلایا۔ اور اسی نے موت اور زندگی دی۔

(آیت نمبر ۴۱) پھر اسے پورا پورا بدلہ دیا جائیگا۔ یعنی انسان کو اس کی سعی پر اس کے عمل کی جزاء دی جائے گی۔

اگر عمل نیک ہو تو جزاء بھی اچھی اور کامل دی جائے گی اور عمل برا ہو تو پھر جزا سزا کی شکل میں ہوگی۔ **فائدہ:** اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ انسان نیک اعمال بھی اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی توفیق سے کرتا ہے ورنہ نہیں کر سکتا۔

(آیت نمبر ۴۲) بے شک تیرے رب تک ہی انتہاء ہے۔ یعنی بالآخر لوٹ کر سب نے اسی کے پاس جانا ہے۔

فائدہ: یعنی مرنے کے بعد ہمیشہ کیلئے اللہ تعالیٰ ہی کی طرف جاتا ہے۔ وہی ان کے اعمال کی انہیں جزاء دے

گا۔ چونکہ سب کام اسی کی طرف لوٹتے ہیں۔ اس کے سوا کسی طرف نہیں نہ مستقلاً نہ اشتراکاً۔ اس لئے جزاء بھی وہی

دے گا۔ **فائدہ:** امام عالی مقام امام حسین رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اول اور آخر ہونا اسی کی شان ہے۔ لہذا ابتداء بھی اسی

سے اور انتہاء بھی اسی تک ہے۔

(آیت نمبر ۴۳) بے شک اسی نے ہنسایا اور اسی نے رلایا۔ یعنی کبھی نعمت دے کر خوش کر دیتا ہے۔ کبھی چھین کر

رلا دیتا ہے۔ **فائدہ:** یا یہ معنی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہی انسان کو ہنسنے اور رونے کی قوت عطا کی۔

فائدہ: یا کسی کو نعمتیں دیکر ہنسایا اور کسی کو شدت و مصیبت دیکر رلایا۔ یا بعض کو جنت دیکر ہنسائے گا اور بعض کو

جہنم میں رلائے گا۔ وغیرہ۔ **مسئلہ:** اس آیت میں دلیل ہے کہ انسان جو بھی عمل کرتا ہے۔ وہ اللہ تعالیٰ کی قضاء

سے کرتا ہے۔ حدیث شریف میں ہے حضور ﷺ نے ایک مرتبہ دیکھا کہ کچھ لوگ ہنس رہے ہیں تو فرمایا۔ جو میں جانتا

ہوں وہ تم بھی جان لیتے تو زیادہ روتے اور کم ہستے۔

(آیت نمبر ۴۴) اسی نے مارا اور اسی نے زندہ کیا۔ اس کے سوا کسی کو مارنے یا زندہ کرنے کی کوئی قدرت نہیں

ہے۔ **فائدہ:** دنیا میں جس کے پیدا ہونے کا وقت ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اسے زندہ فرما دیتا ہے اور جس کی موت کا وقت

آتا ہے۔ اسے مارتا بھی وہی ہے۔ قیامت کے دن دوبارہ بھی وہی زندہ کریگا۔

وَأَنَّهُ خَلَقَ الزَّوْجَيْنِ الذَّكَرَ وَالْأُنثَى ۖ (۳۵) مِّنْ نُطْفَةٍ إِذَا تُمْنِي ۖ (۳۶) وَأَنَّ

اور اسی نے بنائے جوڑے نر اور مادہ کے۔ نطفہ سے جب ڈالا جائے۔ اور بے شک

عَلَيْهِ النَّشْأَةُ الْآخِرَى ۖ (۳۷) وَأَنَّهُ هُوَ أَغْنَىٰ وَأَقْنَىٰ ۖ (۳۸) وَأَنَّهُ هُوَ رَبُّ الشُّعْرَى ۖ (۳۹)

اسی پر ہے اٹھانا دوبارہ۔ اور اسی نے غنی کیا اور قناعت دی۔ اور وہی رب ہے شعری (ستارے) کا۔

(آیت نمبر ۳۵) بے شک اسی ذات نے جوڑے پیدا کئے۔ جن میں ایک نر اور دوسرا مادہ۔ فائدہ: یعنی ہر حیوان سے یہ دو صنف پیدا کئے۔ یہ بات بھی یاد رہے۔ ہر حیوان مٹی سے پیدا نہیں ہوتا ہے۔ بلکہ بعض ہوا سے پیدا ہوتے ہیں۔ مثلاً انڈا مرغ کی ہوا سے بنتا ہے۔ کیونکہ مرغ میں مٹی نہیں ہوتی۔ جب مرغ مرغی سے جفت ہوتا ہے تو وہ اس کے رحم میں ہوا بھر دیتا ہے۔ اس سے انڈے بنتے ہیں۔

(آیت نمبر ۳۶) زیادہ تر حیوان نطفہ سے ہی پیدا ہوتے ہیں۔ جب مٹی رحم میں ڈالی جائے تو اس سے حیوان یا انسان پیدا ہوتا ہے۔ فائدہ: البتہ آدم و حوا اور عیسیٰ علیہ السلام اس سے مستثنیٰ ہیں تاکہ معلوم ہو کہ اللہ تعالیٰ جب پیدا کرنا چاہے بغیر اس مادہ کے بھی پیدا کر سکتا ہے۔ یہ اس کی قدرت ہے۔

(آیت نمبر ۳۷) اور بے شک اللہ تعالیٰ ہی کے ذمہ کرم پر ہے۔ دوسری مرتبہ اٹھانا۔ یعنی مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کرنا۔ فائدہ: دوبارہ زندہ کرنا حکمت الہی کا تقاضا ہے کہ وہ آخرت میں اٹھائے گا تاکہ وہ اعمال کے مطابق بندوں کو جزاء و سزا دے چونکہ دنیا دار العمل ہے اور آخرت دار الجزاء ہے۔ آخرت والا کام دنیا میں ہو ہی نہیں سکتا کیونکہ دنیا بہت تنگ جگہ ہے اور آخرت بہت وسیع مقام اور زمان ہے۔

(آیت نمبر ۳۸) اور بے شک اسی نے غنی کیا اور اسی نے قناعت بھی دی۔ فائدہ: بعض نے غنی کا معنی کیا کہ اموال سے غنی کر دیا۔ امام ضحاک نے فرمایا۔ سونے چاندی کپڑوں اور مکان سے بے نیاز کر دیا۔ فائدہ: جنید بغدادی رحمہ اللہ فرماتے ہیں اس کا معنی یہ ہے کہ بعض کو غنی کر دیا اور بعض کو فقیر اور تنگ دست کر دیا۔

(آیت نمبر ۳۹) اور بے شک وہ شعری کا بھی رب ہے۔ اگرچہ وہ ہرشیء کا رب ہے۔ شعری ستارے کی پرستش کی گئی۔ فائدہ: شعری ایک روشن ستارہ ہے۔ جو جزاء کے پیچھے ہوتا ہے۔ قریش کے ایک سردار نے اس کی پرستش صرف اس وجہ سے کی کہ یہ باقی ستاروں سے الگ چلتا ہے تو فرمایا کہ اللہ تعالیٰ وہ ہے جو ان مشرکوں کے رب کا بھی رب ہے۔

وَأَنَّهُ أَهْلَكَ عَادًا الْأُولَى ۖ ۝۵۰ وَثَمُودَ أَفْأَى ۖ ۝۵۱ وَقَوْمَ نُوحٍ مِّنْ

اور اسی نے ہلاک کیا عاد پہلے کو۔ اور ثمود کو تو کوئی نہ رہا باقی۔ اور قوم نوح کی اس سے

قَبْلُ ۖ إِنَّهُمْ كَانُوا هُمْ أَظْلَمَ وَأَطْغَى ۖ ۝۵۲ وَالْمُوتَفِغَةَ أَهْوَى ۖ ۝۵۳

پہلے بے شک وہ تھے ان سے بھی بڑے ظالم اور سرکش۔ اور الموتفغہ والی بستی کو نیچے گرا دیا۔

فَغَشَّاهَا مَا غَشَّى ۖ ۝۵۴

پھر چھایا اس پر جو چھایا۔

(آیت نمبر ۵۰) اور بے شک اسی نے پہلی قوم عاد کو بھی ہلاک کیا۔ یعنی قوم ہود جنہیں آندھی نے ہلاک کیا اور دوسری قوم عاد ارم ہے۔ قوم نوح کے بعد یہی قوم ہلاک ہوئی۔ اس سے معلوم ہوا کہ عاد کی دو قومیں ہوئیں۔

(آیت نمبر ۵۱) قوم عاد کی طرح قوم ثمود بھی تباہ و برباد ہوئی۔ یہ جناب صالح علیہ السلام کی قوم تھی جو ایک چنگھاڑ سے تباہ ہوئی کہ ان میں سے کوئی بھی بچ نہ سکا۔ عذاب الہی جس قوم پر بھی آیا۔ اس قوم کا مکمل صفایا کر گیا۔

فائدہ: اس آیت میں تربیت کی طرف اشارہ ہے پہلے نرمی سے۔ پھر عتاب سے پھر سزا سے ڈرایا گیا۔

(آیت نمبر ۵۲) قوم عاد سے پہلے قوم نوح ان ہی کی طرح تھے اور وہ بھی ہلاک ہوئے اس لئے کہ انہوں نے اپنے نبی علیہ السلام کے ساتھ بھی بہت ظلم کئے اور دوسرے لوگوں کی نسبت بہت زیادہ سرکش تھے اور انہوں نے نوح علیہ السلام کو بہت زیادہ اذیتیں پہنچائیں۔ اس کے باوجود نوح علیہ السلام نے ہزار سال کے قریب ان کی تکالیف برداشت کیں اور اس قوم سے صرف اسی (۸۰) بندے مسلمان ہوئے۔ چالیس مرد اور چالیس عورتیں۔

(آیت نمبر ۵۳) اور کچھ وہ بستیاں جو کینوں سمیت الٹ دی گئیں۔ اس سے مراد جناب لوط علیہ السلام کی بستیاں ہیں۔ جنہیں جبریل امین نے ایک پر کے ساتھ اٹھایا۔ اور آسمان کے قریب لے جا کر الٹ دیا۔ جیسے ان کے عمل الٹے تھے۔ اسی طرح ان کی سزا بھی ایسی آئی۔

(آیت نمبر ۵۴) ڈھانپ لیا اسے جس نے ڈھانپا یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف سے آنے والے عذاب نے انہیں عذاب کی لپیٹ میں لے لیا۔ یعنی وہ پانی میں غرق ہوئے۔ جن کے اوپر نیچے پانی ہی پانی تھا۔

فَبَايَ الْآلَاءِ رَبِّكَ تَتَمَارَى ۝ هَذَا نَذِيرٌ مِّنَ النُّذُرِ الْأُولَى ۝

تو کون کون سی نعمتوں میں اپنے رب کی شک کریگا۔ یہ ہے ڈر سنانے والا پہلے ڈرانے والوں کی طرح۔

أَزِفَتِ الْأَزِيفَةُ ۝ لَيْسَ لَهَا مِنْ دُونِ اللَّهِ كَاشِفَةٌ ۝ أَفَمِنْ هَذَا الْحَدِيثِ

قریب آگئی آنے والی۔ نہیں ہے اسے سوائے اللہ کے کوئی کھولنے والا۔ تو کیا اس بات سے

تَعْجَبُونَ ۝

تم تعجب کرتے ہو۔

(آیت نمبر ۵۵) پھر تم اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں پر شک کرو گے۔ یہ خطاب تمام لوگوں کو ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ کے تمام امور نعمتیں ہیں۔ کفار پر جو عذاب بھی آیا ہے۔ تو وہ بھی مومنوں کیلئے نعمت ہے کہ کفار سے اور ان کی اذیتوں سے ان کی جان چھوٹ گئی۔ نصیحت حاصل کرنے والوں کو نصیحت حاصل ہو گئی۔

(آیت نمبر ۵۶) پہلے ڈر سنانے والوں کی طرح یہ بھی ڈرانا ہے۔ ہذا کا اشارہ الیہ قرآن مجید ہے۔ یا یہ اشارہ حضور ﷺ کی طرف ہے۔ یعنی جس طرح پہلے انبیاء کرام علیہم السلام ڈر سنا رہے۔ یہ بھی اسی طرح ڈر سنا رہے ہیں۔

(آیت نمبر ۵۷) آنے والی قیامت قریب آگئی ہے۔ دنیا میں کفار مکہ کو عذاب اس لئے نہیں ہوا کہ ان میں نبی کریم ﷺ موجود تھے۔ اگرچہ دنیا میں مختصر عذاب دو دفعہ ہوا۔ اس میں نبی کریم ﷺ کی نہایت تعظیم و تکریم ہے۔ قیامت کو قریب اس لئے کہا کہ چاند کا شق ہونا قرب قیامت کی دلیل ہے۔ اور نبی کریم ﷺ نے فرمایا۔ میرا مبعوث ہونا بھی قیامت کے جلد آنے کی دلیل ہے۔

(آیت نمبر ۵۸) نہیں ہے کوئی اسے کھولنے والا سوائے اللہ تعالیٰ کے۔ یعنی نہ اسے کوئی ٹال سکتا ہے اور نہ اسے کوئی زائل کر سکتا۔ نہ کوئی اسے لاسکتا ہے۔ یہ تمام کام صرف اللہ تعالیٰ ہی کر سکتا ہے۔ چونکہ موت کے بعد مرنے والے کی قیامت شروع ہو جاتی ہے۔ اصل قیامت تو صور پھونکنے جانے کے بعد آئیگی۔

(آیت نمبر ۵۹) کیا تم اس بات (قرآن مجید) سے تعجب کرتے ہو۔ اور اس کا تمسخر اڑاتے ہو۔ یہ دراصل ان کی جہالت ہے۔ فائدہ: کہ وہ قرآن کی فصاحت و بلاغت سے انہیں تعجب ہے۔ لیکن ایمان ان کے نصیب میں نہیں۔ یا قیامت کے دن دوبارہ زندہ ہونے سے بہت تعجب کرتے تھے۔ یہ بات ان کے عقل میں نہیں آ سکتی اس لئے تعجب کرتے ہیں۔

فَبَآئِيَ الْآءِ رَبِّكَ تَتَمَارَى ۝ هَذَا نَذِيرٌ مِّنَ النَّذِرِ الْأُولَى ۝

تو کون کون سی نعمتوں میں اپنے رب کی شک کریگا۔ یہ ہے ڈر سنانے والا پہلے ڈرانے والوں کی طرح۔

أَزِفَتِ الْأَرْفَءُ ۝ لَيْسَ لَهَا مِنْ دُونِ اللَّهِ كَاشِفَةٌ ۝ أَفَمِنْ هَذَا الْحَدِيثِ

قریب آگئی آنے والی۔ نہیں ہے اسے سوائے اللہ کے کوئی کھولنے والا۔ تو کیا اس بات سے

تَعْجَبُونَ ۝

تم تعجب کرتے ہو۔

(آیت نمبر ۵۵) پھر تم اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں پر شک کرو گے۔ یہ خطاب تمام لوگوں کو ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ کے تمام امور نعمتیں ہیں۔ کفار پر جو عذاب بھی آیا ہے۔ تو وہ بھی مومنوں کیلئے نعمت ہے کہ کفار سے اور ان کی اذیتوں سے ان کی جان چھوٹ گئی۔ نصیحت حاصل کرنے والوں کو نصیحت حاصل ہو گئی۔

(آیت نمبر ۵۶) پہلے ڈر سنانے والوں کی طرح یہ بھی ڈرانا ہے۔ ہذا کا اشارہ قرآن مجید ہے۔ یا یہ اشارہ حضور ﷺ کی طرف ہے۔ یعنی جس طرح پہلے انبیاء کرام ﷺ ڈر سنا رہے۔ یہ بھی اسی طرح ڈر سنا رہے ہیں۔

(آیت نمبر ۵۷) آنے والی قیامت قریب آگئی ہے۔ دنیا میں کفار مکہ کو عذاب اس لئے نہیں ہوا کہ ان میں نبی کریم ﷺ موجود تھے۔ اگرچہ دنیا میں مختصر عذاب دو دفعہ ہوا۔ اس میں نبی کریم ﷺ کی نہایت تعظیم و تکریم ہے۔ قیامت کو قریب اس لئے کہا کہ چاند کا شق ہونا قرب قیامت کی دلیل ہے۔ اور نبی کریم ﷺ نے فرمایا۔ میرا مبعوث ہونا بھی قیامت کے جلد آنے کی دلیل ہے۔

(آیت نمبر ۵۸) نہیں ہے کوئی اسے کھولنے والا سوائے اللہ تعالیٰ کے۔ یعنی نہ اسے کوئی ٹال سکتا ہے اور نہ اسے کوئی زائل کر سکتا۔ نہ کوئی اسے لاسکتا ہے۔ یہ تمام کام صرف اللہ تعالیٰ ہی کر سکتا ہے۔ چونکہ موت کے بعد مرنے والے کی قیامت شروع ہو جاتی ہے۔ اصل قیامت تو صور پھونکنے جانے کے بعد آئیگی۔

(آیت نمبر ۵۹) کیا تم اس بات (قرآن مجید) سے تعجب کرتے ہو۔ اور اس کا تسخراڑا تے ہو۔ یہ دراصل ان کی جہالت ہے۔ فائدہ: کہ وہ قرآن کی فصاحت و بلاغت سے انہیں تعجب ہے۔ لیکن ایمان ان کے نصیب میں نہیں۔ یا قیامت کے دن دوبارہ زندہ ہونے سے بہت تعجب کرتے تھے۔ یہ بات ان کے عقل میں نہیں آ سکتی اس لئے تعجب کرتے ہیں۔

وَتَضَعُكُمْ وَلَا تَبْكُونَ ۖ وَأَنْتُمْ سَمِدُونَ ﴿۶۰﴾ فَاسْجُدُوا لِلَّهِ

اور ہنتے ہو اور نہیں روتے۔ اور تم کھیل میں پڑے ہو۔ پس سجدہ کرو اللہ کو

وَأَعْبُدُوا عِ السَّجْدَةِ ﴿۶۱﴾

اور اس کی عبادت کرو

(آیت نمبر ۶۰) کہ بجائے ماننے کے التمازق اڑاتے ہیں اور روتے نہیں۔ یعنی تم اس کی شان کو سمجھنے میں کوتاہی کرتے ہو۔ ڈرتے نہیں کہ ایمان نہ لانے کی وجہ سے سابقہ قوموں کی طرح کہیں عذاب گھیر ہی نہ لے۔ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ جب یہ آیت نازل ہوئی تو اصحاب صفہ رو پڑے۔ ان کو روتے دیکھ کر حضور ﷺ بھی رو پڑے۔

(آیت نمبر ۶۱) اور تم غفلت میں تکبر کر رہے ہو۔ یعنی قرآن سننے سے محروم ہو اور لھو و لعب اور گانے باجے سننے میں مصروف ہو اور جب قرآن پڑھا جاتا ہے تو شور و غل مچا دیتے ہو۔ اسی کھیل تماشے نے تو تمہیں غفلت میں رکھا ہوا ہے۔

(آیت نمبر ۶۲) پس سجدہ کرو اللہ تعالیٰ کیلئے اور اسی کی عبادت کرو۔ اس کے علاوہ کسی کی عبادت نہ کرو۔

فائدہ: امام مالک کے سوا تمام ائمہ اس جگہ سجدہ کے قائل ہیں۔ حضور ﷺ سے بھی اس آیت پر سجدہ صحیح سند سے ثابت ہے بلکہ آپ کے ساتھ تمام جنوں انسانوں فرشتوں نے سجدہ کیا۔ قرآن پاک کا یہ بار ہواں سجدہ ہے۔

اختتام سورۃ نجم: ۲۵ فروری ۲۰۱۷ء بمطابق ۲۸ جمادی الاولیٰ بروز ہفتہ بوقت نماز فجر

اِقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ وَاَنْشَقَّ الْقَمَرُ ① وَاِنْ يَرَوْا آيَةً يُعْرَضُوا وَيَقُولُوا

قریب آگئی قیامت اور پھٹ گیا چاند۔ اور اگر وہ دیکھ لیں نشانی تو منہ پھیر لیتے ہیں۔

سِحْرٌ مُّسْتَمِرٌّ ②

اور کہتے ہیں جادو ہے جو چلا آیا۔

(آیت نمبر ۱) قیامت قریب آگئی اور چاند چر گیا۔ (ساعتہ پر تو کافی دفعہ بیان ہو چکا)۔ اس کا وقت قریب ہو گیا۔ کیونکہ قیامت کی دس علامات میں سے دو علامتیں ظاہر ہو گئیں۔ ایک تو حضور ﷺ کی بعثت دوسرا چاند کا شق ہو جانا اور حضور ﷺ نے فرمایا کہ دنیا کے لمحات بہت تھوڑے ہیں۔ ان میں بھی زیادہ گزر گئے اور تھوڑے رہ گئے۔ جیسا کہ لفظ ”اقترب“ سے ظاہر ہو رہا ہے۔ فائدہ: اس بات پر تو سب کا اتفاق ہے کہ دنیا حادث ہے اور اس کی عمر کے بارے میں کوئی قطعی بات معلوم نہیں۔ صرف ان آیات اور احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اب یہ بالکل اس کا آخر زمانہ ہے۔ اس کی دلیل چاند کا پھٹ جانا بتائی گئی ہے۔

واقعہ شق قمر: حدیث شریف بخاری شریف حدیث ۳۶۳۶، ۳۶۳۷ میں ہے کہ مشرکین نے نبی کریم ﷺ سے معجزہ مانگا۔ کہ چاند دو ٹکڑے ہو جائے تو ہم مان جائیں گے۔ کیونکہ جادوگر آسمان پر اپنا جادو نہیں چلا سکتا۔ اگر آپ ﷺ نے یہ کر دیا تو واقعی آپ نبی ہیں۔ آپ انہیں لیکر ابو القبیص پہاڑ پر گئے وہاں آپ نے تمام کفار مکہ کے سامنے چوبدویں کے چاند کی طرف انگلی کا اشارہ کیا تو چاند دو ٹکڑے ہو گیا۔ پھر اشارہ فرمایا تو دونوں ٹکڑے آپس میں مل گئے۔ یہ منظر پوری دنیا میں دیکھا گیا کہ چاند دو ٹکڑے ہوا آپ نے فرمایا اچھی طرح دیکھ لو۔ پھر واپس آ کر دونوں ٹکڑے آپس میں مل گئے۔ پھر حضور ﷺ نے فرمایا گواہ ہو جاؤ۔

(آیت نمبر ۲) اور اگر قریش اللہ تعالیٰ کی آیات میں سے کوئی آیت دیکھ لیں جو اللہ تعالیٰ کی قدرت کی نشانی ہو۔ جو حضور ﷺ کی صدق نبوت پر دلیل ہو۔ جیسے معجزہ شق القمر یا دیگر معجزات جو کفار نے کئی بار دیکھے۔ فائدہ: تمام کفار کی عادت رہی کہ پہلے معجزہ مانگتے ہیں۔ جب معجزہ دیکھ لیتے ہیں تو پھر روگردانی کر کے یوں کہتے کہ یہ جادو ہے ہمیشہ کا یعنی ایسے لوگوں سے ظاہر ہوتا رہتا ہے۔ یعنی معجزہ کو جادو، اور معجزہ دکھانے والے نبی کو جادوگر کہتے ہیں۔

وَكَذَّبُوا وَاتَّبَعُوا أَهْوَاءَهُمْ وَكُلُّ أَمْرٍ مُسْتَقَرٌّ ۝ وَلَقَدْ جَاءَهُمْ

اور جھٹلایا اور پیروی کی اپنی خواہشات کی اور ہر کام قرار پا گیا۔ اور تحقیق آئیں ان تک

مِّنَ الْأَنْبَاءِ مَا فِيهِ مُزْدَجَرٌ ۝ حِكْمَةٌ بَالِغَةٌ فَمَا تُغْنِ النُّذُرُ ۝ ۵

خبریں جن میں رکاوٹ رہی۔ حکمت ہے پہنچی ہوئی پھر کیا کام دیں ڈرانے والے

فَقَوْلٌ عَنْهُمْ مَدْفُونٌ يَوْمَ يَدْعُ الدَّاعِ إِلَى شَيْءٍ نُكُرٍ ۝ ۶

تو منہ پھیر لیں ان سے۔ جس دن بلائے گا بلانے والا طرف چیز ان دیکھی کے۔

(بقیہ آیت نمبر ۲) فائدہ: معلوم ہوا کہ انہوں نے اس سے پہلے حضور ﷺ سے کئی معجزات دیکھے ہوئے تھے۔

(آیت نمبر ۳) اتنا بڑا عظیم الشان معجزہ دیکھنے کے باوجود انہوں نے خواہشات کی پیروی کی جو انہیں شیطان نے خوبصورت کر کے دکھائیں کہ اتنے بڑے معجزے کو دیکھ کر بھی انہوں نے حسب عادت اسے جادو کہہ دیا اور جھٹلادیا۔ اور یہ پٹی شیطان نے انہیں پڑھائی۔ لیکن آگے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ہر کام اپنی انتہاء کو پہنچ کر قرار پائے گا۔ یعنی انتہاء پر پہنچ کر نتیجہ نکلتا ہے تو نبی کریم ﷺ بالآخر کامیاب ہو گئے اور کفار ذلیل ہو جائیں گے۔

(آیت نمبر ۴) اور البتہ تحقیق آگئی ان اہل مکہ کے پاس خبروں میں سے وہ عظیم خبر جس کا ذکر قرآن مجید میں آ گیا۔ یعنی کفار کیلئے عذاب نار ہے جس میں جھڑک ہے۔ فائدہ: اس سے مراد یا تو سابقہ قوموں کی خبر ہے۔ یا آخرت کی خبریں مراد ہیں۔ یا (مزدجر) کا معنی ہے عذاب کی جگہ یعنی فی نفسہ زجر و توبیح کی جگہ۔ جہاں کفار کو ہمہ وقت جھڑک اور ڈانٹ پڑتی رہے گی۔ پھر جہنم میں انہیں انتہائی ذلت کے ساتھ ڈانٹ ڈپٹ ہوگی۔

(آیت نمبر ۵) یہ حکمت ہے۔ جو اپنی انتہاء تک پہنچتی ہے۔ جس میں کسی قسم کا کوئی خلل نہیں۔ حکمت کا معنی: (۱) عدل۔ (۲) علم۔ (۳) حلم۔ (۴) النہی والقرآن ہے۔ حکمت کا لفظ اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب ہو تو مراد ہے معرفۃ الاشیاء اور انسان کی طرف منسوب ہو تو معنی ہے معرفۃ الموجودات۔ آگے فرمایا۔ انہیں ڈرانے والے کسی چیز سے نہ بچا سکیں گے۔ دوسرے مقام پر فرمایا۔ آیات اور ڈرانے نے انہیں کوئی فائدہ نہ دیا۔

(آیت نمبر ۶) اے محبوب ان سے منہ پھیر لے۔ یعنی معلوم ہو گیا کہ ڈر سنانا ان میں اثر پذیر نہیں۔ نہ اس ڈرانے سے انہیں کوئی فائدہ ہوگا۔ تو ان سے اس وقت تک منہ پھیر لیں جب تک جہاد کا حکم نہیں آتا۔

خُشْعًا أَبْصَارُهُمْ يَخْرُجُونَ مِنَ الْأَجْدَاثِ كَأَنَّهُمْ جَرَادٌ مُنْتَشِرٌ ۖ ﴿٤﴾

جھکائے ہوئے اپنی آنکھوں کو نکلیں گے قبروں سے۔ گویا کہ ٹڈیاں ہیں پھیلی ہوئی

مُهِطِعِينَ إِلَى الدَّاعِ يَقُولُ الْكَافِرُونَ هَذَا يَوْمٌ عَسِرٌ ﴿٥﴾

لپکنے والے طرف بلانے والے کے۔ کہیں گے کفار یہ دن ہے سخت

(بقیہ آیت نمبر ۶) جس دن پکارنے والا پکارے گا۔ اس سے مراد اسرافیل علیہ السلام ہیں۔ کہ جب وہ صحرہ بیت

المقدس پر کھڑے ہو کر دوسری مرتبہ صور میں پھونکیں گے اور سب مردوں کو زندہ ہونے کے بعد فرمائیں گے کہ اللہ تعالیٰ کے حکم پہ جمع ہو جاؤ تو وہ ایک ناگوار چیز کی طرف بلائیں گے۔ ناگوار چیز سے مراد قیامت کی ہولناکی ہے۔ یا حساب و کتاب۔

(آیت نمبر ۷) نگاہیں جھکی ہوئی ہوں گی جب وہ اپنی اپنی قبروں سے نکلیں گے۔ یعنی عذاب و حساب سامنے

دیکھ کر یہ حالت ہوگی۔ ویسے تو پورا بدن ہی عجز و انکساری میں ہوگا۔ لیکن خوف اور حیاء کا اظہار زیادہ تر آنکھوں سے ہی ہوتا ہے۔ آگے فرمایا کہ قبروں سے یوں نکلیں گے۔ گویا وہ ٹڈیاں ہیں پھیلی ہوئی۔ یعنی جسے وہ بلوں سے نکل کر ہر طرف پھیل جاتی ہیں۔ اس طرح لوگ ہر طرف پھیلے ہوں گے۔ ہر ایک اپنے انجام کے خوف سے پریشان ہوگا۔

(آیت نمبر ۸) یوں ہی بلانے والے کی طرف دوڑنے والے ہوں گے۔ گردن اوپر کئے ہوئے۔ یعنی ایک

طرف نگاہیں لگائیں گے۔ دوسری طرف دیکھیں گے بھی نہیں اور کہہ رہے ہوں گے کافر لوگ۔ کہ یہ دن ہم پر بہت تنگ اور سخت ہے۔ قبروں سے نکلنے کے بعد چالیس سال تک کھڑے کھڑے ہی گزر جائیں گے۔

نکتہ: اس تنگی کی نسبت کفار کی طرف کی گئی۔ اس لئے کہ مومن لوگ تو ایمان اور عمل صالح کی وجہ سے اس تنگی

اور سختی سے محفوظ ہوں گے۔ بعض تو ایسے امن والے ہوں گے کہ جن کی شان دیکھ کر انبیاء اور شہداء بھی رشک کر رہے

ہوں گے۔ **فائدہ:** انبیاء کرام علیہم السلام کو اپنی جان کا نہیں۔ بلکہ اپنی اپنی امت کا غم ہوگا۔ ہمارے آقا صلی اللہ علیہ وسلم تو فرما رہے

ہوئے رب سلم (امتی) اپنی ذات کے لحاظ سے عام ایمان والوں سے انبیاء کرام علیہم السلام زیادہ امن میں ہونگے۔ اسی لئے

اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں فرمایا: ”لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ“ کہ اہل ایمان کو بروز قیامت نہ کسی چیز کا ڈر

ہوگا۔ نہ وہ غم کھائیں گے۔

كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوحٍ فَكَذَّبُوا عَبْدَنَا وَقَالُوا مَجْنُونٌ وَازْدُجِرَ ⑨

جھٹلایا ان سے پہلے قوم نوح نے تو جھٹلایا ہمارے بندے کو اور کہا کہ دیوانہ ہے اور جھڑکا۔

فَدَعَا رَبَّهُ أَنِّي مَغْلُوبٌ فَانتَصِرُ ⑩

تو اس نے دعا کی اپنے رب سے بے شک میں مغلوب ہوں میرا بدلہ لے۔

(آیت نمبر ۹) اس سے پہلے قوم نوح نے نوح علیہ السلام کی تکذیب کی۔

فائدہ: اس میں حضور ﷺ کو تسلی دی جا رہی ہے کہ اے محبوب آپ کی قوم اگر تکذیب کر رہی ہے تو یہ کوئی انوکھی بات نہیں اس سے پہلے قوم نوح نے ہمارے پیارے بندے نوح کو جھٹلایا۔ (اور ساڑھے نو سو سال تک جھٹلاتے رہے۔ بالآخر جناب نوح علیہ السلام نے اپنی مدد کیلئے ہمیں پکارا تو ہم نے قوم کو طوفان میں غرق کر دیا۔) ان کی قوم نے جناب نوح کے متعلق کہا کہ تم مجنون ہو۔ یعنی انہوں نے صرف جھٹلایا ہی نہیں بلکہ نوح علیہ السلام کو مجنون کہا۔ اور سخت جھڑک دی۔ **فائدہ:** بعض لوگ جھوٹ بولتے ہیں تو بھی ان کی بات میں وزن ہوتا ہے یا عقل کے مطابق بات ہوتی ہے۔ یہ بات نوح علیہ السلام کے متعلق تو بالکل ہی ناقابل قبول ہے اور پھر تکذیب ہی نہیں کی بلکہ نوح علیہ السلام کو جھڑک کر تبلیغ سے منع کیا بلکہ برا بھلا کہا۔ مارا پیٹا۔ کبھی گلا گھونٹ دیا۔ اور دھمکیاں دیں کہ آئندہ تبلیغ کی تو تمہیں سنگسار کر دیں گے وغیرہ۔ **فائدہ:** یہ مصائب و آلام تو ہر داعی حق کی طرف (بلانے والے پر)۔ جھٹلانے والوں باطل پرستوں کی طرف سے آئے ایسا ہی معاملہ ہرنبی کے ساتھ ہوا ہے لیکن اہل حق نے کبھی ہمت نہیں ہاری۔

(آیت نمبر ۱۰) تو جناب نوح علیہ السلام نے اپنے رب کو پکارا۔ یعنی درد بھرے انداز سے عرض کی کہ اے میرے رب بے شک میں مغلوب ہوں۔ یعنی کفار قوم کی کثرت نے مجھے مغلوب کر دیا۔ میں ان سے بدلہ نہیں لے سکتا۔ لہذا اے میرے رب تو ہی ان سے بدلہ لے۔ **فائدہ:** یعنی جب نوح علیہ السلام اپنی قوم سے مایوس ہو گئے کہ اتنی بڑی محنت و مشقت کے باوجود بھی وہ ایمان نہیں لائے۔ نیز اللہ تعالیٰ نے بھی فرما دیا کہ اب تیری قوم سے اور کوئی بھی ایمان نہیں لائے گا۔ اور ادھر یہ حالت ہوئی کہ جو کافر آتا۔ وہ آ کر آپ کا گلا گھونٹ دیتا یا کوئی اور ایسی اذیت دیتا کہ آپ بے ہوش ہو جاتے۔ ساڑھے نو سو سال قوم کی اذیتیں برداشت کرتے رہے۔ بالآخر آپ نے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں قوم کیلئے بدو عافرمائی۔ اور اللہ تعالیٰ نے نوح علیہ السلام کی بددعا سے پوری قوم پر تباہی پھیر دی کہ پھر ان کافروں کا نہ فرد بچا نہ گھر بچا سب تباہ و برباد ہو گئے۔

فَفَتَحْنَا أَبْوَابَ السَّمَاءِ بِمَاءٍ مُنْهَمِرٍ ۝۱۱ وَفَجَرْنَا الْأَرْضَ عُيُونًا

تو ہم نے کھول دیئے دروازے آسمان کے پانی زور سے بہنے والے سے۔ اور جاری کر دیئے زمین کے چشمے

فَالْتَقَى الْمَاءُ عَلَى أَمْرٍ قَدْ قُدِرَ ۝۱۲ وَحَمَلْنَاهُ عَلَى ذَاتِ الْأَوَاحِ وَدُسِّرَ ۝۱۳

تو مل گئے پانی حکم پر جس کا اندازا مقدر تھا۔ اور سوار کیا اسے تختوں کیلوں والی پر۔

تَجْرِي بِأَعْيُنِنَا ۝ جَزَاءً لِّمَنْ كَانَ كُفِرًا ۝۱۴

وہ چلتی تھی ہمارے سامنے۔ صلہ ہے اس کا جس کا انکار کیا گیا۔

(آیت نمبر ۱۱) ہم نے آسمان کے دروازے عذاب کیلئے کھول دیئے اور ہر طرف سے پانی جاری ہو گیا۔ ایسا پانی جو تیز برسنے والی بارش سے بھی زیادہ تیز تھا۔ جیسے مشکیزہ سے پانی تیزی کے ساتھ نکل پڑے اور رکنے کا نام بھی نہ لے تو قوم نوح پر چالیس دن تک مسلسل پورے زور سے پانی چلتا رہا جو برف کی طرح ٹھنڈا اور سفید تھا۔

(آیت نمبر ۱۲) زمین سے بھی ہم نے پانی کے چشمے چلا دیئے۔ گویا پوری زمین ہی چشمہ بن گئی۔ پانی بھی کھولتے ہوئے پانی کی طرح گرم تھا۔ تو دونوں پانی آپس میں مل گئے۔ یعنی زمین و آسمان کا پانی ایسے مل کر جمع ہوئے کہ پہاڑوں سے بھی بہت بلند ہو گیا اور وہ پانی مقدر کرنے والے کے حکم سے ایک مقدار کے مطابق تھا۔ یہاں تک کہ پوری قوم اس میں غرق ہو گئی۔ عذاب کا اثر یہ ہوا کہ آج تک ہر تیس سال میں اس طوفان کا اثر سیلاب کی شکل میں ضرور ظاہر ہوتا ہے۔ جس میں بستیاں اور گھر بہہ جاتے ہیں۔

(آیت نمبر ۱۳) اور ہم نے نوح علیہ السلام اور ان پر ایمان لانے والوں کو تختوں والی کشتی پر سوار کیا جو چوڑی چوڑی تختیوں سے تیار کی گئی۔ وہ کشتی سا گوان کے درخت سے بنائی گئی تھی اور جوڑنے کیلئے میخیں لگائی گئیں اور میخوں سے اسے مضبوط کر دیا گیا۔ چونکہ کشتی حکم الہی کے تحت تیار کی گئی اور نوح علیہ السلام نے اپنے ہاتھ سے بنائی تھی۔

(آیت نمبر ۱۴) کشتی بنی بھی ہماری نگرانی میں اور چلتی تھی ہماری آنکھوں کے سامنے یعنی ہماری زیر نگرانی میں اور یہ طوفان بدلہ تھا اس کا جو احکام الہی کا انکار کیا گیا تھا۔ اور اس قوم کے کفرانِ نعمت کی انہیں سزا دی گئی چونکہ اللہ تعالیٰ کے نبی جناب نوح علیہ السلام ان کے پاس اللہ تعالیٰ کی نعمت تھے۔ جس کی کفار نے ناقدری کی اور اللہ تعالیٰ کی ناشکری کی ہر نبی اپنی امت کیلئے نعمت اور رحمت بن کر آتا ہے۔

وَلَقَدْ تَرَكْنَهَا آيَةً فَهَلْ مِنْ مُدَكِّرٍ ۝۱۵ فَكَيْفَ كَانَ عَذَابِي وَنُذْرٍ ۝۱۶

اور تحقیق ہم نے چھوڑی نشانی تو کیا ہے کوئی دھیان دینے والا۔ پھر کیسے ہوا میرا عذاب اور ڈرانا۔

وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْآنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُدَكِّرٍ ۝۱۶

اور تحقیق آسان کیا قرآن کو یاد کیلئے تو کیا ہے کوئی یاد کرنے والا۔

(آیت نمبر ۱۵) اور البتہ تحقیق چھوڑ دی ہم نے نشانی تاکہ جو بھی اس واقعہ سے آگاہ ہو یا کشتی دیکھے تو اسے عبرت حاصل ہو۔ (اللہ تعالیٰ نے کفار کے پتھروں سے بنے ہوئے مکان بے نام و نشان کر دیئے اور کشتی نوح جو لکڑی کی بنی ہوئی تھی۔ آج ۲۰۱۷ء میں بھی سلامت موجود ہے)۔ یہ معجزہ تھا جناب نوح علیہ السلام کا ورنہ کشتیاں چند سالوں کے بعد بے نام و نشان ہو جاتی ہیں۔ آگے فرمایا کہ کیا ہے کوئی اس سے نصیحت حاصل کرنے والا جو اللہ تعالیٰ سے ڈر کر اس کی نافرمانی سے باز آ جائے۔

(آیت نمبر ۱۶) یہ استفہام تعظیم کیلئے یا تعجب دلانے کیلئے ہے۔ یعنی وہ ایسا خوف ناک عذاب جس کا وصف بیان نہیں ہو سکتا۔ نذر نذیر کی جمع ہے۔ یعنی انبیاء کرام علیہم السلام کا امتوں کو ڈرانا ان پر رحمت و شفقت کے لئے تھا کہ لوگ گناہوں سے باز آئیں اور عذاب سے بچ جائیں اور یہ رحمت ان پر سالہا سال رہی۔ مگر انہوں نے اس کی قدر نہیں کی۔ پھر جب عذاب آیا۔ تو ان کے بتوں نے کوئی نفع نہ دیا۔ دیکھتے ہی دیکھتے وہ تباہ و برباد ہو گئے۔

(آیت نمبر ۱۷) قسم کھا کر بتایا گیا کہ ہم نے تو قرآن کو بہت آسان کیا یعنی اے محبوب ہم نے اس قرآن کو آپ کی قومی زبان کے مطابق اتارا۔ پھر تمہاری زبان سے نکلنے کے بعد اور بھی آسان کر دیا۔ اور اس میں طرح طرح کی نصیحتیں اور عبرتیں رکھ دیں۔ تاکہ سمجھنے میں اور زیادہ آسانی ہو۔ تو کیا کوئی ہے۔ اس سے نصیحت حاصل کرنے والا۔

فائدہ: یہ آیت چار واقعات بیان کرنے کے بعد لائے۔ یعنی چاروں واقعات سبق آموز ہیں۔ اگر کوئی ان سے نصیحت حاصل کرے۔ یا یہ معنی ہے کہ ہم نے قرآن کو بہت آسان کر دیا۔ کیا ہے کوئی اسے یاد کرنے والا۔ اور واقعی اتنی جلدی یاد ہونے والی اتنی بڑی کتاب اور کوئی نہیں جو بڑی بھی ہو اور جلدی یاد بھی ہو۔ یہ اس قرآن پاک کا ہی معجزہ ہے۔ امام محمد رحمہ اللہ نے ایک ہفتہ بھر میں اسے مکمل یاد کر لیا۔ ایسے سینکڑوں اور بھی واقعات ہیں۔ قاضی

كَذَّبَتْ عَادٌ فَكَيْفَ كَانَ عَذَابِي وَنُذْرٍ ۝۱۸ إِنَّا أَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِيحًا

جھٹلایا قوم عاد نے تو کیسے ہوا میرا عذاب اور ڈرانا۔ بے شک ہم نے بھیجی ان پر آندھی

صُرُصْرًا فِیْ یَوْمٍ نَّخْسِ مُسْتَمِرٍّ ۝۱۹ تَنْزِعُ النَّاسَ ۖ كَانَهُمْ اَعْجَازُ

سخت ایسے دن سے جس کی نحوست ہمیشہ ہے گراتی لوگوں کو گویا وہ ٹنڈ ہیں

نَخْلٍ مُنْقَعِرٍ ۝۲۰

کھجور اکھڑی کے۔

(آیت نمبر ۱۸) قوم عاد نے بھی اپنے پیغمبر حضرت ہود علیہ السلام کی تکذیب کی تو پھر کیسا ربا میرا عذاب اور ڈرنا۔ یہ ان کے عجیب حال کو بیان کیا گیا تا کہ پتہ چلے کہ وہ اس قدر نالائق تھے کہ اس قدر عذاب اور انداز کے باوجود بھی ان کا حال جوں کا توں رہا گویا یوں کہا جا رہا ہے کہ عاد نے تکذیب کی تو اب تم سنو انہیں جب انداز کا کوئی اثر نہ ہوا اور گناہوں اور نافرمانی میں حد سے بڑھے۔ تو تو پھر ان پر عذاب آیا تو پھر کیا بتائیں۔ کہ وہ کیسا تھا ہمارا عذاب۔

(آیت نمبر ۱۹) بے شک ہم نے ہی ان پر تیز آندھی بھیجی جو سخت تیز اور بٹھنڈی تھی۔ جسے دہور کہا جاتا ہے۔ جو ایک نخس دن میں چلی یعنی وہ دن نخس تھا کافروں کیلئے (مسلمانوں کیلئے نہیں)۔ جیسا کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا۔ **فائدہ:** بعض لوگ ہر نیا کام بدھ سے شروع کرتے ہیں۔ پنجابی میں کہا جاتا ہے (بدھ اور ہر کام سدھ)۔ یہ نحوست ان پر چھ دن تک لگا تار چھائی رہی۔ یہاں تک کہ وہ سب کے سب تباہ و برباد ہو گئے۔ یا یہ معنی ہے کہ وہ عذاب ان کے چھوٹے بڑوں سب کو شامل تھا کہ ان میں کوئی نہ بچا۔ **فائدہ:** مروی ہے کہ عذاب کا آخری دن بدھ تھا۔

(آیت نمبر ۲۰) وہ ہوا لوگوں کو گھروں سے نکال نکال کر مار رہی تھی۔ **فائدہ:** مروی ہے کہ انہوں نے کھڑے کھودے خندقیں بنائیں اپنے بعض کو بعض سے باندھا بھی۔ لیکن آندھی نے سب کو بچ بچ کر مار دیا۔ **فائدہ:** مقاتل نے لکھا ہے کہ ہوانے ان کے گھروں میں داخل ہو کر ان کی روئیں نکالیں۔ حتیٰ کہ جو غاروں میں چھپے ہوئے تھے۔ ہوا نے ان کا بھی پیچھا کر کے انہیں تباہ کر دیا۔ ایک اور مقام پر فرمایا۔ کیا ان میں کوئی بچ رہا۔ **فائدہ:** امام کلینی فرماتے ہیں کہ ستر ستر گز کا ایک ایک آدمی تھا۔ جب وہ مر کر گرتے تو ایسے معلوم ہوتا کہ وہ کھجور کے ٹنڈ پرے ہیں۔ ان کو جب ان کے نبی علیہ السلام نے بتایا کہ تم پر ہوا کا عذاب آئیگا تو وہ ٹھٹھہ محول کر کے کہنے لگے ہوا ہمارا کیا بگاڑ سکے گی۔

فَكَيْفَ كَانَ عَذَابِي وَنُذُرِ ۝۲۱ وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْآنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُدَكِّرٍ ۝۲۲

تو کیسا تھا میرا عذاب اور ڈرانا۔ اور تحقیق آسان کیا ہم نے قرآن یاد کیلئے تو کیا ہے کوئی یاد کرنے والا۔

كَذَّبَتْ ثَمُودُ بِالنُّذُرِ ۝۲۳ فَقَالُوا أَبَشَرًا مِمَّنَّا وَاحِدًا نَتَّبِعُهُ ۚ إِنَّا

جھٹلایا ثمود نے ڈرانے والوں کو۔ تو انہوں نے کہا کیا ایک انسان ہم میں سے ہم اس کی پیروی کریں پھر تو ہم

إِذَا لَفِيَ ضَلَلٍ وَسُعُرٍ ۝۲۴

ضرور گمراہی میں اور دیوانے ہیں

(آیت نمبر ۲۱) تو پھر کیسا رہا میرا عذاب میرا ڈر۔ یہ گویا کلمہ تعجب ہے۔ اس سورۃ میں اس کلمہ کا تکرار اس لئے ہے کہ دنیا کا عذاب الگ قبر کا عذاب الگ اور آخرت کا عذاب الگ ہے۔ دنیا والا عذاب بھی رسوا کن ہے۔ قبر کا اس سے زیادہ اور آخرت کا عذاب اس سے بھی زیادہ رسوا کرنے والا ہے۔ بعض بزرگوں نے فرمایا۔ پہلے (کیف کان) ان کی ہلاکت سے پہلے کہا گیا اور دوسری مرتبہ ان کی ہلاکت کے بعد کہا گیا پچھلوں کو ڈرانے کیلئے کہا گیا۔

(آیت نمبر ۲۲) اور البتہ تحقیق ہم نے قرآن کو آسان کر دیا۔ ہے کوئی اسے یاد کرنے والا یا نصیحت حاصل کرنے والا۔ سبق: عقل والے پر لازم ہے۔ اس نصیحت والی کتاب سے نصیحت حاصل کرے اور اس بڑی نشانی سے عبرت حاصل کرے۔ مسئلہ: اگر کوئی عین سکرات کے وقت ایمان لائے یا اس وقت توبہ کرے تو نہ اس کا ایمان قبول ہوگا نہ توبہ۔ فائدہ: قوم عاد کی تباہی اس سبب سے بھی ہوئی کہ انہیں اپنی قوت پر بڑا گھمنڈ تھا۔ اسی لئے ان پر عذاب کے طور پر آندھی بھیجی اور ان کے اس گھمنڈ کو ختم کر دیا حتیٰ کہ ان کی جڑ ہی کٹ گئی تاکہ آنے والوں کیلئے عبرت ہو اور انہیں معلوم ہو کہ اصل طاقت کا مالک اللہ تعالیٰ ہے۔

(آیت نمبر ۲۳) قوم ثمود نے ڈرانے والوں کو جھٹلایا۔ صالح علیہ السلام یا دیگر انبیاء کرام علیہم السلام کو جھٹلایا۔ چونکہ ایک نبی کو جھٹلانا کل انبیاء کرام علیہم السلام کو جھٹلانا ہے کیونکہ تمام انبیاء کرام علیہم السلام کے بتائے ہوئے عقائد اور اصول ایک ہی تھے۔

(آیت نمبر ۲۴) تو ان کافروں نے کہا۔ کیا ایک بشر جو ہم ہی میں سے ہے۔ یعنی ہماری جنس انسانوں سے ہے۔ اور وہ اکیلا ہے۔ اس کے ساتھ کوئی دوسرا نہیں جو اس کی تابعداری کرے اور وہ ہے بھی عام لوگوں سے کوئی اسے مالدار یا سرداری یا نمبرداری وغیرہ کا شرف بھی حاصل نہیں ہے۔ یعنی کوئی مال دولت بھی نہیں۔ لہذا ہم اس کی کیوں بات مانیں۔

ءَالْقَى الذِّكْرُ عَلَيْهِ مِنْ بَيْنِنَا بَلْ هُوَ كَذَّابٌ أَشِرُّ ۝۲۵

کیا اتارا گیا ذکر اس پر ہمارے درمیان۔ بلکہ یہ تو بہت جھوٹا شیخی باز ہے۔

سَيَعْلَمُونَ غَدًا مِّنَ الْكَذَّابِ الْاَشِرِّ ۝۲۶

جلد جان لیں گے کل ہی کہ کون بڑا جھوٹا اور شیخی باز ہے۔

(بقیہ آیت نمبر ۲۴) **فائدہ:** یعنی اس نبی کا ہمارے ہم جنس ہونا اور اس کا اس مذہب پر اکیلا ہونا ہی ہمیں اس بات سے روکتا ہے کہ ہم اس کی پیروی کریں اور اگر ہم بالفرض والتقدیر اس کی پیروی کریں جبکہ وہ اکیلا ہے اور ہم بہت بڑی جماعت والے ہیں اور یہ کوئی بڑے عہدے والا یا بادشاہ بھی نہیں۔ جیسا کہ کفار عموماً یہ کہتے تھے کہ رسول تو وہ ہونا چاہئے جو دولت والا یا جاگیر والا ہو۔ یا کسی بڑے عہدے والا ہو۔ تاکہ ہمیں وہاں کھانا وغیرہ ہمہ وقت ملتا رہے۔

فائدہ: گویا وہ بشریت اور رسالت کو ضدین سمجھتے تھے اس لئے وہ کہتے تھے کہ اس کے باوجود ہم اس کی پیروی کریں پھر تو ہم پر لے درجے کے گمراہ اور پاگل ہیں۔ یعنی یہ بات عقل سے بھی بہت بعید ہے۔

(آیت نمبر ۲۵) کیا ہمارے ہوتے ہوئے اسی پر کتاب بھیجی گئی۔ یہاں ذکر بمعنی وحی یا کتاب ہے۔ یعنی ہم لوگ اس کے زیادہ مستحق ہیں۔ اس لئے کہ ہمارے پاس مال کی بھی فراوانی ہے اور ہمارے حالات بھی بہتر ہیں۔ پھر یہ آل ثمود کو رسالت کیلئے کیوں چنا گیا۔ مزید آگے کہنے لگے۔ یہ تو جھوٹا ہے۔ (معاذ اللہ) اور یہ خود پسند ہے۔ یہ کہتے ہیں کہ میں رسول ہوں بلکہ اصل بات یہ ہے کہ یہ تو ایسے ایسے ہے (معاذ اللہ جو منہ میں آیا ان کے متعلق بکواس کیا)۔ اس کی خود پسندی نے اسے ہم پر ابھارا ہے۔ جو ایسا ایسا دعویٰ کرتا ہے۔ اثر اسم فاعل کا صیغہ ہے۔ یعنی خود پسند۔ جنگ جو۔ معمولی سوچ کا مالک اور سرکش گھوڑے کو بھی فرس اثر کہتے ہیں۔

(آیت نمبر ۲۶) عنقریب کل ہی جان لیں گے کون ہے جو بہت بڑا جھوٹا اور خود پسند ہے۔ یہ گویا حکایت ہے جو صالح علیہ السلام نے قوم کو وعدہ وعید کے طور پر کہی اور اس سے نزول عذاب کا وقت مراد ہے جو زمانہ مستقبل میں ہوگا۔ اس سے کوئی خاص مقررہ دن مراد نہیں ہے۔ اور نہ ہی اس سے قیامت کا دن مراد ہے۔ یعنی عنقریب جلد ہی انہیں پتہ چل جائیگا کہ سب سے بڑا جھوٹا اور خود پسند کون ہے۔

إِنَّا مُرْسِلُوا النَّاقَةِ فِتْنَةً لَّهُمْ فَارْتَقِبْهُمْ وَاصْطَبِرْ ۚ (۲۷)

بے شک ہم بھیجنے والے ہیں اونٹنی جو امتحان ہے ان کا تو اس کو دیکھ اور صبر کر۔

وَنَبِّئُهُمْ أَنَّ الْمَاءَ قِسْمَةٌ بَيْنَهُمْ ۖ كُلُّ شَرْبٍ مُّحْتَضَرٌ ۚ (۲۸)

اور بتائیں انہیں کہ بے شک پانی تقسیم ہے ان میں۔ ہر پینے والا وقت پر حاضر ہو۔

فَنَادُوا صَاحِبَهُمْ فَتَعَاطَى فَعَقَرَ (۲۹)

تو انہوں نے آواز دی اپنے ساتھی کو تو اس نے اس کی کوچیں کاٹ دیں۔

(آیت نمبر ۲۷) ہم اس سامنے والے پہاڑ سے اونٹنی نکالنے والے ہیں۔ واقعہ: مروی ہے کہ کفار نے سرکشی کے طور پر صالح علیہ السلام سے کہا۔ اس پہاڑ کے کونے والے پتھر سے سرخ رنگ کی اونٹنی نکال دے جو بچہ جننے والی ہو۔ اللہ تعالیٰ نے صالح علیہ السلام کے مانگنے پر وحی بھیجی کہ جیسے تم نے کہا ہم ایسی ہی اونٹنی نکال دیں گے۔ جو تمہارا معجزہ ہوگا اور اس میں قوم کی یہ آزمائش و امتحان ہوگا۔ لہذا اب انتظار کریں۔ یعنی اس امتحان میں جو مصائب آئیں گے ان پر صبر کریں۔

(آیت نمبر ۲۸) اور انہیں بتادیں کہ بے شک پانی ان کے درمیان تقسیم شدہ ہے۔ یعنی ایک دن سارا پانی اونٹنی کا ہے وہ پئے گی اور ایک دن ان سب کیلئے ہے۔ ہر ایک کی جو پانی پینے کی باری ہے۔ اس دن اور اس وقت وہ کنویں پر حاضر ہو جائے۔ فائدہ: چونکہ اونٹنی عظیم الجثہ تھی۔ ایک دن کنویں کا سارا پانی وہ پی لیتی تھی اور ایک دن سب لوگ اپنے برتن بھر لیتے تھے۔ پانی چونکہ اتنا ہی تھا کہ یا اونٹنی کو پورا ہوتا تھا۔ یا لوگوں کی ضرورت پوری ہوتی تھی۔ اس وجہ سے لوگ نالاں تھے اور دوسری بات یہ کہ اونٹنی کو دیکھ کر باقی جانور بھاگ جاتے تھے۔ اور لوگوں کو جانور اکٹھے کرنے میں دقت تھی۔

(آیت نمبر ۲۹) تو لوگوں نے اپنے ساتھی قد ار بن سالف کو آواز دی۔ یہ شخص پوری قوم میں بہت بڑا منحوس تھا۔ اس بڑے بد بخت نے اونٹنی کی کوچیں کاٹ دیں۔ یہ چھوٹے قد کا بڑا شیطان اور شرارتی تھا۔ نیلی آنکھوں والا سرخ رنگ والا۔ قیامت تک اس کی نحوست دنیا میں رہے گی۔ جو آیا اور اونٹنی کی کوچیں کاٹ دیں اور اتنی بڑی جرات کی اور پوری قوم کیلئے عذاب کا سبب بنا۔ سب سے بڑے دو بد بخت: حضور ﷺ نے فرمایا۔ اے علی۔ دو شخص اس کائنات میں سب سے بڑے بد بخت ہیں۔ (۱) جس نے صالح علیہ السلام والی اونٹنی کو قتل کیا۔ (۲) جو تجھے شہید کرے گا۔

فَكَيْفَ كَانَ عَذَابِي وَنُذْرِي ۝ اِنَّا ارْسَلْنَا عَلَيْهِمْ صَيْحَةً وَاحِدَةً فَكَانُوا

پھر کیسے ہوا میرا عذاب اور ڈرانا۔ بے شک ہم نے بھیجی ان پر چٹھاڑ ایک ہی تو ہو گئے

كَهَشِيمٍ الْمُحْتَظِرِ ۝ وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْآنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُدَكِّرٍ ۝

مثل گھاس خشک روندی ہوئی کے۔ اور تحقیق آسان کیا ہم نے قرآن یاد کیلئے تو کیا ہے کوئی یاد کرنے والا

(بقیہ آیت نمبر ۲۹) فائدہ: کاشفی لکھتے ہیں۔ اصل میں اس کے پیچھے بھی ایک صدوق نامی عورت محرک تھی۔

اس کے جانور اونٹنی کو دیکھ کر بھاگ جاتے۔ اس نے قد ار کو لالچ دی کہ اپنے ساتھ یا لڑکی کے ساتھ تیرا نکاح کر دوں گی کہ تو اس اونٹنی کو مار دے تو اس نے یہ ظلم کیا۔ اونٹنی کے بچہ کے بارے میں مختلف روایات ہیں۔ مشہور یہی ہے کہ اسے بھی قتل کر دیا گیا۔

(آیت نمبر ۳۰) پھر کیسا رہا میرا عذاب اور ڈر سنانا۔ یعنی انہیں ان کے اس قبیح کر توت پر مکمل سزا دی گئی۔

تیسرے دن میں ان کی شکلیں بدلیں اور چوتھے دن عذاب آ گیا کہ جبریل امین کی ایک چیخ سے ان کے دل پھٹ گئے۔ اگر وہ اونٹنی کو نہ مارتے تو ان کو عذاب بھی نہ ہوتا۔

(آیت نمبر ۳۱) بے شک ہم نے ان پر ایک ہی گرج بھیجی تو وہ اس ایک چیخ سے سوکھی ہوئی اور روندی ہوئی

گھاس کی طرح ہو گئے۔ حالانکہ وہ اس سے پہلے بڑی رونق میں خوش اور عیش و عشرت میں محو تھے۔ ہیشم نرم چیز کو توڑنا اور خطرہ چھو نہڑا جو درخت وغیرہ سے سردی اور گرمی سے بچانے کیلئے اونٹ کے واسطے تیار کیا جائے اور اس پر خشک گھاس ڈال کر اسے تیار کیا جائے۔

(آیت نمبر ۳۲) اور البتہ تحقیق ہم نے قرآن کو یاد کرنے کیلئے آسان کر دیا ہے کوئی اس قرآن سے نصیحت

حاصل کرنے والا ہے۔ یا کوئی اسے یاد کرنے والا ہے۔

فائدہ: لہذا جو بندہ اہل ذکر ہوتا ہے یا اہل قرآن ہوتا ہے۔ اسے شہود جمعی نصیب ہو جاتا ہے۔ نفس کے مکر

و فریب سے ڈرنا چاہئے۔ اسی لئے حضور ﷺ دعا میں عرض کرتے۔ یا اللہ مجھے نفس کے سپرد نہ کرنا ایک لمحہ کیلئے بھی۔ ہم اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں کہ وہ ہمیں عالم با عمل اور ادیب با ادب بنائے۔ بحق سید المرسلین۔

كَذَّبَتْ قَوْمُ لُوطٍ بِالنُّذْرِ ۖ ﴿٣٣﴾ إِنَّا أَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ حَاصِبًا إِلَّا آلَ لُوطٍ ۗ

جھٹلایا قوم لوط نے ڈرانے والوں کو۔ بے شک ہم نے برسائے ان پر پتھر مگر گھر لوط کے۔

نَجَّيْنَاهُمْ بِسَحَرٍ ۖ ﴿٣٤﴾ نِعْمَةٌ مِّنْ عِنْدِنَا ۚ كَذَلِكَ نَجْزِي مَنْ شَكَرَ ۖ ﴿٣٥﴾

نجات دی انہیں سحری کے وقت۔ یہ احسان تھا ہماری طرف سے اسی طرح ہم صلہ دیتے ہیں جو شکر کرے۔

(آیت نمبر ۳۳) لوط علیہ السلام کی قوم نے بھی ڈرانے والوں کو جھٹلایا۔ یعنی اپنے انبیاء کرام علیہم السلام کی تکذیب کی (گرچہ ان کے پاس صرف لوط علیہ السلام ہی تشریف لائے لیکن ایک نبی کو جھٹلانا گویا سب کو جھٹلانا ہے)۔

(آیت نمبر ۳۴) بے شک ہم نے ان پر پتھر اڑا دیا۔ یعنی ہوا میں پتھر اڑا کر ان کے سروں پر لگے۔ علامہ اسماعیل حقی رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔ چونکہ انہوں نے نطفہ غیر محل میں ڈالا۔ لہذا اللہ تعالیٰ نے بھی ان پر پتھروں کا عذاب بھیجا۔ چوں کہ جرم بہت بڑا تھا۔ لہذا سزا بھی انہیں سخت دی گئی۔

فائدہ: اسی لئے امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے فرمایا کہ لوطی آدمی کو پتھروں سے سنگسار کیا جائے۔ پتھروں کا عذاب آنے کی دوسری وجہ یہ بھی ہے کہ وہ راہ گزرنے والوں کو کنکریاں مارتے تھے۔

آگے فرمایا۔ مگر جناب لوط کے گھر والے جو عذاب سے بچ گئے۔ اس سے مراد آپ کی صاحبزادیاں اور جو لوگ ایمان لائے۔ انہیں ہم نے سحری کے وقت بچا کر نکال لیا۔

فائدہ: اللہ تعالیٰ نے لوط علیہ السلام کو حکم فرمایا کہ آپ رات کے وقت گھر والوں کو لے کر یہاں سے چلے جائیں تو آپ سحری کے وقت نزول عذاب سے چند گھڑی پہلے نکل گئے اور آپ پر ایمان لانے والے بھی آپ کے ساتھ ہی وہاں سے چلے گئے۔

(آیت نمبر ۳۵) ہماری طرف سے یہ بھی اہل ایمان پر انعام تھا کیونکہ عذاب سے بچ نکلنا بھی اللہ تعالیٰ کے انعامات میں سے ہے۔ اسی طرح ہم اچھا بدلہ دیتے ہیں اس کو جو ہمارا شکر گزار ہو۔ یعنی ہمارا انعام ان کو ہی ملتا ہے۔ جو ہم پر ایمان لائے اور ہماری اطاعت کرے۔ ایمان و طاعت کے بغیر انعام نہیں دیا جاتا۔ اور کفار کی سزا بھی انعام الہی میں داخل ہے۔

وَلَقَدْ أَنْذَرَهُمْ بَطْشَتَنَا فَتَمَارَوْا بِالنُّذُرِ ۝۳۶ وَلَقَدْ رَاوَدُوهُ

اور تحقیق اس نے انہیں ڈرایا ہماری پکڑ سے تو انہوں نے ڈرانے والوں پر شک کیا۔ اور تحقیق درغلانا چاہا

عَنْ ضَيْفِهِ فَطَمَسْنَا أَعْيُنَهُمْ فَذُوقُوا عَذَابِي وَنُذِرِ ۝۳۷

اس کے مہمانوں سے تو میٹ دیں ہم نے ان کی آنکھیں تو چکھو میرا عذاب اور ڈر کا فرمان۔

وَلَقَدْ صَبَّحَهُم بُكْرَةً عَذَابٌ مُسْتَقِرٌّ ۝۳۸

اور تحقیق صبح سویرے ان پر عذاب آیا ٹھہرنے والا۔

(آیت نمبر ۳۶) اور البتہ تحقیق ڈرایا لوط نے ان کو ہماری پکڑ سے۔ یعنی ان کو بتایا کہ ہماری پکڑ سخت ہے جس کے ساتھ عذاب ہے تو انہوں نے ڈر سنانے والوں پر شک کیا۔ پھر تکذیب کی اس لئے وہ عذاب کے مستحق ہو گئے۔

(آیت نمبر ۳۷) البتہ تحقیق انہوں نے اسے درغلایا مہمانوں کے متعلق (راودو) کا معنی ہے۔ کسی کو اپنے ارادہ کی طرف مائل کرنا۔ یعنی انہوں نے لوط علیہ السلام سے یہ چاہا۔ کہ وہ اپنے مہمانوں کو ان کے ساتھ کھلا چھوڑ دیں۔ اور وہ ان کے ساتھ جو مرضی ہے سلوک کریں۔ حالانکہ وہ مہمان فرشتے تھے جو نو جوان خوبصورت لڑکوں کی شکلوں میں آئے تھے لیکن کفار انہیں عام لڑکے سمجھ کر برائی کی نیت سے آئے۔ ان کی بری نیت کو فرشتوں نے پہچان لیا تو لوگوں نے دروازہ توڑ کر جب گھر میں داخل ہونا چاہا۔ تو ایک فرشتے نے پر مار کر ان کی آنکھیں میٹ دیں۔ یعنی آنکھوں کی جگہ پر بھی گوشت آ کر باقی چہرے کے ساتھ برابر کر دیا۔ فائدہ: جبریل امین کے ایک پر سے ہی سب اندھے ہو گئے اور گھر بھی انہیں نہیں مل رہے تھے جب عذاب آیا صبح کے وقت تو اس وقت آواز آئی کہ اب چکھو میرا عذاب اور ڈر سنانا۔

(آیت نمبر ۳۸) اور البتہ تحقیق صبح ہوئی ان کی ایسے عذاب کے ساتھ جس میں پتھر آؤ تھا اور ایسا عذاب جو ٹھہرا ہوا تھا۔ یعنی ان کا پہلا عذاب آنکھوں کا میٹ جانا ابھی قائم اور موجود تھا کہ اوپر سے دوسرا عذاب آ گیا کہ ان کی بستیوں کو اونچا لے جا کر نیچے پھینک دیا اور وہ عذاب آخرت کے عذاب کا ہی حصہ تھا۔ اس کے بعد قبر میں تو قیامت تک عذاب ہی عذاب ہے۔ پھر قیامت کے دن جہنم کا نہ ختم ہونے والا عذاب ہوگا۔

فَذُوقُوا عَذَابِي وَنُذِرِ ۝ وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْآنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُدَكِّرٍ ۝

تو چکھو میرا عذاب اور ڈر کا فرمان۔ اور تحقیق آسان کیا ہم نے قرآن یاد کیلئے تو کیا ہے کوئی یاد کرنے والا۔

وَلَقَدْ جَاءَ آلَ فِرْعَوْنَ النُّذْرُ ۝ كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا كُلِّهَا فَأَخَذْنَاهُمْ أَخَذَ

اور تحقیق آئے فرعونوں کے پاس رسول۔ جھٹلائیں انہوں نے ہماری آیات ہم نے پکڑا انہیں پکڑ

عَزِيزٌ مُّقْتَدِرٌ ۝

غلے اقتدار والی کے ساتھ۔

(آیت نمبر ۳۹) تو چکھو میرا عذاب اور ڈرانا۔ یعنی جیسا تمہارا عمل برا تھا ایسی ہی سزا بھی بری ہوئی (جیسا کرو گے ویسا ہی بھرو گے)۔ ایسے ہی قیامت کے دن کچھ لوگ اندھے ہو کر اٹھیں گے تو پوچھیں گے۔ یا اللہ آج ہم اندھے کیوں ہیں۔ دنیا میں تو ہم دیکھتے تھے تو اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ تم نے میری آیتوں سے منہ پھیرا۔ اس لئے ہم نے تمہیں اسی حال میں چھوڑ دیا۔

(آیت نمبر ۴۰) اور البتہ تحقیق ہم نے قرآن کو آسان کیا۔ کیا کوئی ہے اسے یاد کرنے والا یا نصیحت حاصل کرنے والا۔ اس کی بھی تفصیلات پہلے گزر چکی ہیں۔ اس میں استیناف تنبیہ کیلئے ہے۔ یعنی آگاہ کیا گیا ہے۔ تاکہ اس سے ان پر سہو یا غفلت نہ چھا جائے۔ قرآن مجید میں جہاں بھی زجر و توبہ کا ذکر آیا ہے۔ وہاں تکرار کے ساتھ ہی آیا ہے۔ اور اس تکرار سے قلوب میں قرار حاصل ہوتا ہے اور سینوں میں مضمون خوب سماتا ہے جوں جوں مضمون کا تکرار ہوگا توں توں دل مضبوط اور فہم میں راسخ ہوگا۔

(آیت نمبر ۴۱) اور البتہ تحقیق فرعونوں کے پاس بھی ڈر سنانے والے آئے۔ یعنی جناب موسیٰ علیہ السلام اور جناب ہارون علیہ السلام مراد ہیں۔ انہوں نے آکر فرعون اور اس کی رعیت کو بہت نصیحتیں کیں اور ڈر سنانے کا حق ادا کیا۔ جیسا کہ انبیاء کرام علیہم السلام کا طریقہ ہے۔ ہر طریقے سے انہیں سمجھایا۔ معجزات دکھائے۔

(آیت نمبر ۴۲) لیکن انہوں نے تمام آیات کو جھٹلایا یعنی موسیٰ علیہ السلام ان کے پاس ۹ نشانیاں (معجزے) لے کر آئے۔ باوجودیکہ انہوں نے ہر معجزے کے وقت ہاتھ باندھ کر معافیاں مانگیں اور ایمان لانے کا وعدہ کیا کہ جوں ہی ہماری یہ مصیبت ٹل جائے گی ہم ایمان لے آئیں گے۔ لیکن جوں ہی مصیبت ختم ہوئی وہ پھر گئے اور جھٹلایا۔

اَكْفَارُكُمْ خَيْرٌ مِّنْ اُولٰٓئِكُمْ اَمْ لَكُمْ بَرَاءَةٌ فِى الزُّبُرِ ۝ (۳۳)

کیا تمہارے کفار بہتر ہیں ان سے۔ یا تمہاری برات ہے کتابوں میں۔

اَمْ يَقُولُونَ نَحْنُ جَمِيعٌ مُّنتَصِرٌ ۝ (۳۴)

یا کہتے ہیں ہم سب مل کر بدلہ لیں گے۔

(بقیہ آیت نمبر ۳۲) آگے فرمایا کہ پھر پکڑ کی ہم نے ان کی یعنی عذاب میں مبتلا کیا وہ پکڑ ایسی قوت والی ذات کی تھی کہ جس کے آگے سب عاجز ہیں۔ یعنی انہیں کوئی بچانہ سکا۔ جب وہ بحر قلزم میں غرق ہو رہے تھے۔

نکتہ: اللہ تعالیٰ کی وہ ذات ہے۔ جس نے موسیٰ علیہ السلام کے تابوت کو دریا میں جانے کے باوجود ڈوبنے نہ دیا۔ جبکہ بچنے کا کوئی چانس نہ تھا اور فرعون نے کٹے پانی سے نکلنے کی طاقت رکھنے کے باوجود انہیں نکلنے نہ دیا۔ اسے اخذ عزیز کہتے ہیں۔ جس کی پکڑ سب پر غالب آ جائے۔ فائدہ: قوم لوط کا عذاب اتنا سخت تھا کہ وہ کچھ کر نہیں سکتے تھے۔ ایک تو وہ اندھے ہو گئے۔ دوسرا اتنی بلندی سے گرائے گئے جہاں بچنے کا کوئی بھی چانس نہیں تھا۔ فرعون نے زمین پر تھے۔ مگر کچھ بھی نہ کر سکے۔ نہ ان کے جھوٹے خدا انہیں بچا سکے۔ ماننا پڑے گا کہ سب سے بڑی قدرت و طاقت والی ذات اللہ تعالیٰ کی ہے۔

(آیت نمبر ۳۳) اے اہل عرب بتاؤ کیا تمہارے زمانے والے کفار طاقت سختی اور گنتی کے لحاظ سے بہتر ہیں یا وہ جن کا پیچھے ذکر ہوا۔ جیسے قوم نوح، قوم ہود، قوم صالح، قوم لوط یا فرعون وغیرہ۔ برائی میں تم ان سے بھی آگے۔ اگر وہ نہیں بچ سکے تو تم کیسے بچ سکتے ہو۔ یا کیا تمہارے لئے سابقہ آسمانی کتابوں (صحیفوں) میں برات آگئی ہے۔ جن میں لکھ دیا گیا کہ تم پر عذاب نہیں آئیگا۔ خواہ تم جتنا کفر و نافرمانی کر لو۔ اس وجہ سے تم گناہوں پر ڈٹے ہوئے ہو۔ اگر ہے تو دکھاؤ۔ ورنہ عذاب سے بچنے کا کوئی طریقہ اختیار کرو۔

(آیت نمبر ۳۴) یادہ اپنی جہالت سے یہ کہتے ہیں۔ ہم سب مل کر بدلہ لیں گے۔ یعنی ان کی زبان حال یہ کہہ رہی تھی کہ اگر کچھ ہوا تو ہم بدلہ لیں گے۔ یہ ان کی برائیوں کا ذکر کر کے باقی لوگوں کو عبرت دلائی جا رہی ہے کہ وہ اپنی طاقت کے بل بوتے پر یہ کہا کرتے تھے کہ ہمارا کوئی کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔ نہ ہمیں کوئی نقصان پہنچا سکتا ہے۔ اگر ہم نے بدلہ لیا تو ہم پر کوئی غالب نہیں آ سکتا۔ ابو جہل کی فرعونیت کا یہ حال تھا کہ اس نے حضور ﷺ کو قتل کرنے کیلئے پیشل ایک گھوڑا پال رکھا تھا۔ جس کو خوب دانے کھلاتا تھا۔ لیکن بدر کے دن انتہائی ذلت کے ساتھ وہ مرا۔

سِيْهُزَمُ الْجَمْعُ وَيُوَلُّوْنَ الدُّبْرَ ﴿٣٥﴾ بَلِ السَّاعَةُ مَوْعِدُهُمْ وَالسَّاعَةُ اَدْهٰى وَاَمْرٌ ﴿٣٦﴾

جلد شکست کھائیں گے سب اور پھیر دیں گے پیٹھ بلکہ قیامت پر ہے ان کا وعدہ اور قیامت انتہائی سخت کڑوی ہے

اِنَّ الْمُجْرِمِيْنَ فِيْ ضَلٰلٍ وَّسْعٍ مَّوَدَّ لَازِم ﴿٣٦﴾

بے شک مجرم گمراہ اور دیوانے ہیں۔

(آیت نمبر ۳۵) عنقریب ان کی جماعت شکست کھائے گی۔ اس جمع سے مراد کفار مکہ کی جماعت ہے۔ یعنی جب ان کافروں کی جماعت جنگ میں جائیگی۔ تو یہ شکست کھا کر بھاگیں گے اور باقی قتل اور کچھ قید ہو گئے۔ اللہ تعالیٰ کی مدد اپنے رسول اور اہل ایمان کے ساتھ ہے۔

معجزہ نبوی ﷺ: فاروق اعظم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ اس آیت کے بارے میں سوچتا تھا کہ اس میں کس جماعت کا ذکر ہے تو بدر کے دن حضور ﷺ نے ذرع پہنی تو یہی آیت تلاوت فرما رہے تھے تو میں سمجھ گیا کہ اس سے مراد کفار مکہ کی جماعت ہے۔ یہ بھی غیبی خبر تھی جو وقت سے پہلے ہی دے دی گئی۔ کیونکہ ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ یہ آیت واقعہ بدر سے سات سال پہلے اتری اور واقعی کفار بدر میں پیٹھ دے کر بھاگے۔

(آیت نمبر ۳۶) بلکہ ان سے قیامت کا وعدہ ہے۔ یعنی صرف یہی ان کی سزا نہ سمجھو بلکہ اصل عذاب تو انہیں قیامت کے دن ہوگا یہ تو ایسا ہے۔ جیسے لشکر کا پہلا گروہ آگے ہوتا ہے۔ دوسرا اس کے بعد آتا ہے۔ آگے فرمایا کہ قیامت تو سخت ہولناک اور انتہائی سخت کڑوی ہے۔ یعنی قیامت کا عذاب بدر کے عذاب سے زیادہ سخت اور عظیم تر ہے۔ جیسے دنیا کی آگ سے جہنم کی آگ ستر گنا زیادہ سخت ہے۔ یہ دنیا کی سزا تو ایک نمونہ ہے۔

(آیت نمبر ۳۷) بے شک تمام مجرم اگلے پچھلے گمراہی اور پاگل پن میں ایک ہی جیسے ہیں۔ کیونکہ وہ اپنے آپ کو ہلاکت کا مستحق بنا رہے ہیں اور عنقریب جہنم کی آگ میں ڈالے جانے والے ہیں۔ ضلال کا معنی حق سے دوری اور جہنم کی آگ کو بھی سر کہا جاتا ہے۔ اور دوزخ کے ناموں میں ایک نام سعیر ہے۔

يَوْمَ يُسْحَبُونَ فِي النَّارِ عَلَىٰ وُجُوهِهِمْ ذُوقُوا مَسَّ سَقَرَ ۝ (۳۸)

جس دن گھیٹ کر لے جائے جائیں گے آگ میں موہوں کے بل چکھو آنچ دوزخ کی۔

إِنَّا كُلَّ شَيْءٍ خَلَقْنَاهُ بِقَدَرٍ ۝ (۳۹) وَمَا أَمْرُنَا إِلَّا وَاحِدَةٌ كَلَمْحٍ بِالْبَصَرِ ۝ (۴۰)

بے شک ہم نے ہر چیز کو پیدا کیا ایک انداز سے۔ اور نہیں ہمارا حکم مگر ایک بات ہے آنکھ جھپکنے ساتھ۔

وَلَقَدْ أَهْلَكْنَا أَشْيَاعَكُمْ فَهَلْ مِنْ مُدَكِّرٍ ۝ (۴۱)

اور تحقیق ہلاک کیا ہم نے تمہاری طرح کے کئی لوگوں کو تو کیا ہے کوئی دھیان کرنے والا۔

(آیت نمبر ۳۸) جس دن مجرم کھینچ کر لے جائے جائیں گے اور منہ کے بل آگ میں ڈال دیئے جائیں گے اور انہیں کہا جائے گا۔ چکھو اب مزہ سقر کا۔ یعنی سقر جہنم کے ناموں میں ایک نام ہے۔ یعنی جہنم کی گرمی اور آگ خوب جھیلو۔ جہنم میں خالی پہنچنا ہی درد و الم کا باعث اور انتہائی تکلیف دہ ہے۔ پھر آگ اور وہ بھی جہنم کی اور پھر اس میں کھولتا ہوا پانی۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اس سے بچائے۔

(آیت نمبر ۳۹) بے شک ہم نے ہی ہر شے کو ایک انداز سے پیدا کیا۔ یعنی اس کی ظاہری اور باطنی مخصوص مقدار سے جس طرح اس کی حکمت کا تقاضا تھا۔ یا جیسے لوح محفوظ میں لکھا تھا۔

فائدہ: حضور ﷺ نے فرمایا۔ ہر چیز اللہ تعالیٰ کی تقدیر سے مقدر ہے اور ہر اچھی یا بری تقدیر اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے۔ اور ہر چیز اور ہر وقت کا اللہ تعالیٰ نے اندازاً مقرر فرما دیا۔

(آیت نمبر ۴۰) اور نہیں ہے ہمارا حکم۔ مگر آنکھ جھپکنے کی دیر۔ یعنی ایک ہی کلمہ کن سے وہ ہو جاتی ہے۔

فائدہ: بزرگ فرماتے ہیں۔ لفظ کن سے کاف نون مراد نہیں ہے۔ بلکہ اس سے مراد امر الہی ہے۔ اس کی حقیقت اللہ تعالیٰ جانے۔ کن کا تصرف انسان کو بھی ملا۔ علامہ حقی رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔ بعض اولیاء کو اس دنیا میں کن کا امر دیا گیا۔ انسان کے علاوہ کسی کو نہیں دیا گیا۔ جیسے حضور ﷺ نے فرمایا: ”کن اباذریا کن ابا خیشمہ۔“

(آیت نمبر ۴۱) بے شک ہم نے تمہارے کئی گروہ ہلاک کئے۔ یعنی کفر میں وہ تمہاری طرح تھے۔ تو کیا ہے کوئی نصیحت حاصل کرنے والا۔ جو اس سے نصیحت حاصل کر کے اللہ تعالیٰ سے ڈرے۔ یعنی پہلے کفار کی ہلاکت سے تم میں کوئی عبرت حاصل کرنے والا نہیں ہے کہ عبرت حاصل کرے۔ یا اب بتانے سے نصیحت حاصل کرے۔

وَكُلُّ شَيْءٍ فَعَلُوهُ فِي الزُّبُرِ ۝۵۲ وَكُلُّ صَغِيرٍ وَكَبِيرٍ مُسْتَطَرٌ ۝۵۳

اور سب کچھ جو انہوں نے کیا صحیفوں میں ہے۔ اور ہر چھوٹی اور بڑی چیز لکھ دی گئی۔

إِنَّ الْمُتَّقِينَ فِي جَنَّاتٍ وَنَهَرٍ ۝۵۴ فِي مَقْعَدِ صَدَقٍ عِنْدَ مَلِيكٍ مُّقْتَدِرٍ ۝۵۵

بے شک پرہیزگار باغات اور نہروں میں ہیں۔ اس مجلس میں جو سچائی والی بڑی قدرت والے بادشاہ کے پاس۔

(آیت نمبر ۵۲) سب کچھ جو انہوں نے کیا۔ کفر یا جو بھی نافرمانی کی وہ بالتفصیل اعمالناموں اور ان کے صحیفوں

میں موجود ہے۔ یعنی جو کراماتیں فرشتوں نے دفتر تیار کئے ہیں۔ ان میں سب کچھ لکھا ہوا موجود ہے۔

فائدہ: امام غزالی رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔ سابقہ امتوں کے اعمال و افعال ان کے انبیاء کرام علیہم السلام کی کتب میں

لکھے ہوئے ہیں۔

(آیت نمبر ۵۳) ہر چھوٹا بڑا عمل لکھ دیا گیا ہے جو کہ پوری تفصیل کے ساتھ لکھا گیا اور وہ لوح محفوظ میں موجود

ہے۔ فائدہ: یحییٰ بن معاذ فرماتے ہیں۔ جسے معلوم ہے کہ اس کے افعال و اعمال مشہد صدق میں ہیں۔ ان کی جزاء یا

سزا ملنے والی ہے۔ وہ اپنے اعمال کی اصلاح کرے۔ غلطیوں کی معافی مانگے اور کثرت سے استغفار کرے۔

(آیت نمبر ۵۴) بے شک پرہیزگار لوگ عظیم الشان باغات میں ہونگے۔ ان کی نعمتوں کا وصف بیان سے باہر

ہے اور وہ نہروں میں ہونگے۔ دودھ۔ خالص پانی۔ شہد اور شراب طہور کی نہر۔ یہ تو ان کے نام ہیں۔ ان کے اوصاف

کوئی بیان نہیں کر سکتا۔ لیکن یہ انعامات اللہ تعالیٰ نے صرف پرہیزگار لوگوں کیلئے تیار کئے ہیں۔

(آیت نمبر ۵۵) سچائی کے مقام پر اور ایسے مقام جو انتہائی پسندیدہ ہوں گے اور وہ حق کی مجلس میں ہوں گے۔

جہاں کسی قسم کا کی لغویا بے ہودگی یا گناہ والی کوئی بات نہیں ہوگی۔ جیسے دنیا کی بے ہودہ مجالس ہوتی ہیں اور متقی لوگ

قدرت والے مالک کے پاس ہوں گے۔ یعنی ان کی قدر و منزلت بہت بلند ہوگی۔ گویا وہ اللہ تعالیٰ کے پاس انتہائی

قرب میں ہوں گے۔ اس سے بڑا کوئی رتبہ نہیں۔ یہ وہ رتبہ ہے۔ جس پر لوگ رشک کریں گے۔

فائدہ: بعض بزرگوں نے فرمایا۔ اس آیت سے مراد وہ لوگ ہیں جو نیک اعمال کر کے نہ جنت کے اور نہ

جنت کی نعمتوں کے طلب گار ہوں گے۔ وہ صرف دیدار الہی کے طالب ہوں گے۔

اختتام سورۃ: مورخہ ۴ مارچ ۲۰۱۷ء بمطابق ۵ جمادی الثانی بروز ہفتہ بعد نماز مغرب

الْكَرْحَمْنُ ۝ ۱ عَلَّمَ الْقُرْآنَ ۝ ۲ خَلَقَ الْإِنْسَانَ ۝ ۳ عَلَّمَهُ الْبَيَانَ ۝ ۴

وہ رحمٰن۔ جس نے قرآن سکھایا۔ پیدا کیا انسان کو۔ سکھایا اسے بیان۔

(آیت نمبر ۱) کامل اور مکمل رحمت والا۔ یا بہت بڑی بخشش والا کہ اس کی رحمت سے ہر ایک مستفیض ہے۔

فائدہ: امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ رحمٰن وہ ہے جو اپنے بندوں پر بہت بڑا مہربان ہے۔ (۱) انہیں وجود دینے میں۔ (۲) ایمان کی طرف ہدایت دینے میں۔ (۳) آخرت کی نیک بخشی دینے میں۔ (۴) اور اپنا دیدار عطا کرنے میں۔ **فائدہ:** یاد رہے الرحمٰن وہ شان والی ذات ہے کہ اسی کے نام پر یہ سورۃ ہے۔ اور اسی نام سے اس کا آغاز ہوا۔ یہ اللہ تعالیٰ کا ذاتی نام ہے۔ کسی اور کو رحمٰن نہیں کہہ سکتے۔

(آیت نمبر ۲) وہ جس نے قرآن سکھایا۔ یعنی قرآن سکھانے والا اللہ۔ سیکھنے والے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور قرآن لانے والے جبریل علیہ السلام۔ یعنی بہ ظاہر جبریل قرآن لاتے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو سناتے۔ حقیقتاً اللہ تعالیٰ خود سکھاتا تھا۔

فائدہ: معلوم ہوا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا استاد جبریل امین نہیں۔ بلکہ اللہ تعالیٰ ہے جو رحمٰن ہے۔

(آیت نمبر ۳) انسان کو پیدا فرمایا۔ یعنی باقی مخلوق کے بعد انسان کو بنایا اور شان اشرف المخلوقات عطا کی۔

فائدہ: تفسیر بحر العلوم میں ہے کہ ”خلق الانسان“ سے مراد آدم علیہ السلام ہیں۔ انہیں پیدا فرمایا کر مختلف اسماء سکھائے۔ جناب آدم علیہ السلام تمام مخلوق کی بولیاں جانتے تھے۔ یہ ان کی خصوصیت ہے۔

(آیت نمبر ۴) انسان کو بیان سکھایا۔ یعنی کتاب کا علم عطا فرمانے کے بعد اس کا بیان کرنا بھی سکھایا۔

فائدہ: امام راغب فرماتے ہیں۔ بیان سے مراد ہے۔ کسی چیز کو مکمل ظاہر کرنا۔ یعنی وہ صرف مافی الضمیر کو نہیں بیان کرتا۔ بلکہ وہ دوسروں کے مافی الضمیر کو بھی بتا سکتا ہے۔ اس لئے کہ اس پر تعلیم قرآن دائر ہے۔ یعنی جسے اللہ تعالیٰ نے تعلیم دی وہ ”علیمک ما لم تکن تعلم“ کے تحت بہت کچھ جانتا ہے، اور دوسروں کو سکھاتا ہے۔

الشَّمْسُ وَالْقَمَرُ بِحُسْبَانٍ ۝ وَالنَّجْمُ وَالشَّجَرُ يَسْجُدَانِ ۝

سورج اور چاند اپنے حساب سے ہیں۔ اور ستارے اور درخت سجدہ کرتے ہیں۔

وَالسَّمَاءَ رَفَعَهَا وَوَضَعَ الْمِيزَانَ ۝ أَلَّا تَطْغَوْا فِي الْمِيزَانِ ۝

اور آسمان کو بلند کیا اور رکھا ترازو۔ تاکہ نہ بے اعتدالی کرو تولنے میں۔

(آیت نمبر ۵) سورج اور چاند ایک حساب سے چل رہے ہیں۔ یعنی جو ڈیوٹی ان کی لگائی گئی ہے اور جو برج اور منازل مقرر ہیں۔ ان میں وہ چلتے ہیں۔ چونکہ سفلی امور کا نظام ان ہی سے قائم ہے۔ ان سے تمام فصل اور موسم اور اوقات مختلف ہوتے ہیں۔ سال۔ ماہ۔ ہفتے۔ دن اور رات سے بنتے ہیں۔ قمری اور شمسی سال میں دس دن کا فرق آ جاتا ہے۔ یعنی شمسی لحاظ سے سال کے ۳۶۵ دن اور قمری لحاظ سے دس دن کم ہو جاتے ہیں۔

(آیت نمبر ۶) زمین سے نکلنے والی گھاس اور درخت سب رب کے آگے سجدہ کرتے ہیں۔ یعنی اللہ تعالیٰ کے فرمانبردار ہیں۔ فائدہ: علماء فرماتے ہیں کہ ہمیں ان کے سجدہ کا حال تو معلوم نہیں ہے۔ جیسے ہم ان کی تسبیح کو نہیں سمجھتے۔ یہ سب حال اللہ تعالیٰ کو ہی معلوم ہے۔ مگر ہر چیز اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنے میں محو ہے۔

نکتہ: پہلے دو آسمانی نعمتوں کو بیان کیا۔ سورج اور چاند کو اور اب دوزمینی نعمتوں کا ذکر کیا۔ جو رزق کا اصل ہیں۔ یعنی دانے۔ پھل انسانوں کیلئے اور گھاس جانوروں کیلئے اور جانور انسانوں کیلئے۔ (اور انسان اللہ تعالیٰ کی عبادت کیلئے) بنائے گئے۔ ع: کل جہاں تیرے لئے اور تو خدا کے واسطے

(آیت نمبر ۷) اور اللہ تعالیٰ نے آسمان کو بلند کیا۔ جیسا کہ واضح ہے۔ یا آسمان کی شان بلند ہے کہ اللہ تعالیٰ کے تمام احکام اور فیصلے اسی طرف سے اترتے ہیں۔ اور فرشتوں کے ٹھہرنے کی جگہ بھی ہے۔ آگے فرمایا کہ زمین پر عدل و انصاف قائم رکھنے کیلئے ترازو رکھا۔ تاکہ حق دار کو اس کا پورا حق ملے اور عالم کا نظام صحیح اور مضبوط ہو۔ جیسے حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ زمین و آسمان کا قیام عدل سے ہے۔

(آیت نمبر ۸) کہ تم ناپ تول میں بے اعتدالی نہ کرو۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے یہ ترازو اس لئے اتارا۔ تاکہ تم صحیح صحیح ماپ تول کرو۔ حد سے تجاوز نہ کرو۔ اور تمام معاملات کو صحیح رکھو۔ بعض حضرات نے طغیان کا معنی ظلم کیا ہے اور جنہوں نے میزان سے برابری والا آلہ مراد لیا ہے۔ انہوں نے طغیان کا معنی نقصان لیا ہے۔

www.waseemziyai.com

فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبِينَ ﴿١٣﴾ خَلَقَ الْإِنْسَانَ مِنْ صَلْصَالٍ كَالْفَخَّارِ ۖ ﴿١٤﴾

کون کون سی نعمتیں اپنے رب کی (اے جن و انس) جھٹلاؤ گے۔ پیدا کیا انسان کو بجنے والی مٹی سے جیسے ٹھیکری۔

وَخَلَقَ الْجَانَّ مِنْ مَّارِجٍ مِّنْ نَّارٍ ۚ ﴿١٥﴾ فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبِينَ ﴿١٦﴾

اور پیدا کیا جن کو لو سے آگ کی۔ تو کون سی نعمتیں اپنے رب کی تم جھٹلاؤ گے۔

(آیت نمبر ۱۳) تو تم اپنے رب کی کون کون سی نعمت کو جھٹلاؤ گے۔ یہ خطاب جنوں اور انسانوں کو ہے۔ آلاء سے مراد وہ ظاہری اور باطنی نعمتیں جو جنوں اور انسانوں کو ملی ہیں۔ اس کو صرف ظاہری نعمتوں پر منحصر نہیں کیا جائیگا۔ جیسے بعض لوگوں کا خیال ہے۔

فائدہ: اس کلام کو پوری سورۃ میں بار بار دہرایا گیا تاکہ غفلت دور ہو۔ حجت و دلیل میں تاکید ہو۔

(آیت نمبر ۱۴) انسان کو اللہ تعالیٰ نے بجنے والی مٹی سے پیدا کیا جو مٹی خشک ہو کر ٹھیکری کی طرح ہو گئی ہو۔ جس پر ہاتھ مارنے سے وہ آواز دے۔

تخلیق آدم: اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کے ذریعے زمین کے مختلف حصوں سے مٹی لیکر گارا بنایا۔ پھر وہ کافی عرصہ پڑے رہنے سے سیاہ اور بو والی ہوئی تو اس سے آدم کو بنایا گیا۔ انسان کی شرافت کیلئے اس کا پہلے ذکر کیا۔

(آیت نمبر ۱۵) جن کی تخلیق: آگ سے نکلنے والے دھوئیں سے پیدا کیا۔ وہ دھواں جو مختلف رنگ لے کر نکلتا ہے۔ فائدہ: فتوحات میں ہے۔ مارج وہ آگ جو ہوا سے ملی ہوئی ہو۔ اس سے جنوں کو پیدا کیا گیا۔

نکتہ: جب ہوا اور آگ ملیں تو جن پیدا ہوتے ہیں۔ جیسے مرد اور عورت کے دو پانی ملیں تو انسان پیدا ہوتے ہیں اور مادہ جن کے رحم میں ہوا پڑنے سے بھی جن پیدا ہوتے ہیں۔ جن اور انسان کی تخلیق کے درمیانی مدت ساٹھ ہزار سال ہے۔ فائدہ: جب مٹی اور پانی ملتے ہیں تو اسے عربی میں طین اور اردو پنجابی میں گارا کہا جاتا ہے۔ اسی طرح آگ اور ہوا جب آپس میں ملتے ہیں تو اسے مارج کہا جاتا ہے۔

(آیت نمبر ۱۶) تو تم اپنے پروردگار کی کون کون سی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے یعنی اللہ تعالیٰ نے جو جو تمہیں نعمتیں عطا فرمائیں۔ تمہاری پیدائش ہونا بھی نعمت ہے۔ اس کے علاوہ بھی جو نعمتوں کی برسات کی ہے۔ جس کا تم اندازا بھی نہیں لگا سکتے۔ کیا کسی نعمت کا انکار کر سکتے ہو۔

رَبُّ الْمَشْرِقَيْنِ وَرَبُّ الْمَغْرِبَيْنِ ۚ ﴿١٨﴾ فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَنِ ﴿١٩﴾

رب ہے دونوں مشرقوں کا اور رب ہے دونوں مغربوں کا۔ پھر کون کون سی نعمتیں اپنے رب کی جھٹلاؤ گے۔

مَرَجَ الْبَحْرَيْنِ يَلْتَقِيَنِ ۖ ﴿١٩﴾ بَيْنَهُمَا بَرْزَخٌ لَا يَبْغِيَنِ ۚ ﴿٢٠﴾

چلائے دو سمندر ملے ہوئے۔ ان میں رکاوٹ رکھی تاکہ نہ بڑھیں ایک دوسرے پر۔

(آیت نمبر ۱۷) وہ رب ہے دونوں مشرقوں کا اور دونوں مغربوں کا۔ یعنی جہاں سے طلوع کرتا ہے۔ ان میں دو مقام بڑے ہیں اس آیت میں۔ فائدہ: معلوم ہوا۔ جس طرح وہ دونوں مشرقوں کا رب ہے اور جس طرح دونوں مغربوں کا رب ہے۔ اسی طرح ان کے درمیان کی ہر چیز کا بھی وہی رب ہے۔ کسی کو کہا جائے یہ اس مکان کا مالک ہے تو اندرونی اشیاء کا بھی وہی مالک ہوتا ہے۔

مشرقیں اور مغربین کا مطلب یہ ہے۔ ایک مشرق وہ ہے جس میں سورج بہت لمبے دنوں میں طلوع کرتا ہے اور ایک مشرق وہ جس میں سورج سال کے چھوٹے دنوں میں طلوع کرتا ہے۔ اسی طرح مغربین کو سمجھ لیں اور ان کے درمیان گویا ایک سو اسی (۱۸۰) مشرق اور اتنے ہی مغرب ہیں۔ کیونکہ سورج سال کے تین سو ساٹھ دنوں میں ہر روز ایک نئی جگہ سے طلوع کرتا ہے اور ایک نئی جگہ غروب کرتا ہے۔ (۱۸۰) دنوں میں دوسرے سرے پہنچ کر پھر اتنے دنوں میں واپس اپنی جگہ پر آ جاتا ہے۔ اسی لئے رب المشارق و رب المغرب بھی کہا گیا۔

(آیت نمبر ۱۸) تو پھر اب بتاؤ تم اپنے پروردگار کی کون کون سی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے۔ اس نے تو مشرقین اور مغربین میں بے شمار تمہارے فائدے کی اشیاء پیدا فرمائی ہیں۔ جن کا شمار انسانی طاقت سے باہر ہے اور ہر موسم کے مطابق انعامات کا اپنے وقت پر حاصل ہونا یہ اس کی ربوبیت کی اعلیٰ دلیل ہے۔ اس کے باوجود کیسے انسان اس کا انکار کر سکتا ہے۔

(آیت نمبر ۱۹) چلائے اللہ تعالیٰ نے دو دریا۔ یعنی دونوں اکٹھے چل رہے ہیں۔ ان میں سے ایک میٹھا ہے دوسرا کڑوا۔ آپس میں ملتے ٹکرتے۔ انتہائی قریب قریب جا رہے ہیں۔ اوپر کی سطحیں ایک دوسرے کو مس کرتی ہوئی جا رہی ہیں اور دونوں میلوں کے حساب سے اکٹھے چلتے ہیں۔ بعض حضرات نے ان سے مراد بحر فارس اور بحر روم لئے ہیں۔

(آیت نمبر ۲۰) دونوں میں ایک آڑ ہے یعنی ایسا ایک پردہ ان کے درمیان حائل ہے۔ جو انہیں ایک دوسرے سے ملنے نہیں دیتا۔ اور وہ دونوں آپس میں نہیں ملتے۔ نہ ایک دوسرے پر تجاوز کرتے ہیں۔ ان میں ایک کڑوا دوسرا میٹھا ہے۔

فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَنِ ۝۲۱ يَخْرُجُ مِنْهُمَا اللُّؤْلُؤُ وَالْمَرْجَانُ ۝۲۲

تو کون سی نعمتیں اپنے رب کی تم جھٹلاؤ گے۔ نکلتے ہیں ان سے موتی اور مرجان۔

فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَنِ ۝۲۳ وَلَهُ الْجَوَارِ الْمُنشَآتُ فِي الْبَحْرِ كَالْأَعْلَامِ ۝۲۴

تو کون سی نعمتیں اپنے رب کی تم جھٹلاؤ گے۔ اسی کیلئے چلنے والیاں کہ اٹھی ہوئی میں دریا میں مثل پہاڑ کے۔

(بقیہ آیت نمبر ۲۰) نہ میٹھا کڑوے میں ملتا ہے نہ کڑوا میٹھے سے۔ دونوں اپنی اصل حالت پر رہتے ہیں۔ مل کر چلنے میں اختلاط ممکن تھا۔ لیکن اللہ تعالیٰ کی قدرت کا ایک عجیب کرشمہ ہے کہ وہ ایک دوسرے سے نہیں ملتے۔ حالانکہ پانی کو پانی میں مکس ہونے کی عادت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان دونوں کے درمیان پردہ رکھ دیا۔

(آیت نمبر ۲۱) تو پھر تم اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے۔ یعنی دریاؤں میں تو ایسی کوئی چیز نہیں جو جھٹلانے کے قابل ہو۔ بلکہ دریاؤں سے فوائد ہی فوائد ہیں۔ جن سے تم نفع حاصل کرتے ہو تو جس نے یہ دریا چلائے اسے مانتے کیوں نہیں۔ پانی سے ہی تو ہر ذی روح زندہ ہے، یہ اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی نعمت ہے۔

(آیت نمبر ۲۲) اور ان دونوں دریاؤں سے لؤلؤ اور مرجان نکلتے ہیں۔ لؤلؤ سے مراد موتی۔ اور مرجان سے مراد سرخ مونگے۔ یہ دونوں موتی انتہائی قیمتی ہیں۔

فائدہ: لؤلؤ زیادہ تر بحر ہند اور فارس میں پائے جاتے ہیں اور مرجان سمندر میں درخت کی طرح اگتے ہیں۔ بعض سفید بھی ہوتے ہیں اور سرخ اور سیاہ بھی ہوتے ہیں۔ زیادہ تر یہ نمکین دریاؤں میں سے نکلتے ہیں۔ اور خصوصاً دو دریاؤں کے ملنے کی جگہ پر پائے جاتے ہیں یا اس جگہ بنتے ہیں۔ یہ سب اللہ تعالیٰ کی رحمت کے خزانے ہیں۔

(آیت نمبر ۲۳) تو تم اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے۔ اس لئے کہ تمہاری آرائش و زیبائش کا سبب یہی موتی ہیں اور ان کی خرید و فروخت سے بہت بڑے نفع اٹھاتے ہو یہ تو ان کے ظاہری منافع ہیں۔ جن کا تم انکار نہیں کر سکتے۔ جن سے تمہاری شان و شوکت میں اضافہ ہوتا ہے۔

(آیت نمبر ۲۴) اس سے مراد کشتیاں ہیں۔ یہ لام تملیک کا ہے۔ یا استحسان اور تعجب کا ہے اور الجوار سے مراد وہ کشتیاں جو دریاؤں میں چلتی ہیں پانی میں اور پہاڑوں کی طرح بلند ہوتی ہیں۔ ایسے دریا میں چلتی ہیں جیسے جنگلوں میں اونٹ چلتے ہیں۔ یہ بھی اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی نعمتوں میں سے ہیں۔

فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَنِ ۚ (۲۵) كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ ۚ (۲۶)

تو کون سی نعمتیں اپنے رب کی تم جھٹلاؤ گے۔ ہر ایک کو جو زمین پر ہے فنا ہونے والا ہے۔

وَيَبْقَىٰ وَجْهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلَالِ وَالْإِكْرَامِ ۚ (۲۷) فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَنِ ۚ (۲۸)

اور باقی ہے ذات تیرے رب کی جو عظمت و بزرگی والا ہے۔ تو کون سی نعمتیں اپنے رب کی تم جھٹلاؤ گے۔

(آیت نمبر ۲۵) تو پھر تم اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے۔ یعنی کشتیوں کے مواد کو یا ان سے حاصل کردہ فوائد کو صحیح سلامت چلنے کے طریقہ کو جھٹلاؤ گے یا ان کا چل کر منزل تک پہنچانے کو جھٹلاؤ گے اور یہ ایسی اللہ تعالیٰ کی نعمتیں ہیں۔ جن کا انکار کوئی بے وقوف ہی کرے گا۔ خصوصاً کشتی جو تھوڑے وقت میں بہت لمبا سفر طے کر لیتی ہے اور اس کی وجہ سے بڑے بڑے تجارتی امور طے ہو جاتے ہیں۔ (کوئی پاگل ہی ان نعمتوں کا انکار کرے گا)۔

(آیت نمبر ۲۶) اس زمین جو بھی مخلوق ہے۔ وہ ایک نہ ایک دن ضرور فنا ہوگی۔ ہر روح والی مخلوق کی موت کا ایک وقت مقرر ہے۔ اور موت اپنے وقت پر آئے گی۔ گویا جو کچھ بھی اس زمین پر ہے۔ سب کو فنا ہے۔ یعنی جو بھی ذی روح چیز اس زمین پر ہے اس کیلئے موت ہے حیوانات جنت انسان بلکہ آسمان پر رہنے والے فرشتے بھی ایک دن فنا ہو جائیں گے۔ کچھ بھی نہیں رہے گا۔ سب کچھ ختم ہو جائے۔

(آیت نمبر ۲۷) صرف تیرے رب کی ذات ہی باقی رہ جائے گی۔ وجہ کا معنی چہرا ہے مراد اس سے ذات ہے کیونکہ سب اعضاء میں چہرا عالی شان چیز ہے اسی سے ذات کی پہچان ہے اور اللہ تعالیٰ کی ذات جلال اور عزت والی ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا۔ ہمیشہ دعا میں یا ذا الجلال والاكرام کہا کرو۔ ایک شخص دعا میں یہی الفاظ دہرا رہا تھا۔ تو آپ نے فرمایا۔ تیری دعا قبول تیری دعا قبول ہے۔ فائدہ: اس آیت میں وجہ کا حقیقی معنی اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے۔ یہ بھی مشابہات میں سے ہے۔ جس کی حقیقی مراد اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے۔ اکثر اس لفظ کا اطلاق قرآن مجید میں رضاء الہی کیلئے استعمال ہوتا ہے۔

(آیت نمبر ۲۸) تو پھر تم اپنے رب کی کون کون سی نعمت کو جھٹلاؤ گے۔ اس لئے کہ بندوں کو حیات عطا فرما کر بہت بڑا احسان فرمایا۔ اور زندہ فرما کر ہمیشہ کی نعمتوں سے اس کو نوازا اور پھر آخرت سنوارنے کا دنیا میں موقع عطا فرمایا۔ اور پھر اس سے ہزاروں گنا بہتر نعمتیں عطا کرنے کیلئے موت دی۔

يَسْأَلُهُ مَنْ فِي السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ كُلَّ يَوْمٍ هُوَ فِي شَأْنٍ ۚ (۲۹)

سوالی ہیں اس کے جو آسمانوں اور زمین میں ہیں۔ ہر روز وہ ایک شان میں ہے۔

فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَنِ (۳۰) سَنَفْرُغُ لَكُمْ أَيُّهَ الثَّقَلَيْنِ ۚ (۳۱)

تو کون سی نعمتیں اپنے رب کی تم جھٹلاؤ گے۔ جلد ہم فارغ ہو گئے تمہارے لئے اے دونوں بھاری گروہو۔

(آیت نمبر ۲۹) ہر وقت مانگتے ہیں اس سے جو بھی آسمانوں میں رہنے والے ہیں یا وہ زمین میں رہتے ہیں۔ یعنی وہ سب کے سب اس ذات کے محتاج ہیں۔ حتیٰ کہ اپنے وجود میں بھی اس کے محتاج تھے۔ ایک لمحے کیلئے بھی عنایت الہی کا تعلق منقطع ہو جائے تو ان کو وجود کی بوجہ نصیب نہ ہو۔ لہذا ہر وقت اس سے اپنی حاجات پیش کرتے ہی رہنا چاہئے۔ اور نعمت کا شکر ادا کرنا چاہئے۔ کیونکہ سب نعمتیں اسی نے دیں۔ وہ سب کا داتا ہے۔

فائدہ: ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں۔ آسمان والے ہمہ وقت مغفرت کا اور زمین والے رزق اور مغفرت دونوں کا اللہ تعالیٰ سے سوال کرتے ہیں۔

آگے فرمایا کہ ہر روز یعنی ہر لمحے وہ نئی شان میں ہے۔ یعنی کسی کو مارنا کسی کو زندہ کرنا ہے۔ غنا۔ فقر۔ عزت۔ ذلت۔ صحت و مرض یعنی سب کام بقاضائے حکمت و مصلحت وہ کر رہا ہے۔

(آیت نمبر ۳۰) تو پھر تم اپنے رب کی کون کون سی نعمت کو جھٹلاؤ گے جبکہ تم پر جتنے رب کے احسانات ہیں ان کا خود ہی مشاہدہ کر رہے ہو۔ تم نے زندگی سے موت تک کتنی نعمتیں استعمال کیں۔ کیا کہہ سکتے ہو کہ یہ نعمت اللہ تعالیٰ نے نہیں دی۔ جب مانتے ہو کہ سب اسی کی عطائیں ہیں۔ پھر شکر بھی اسی کا ادا کرو۔

(آیت نمبر ۳۱) عنقریب ہم تمہارے سب امور نمٹا کر تمہارے حساب آخرت کیلئے قائم فراغت کا نکالیں گے۔ یعنی بروز قیامت۔ اس دن صرف یہی ایک کام ہوگا۔ فراغت سے مراد یہ نہیں کہ وہ ایک کام سے فارغ ہوگا۔ بلکہ یہ مطلب ہے کہ انسانوں اور جنوں کیلئے وہ فارغ وقت کر کے ان سے حساب لے گا۔ یہ خطاب اصل میں مجرموں کو ہے۔ امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جن و انس کو ثقلین اس لئے کہا گیا کہ یہ دونوں گناہوں کی وجہ سے بوجھل ہیں۔

فَبَيِّ الْأَيِّ رَبِّكُمَا تُكْذِبِينَ ﴿٣٣﴾ يَمْعُشَرُ الْجِنَّ وَالْإِنْسِ إِنْ اسْتَطَعْتُمْ

تو کون سی نعمتیں اپنے رب کی تم جھٹلاؤ گے۔ اے گروہ جن و انس اگر تم طاقت رکھو

أَنْ تَنْفُذُوا مِنْ أَقْطَارِ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ فَانْفُذُوا لَا تَنْفُذُونَ إِلَّا بِسُلْطَنِ ۚ ﴿٣٣﴾

کہ تم نکل جاؤ کنارہ ہائے آسمان و زمین سے تو نکل جاؤ۔ نہیں نکلو گے مگر اسی کی بادشاہی میں۔

فَبَيِّ الْأَيِّ رَبِّكُمَا تُكْذِبِينَ ﴿٣٣﴾

تو کون سی نعمتیں اپنے رب کی تم جھٹلاؤ گے۔

(آیت نمبر ۳۲) تو پھر تم اپنے پروردگار کی کون کون سی نعمتیں جھٹلاؤ گے

(آیت نمبر ۳۳) اے گروہ جن و انس یہاں جنوں کا ذکر انسانوں سے پہلے اس لئے کیا کہ وہ پیدا پہلے ہوئے اور جہاں انس پہلے آیا وہ انسانی شرافت و کرامت کی وجہ سے۔ آگے فرمایا۔ اگر تم طاقت رکھتے ہو۔ اس بات کی کہ تم زمینوں یا آسمانوں کے کناروں کو پار کر جاؤ گے اور تم اللہ تعالیٰ کی قضاء و قدر سے نکل جاؤ گے کسی طرح بھاگ کر تو تم یاد رکھو۔ تمہیں اس پر کوئی قدرت نہیں۔ یا تم ان کناروں سے نکل کر میرے عذاب سے بچ جاؤ گے اور ہمیں پکڑنے میں عاجز کر دو گے۔ ایسا کر سکتے ہو تو کہیں بھی نکل کر دکھا دو۔

انسان بڑا عاجز ہے: مطلب یہ ہے کہ نہ تم کہیں نکل کر اللہ تعالیٰ سے بھاگ سکتے ہو اور نہ تم اسے عاجز کر سکتے ہو کہ وہ تم پر اپنے قضاء و قدر کا اجراء نہ کر سکے۔ آگے فرمایا کہ نکل کر کہیں تم نہیں جاؤ گے۔ تم جہاں بھی جاؤ گے آگے بادشاہی اللہ تعالیٰ کی ہی ہے۔ ہر طرف قہر و غلبہ اسی کا ہے۔

فائدہ: مروی ہے کہ بروز قیامت فرشتے آسمانوں سے اتر کر زمین کے کناروں پر صفیں بنا کر کھڑے ہو جائیں گے۔ پچاس صفیں بنیں گی۔ اور سب انسان اور جن ان کے گھیرے میں بند ہوں گے۔ کہیں بھی نکل نہیں سکیں گے۔ اگر وہ نکلنا چاہیں گے تو فرشتے یہی آیت پڑھ کر انہیں سنائیں گے۔

(آیت نمبر ۳۴) تو پھر تم اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے۔ تنبیہ اور تحذیر کی نعمتوں کو یا معافی اور درگزر کو۔ کیونکہ وہ قادر ہے اس پر کہ وہ گناہ ہوتے ہی تمہیں عذاب میں گرفتار کر دے۔ لیکن وہ رحمت کرتا ہے کہ گناہوں پر پردہ ڈال دیتا ہے اور اکثر وہ معاف فرما دیتا ہے۔

يُرْسَلُ عَلَيْكُمَا شَوْاظٌ مِّنْ نَّارٍ ۖ وَنُحَاسٌ فَلَا تَنْتَصِرَانِ ۚ (۳۵) فَبَايَ الْآءِ

چھوڑی جائیگی تم پر بے دھوئیں کے آگ کی لپٹ اور بے لپٹ کا کالا دھواں تو بدلانہ لے سکو پھر کون سی نعمتیں

رَبِّكُمَا تُكَذِّبَنِ (۳۶) فَإِذَا انْشَقَّتِ السَّمَاءُ فَكَانَتْ وَرْدَةً كَالدِّهَانِ (۳۷)

اپنے رب کی تم جھٹلاؤ گے۔ پھر جب پھٹ جائے گا آسمان تو ہو جائے گا پھول کی طرح جیسے بکرے کی کھال۔

(آیت نمبر ۳۵) چھوڑی جائیں گی تم پر چنگاریاں جو دھوئیں کے بغیر ہوں گی۔ یہ اس وقت ہوگا۔ جب لوگوں کو میدانِ حشر میں اکٹھا کیا جائیگا۔ جیسے دوسرے مقام پر بھی فرمایا کہ تم پر دھوئیں کے بغیر آگ کے شعلے چھوڑے جائیں گے۔ وہ شعلے آگ کے بھی ہوں گے اور پگھلے ہوئے تانبے کے بھی ہوں گے۔ جو ان کے سروں پر آ کر پڑیں گے۔ فائدہ: المفردات میں ہے کہ ان چنگاریوں کو تانبے کے رنگ سے تشبیہ دی گئی ہے تو جب وہ بڑے بڑے شعلے ان پر گریں گے تو تم اس کے عذاب سے نہیں روکے جاؤ گے۔

(آیت نمبر ۳۶) تو پھر تم اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے۔ حالانکہ اس کی نعمتوں سے تم نے بے شمار منافع اٹھائے ہیں۔ یہ گویا انہیں زجر و توبیخ ہے کہ تمہارے گناہ اتنے بڑے ہیں جو تمہیں اس کے عذاب کی طرف لے جاتے لیکن اللہ تعالیٰ نے مہربانی فرمائی کہ فوراً عذاب نہیں بھیجا۔

(آیت نمبر ۳۷) پھر جب آسمان پھٹ جائیگا۔ یعنی قیامت کے دن ہولناکی اور خوف کی وجہ سے ایک دوسرے سے الگ ہو جائیں گے کہ ان میں سوراخ اور دراڑیں پڑ جائیں گی اور وہ پھٹ کر دروازوں کی طرح ہو جائیں گے اور جل کر گلاب کے پھول کی طرح ان کی رنگت ہو جائے گی۔

فائدہ: بعض بزرگوں نے فرمایا کہ آسمانوں کا اصل رنگ سرخ ہے۔ یعنی زیتون کے تیل کی تری جیسی وہ پھول کی طرح سرخ ہو جائیں گے۔ دھان دھن کی جمع ہے۔ یعنی جہنم کی تپش سے وہ پگھل کر تیل کی طرح ہو جائیں گے۔ فائدہ: سعدی مفتی فرماتے ہیں۔ ایسے خوفناک اور ہولناک احوال ہوں گے کہ بیان نہیں ہو سکتے۔ انہیں دیکھنا بھی سخت محال ہوگا۔

فَبَايَ الْآءِ رَبَّكُمْ تَكْذِبِينَ ﴿٣٨﴾ فَيَوْمَئِذٍ لَا يُسْأَلُ عَنْ ذَنْبِهِ إِنْسٌ وَلَا جَانٌّ ﴿٣٩﴾

تو کون سی نعمتیں اپنے رب کی تم جھٹلاؤ گے تو اس دن نہیں پوچھا جائیگا اس کے گناہ کے متعلق کسی انسان اور نہ جن کو

فَبَايَ الْآءِ رَبَّكُمْ تَكْذِبِينَ ﴿٣٩﴾ يُعْرِفُ الْمُجْرِمُونَ بِسِيمِهِمْ فَيُؤْخَذُ

تو کون سی نعمتیں اپنے رب کی تم جھٹلاؤ گے۔ پہچانے جائیں گے مجرم اپنے چہروں سے پھر پکڑ لئے جائیں گے

بِالنَّوَاصِي وَالْأَقْدَامِ ﴿٣٩﴾

پیشانیوں اور قدموں سے۔

(آیت نمبر ۳۸) تو پھر تم اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے جن نعمتوں کی عظمت اور شان کا اندازا بھی بیان نہیں کیا جاسکتا۔ یہ تھوڑی نعمت ہے کہ ہزاروں گناہوں کے باوجود عذاب سے بچتے جا رہے ہو۔

(آیت نمبر ۳۹) تو اس دن کہ جس دن آسمان بھی خوف سے پھٹ جائیں گے۔ نہیں پوچھا جائیگا کسی جن اور انسان سے اس کے گناہ کے متعلق۔ کیونکہ ان کی حالت چہرے کی علامات سے پتہ چل جائے گی۔ پوچھنے کی ضرورت ہی نہیں رہے گی۔ یعنی قبروں سے نکلتے ہی یہ حالت ہو جائیگی کہ گناہ گار اور نیکو کار کی پہچان خود بخود ہو جائے گی۔ گناہ گاروں کے چہرے سیاہ اور نیکو کاروں کے چہرے سفید ہوں گے۔

فائدہ: ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ کفار سے سوال رافت و نرمی سے نہیں ہوگا۔ بلکہ غصے اور سختی کے ساتھ ہوگا۔ اگرچہ اللہ تعالیٰ کو تو سب معلوم ہے کہ وہ کون سے عمل کر کے آئے ہیں۔ سوال تو سب سے ہوگا۔ دوسرے مقام پر فرمایا۔ تیرے رب کی قسم ہم ضرور سب سے سوال کریں گے۔

(آیت نمبر ۴۰) تو پھر تم اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے یہ جملہ بار بار اس لئے دہرایا جا رہا ہے کہ بندے اپنے رب کی عطا کردہ نعمتوں پر اس کا شکریہ ادا کریں۔ اور اس کی عبادت کریں۔

(آیت نمبر ۴۱) مجرم لوگ اپنے چہروں سے ہی پہچانے جائیں گے۔ یعنی کفار و فجار کے چہرے سیاہ اور مومنوں کے چہرے سفید ہوں گے۔ بعض نے فرمایا کہ غم و خزن سے چہروں کا رنگ ظاہر ہوگا۔ جیسے نیک لوگوں کے چہروں کی سفیدی اور شادابی ان کی کامیابی کی علامت ہوگی۔

فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبِينَ ﴿۳۴﴾ هَذِهِ جَهَنَّمُ الَّتِي يُكَذِّبُ بِهَا الْمُجْرِمُونَ ﴿۳۵﴾

تو کون سی نعمتیں اپنے رب کی تم جھٹلاؤ گے۔ یہ جہنم ہے جسے جھٹلاتے ہیں مجرم لوگ۔

يَطُوفُونَ بَيْنَهَا وَبَيْنَ حَمِيمٍ ۚ ﴿۳۴﴾ فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبِينَ ﴿۳۵﴾

پھر اس کے اور کھولتے پانی کے درمیان۔ پھر کون سی نعمتیں اپنے رب کی تم جھٹلاؤ گے

(بقیہ آیت نمبر ۳۴) آگے فرمایا کہ پکڑے جائیں گے پیشانیوں اور قدموں سے۔ یعنی فرشتے انہیں پیشانیوں یعنی سر کے اگلے بالوں سے اور قدموں سے کھینچ کر انہیں جہنم میں ڈال دیں گے۔ یا کبھی انہیں جہنم کی طرف پیشانی سے پکڑ کر کھینچ کے جائیں گے اور کبھی پاؤں سے پکڑ کر منہ کے بل گھسیٹ کے جائیں گے یا ان کی پیشانیوں اور پاؤں کو بیڑیوں سے جکڑ کر جہنم میں ڈالیں گے۔

(آیت نمبر ۳۲) تو پھر تم اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے۔ اللہ تعالیٰ کے تمام امور اور احکام بھی اس کی نعمتیں ہیں۔ تکرار اس لئے ہے کہ بندے اس کی نعمتوں کو پہچانیں کہ یہ رب تعالیٰ کی نعمتیں ہیں اور شکر کریں۔

(آیت نمبر ۳۳) یہی وہ جہنم ہے جسے مجرم لوگ جھٹلایا کرتے تھے۔ یعنی منکرین جب جہنم میں پہنچ جائیں گے تو اس وقت انہیں یہ باور کرایا جائیگا کہ دنیا میں جس قیامت۔ جہنم اور عذاب کا انکار کرتے تھے۔ یہ وہی ہے۔ جب انہیں جہنم کی آگ جلانے لگی۔ تو اس وقت انہیں بار بار یہ بتایا جائیگا۔ تاکہ اپنے کفر و نافرمانی پر زیادہ سے زیادہ افسوس کریں۔ اور اپنے آپ کو ہی ملامت کریں۔ دنیا میں تو آخرت کا نام لینا بھی گوارہ نہیں کرتے تھے۔

(آیت نمبر ۳۴) تو پھر خوب چکر لگائیں گے۔ جہنم کے اور کھولتے پانی کے درمیان۔ اب دونوں طرف آگ ہی آگ ہوگی۔ ایک طرف جہنم کی دہشت اور دوسری طرف کھولتا ہوا پانی نہ ادھر آرام نہ ادھر سکون۔ پھر جب انہیں بھوک ستائے گی تو تھوہر کے درخت کے قریب لایا جائیگا۔ اسے کھائیں گے تو وہ گلے سے ہی نہیں اترے گا۔ پھر پانی مانگیں گے تو جب کھولتے پانی کے قریب لائے جائیں گے وہ پانی ابھی منہ کے قریب لائیں گے تو منہ جل جائیں گے۔ اگر کچھ پی لیا تو اندر کی آنتیں وغیرہ جل کر نکل آئیں گی۔ پھر بھوک ستائے گی۔ یوں وہ ہر طرف چکر لگائیں گے۔

(آیت نمبر ۳۵) تو پھر تم اپنے رب کی کون کون سی نعمت کو جھٹلاؤ گے (جبکہ اس کی نعمتیں ہر لمحہ استعمال کر رہے ہو)۔ یعنی دنیا میں تو اس کی نعمتیں مزے لے لے کر استعمال کرتے تھے۔ اگر اس ذات کا شکر یہ ادا کرتے تو جہنم میں نہ جاتے۔

وَلِمَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهِ جَنَّاتٌ ۖ ﴿٣٦﴾ فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبِينَ ۚ ﴿٣٧﴾

اور اس کیلئے جو ڈرے کھڑے ہونے اپنے رب کے حضور دو جنتیں ہیں۔ تو کون سی نعمتیں اپنے رب کی تم جھٹلاؤ گے۔

ذَوَاتَا أَفْنَانٍ ۖ ﴿٣٨﴾

وہ ڈالیاں والی ہیں

(آیت نمبر ۳۶) اور اس کیلئے جو اپنے رب تعالیٰ کے سامنے حاضر ہونے سے ڈرتا ہے۔ اس کیلئے دو جنتیں ہیں۔ ربط: دنیا میں ملنے والی نعمتیں دو قسم کی ہیں۔ دینی اور دنیوی۔ جن کا پیچھے بیان ہو گیا ہے۔ اب اس کے بعد ان نعمتوں کا بیان ہے جو آخرت میں ملیں گی۔ فائدہ: اللہ تعالیٰ کے سامنے کھڑے ہونے کا معنی یہ ہے کہ جب حساب دینے کیلئے کھڑے ہوں گے۔

شان نزول: سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو غلام نے دودھ پیش کیا آپ نے پی لیا۔ بعد میں غلام نے بتایا کہ یہ تو میں نے ایک یہودی سے لایا۔ تو آپ نے فوراً منہ میں انگلی ڈال کر وہ دودھ پی کر دیا کہ کل اللہ تعالیٰ کے سامنے کیا جواب دوں گا تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا۔ اے ابوبکر یہ آیت کریمہ آپ کے حق میں نازل ہوئی۔ فائدہ: اس کا حکم عام ہے۔ اب جو بھی برائی کرنا اس خوف سے چھوڑے گا۔ اسے یہی انعام نصیب ہوگا۔ یعنی اسے دو جنتیں ملیں گی۔ فائدہ: ایک عقیدہ صحیحہ کی وجہ سے دوسری خوف خدا سے اعمال صالحہ کی وجہ سے۔ الموضع میں ہے۔ جنت کے دو باغوں میں سے ہر ایک اتنا لمبا ہوگا کہ اس کی مسافت لمبائی چوڑائی سو سال کے برابر ہوگی۔ ان باغوں کے خوبصورت مناظر اور ان میں دلکش حوریں ہوں گی۔ سبق: قیامت کے دن اس مقام کی حاضری کا خوف ہر وقت ہر ایک کو رکھنا ضروری ہے۔

(آیت نمبر ۳۷) تو پھر تم اپنے رب کی کون کون سی نعمت کو جھٹلاؤ گے۔ مثلاً نعمت فنا فی اللہ ہے۔ اسی طرح نعمت بقا باللہ ہے۔ اللہ تعالیٰ کی بندوں پر اتنی نعمتیں ہیں کہ ان کا شمار مشکل ہے۔ اب کون سی نعمت کا کوئی انکار کرے گا۔

(آیت نمبر ۳۸) دونوں جنتیں بہت بڑی ٹہنیوں والیاں ہیں۔ یعنی ان باغات میں درختوں پر جو ٹہنیاں ہیں۔ ان کی ٹہنیاں پھیل کر دور تک چلی جائیں گی۔ جن سے زیادہ سے زیادہ پھل ملیں گے اور لمبے لمبے سائے ہوں گے۔ یاد رہے درخت اور ان کے سائے جنت کی خوبصورتی میں اضافہ کریں گے۔ جنت میں سورج کی تپش نہیں ہوگی۔ بلکہ سورج ہی نہیں ہوگا۔ اسی لئے نہ وہاں گرمی نہ سردی۔ درمیانہ سا موسم جو انتہائی خوشگوار ہوگا۔

فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَنِ ﴿۵۸﴾ فِيهِمَا عَيْنَانِ تَجْرِيانِ ۚ ﴿۵۹﴾

تو کون سی نعمتیں اپنے رب کی تم جھٹلاؤ گے۔ ان میں دو چشمے جاری ہیں۔

فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَنِ ﴿۵۹﴾ فِيهِمَا مِنْ كُلِّ فَاكِهَةٍ زَوْجَانِ ۚ ﴿۶۰﴾

تو کون سی نعمتیں اپنے رب کی تم جھٹلاؤ گے۔ ان میں ہر پھل دو دو قسم کا ہے۔

(بقیہ آیت نمبر ۳۸) یعنی دنیا والے درختوں سے سینکڑوں گنا بہتر ہونگے اور یہ صرف ان لوگوں کیلئے جن کے دلوں میں خوف خدا ہوگا۔ مالک بن دینار رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ جس کے دل میں خوف نہ ہو۔ وہ ویران گھر کی طرح ہے۔ یا جس گھر میں مالک نہ رہے وہ جلد ویران ہو جاتا ہے۔ ایسے ہی وہ دل بھی ویران ہو جاتا ہے۔ جس میں خوف خدا نہ ہو۔ اسی طرح جس دل میں یاد الہی نہ ہو۔ وہ بھی ویران گھر کی طرح ہے۔ دل کی آباوی: اس کی علامت یہ ہے کہ بندہ دل کو خوف خداوندی سے پر کرے۔ اپنے اخلاق مہذب بنائے اور ساتھ والوں کو باادب بنائے۔ (جس کا دل یاد الہی سے سیر نہیں ہوتا۔۔۔ وہ سمجھ لے کہ اللہ کریم اس سے راضی ہے)۔ فکتہ: مخلوق سے ڈرنے والا مخلوق سے دور بھاگتا ہے۔ خالق سے ڈرنے والا خالق کے قریب ہوتا ہے۔

(آیت نمبر ۳۹) تو پھر تم اپنے رب کی کون کون سی نعمت کو جھٹلاؤ گے۔ اس لئے کہ اس کی نعمتوں میں کوئی ایسی نعمت ہے ہی نہیں جو جھٹلانے کے لائق ہو۔ ہر نعمت دوسری سے اعلیٰ و اشرف ہے۔ (جھٹلانے والا اپنا ہی منہ کالا کرتا ہے)۔

۲ (آیت نمبر ۵۰) ان دونوں جنتوں میں چشمے جاری ہوں گے۔ یعنی ان باغات میں پانی کی نہریں ہوں گی جو بالکل صاف شفاف ان میں سے ایک نہر کو تسنیم کہتے ہیں اور دوسری سلسبیل ہے اور یہ نہریں ادھر چلیں گی جدھر جنتی چاہیں گے۔ اگر وہ اوپر کو چاہیں گے تو وہ اوپر کو چلیں گی۔ خواہ وہ جتنا اوپر کو چاہیں گے۔ یہ جنت کی تمام نہروں کا خاصہ ہے۔

(آیت نمبر ۵۱) تو پھر تم اپنے رب کی کون کون سی نعمت کو جھٹلاؤ گے۔ یعنی یہ وہ نعمتیں ہیں۔ جن کی صفات کو کوئی کما حقہ نہیں بیان کر سکتا۔ (ایسی عالی شان نعمتوں کو کوئی بے وقوف ہی جھٹلائے گا)۔

(آیت نمبر ۵۲) ان دونوں جنتوں میں ہر قسم کے پھل جوڑا جوڑا ہوں گے۔ یعنی دو دو قسم کے پھل ہوں گے۔ اس کی اصل حقیقت تو اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے۔ ہو سکتا ہے: (۱) معروف۔ (۲) اور غیر معروف۔ جنہیں کسی آنکھ نے نہ دیکھا ہو گا نہ سنا ہوگا۔ (۱) تر۔ (۲) اور خشک۔ (۱) میٹھا۔ (۲) ترش۔ بعض نے کہا کہ وہ دو رنگوں والے ہوں گے۔

فَبَايَ الْآءِ رَبُّكُمْ تَكْذِبُنِ ۝۵۳ مُتَكِينٍ عَلَىٰ فُرُشٍ بَطَآنُهَا

تو کون سی نعمتیں اپنے رب کی تم جھٹلاؤ گے۔ تکیہ لگائے ایسے بچھونوں پر کہ ان استر قنادیز

مِنْ اسْتَبْرَقٍ ۚ وَجَنَّا الْجَنَّتَيْنِ دَانٍ ۝۵۴ فَبَايَ الْآءِ رَبُّكُمْ تَكْذِبُنِ ۝۵۵

ریشم کا ہے اور چنیں گے دونوں جنتوں کے جھکے پھل۔ تو کون سی نعمتیں اپنے رب کی تم جھٹلاؤ گے۔

فِيهِنَّ قَصِيرَاتُ الطَّرْفِ لَمْ يَطْمِثْهُنَّ إِنْسٌ قَبْلَهُمْ وَلَا جَانٌّ ۝۵۶

ان میں نیچی نگاہ والیاں حوریں ہیں نہیں چھوا انہیں کسی انسان نے اس سے پہلے اور نہ جن نے

(بقیہ آیت نمبر ۵۲) فائدہ: ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں۔ دنیا کا کوئی پھل ایسا نہیں جو جنت میں نہ ہو۔

جنت کی ہر شے میں زینت۔ حلاوت۔ لذت طاعات کی وجہ سے ہوگی۔ اس لئے کہ جنت دارالجمال ہے۔

(آیت نمبر ۵۳) تو پھر تم اپنے رب کی کون کون سی نعمت کو جھٹلاؤ گے (یعنی اتنی اعلیٰ اور لذیذ نعمتوں کا انکار کوئی

پاگل ہی کرے گا۔) عقل مند کو چاہئے کہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا شکر کرے اور ان کی قدر کرے۔

(آیت نمبر ۵۴) تکیہ لگائے ہوئے ہوں گے۔ یعنی جب انہیں دو جنتیں مل جائیں گی تو پھر وہ جنت میں اس

طرح بیٹھے ہوں گے کہ جیسے کوئی بادشاہ اپنی پوری ٹھاٹھ باٹھ کے ساتھ بیٹھتا ہے۔ اس طرح جنتی اپنے بستروں پر آرام

کر رہے ہوں گے۔ ان کے بستروں کا اندرونی حصہ جسے استر کہا جاتا ہے۔ وہ گاڑھے ریشم کا بنا ہوگا۔ جن کے اندر کا

حصہ کپڑے کا ہوگا۔ لیکن جنت کا ریشم بھی عالی شان ہوگا۔ جس کا وصف بیان کرنے سے زبان قاصر ہے۔ اور چنیں

گے دو جنتوں کے پھل جو ان کے نزدیک ہوں گے۔ وہ پھل اتنے قریب ہوں گے کہ کھڑا بیٹھا لیٹا ہوا ہر آدمی اسے اتار

لے گا۔ فائدہ: ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ جنتی جب پھل کھانے کی خواہش کرے گا۔ تو درخت کی ٹہنی خود بخود جھک

کر اس کے بالکل منہ کے قریب ہو جائے گی۔

(آیت نمبر ۵۵) تو پھر تم اپنے رب کی کون کون سی نعمت کو جھٹلاؤ گے۔ یعنی ان ہمیشہ باقی رہنے والی نعمتوں کی

تکذیب کیسے ہو سکتی ہے۔ یہ امن اور سکون اور ہر نعمت خود بخود منہ کے قریب ہوگی۔

(آیت نمبر ۵۶) ان جنتوں میں وہ حوریں ہوں گی جو شرم و حیا سے نگاہیں نیچے رکھنے والی ہوں گی۔ یعنی ایسی

پاکیزہ عورتیں جو صرف اپنے خاوندوں کو دیکھنے والی ہوں گی۔

فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبِينَ ۝ ۵۷ كَانَهُنَّ الْيَاقُوتُ وَالْمَرْجَانُ ۝ ۵۸

تو کون سی نعمتیں اپنے رب کی تم جھٹلاؤ گے۔ گویا کہ وہ یاقوت اور مرجان ہیں۔

فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبِينَ ۝ ۵۹ هَلْ جَزَاءُ الْإِحْسَانِ إِلَّا الْإِحْسَانُ ۝ ۶۰

تو کون سی نعمتیں اپنے رب کی تم جھٹلاؤ گے۔ نہیں ہے بدلا نیکی کا سوا نیکی کے۔

(بقیہ آیت نمبر ۵۶) غیروں کا دھیان بھی نہیں کریں گی اور اپنے خاوندوں کو ہی اپنا پیار جتائیں گی۔ اللہ تعالیٰ کا اس پر شکر کریں گی کہ اس نے ایسا اچھا شوہر عطا فرمایا اور جنت کی کنیریں شرم و حیاء والی ہوں گی۔ انتہائی نازنین ہوں گی۔ آگے فرمایا۔ اس سے پہلے کسی جن اور انسان نے انہیں ہاتھ بھی نہیں لگایا۔ فائدہ: اس سے معلوم ہوا کہ جنوں میں سے بھی اہل جنت سے ہیں۔ پیچھے لفظ ثقلین میں بھی اس بات کو واضح کیا گیا۔ قاصرات الطرف سے مراد وہ حوریں ہیں جو جنت میں پیدا ہوئیں لیکن شعسی اور کلبی کہتے ہیں کہ اس سے دنیا والی عورتیں مراد ہیں۔

(آیت نمبر ۵۷) تو پھر تم اپنے رب کی کون کون سی نعمت کو جھٹلاؤ گے۔ یعنی دنیا کی نعمتیں جو تم نے دیکھ لیں اور آخرت کی نعمتیں ان سے بھی اعلیٰ ہوں گی۔ کیسے جھٹلا سکتے ہو۔ بلکہ جنت کی ہر نعمت اعلیٰ سے اعلیٰ ہوگی۔

(آیت نمبر ۵۸) گویا کہ وہ یاقوت اور مرجان ہیں۔ یعنی ان جنتی حوروں کی صفات ہیں۔ یاقوت: سخت خشک اور صاف شفاف پتھر ہے۔ اور ہر رنگ میں دستیاب ہے۔ اس کے کھرا ہونے کی علامت یہ ہے کہ آگ اس پر اثر نہیں کرتی۔ سرخ رنگ اعلیٰ یاقوت ہے۔ خاص کر جو رومانی ہو۔ یاقوت کا نگینہ پہننے والا طاعون سے محفوظ رہتا ہے۔ اسی طرح مرجان پہننے والا زہر کے اثر سے محفوظ رہتا ہے۔ حدیث شریف: حضور ﷺ نے فرمایا۔ جنتی حوروں کے حسن کا یہ حال ہوگا کہ اس کی پنڈلی اتنی چمکدار ہوگی۔ کہ ستر حلوں کے باوجود ان کی سفیدی باہر نظر آئے گی۔ (ارشاد الساری شرح بخاری) اس لئے فرمایا کہ گویا وہ یاقوت اور مرجان ہیں۔

(آیت نمبر ۵۹) تو پھر تم اپنے رب کی کون کون سی نعمت کو جھٹلاؤ گے۔ یعنی جن نعمتوں کو دیکھ کر آنکھیں ٹھنڈی ہوگئی۔ ان کی تکذیب کیسے ہوگی؟ رب تعالیٰ نے تو اپنے خاص بندوں کیلئے وہ اعلیٰ نعمتیں تیار کی ہیں۔ جن کی تکذیب ہو ہی نہیں سکتی۔

(آیت نمبر ۶۰) نہیں ہے بدلہ احسان کا مگر احسان ہی۔ ”ہل“ چار قسم ہے یہاں ہل نافیہ ہے۔

فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَنِ ﴿٦١﴾ وَمِنْ دُونِهِمَا جَنَّتَيْنِ ﴿٦٢﴾

تو کون سی نعمتیں اپنے رب کی تم جھٹلاؤ گے۔ ان دو کے علاوہ دو جنتیں اور ہیں۔

فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَنِ ﴿٦٣﴾ مُدْهَآمَتَيْنِ ﴿٦٤﴾

تو کون سی نعمتیں اپنے رب کی تم جھٹلاؤ گے۔ ان کی سبزی سیاہی مائل ہے

(بقیہ آیت نمبر ۶۰) حدیث شریف: حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ حضور ﷺ نے فرمایا۔ پتہ ہے اللہ تعالیٰ نے کیا فرمایا۔ ہم نے کہا۔ اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول ہی بہتر جانتے ہیں۔ تو آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جسے میں تو حید و عرفان عطا کروں اسے اپنے فضل و کرم سے جنت اور خطیرہ قدس میں ٹھہراؤں گا۔ (احکام القرآن۔ قرطبی)۔ فائدہ: کاشفی رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔ اس کا خلاصہ یہ ہے کہ نیکی کی جزاء بھی نیک ہے۔ یعنی طاعات کی جزاء بلند درجات اور شکر کے بدلے فرحت و سرور۔ توبہ والے کی توبہ قبول۔ مانگنے والے کی مراد پوری۔ استغفار والے کی بخشش۔ جو دنیا میں رب سے ڈرے گا۔ آخرت میں امن پائے گا۔

(آیت نمبر ۶۱) تو پھر تم اپنے رب کی کون کون سی نعمت کو جھٹلاؤ گے۔ یعنی اتنی اعلیٰ دو جنتیں ہیں۔ ان میں ایک سے ایک اعلیٰ ہے۔ اور دونوں میں نعمتیں بھی اعلیٰ سے اعلیٰ ہوں گی۔

(آیت نمبر ۶۲) ان دونوں جنتوں کے علاوہ بھی دو جنتیں ہیں۔ یعنی درجات کے لحاظ سے ان کے اوپر جنتیں ہیں۔ فائدہ: نجم الدین کبریٰ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس میں ابرار کی جنتوں کی طرف اشارہ ہے۔ جن کے (عقائد) اعمال صحیح اور اقوال درست ہیں۔

(آیت نمبر ۶۳) تو پھر تم اپنے رب کی کون کون سی نعمت کو جھٹلاؤ گے۔ کیا ان مذکور بالا دو جنتوں کو جھٹلاؤ گے۔

(آیت نمبر ۶۴) یہ دونوں جنتیں سخت سبز سیاہی مائل۔

فائدہ: جب سبزی تری کے ساتھ غالب آ جائے تو وہ سیاہی مائل ہو جاتی ہے۔

حدیث شریف: حضور ﷺ نے فرمایا۔ (۱) سبزہ۔ (۲) جاری پانی۔ (۳) خوبصورت چہرہ۔ (لیکن

غیر محرم عورت یا امر بچہ کو دیکھنا حرام ہے)۔ اشد سرمد رات کو سوتے وقت آنکھ میں ڈالنا۔ یہ اشیاء مینائی میں اضافہ کر دیتی ہیں۔ (رواہ حاکم) اور اشد (سرمد) اعصاب کو مضبوط کرتا ہے۔ جوڑوں کے درد ختم کرتا ہے۔

فَبَايَ الْآءِ رَبُّكُمَا تُكَذِّبَنِ ۚ ۞ فِيهِمَا عَيْنَانِ نَضَّاخَتِنِ ۚ ۞ (۶۶)

تو کون سی نعمتیں اپنے رب کی تم جھٹلاؤ گے۔ ان میں دو چشمے ہیں چھلکتے۔

فَبَايَ الْآءِ رَبُّكُمَا تُكَذِّبَنِ ۚ ۞ فِيهِمَا فَاكِهَةٌ وَنَخْلٌ وَرُمَّانٌ ۚ ۞ (۶۷)

تو کون سی نعمتیں اپنے رب کی تم جھٹلاؤ گے۔ ان میں پھل اور کھجوریں اور انار ہیں۔

(آیت نمبر ۶۵) تو پھر تم اپنے رب کی کون کون سی نعمت کو جھٹلاؤ گے۔ حالانکہ تم اللہ تعالیٰ کی نعمتوں پھلوں اور پھولوں سے نفع اٹھاتے ہو۔ لباس پہنتے ہو۔ دیگر بے شمار نعمتیں استعمال کرتے ہو۔ ان کا تم کیسے انکار کر سکتے ہو۔

(آیت نمبر ۶۶) ان دونوں جنتوں میں دو تیز چشمے جاری ہیں۔ یعنی پانی کے ان میں فوارے جاری ہیں جو کبھی بند نہیں ہوتے۔ ان میں پانی جوش مار کر نکلتا ہے۔ پچھلے دو باغوں سے یہ افضل ہیں۔ کیونکہ جاری ہونے اور جوش مارنے میں فرق ہے۔

فائدہ: ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں۔ ”نضّاختان“ وہ چشمے جو مشک و عنبر کے ساتھ چلتے ہیں۔ امام قلبی فرماتے ہیں۔ خیر و برکت کے ساتھ جوش مارنے والے چشمے ہیں۔

(آیت نمبر ۶۷) تو پھر تم اپنے رب کی کون کون سی نعمت کو جھٹلاؤ گے۔ یہ وہ ہیں جن سے جی بھر کر سیراب ہونا نصیب ہوگا۔ ہر ہر نعمت قابل تعریف ہے۔ کوئی نعمت بھی قابل تکذیب نہیں ہے۔

(آیت نمبر ۶۸) ان دونوں جنتوں میں پھل کھجور اور انار بھی ہوں گے۔ کھجور اور انار بھی اگرچہ پھل فروٹ میں آتے ہیں۔ لیکن ان کی فضیلت زیادہ ہونے کی وجہ سے انہیں الگ ذکر کیا ہے۔ جیسے جبریل کا ذکر فرشتوں کے ذکر کرنے کے بعد الگ کیا ہے۔

مسئلہ: امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔ اگر کوئی قسم کھائے کہ پھل نہیں کھائے گا۔ اور اس نے خشک کھجور یا انار کھالیا۔ تو قسم نہیں ٹوٹی۔ انگور کا بھی یہی حکم ہے۔ انار کھانے سے دل میں نور پیدا کرتا ہے۔ شیطانی وسوسوں کو ختم کرتا ہے۔ یہ پھل میٹھا اور نرم ہے۔ گرم اور تر ہے۔ سینہ اور حلق کو نرم کرتا ہے۔ معدے کو طاقت دیتا ہے۔ قوت باہ بڑھاتا ہے۔ خفقان دور کرتا ہے۔

فَبَيِّتِ الْاَآءِ رَبَّكُمَا تُكَذِّبَنِ ۚ ﴿٦٩﴾ فِيْهِنَّ خَيْرَاتٌ حِسَانٌ ۚ ﴿٧٠﴾

تو کون سی نعمتیں اپنے رب کی تم جھٹلاؤ گے۔ ان میں نیک خصلت نیک صورت صورتیں ہیں۔

فَبَيِّتِ الْاَآءِ رَبَّكُمَا تُكَذِّبَنِ ۚ ﴿٧١﴾ حُورٌ مَّقْصُورَاتٌ فِي الْخِيَامِ ۚ ﴿٧٢﴾

تو کون سی نعمتیں اپنے رب کی تم جھٹلاؤ گے۔ حوریں ہیں بند خیموں میں۔

(آیت نمبر ۶۹) تو پھر تم اپنے رب کی کون کون سی نعمت کو جھٹلاؤ گے۔ دنیوی نعمتوں کا شمار نہیں۔ اخروی نعمتیں تو اس سے ہزاروں درجہ اعلیٰ ہیں۔ ہے کس کی جرات ہے کہ ان نعمتوں کا کوئی انکار کر سکے۔

(آیت نمبر ۷۰) ان جنتوں میں انتہائی خوبصورت شکلوں والی ہیں۔ خوبصورتی کے علاوہ بھی ان میں بہت سارے اور بھی اوصاف ہیں وہ بدبو والی بھی نہیں۔ جیسے دنیوی عورتوں میں بدبوئیں ہوتی ہیں۔ منہ سے۔ بغلوں سے یا جسموں سے ان سے خوشبو ہی خوشبو آئے گی۔ (۲) نہ وہ کسی کی باتوں میں آتی ہیں۔ (۳) نہ ہار سنگار کر کے کسی اور کی امیدوار ہیں۔ (۴) نہ تیز زبان۔ (۵) نہ بدکلام۔ (۶) نہ نافرمان۔ (۷) نہ آوارہ پھرنے والی ہیں۔ (۸) جہاں جائیں پورے جہان کو روشن کر دیں۔ (۹) اور خوشبو ہی خوشبو کر دیں۔ (۱۰) وہ کھاری سمندر میں تھوک دیں وہ بیٹھا ہو جائے۔

(آیت نمبر ۷۱) تو پھر تم اپنے رب کی کون کون سی نعمت کو جھٹلاؤ گے۔ کوئی عقلمند تو یہ کام نہیں کرتا۔ بے وقوف ہی ہوگا۔ جو اللہ تعالیٰ کی ایسی عالی شان نعمتوں کا انکار کرے اور جھٹلائے۔

(آیت نمبر ۷۲) سیاہ اور موٹی آنکھوں والی خیموں میں بند ہیں۔ یعنی وہ غیروں کے سامنے نہیں ہوں گی۔ اپنی غیرت کی وجہ سے۔ صرف اپنے خاوندوں سے محبت اور پیار کرنے والی ہوں گی۔

خیمہ سے مراد وہ قبہ ہے جو دنیا کے قبوں کی طرح نہیں۔ بلکہ وہ خالص موتیوں سے بنا ہوا ہے۔ میلوں تک پھیلا ہوا ہے۔ ہر زوہ کیلئے الگ خیمہ ہے۔ جیسے دولہا دلہن کیلئے الگ گھرتیا رکھا جاتا ہے۔ اور خوبصورت پردوں سے آراستہ کیا جاتا ہے۔

فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبِينَ ۝ (۴۳) لَمْ يَطْمِثْهُنَّ إِنْسٌ قَبْلَهُمْ وَلَا جَانٌّ ۝ (۴۴)

تو کون سی نعمتیں اپنے رب کی تم جھٹلاؤ گے۔ نہیں چھووا انہیں کسی انسان نے پہلے انسان ان سے اور نہ کسی جن نے۔

فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبِينَ ۝ (۴۵) مُتَكِبِّينَ عَلَى رُفْرَفٍ خُضِرَ وَعَبْقَرِيٍّ حِسَانٍ ۝ (۴۶)

تو کون سی نعمتیں اپنے رب کی تم جھٹلاؤ گے تکیہ لگائے ہیں بچھونے سبز پر اور منقش چاند نیوں پر جو خوبصورت ہیں

(آیت نمبر ۴۳) تو پھر تم اپنے رب کی کون کون سی نعمت کو جھٹلاؤ گے۔ اور کس منہ سے جھٹلاؤ گے۔

(آیت نمبر ۴۴) انہیں نہیں ہاتھ لگایا کسی انسان یا جن نے اس سے پہلے۔ یعنی دنیا دار تو درکنار انہیں کسی جنتی

نے بھی اس سے پہلے مس نہیں کیا۔ یہ آیت دوبارہ پھر تاکید کیلئے لائی گئی۔ تاکہ شوق اور رغبت زیادہ ہو۔

فائدہ: بعض بزرگوں نے فرمایا۔ یہاں تکرار نہیں ہے۔ اس لئے کہ پہلے مضمون میں مقربین کی ازواج کا ذکر

تھا اور اس آیت میں ابرار کی ازواج کا ذکر ہے۔ جنتیوں کی شان یہ ہے کہ ہر جنتی کو بے حساب حوریں ملیں گی۔ جن کے اوصاف کو گذشتہ آیات میں بیان کر دیا گیا ہے۔

(آیت نمبر ۴۵) تو پھر تم اپنے رب کی کون کون سی نعمت کو جھٹلاؤ گے۔ کیونکہ وہ نعمتیں دنیوی نہیں ہیں۔ وہ جنت

کی نعمتیں ہیں جہاں پر ہر نعمت ہی عجیب سے عجیب تر ہوگی۔

(آیت نمبر ۴۶) تکیہ لگائے ہوں گے۔ ان سرہانوں پر جن پر پھولوں کا نقش و نگار ہوگا۔ یا جس پر گدے اور

بسترے سبز رنگ کے ہوں گے۔ عبقری ایک خاص جگہ کا نام ہے۔ جہاں کے بنے ہوئے کپڑے کڑھائی کے ساتھ

مشہور تھے۔ اس لئے اس جگہ کا نام لیا گیا۔

شب معراج اور رُفْرَف: حدیث معراج میں ہے کہ حضور ﷺ جب سدرۃ المنتہی پر پہنچے۔ جبریل

امین اور براق وہیں رہ گئے۔ پھر آپ رُفْرَف پر بیٹھ کر عرشِ علی پر پہنچے اور پھر رُفْرَف پر ہی واپس سدرہ تک پہنچے۔

(مشکوٰۃ)۔ **فائدہ:** مراد یہ ہے کہ جنتی جنت میں رُفْرَف پر بیٹھے ہوں گے۔ جہاں جانا ہوگا وہ اڑ کر اپنے سوار کو منزل

مقصود پر پہنچا دے گا۔

فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبِينَ ﴿۷۷﴾ تَبْرَكَ اسْمُ رَبِّكَ ذِي الْجَلَالِ وَالْإِكْرَامِ ﴿۷۸﴾

تو کون سی نعمتیں اپنے رب کی تم جھٹلاؤ گے بڑی برکت والا نام ہے تیرے رب کا جو عظمت و بزرگی والا ہے

(آیت نمبر ۷۷) تو پھر تم اپنے رب کی کون کون سی نعمت کو جھٹلاؤ گے۔ جبکہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے کیسی اعلیٰ نعمتیں تیار کی ہیں۔ جن نعمتوں کو استعمال کرتے وقت سرور اور بعد میں سکون نصیب ہوگا۔

(آیت نمبر ۷۸) بابرکت ہے تیرے رب کا نام جو صاحب جلال اور عزت والا ہے۔

فائدہ: اس سورۃ پاک میں اللہ تعالیٰ نے ان نعمتوں کا ذکر فرمایا۔ جو اس نے انسانوں کو دیں یا جو مسلمانوں کو عطا فرمائے گا تو دینے والے کا نام بہت مبارک ہے۔ وہ ہے رحمن اور وہ اپنے قہر و لطف سے اور جلال و اکرام سے موصوف ہے۔ اور وہ بے شمار صفات کا مالک ہے۔

فائدہ: بعض بزرگوں نے ذوالجلال والا کرام کو اسم اعظم کہا ہے۔ اگرچہ اللہ تعالیٰ کے سارے نام ہی اسم اعظم ہیں۔ کیونکہ اسماء مبارک عظمت پر دلالت کرتے ہیں لیکن یہ ذکر اہل کمال کو نصیب ہوتا ہے۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں ذکرین میں سے بنائے۔

علماء کرام نے لکھا ہے کہ یہ پہلی سورۃ ہے۔ جو اکٹھی نازل ہوئی۔ اور اکٹھی ہی قریش مکہ کو سنائی گئی۔

واقعہ: صحابہ کرام فرماتے ہیں۔ کہ جب یہ سورۃ نازل ہوئی۔ تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا۔ تم میں کون ہے۔ جو یہ پوری سورۃ قریش مکہ کے سامنے جا کر پڑھے۔ جو اس وقت کعبہ شریف کے پاس بیٹھے ہیں۔ چونکہ قریش مکہ قرآن کا ایک حرف سننا بھی گوارہ نہیں کرتے تھے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے کہا۔ یا رسول اللہ میں جا کر پڑھتا ہوں۔ انہوں نے یہ پوری سورۃ ان کے سامنے پڑھی۔ تو ابو جہل نے اٹھ کر پورے زور سے تھپڑا بن مسعود رضی اللہ عنہ کو مارا۔ اور سر کے بالوں سے پکڑ کر گھسیٹا۔ انہوں نے واپس آ کر حضور ﷺ سے شکایت بیان کی۔ تو حضور ﷺ نے فرمایا۔ گھبراؤ نہیں۔ تم بھی ایک دن اسے سر کے بالوں سے پکڑ کر زمین پر گھسیٹو گے چنانچہ بدر کے دن جب وہ بری طرح مار کھا کر گرا۔ تو ابن مسعود رضی اللہ عنہ اس کے سینے پر چڑھے۔ ابھی اس کے کچھ سانس باقی تھے۔ تو انہوں نے اس کا سر کاٹا۔ اور اس کے سر کے بالوں کو رسی کے ساتھ باندھ کر گھسیٹا۔ اور گھسیٹ کر حضور ﷺ کی بارگاہ میں لے آئے۔

اختتام سورۃ رحمن: مورخہ ۹ مارچ ۲۰۱۷ء بمطابق ۸ جمادی الثانی ۱۴۳۸ء بروز جمعرات بوقت نماز عصر

اِذَا وَقَعَتِ الْوَاقِعَةُ ① لَيْسَ لَوْفَعَتِهَا كَاذِبَةٌ ② خَافِضَةٌ رَّافِعَةٌ ③

جب ہو جائے گی واقع ہونے والی نہیں ہے اس کے واقع ہونے میں کوئی جھوٹ کسی کو پست کسی کو بلند کرنے والی

(آیت نمبر ۱) جب واقع ہونے والی واقع ہو جائیگی۔ یعنی قیامت قائم ہو جائیگی۔ اس سے دوسرا فحہ مراد ہے۔ یعنی جب صور میں دوسری مرتبہ اسرافیل علیہ السلام پھونکیں گے تو سب انسان زندہ ہو کر قبروں سے باہر آ جائیں گے تو اس وقت قیامت قائم ہو جائے گی۔ اس وقت ایسے ہولناک امور ظاہر ہو جائیں گے۔ جنہیں بیان ہی نہیں کیا جاسکتا۔

(آیت نمبر ۲) اس کے واقع ہونے میں کوئی جھوٹ نہیں ہے۔ یعنی جب وہ واقع ہو جائیگی۔ تو پھر کسی کو جھٹلانے کی جرات نہیں ہوگی۔ نہ کوئی یہ کہہ سکے گا کہ یہ جادو ہو گیا ہے۔ کیونکہ اس وقت ہر کوئی قیامت کی حقیقت کو جان لے گا اور مطمئن ہو جائے گا کہ وہ قیامت یہی ہے جس کے متعلق انبیاء کرام علیہم السلام مطلع فرماتے رہے اور جو جو روایات اس کے متعلق وارد ہوئیں۔ وہ سب حق اور سچ ہیں۔ اس وقت عین نہیں بلکہ حق الیقین ہو جائیگا۔

(آیت نمبر ۳) بعض کو پست کرنے والی ہے اور بعض کو اونچا کرنے والی ہے۔ یعنی قیامت کے اور بد عقیدہ بد عمل اور اللہ تعالیٰ کے نافرمان ذلیل ہونگے اور بہت سارے لوگوں کے مراتب بلند ہوں گے۔ جیسے انبیاء و اولیاء کرام کے مراتب اور درجات بلند ہوں گے اور کچھ لوگ احکام الہی کے تقاضے پورے نہ کرنے کی وجہ سے ذلیل و خوار ہوں گے۔ یعنی جہنم میں جائیں گے۔

فائدہ: ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا۔ جو دنیوی لحاظ سے متکبر اونچے بنے ہوئے تھے۔ وہ آخرت میں ذلیل و رسوا ہونگے ہوں گے اور جو دنیا میں کم درجہ تھے۔ عقائد و اعمال صالحہ کر کے وہ آخرت میں بلند مرتبہ ہو جائیں گے۔

حضرت بلال رضی اللہ عنہ کی شان: میدان قیامت میں حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو جنتی اعلیٰ لباس پہنا کر اعلیٰ سواری پر بٹھا کر فردوس اعلیٰ کی طرف لے جایا جائے گا۔ اور اس کے دنیوی مالک امیہ کو فرشتے بیڑیاں ڈال کر نہایت ذلت و رسوائی سے قسم قسم کی تکالیف کے ساتھ جہنم میں لے جائیں گے اور جہنم کے نچلے درجے میں اسے ڈال دیں گے۔

إِذَا رُجَّتِ الْأَرْضُ رَجًا ۖ وَبُسَّتِ الْجِبَالُ بَسًّا ۖ فَكَانَتْ هَبَاءً

جب کانپ جائے گی زمین تھر تھرا کر۔ اور ریزہ ریزہ ہو کر پہاڑ چورہ ہو جائیں تو ہونگے غبار کے زروں کی طرح

مُنْبَثًا ۖ وَكُنْتُمْ أَزْوَاجًا ثَلَاثَةً ۖ

پھیلے ہوئے۔ اور ہو گے تم جوڑے تین قسم کے

(آیت نمبر ۴) جب زمین تھر تھرا کرنے کی۔ یعنی اسے قیامت کی ہولناکی سے ایسا اضطراب آئیگا اور ایسے جھٹکے مارے گی اور تھر تھرا کرنے کی کہ اونچے اونچے مکانات اور پہاڑ سب ریزہ ریزہ ہو کر زمین کے ساتھ برابر ہو جائیں گے اور زمین اپنے اندر کی تمام چیزیں باہر نکال دے گی۔ خواہ وہ مردے ہیں۔ یا کوئی اور چیز۔

(آیت نمبر ۵) اور سب پہاڑ ریزہ ریزہ ہو جائیں گے۔ یعنی ٹوٹ پھوٹ کر ٹکڑے ٹکڑے ہو کر چورہ کی طرح ہو جائیں گے۔ یا ستو (آٹے) کی طرح ہو جائیں گے۔ اور ساری زمین بالکل ہموار ہو جائیگی۔ (دوسرے مقام پر فرمایا کہ پہاڑ روئی کی طرح اڑا دیئے جائیں گے)۔ یعنی قیامت کے دن کی خوفناکی کا یہ عالم ہوگا کہ پہاڑوں جیسی مضبوط چیز بھی اپنی جگہ نہیں ٹھہر سکے گی۔

(آیت نمبر ۶) تو پہاڑ بھی اڑتی ہوئی غبار کی طرح ہو جائیں گے۔ جیسے گرد و غبار ہر طرف پھیل جاتا ہے۔

فائدہ: یا اس گرد کی طرح جو گھوڑے کی سم سے نکل کر اوپر کوجائے یا دریچے سے جو شعاع میں ذرات نظر آتے ہیں۔ ان کی طرح ہو جائیں گے۔

فائدہ: اللہ تعالیٰ بروز قیامت ایک ایسی ہوا بھیجے گا۔ جو پہاڑوں کو زمین سے اٹھا کر اڑائے گی اور وہ آپس میں ٹکرائیں گے اور ریزہ ریزہ ہو جائیں گے۔ اور گرد و غبار ہر طرف پھیل جائے گا اور وہ غبار اڑ کر کافروں کے چہروں پر پڑے گی۔ اسی لئے سورہ عیسٰی میں فرمایا۔ کچھ چہروں پر بروز قیامت گرد و غبار پڑی ہوگی۔

(آیت نمبر ۷) اور تم لوگ ہو جاؤ گے تین گروہ۔ فائدہ: یہ خطاب غالباً اس امت اور سابقہ امتوں کو ہے۔ یا صرف اس موجودہ امت کو ہے کہ ان کے تین گروہ بن جائیں گے۔ ایک کافر ہونگے جو جہنم میں جائیں گے۔ دوسرے مومن جو جنت میں جائیں گے۔ ایک گروہ اور بھی مومنوں کا ہوگا جو اپنے گناہوں کی وجہ سے جنت میں وہ دیر سے جائیں گے۔ وہ جنت کے دروازے پر ادا کر لئے جائیں گے۔

فَأَصْحَبُ الْمُيْمَنَةِ ۖ مَا أَصْحَبُ الْمُيْمَنَةِ ۝۸ وَأَصْحَبُ الْمَشْأَمَةِ

ایک دائیں جانب والے ہیں تو نے ابھی نہیں جانا کہ وہ کیا ہیں دائیں جانب والے۔ اور بائیں جانب والے

مَا أَصْحَبُ الْمَشْأَمَةِ ۝۹ وَالسَّبِقُونَ السَّبِقُونَ ۝۱۰ أُولَٰئِكَ الْمُقَرَّبُونَ ۝۱۱

وہ کیا ہیں بائیں جانب والے۔ اور سبقت والے آگے نکل گئے۔ وہی تو مقرب بارگاہ ہیں۔

(آیت نمبر ۸) یعنی اب ہم تمہیں بتاتے ہیں کہ وہ دائیں جانب والے کون ہیں۔ فائدہ: یاد رہے دائیں جانب والے سے مراد وہ خوشحال خوش خصال اور خوش نصیب لوگ ہیں۔ (ایسی کلام نہایت تعظیم اور تعجب کے مقام پر بولی جاتی ہے۔) لہذا اصحاب الیمین اپنی طاعت و عبادت کی برکات سے بابرکت لوگ ہوں گے۔ یا اصحاب الیمین سے مراد وہ لوگ ہیں جن کو پہلے آسمان پر حضور ﷺ نے معراج کی رات دیکھا کہ آدم علیہ السلام کی دائیں جانب تھے۔ جنہیں دیکھ کر آدم علیہ السلام خوش ہو رہے تھے۔ یاد وہ لوگ ہیں کہ جنہیں اعمال نامہ دائیں ہاتھ میں ملے گا۔

(آیت نمبر ۹) اور بائیں جانب والے وہ کیا ہیں بائیں جانب والے۔ اس سے مراد کفار اور فجار لوگ ہیں۔ ان کی ذلت رسوائی مراد ہے۔ یہ برے اعمال والے ہیں۔ قیامت کے دن برے حال والے ہوں گے۔ اس سے مراد ان کی تحقیر اور تذلیل ہے۔ مشئمہ نحوست کو بھی کہتے ہیں۔ یعنی منحوس اور بد بخت لوگ جو آدم علیہ السلام کے بائیں جانب تھے۔ جنہیں دیکھ کر آدم علیہ السلام غمزدہ ہو رہے تھے۔ یا جنہیں بائیں ہاتھ میں اعمال نامہ دیا جائے گا۔ تیسری قسم کا ذکر آگے آئے گا۔

(آیت نمبر ۱۰) اور آگے نکل جانے والے ہی سبقت کرنے والے ہیں۔ یہ اعلیٰ درجے کے مومن لوگ ہیں۔ جن کے محاسن معلوم اور احوال مشہور ہیں۔ اس کلمہ کو دو دفعہ لانا۔ ان کی عظمت جتنا ہے۔ یعنی وہ لوگ جنہوں نے ایمان و طاعت میں سب پر سبقت حاصل کی۔ وہ لوگ جو دنیا میں ثواب پانے اور اعمال صالحہ کرنے میں سب سے آگے تھے اور اب جنت میں جانے اور درجات پانے میں باقیوں پر سبقت لے گئے۔

(آیت نمبر ۱۱) مذکورہ اوصاف والے ہی مقرب لوگ ہیں۔ یعنی درجات کے لحاظ یہی لوگ عرش الہی کے قریب مقعد صدق میں ہوں گے اور انتہائی بلند مراتب پر ہوں گے۔ ان کے مراتب کو دیکھ کر لوگ رشک کر رہے ہوں گے۔

فِي جَنَّتِ النَّعِيمِ ۝ ثَلَاثَةٌ مِّنَ الْأَوَّلِينَ ۝ ۱۳ ۝ وَقَلِيلٌ مِّنَ الْآخِرِينَ ۝ ۱۴ ۝

ان باغوں میں جو نعمتوں والے ہیں۔ ایک گروہ پہلوں سے۔ اور تھوڑے ہیں پچھلوں میں

(بقیہ آیت نمبر ۱۱) حدیث شریف: حضور ﷺ نے فرمایا کہ جب تم اللہ تعالیٰ سے مانگو۔ تو تم اس سے جنت الفردوس مانگا کرو (بخاری)۔ کیونکہ وہی درمیانی اور اعلیٰ جنت ہے۔ اس کے اوپر رحمن کا عرش ہے۔ ظاہر ہے وہی مقربین کا مقام ہے۔ اس میں اشارہ ہے کہ ان پر اللہ تعالیٰ کا فضل عظیم ہوگا۔

(آیت نمبر ۱۲) نعمتوں والی جنتوں میں ہوں گے۔ یعنی وہ ایسے ایسے باغات میں ہوں گے کہ جو ہر قسم کی نعمتوں سے بھرپور ہوں گے۔ جہاں ہر نعمت موجود ہوگی۔

تین قسمیں: امت موسیٰ میں حزقیل مومن آل فرعون۔ امت عیسیٰ میں حبیب نجار اور امت محمدیہ ﷺ میں شیخیں بہت بلند مقام پر ہوں گے اور ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما۔ تمام امتوں میں یہ دونوں حضرات انتہائی بلند مقام پر ہوں گے۔

فائدہ: کعب اخبار فرماتے ہیں۔ سابقون سے مراد اہل قرآن ہیں۔ جو ہر وقت قرآن پڑھتے رہتے ہیں۔ (اس سے مراد وہ اہل قرآن نہیں جو منکر حدیث ہیں۔ وہ تو گمراہ ہیں)۔ ایسوں کے متعلق حضور ﷺ نے فرمایا۔ قرآن ان کے حلق سے نیچے نہیں اترتا۔ کیونکہ وہ قرآن میں اپنی رائے ٹھونکتے ہیں۔

(آیت نمبر ۱۳) پہلی امتوں میں سے جو آدم علیہ السلام سے لیکر حضور علیہ السلام تک ہیں۔ جن کی تعداد کو اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے۔ یا اس سے وہ امتیں مراد ہیں۔ جو پہلے ہو گذریں۔ خواہ وہ جنوں سے ہوں یا انسانوں سے۔

(آیت نمبر ۱۴) اور پچھلوں میں تھوڑے ہی ہیں۔

فائدہ: اس سے مراد اگر سابقین کے تابعین ہیں تو اس امت کے حساب سے صحیح ہیں لیکن ایک مرفوع حدیث کے مطابق اولین و آخرین سے مراد حضور ﷺ کی امت کے متقدمین اور متاخرین علماء ہیں۔ یہی مختار مذہب ہے۔ اس لئے کہ حضور ﷺ نے اپنی امت کے علماء کو بنی اسرائیل کے انبیاء کرام علیہم السلام سے تشبیہ دی ہے اور حضور ﷺ کی امت کے علماء و اولیاء کی تو انتہاء ہی نہیں۔ (ابن عربی) فرماتے ہیں کہ ہر زمانے میں اولیاء کی تعداد ایک لاکھ چوبیس ہزار رہی ہے۔

عَلَى سُرٍّ مَوْضُونَةٍ ۝ (۱۵) مُتَكِنِينَ عَلَيْهَا مُتَقَبِّلِينَ ۝ (۱۶) يَطُوفُ
ان تختوں پر جو جڑے ہوئے ہیں۔ تکیہ لگائے ان پر آنے سامنے۔ پھریں گے
عَلَيْهِمْ وَلَدَانِ مُخَلَّدُونَ ۝ (۱۷) بِأَكْوَابٍ وَأَبَارِيقَ ۝ وَكَأْسٍ مِنْ مَّعِينٍ ۝ (۱۸)
ان پر لڑکے ہمیشہ رہنے والے۔ کوزے اور آفتابے لیکر اور جام بہتی شراب کے۔
لَا يَصْدَعُونَ عَنْهَا وَلَا يَنْزِفُونَ ۝ (۱۹)

نہ دردسہ ہو اس سے اور نہ بے ہوش ہوں۔

(آیت نمبر ۱۵) وہ سونے کے تختوں پر جو ان کے لئے وہاں رکھے گئے ہوں گے جو ہر طرح کے موتیوں اور
جواہر سے جڑے ہوئے ہونگے اور مقررین لوگ ان پر بیٹھے ہوں گے۔ (اور ایک دوسرے سے محو گفتگو ہوں گے)۔
دنیوی حالات یا کامیابی کے واقعات بیان کر رہے ہوں گے۔ اور کامیابی پر خوش ہو رہے ہوں گے۔

(آیت نمبر ۱۶) تکیے پر سہارا لگائے آنے سامنے بیٹھے ہوں گے۔ ٹھاٹھ باٹھ سے بادشاہوں کی طرح بیٹھے
ہوئے۔ یہ ان کی اچھی زندگی اور اخلاقی برتری اور ادب و آداب کی وصف ہے۔ یعنی ایک دوسرے کو دیکھ کر مسرور
ہو رہے ہونگے۔ کہ تمام تر تعریف اس ذات کی جس نے ہمیں یہ عظیم کامیابی عطا کی۔

(آیت نمبر ۱۷) ان کی خدمت کیلئے ان کے ارد گرد پیارے پیارے بچے پھریں گے۔ وہ ہمیشہ ان کی خدمت میں
رہیں گے۔ اور وہ ہمیشہ اسی عمر میں رہیں گے۔ کیونکہ وہ پیدا ہی بقا کیلئے ہوئے۔ جو بقا کیلئے پیدا ہو۔ اس میں تغیر تبدیل نہیں
آتا۔ بعض نے کہا اس سے مراد کفار کے وہ چھوٹے بچے ہیں جو انتہائی تھوڑی عمر میں مر گئے تھے۔ واللہ اعلم۔

(آیت نمبر ۱۸) وہ لوٹے اور پیالے لیکر پھریں گے۔ جن کے ساتھ موتی اور جواہر جڑے ہوں گے۔ ان
پیالوں کی ہر سائیڈ برابر ہوگی۔ جدھر سے چاہے پی لے گا اور بڑے آفتابے ہونگے۔ انتہائی صاف شفاف جو لوٹے کی
شکل کے ہوں گے۔ آگے فرمایا ”شراب طہورا“ کے جام ہوں گے۔

فائدہ: جنت کا شراب دنیا کے شراب کی طرح نہیں ہوگا۔ بلا تکلف پی لیا جائیگا۔ جس میں لذت و سرور ہوگا۔
(آیت نمبر ۱۹) نہ تو اس کے پینے سے دردسہ ہوگا۔ نہ بے ہوشی ہوگی۔ کیونکہ دنیوی شراب میں یہ دونوں

وَلَا كَهَـٔ مِمَّا يَتَخَيَّرُونَ ۝ (۲۰) وَلَحْمِ طَيْرٍ مِّمَّا يَشْتَهُونَ ۝ (۲۱) وَحُورٌ

اور پھل جو وہ پسند کریں۔ اور گوشت پرندوں کا جو وہ چاہیں گے۔ اور حوریں

عَيْنٌ ۝ (۲۲) كَأَمْثَالِ اللُّؤْلُؤِ الْمَكْنُونِ ۝ (۲۳) جَزَاءً ۝ بِمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ۝ (۲۴)

موٹی آنکھوں والی۔ جیسے موتی چھپا کر رکھے ہوئے۔ بدلہ ہے اس کا جو تھے وہ عمل کرتے۔

(بقیہ آیت نمبر ۱۹) فائدہ: ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں۔ دنیوی شراب میں چار خرابیاں تو واضح ہیں:

(۱) نشہ۔ (۲) درد سر۔ (۳) قے۔ (۴) پیشاب کی کثرت۔ لیکن جنتی شراب میں یہ چاروں نہیں ہوں گی۔ بلکہ اس میں لذت و سرور ہی ہوگا۔

(آیت نمبر ۲۰) ان کے پسندیدہ پھل اور میوے ہوں گے جو رنگ اور ذائقہ کے لحاظ سے بہت بہتر اور افضل ہونگے۔ جس سے صحت اور تندرستی ہی ملے گی۔ اس کے حاصل کرنے کی دنیا کی طرح کوئی مشکل پیش نہیں آئے گی۔ نہ انہیں حاصل کرنے کیلئے کہیں جانا پڑے گا۔ نہ ختم ہو جانے کا ڈر ہوگا۔

(آیت نمبر ۲۱) اور پرندوں کا گوشت جب اور جیسا چاہیں گے۔ ان کو مل جائے گا۔ بھنا ہوا۔ یا پکا ہوا۔ جیسی ان کی خواہش ہوگی ویسا ہی ملے گا۔ چونکہ عرب والے پرندوں کے گوشت کو زیادہ پسند کرتے ہیں۔ زیادہ تر بادشاہوں کو بہت مرغوب ہوتا ہے تو جنت میں درخت پر بیٹھا ہوا پرندہ خود آواز دے کر کہے گا۔ میرا گوشت بہت ہی مرغوب ہے اور بہت ہی لذیذ ہے۔ جب جنتی کی خواہش ہوگی تو اڑ کر اس کے دسترخوان پر اس کی مرضی کے مطابق ہو جائے گا۔

(آیت نمبر ۲۲) اور ان کے لئے جنت میں موٹی آنکھوں والی حوریں ہوں گی۔ بے مثال حسن والی۔ اپنے خاوندوں سے محبت کرنے والی۔ انتہائی شرم و حیاء والی، ہر قسم کی آلائش سے پاک و صاف ہوں گی۔ ہر حور پر ستر ستر ملے ہوں گے ہر ملے کے ستر رنگ ہوں گے۔ ان کے اندر سے بھی حوروں کا حسن ظاہر ہوگا۔

(آیت نمبر ۲۳) جو چھپے موتی کی طرح ہوں گی۔ جیسے موتی صدف میں چھپا ہوتا ہے صدیاں گزر جانے کے باوجود ان کی صفائی اور رونق میں ذرا کمی نہیں آئے گی۔ بلکہ روز بروز ان کے حسن میں اضافہ ہوتا جائے گا۔

(آیت نمبر ۲۴) یہ ان کے دنیا میں کئے ہوئے نیک عمل کا بدلہ ہے۔ چونکہ احسان کا بدلہ احسان ہوتا ہے۔ جن لوگوں نے دنیا میں اچھے عمل کئے ہوں گے ان کے لئے جنت میں مراتب اعمال صالحات کے مطابق ہوں گے۔ جتنا عمل اعلیٰ اتنا مرتبہ بھی اعلیٰ ہوگا۔

لَا يَسْمَعُونَ فِيهَا لَغْوًا وَلَا تَأْثِيمًا ۖ (۲۵) إِلَّا قِيلًا سَلَامًا سَلَامًا ۖ (۲۶)

نہیں سنیں گے اس میں بے کار اور نہ گناہ والی بات۔ مگر بات ہے سلام سلام۔

وَأَصْحَابُ الْيَمِينِ ۖ مَا أَصْحَابُ الْيَمِينِ ۖ (۲۶)

دائیں طرف والے کیا ہیں دائیں طرف والے۔

(بقیہ آیت نمبر ۲۲) فائدہ: اگرچہ جنت کا داخلہ فضل الہی سے ہوگا لیکن جنت کی نعمتیں اعمال کے حساب سے ہوں گی۔ بلکہ فضل الہی بھی نیک اعمال کی وجہ سے ہوگا۔

(آیت نمبر ۲۵) وہ جنت میں کسی قسم کی بے کار آواز نہیں سنیں گے۔ یعنی بے ہودہ یا باطل کلام۔ یا لغویات جو بلا سوچے سمجھے بولی جائے اور نہ ہی جنت میں کوئی گناہ والی بات ہوگی۔ یعنی نہ باطل کلام کریں گے نہ سنیں گے۔

(آیت نمبر ۲۶) مگر سلام ہی سلام۔ یعنی جنت میں ہر طرف سے یہ سلامتی کا تحفہ ہی دیا جائے گا۔ ایک طرف سے السلام علیکم کی آواز اور دوسری طرف سے بھی سلام کا جواب وعلیکم السلام ہی ہوگا۔ ایک دوسرے کو سلامتی کی دعا ہی دے رہے ہوں گے۔ فائدہ: اس میں اشارہ ہے کہ سابقین کے دل ہر قسم کی کدورتوں سے پاک صاف ہوں گے۔ فائدہ: بڑی شان والا سلام تو وہی ہوگا۔ جو رب رحیم کی طرف بندوں کو ملے گا۔ جس کا ذکر سورہ یاسین میں ہے۔

حکایت: ایک بزرگ فرماتے ہیں۔ میرا بیٹا اس روز شہید ہو گیا۔ جس رات عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ فوت ہوئے۔ اس رات میں نے اپنے بیٹے کو خواب میں دیکھا۔ میں نے کہا تو فوت نہیں ہوا تھا۔ اس نے کہا بے شک میں شہید ہوا تھا۔ اس لئے میں زندہ ہوں۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے رزق کھاتا ہوں۔ میں نے پوچھا تم اب کیسے آئے تو اس نے بتایا کہ آسمانوں میں اعلان ہوا کہ تمام انبیاء و اولیاء اور شہداء عمر بن عبدالعزیز کے جنازہ میں پہنچیں۔ میں بھی آیا تاکہ ان کا جنازہ پڑھوں اور آپ کو سلام پیش کروں۔

(آیت نمبر ۲۷) یہ اعزاز ان لوگوں کیلئے ہے جو اصحاب الیمین ہیں۔ یعنی دائیں جانب والے۔ جن کا ذکر خیر پیچھے تفصیل سے گذر گیا اور آگے بھی آئیگا۔ پہلے ذکر کی اب تفصیل بیان کر دی گئی ہے اور بتایا گیا وہ اصحاب الیمین کون ہیں۔ تمہیں کیا معلوم ہے کہ ان کی شان کیا ہے۔ یعنی ان کیلئے اللہ تعالیٰ نے جنت میں کیا کچھ تیار کر رکھا ہے۔ ان کیلئے خیر و برکت ہے۔ ان کے محاسن ان کے اعمال کے مطابق ہوں گے۔ ان کے جنت میں درجات ہیں اور عالی شان نعمتیں ہیں۔

فِي سِدْرٍ مَّخْضُودٍ ۖ ۲۸ وَطَلْحٍ مَّنْضُودٍ ۖ ۲۹ وَظِلِّ مَّمْدُودٍ ۖ ۳۰ وَمَاءٍ

بیریوں میں جو بغیر کانٹے ہیں۔ اور کیلے پتھوں والے۔ اور سائے پھیلے ہوئے۔ اور پانی

مَسْكُوبٍ ۖ ۳۱ وَفَاكِهَةٍ كَثِيرَةٍ ۖ ۳۲

ہر وقت جاری۔ اور پھل بہت زیادہ۔

(آیت نمبر ۲۸) ایسی بیریوں کے سائیوں میں جن کے کانٹے نہیں۔ یہ تو صرف تشبیہ ہے۔ ورنہ کہاں دنیا کی بیریاں اور کہاں جنت کے درخت بعض بزرگوں نے مخضود کا معنی دوہری ٹہنی لی ہے۔ یعنی پھل کی کثرت ہونے کی وجہ سے ٹہنیاں دوہری ہیں۔ چونکہ اس کا پھل بھی غرب میں معروف اور محبوب ہے اور اس کے پتے بھی کارآمد ہیں۔

(آیت نمبر ۲۹) اور کیلے پتھوں والے یعنی ایک دوسرے پر چڑھے ہوئے۔

شانِ فزول : طائف میں ایک وادی تھی۔ جہاں کیلے اور بیریاں کثرت سے تھیں۔ اہل عرب اس جگہ کو بہت پسند کرتے تھے کیونکہ کیلوں کا پھل بھی شہد کی طرح میٹھا اور سایہ نہایت ٹھنڈا ہوتا ہے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا یہ تمام نعمتیں بلکہ ان سے بھی اعلیٰ قسم کی نعمتیں تمہیں جنت میں ملیں گی۔

(آیت نمبر ۳۰) اور لمبے لمبے سائے ہوں گے۔ یا ہمیشہ رہنے والے سائے۔ حدیث شریف میں ہے۔ جنت کے درختوں کا سایہ لمبائی میں سو سال کی مسافت کے برابر ہوگا (ریاض الصالحین)۔ ان سائیوں میں بیٹھ کر آپس میں گفتگو کریں گے۔ دوسرے مقام پر فرمایا ہم انہیں گھنے سائیوں میں داخل کریں گے۔

(آیت نمبر ۳۱) اور بہنے والا پانی یعنی جنتی جہاں چاہیں گے پانی خود بخود وہاں جائے گا۔ بغیر تکلیف کے۔ نہ کبھی ختم ہو نہ خراب ہو۔ دنیا کے پانی کی طرح نہیں کہ اس کے حاصل کرنے کیلئے مشکلات پڑتی ہیں۔ خود لینے کیلئے جانا پڑتا ہے۔ کنویں سے لینا ہوتا ہے تو رسی اور ڈول کے بغیر نہیں نکال سکتے لیکن جنت میں جہاں تم ہو گے پانی وہاں جائے گا۔ جنتی کو ایک قدم بھی پانی لینے کیلئے کہیں جانا نہیں ہوگا۔

(آیت نمبر ۳۲) اور پھل بہت زیادہ بھی ہونگے اور کئی کئی قسم کے ہونگے اور انتہائی لذیذ ہوں گے۔ اور ان کے لئے موسم کا بھی کوئی مسئلہ نہیں ہوگا۔ ہمہ وقت ہر قسم کا پھل فروٹ دستیاب ہوگا۔ کھانے والا بس کر دیگا۔ مگر پھل ختم نہیں ہوں گے۔

لَا مَقْطُوعَةَ وَلَا مَمْنُوعَةَ ۝ (۳۳) وَفُرُشٍ مَّرْفُوعَةٍ ۝ (۳۴) إِنَّا أَنشَأْنَاهُنَّ إِنشَاءً ۝ (۳۵)

نہ ختم ہو اور نہ روکے جائیں۔ اور بچھونے بلند۔ بے شک ہم نے انہیں پروان چڑھایا۔

فَجَعَلْنَهُنَّ أَبْكَارًا ۝ (۳۶) عُرُبًا أَتْرَابًا ۝ (۳۷)

پھر بنایا انہیں کنواریاں۔ پیار دلانے والیاں ہم عمر۔

(آیت نمبر ۳۳) نہ تو دنیا کے پھلوں کی طرح کسی وقت بالکل ختم ہوں گے اور نہ کوئی منع کرنے والا ہوگا۔ نہ ایسا ہے کہ پیسے نہ ہونے کی وجہ سے خریدانہ جاسکے یا اس کے ساتھ کانٹے ہوں کہ توڑا نہ جاسکے یا کوئی دیوار وغیرہ حائل ہو یا رکاوٹ ہو کہ اس تک پہنچ نہ سکے ایسی کوئی بات نہیں ہوگی۔

(آیت نمبر ۳۴) اور بچھونے اتنے بلند ہوں گے۔ گویا آسمانوں کے قریب ہیں۔ یا وہ شان کے لحاظ سے یا مسافت کے لحاظ اونچے ہوں گے۔ یا جن تختوں پر بیٹھے ہونگے ان سے ان کے بچھونے اونچے ہوں گے۔ یا فرش سے مراد عورتیں ہیں۔ جیسے عورت کو لباس یا ازار بھی کہا گیا ہے۔

(آیت نمبر ۳۵) بے شک ہم نے ہی انہیں اچھی اٹھان میں اٹھایا۔ یعنی دنیاوی بچیوں کی طرح پیدا نہیں ہوئیں۔ نہ ان کی طرح جوان نہ ان کی طرح بوڑھی ہوں گی۔ اور وہ لفظ کن سے پیدا ہوئیں۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں جنت میں ہی پیدا فرمایا۔ جس عمر میں پیدا ہوئیں۔ اسی میں ہمیشہ رہیں گی۔ جب بھی ان کا خاوند ان کے قریب آئے گا۔ انہیں جوان پائیگا۔ اور ہر بار ان سے ایک نیا انس اور نئی لذت پائے گا۔

(آیت نمبر ۳۶) پھر ہم نے انہیں باکرہ بنایا کہ وہ کنواری ہی ہوں گی۔ بعض بزرگوں نے فرمایا کہ اس سے مراد دنیاوی عورتیں ہیں۔ جنہیں پھر باکرہ کر دیا جائیگا۔ جیسے زکریا علیہ السلام کی بیوی کو دوبارہ جوان بنا دیا گیا۔ ”واصلحنا“ کا یہی مطلب ہے۔ حضرت حسن بصری رضی اللہ عنہ سے اس کا معنی پوچھا گیا تو انہوں نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو بڑھاپے سے پھر جوان کر دیا۔ بانجھ سے بچہ جننے والی کر دیا۔ اللہ تعالیٰ کیلئے یہ کوئی بعید بات نہیں۔

(آیت نمبر ۳۷) اپنے شوہروں کو پیاریاں اور اپنے شوہروں سے پیار کرنے والیاں یا انہیں اپنی محبت جتانے والیاں اور وہ جوان ہوں گی۔ تیس سالہ ہوں گی۔ مرد بھی جوان اور عورتیں بھی جوان۔ اور سب ہم عمر ہوں گے۔ ایک دوسرے سے محبت کرتے ہوں گے۔

فِي سَمُومٍ وَحَمِيمٍ ۝۳۲ وَظِلٍّ مِّنْ يَّحْمُومٍ ۝۳۳ لَا بَارِدٍ وَلَا كَرِيمٍ ۝۳۴

جو جلتی ہوئی آگ اور کھولتے پانی میں۔ اور سائے میں جلتے دھوئیں کی۔ نہ ٹھنڈک دے اور نہ عزت دے۔

إِنَّهُمْ كَانُوا قَبْلَ ذَلِكَ مُتْرَفِينَ ۝۳۵ وَكَانُوا يُصِرُّونَ عَلَى الْحِنثِ الْعَظِيمِ ۝۳۶

بے شک وہ تھے اس سے پہلے نعمتوں میں۔ اور تھے ڈٹے ہوئے گناہ بڑے پر۔

(آیت نمبر ۳۲) جلتی آگ میں ہونگے۔ آگ جو ان کے تمام مسام اور جسم کے لوں لوں میں گھس کر ان کو جلا دے گی اور یہی نہیں بلکہ کھولتا ہوا پانی انہیں پلایا جائیگا۔ جس سے اندر کی آنتیں وغیرہ سب جل جائیں گی۔

(آیت نمبر ۳۳) اور انہیں سایہ ملے گا جلتی آگ کے دھوئیں کا۔ جو انتہائی سخت کالا ہوگا۔ امام ضحاک نے فرمایا۔ آگ بھی سیاہ۔ دھواں بھی سیاہ اور اس میں داخل ہونے والے بھی سیاہ بلکہ جہنم کی ہر چیز سیاہ ہوگی۔ ان لوگوں کیلئے جو سیکریت یا حقہ پی کر سیاہ دھواں نکالتے ہیں۔ تمباکو نوشی سے تباہ کن بیماریاں پیدا ہوتی ہیں۔ زیادہ تر کینسر اسی کی وجہ ہوتی ہے۔ اسی لئے علماء نے اسے حرام کہا ہے۔

(آیت نمبر ۳۴) وہ دھواں نہ ٹھنڈک دے گا باقی سائیوں کی طرح اور نہ عزت چھوڑے گا کیونکہ سخت آگ سے شکل بگڑ جائے گی اور وہ کتے کی طرح ادھر ادھر بھاگے گا۔ فرشتے اوپر سے ماریں گے۔ وہاں تو ذلت ہی ذلت کیونکہ جہنمی عزت کے تو لائق ہی نہیں ہوں گے۔ دنیا میں جو انہیں عزت ملی تو انہوں نے ناجائز فائدہ اٹھایا۔

(آیت نمبر ۳۵) بے شک وہ اس سے پہلے یعنی دنیا میں ہر قسم کی نعمتوں میں تھے۔

فائدہ: یہ علت ہے ان کے عذاب کی کہ انہوں نے دنیا میں رہ کر نعمتوں کا غلط استعمال کیا اور اللہ تعالیٰ سے سرکشی کی۔ یہ دنیا میں طرح طرح کی نعمتیں استعمال کرتے (اور مسلمانوں پر ظلم کرتے تھے)۔ اعلیٰ محلوں میں رہتے۔ بڑی ٹھاٹھ سے زندگی بسر کرتے تھے۔ خدا کا نام نہ خود لیتے نہ اوروں کو لینے دیتے۔

(آیت نمبر ۳۶) اور بہت بڑے بڑے گناہوں پر ضد کرتے۔ یعنی شرک وغیرہ برڈٹ جاتے اور قسمیں کھا کر جھوٹ بولتے اور کہتے مرنے کے بعد زندہ ہونا نہیں ہے اسی لئے حضور ﷺ نے فرمایا ہے کہ دنیا کی محبت ہر گناہ کی اصل ہے اور گناہ جہنم میں لے جانے والا ہے۔

وَكَاثُوا يَقُولُونَ : اِنِّذَا مِتْنَا وَكُنَّا تُرَابًا وَعِظَامًا اِنَّا لَمَبْعُوثُونَ ﴿۴۷﴾

اور کہتے تھے کیا جب ہم مر کر مٹی ہوں گے اور ہڈیاں تو کیا ہم ضرور اٹھائے جائیں گے۔

اَوَاٰبَاؤُنَا الْاَوَّلُوْنَ ﴿۴۸﴾ قُلْ اِنَّ الْاَوَّلِيْنَ وَالْاٰخِرِيْنَ ﴿۴۹﴾ لَمَجْمُوعُوْنَ

کیا ہمارے باپ دادا اگلے بھی۔ فرمادو بے شک اگلے اور پچھلے جمع کئے جائیں گے

اِلٰی مِيقَاتٍ يَوْمَ مَعْلُوْمٍ ﴿۵۰﴾

ضرور ایک وعدے جانے ہوئے دن میں۔

(آیت نمبر ۴۷) دنیا میں یہ بڑی سرکشی اور عناد سے کہا کرتے تھے کہ کیا جب ہم مر جائیں گے۔ ہمارے گوشت پوست اور ہڈیاں مٹی سے مل جائیں گی۔ کیا واقعی ہم دوبارہ اٹھائے جائیں گے۔ یعنی جب بدن مٹ جائیں گے۔ پھر کیسے زندہ ہوں گے۔ یعنی وہ مرنے کے بعد دوبارہ جی اٹھنے کے سخت منکر تھے۔

(آیت نمبر ۴۸) کیا ہم سے پہلے باپ دادا پر دادایا ماں سے اوپر کے رشتے وغیرہ وہ بھی زندہ ہونگے اور مرنے کے بعد کیا وہ دوبارہ اٹھیں گے۔ جواب تک مٹی سے مل گئے۔ بے نام و نشان ہو گئے۔ وہ کیسے زندہ ہوں گے۔ یعنی ان کا یہ خیال تھا کہ دوبارہ زندہ ہونا بالکل محال ہے۔

(آیت نمبر ۴۹) اے محبوب فرمادیں۔ بے شک پہلے اور پچھلے یعنی جو امتیں پہلے گذریں اور تم اور تمہاری اولادیں جو بھی ہوں۔ سب کے سب جو مر گئے۔ مر رہے ہیں یا مریں گے۔ وہ سب ایک دن مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کر کے اپنی قبروں سے اٹھائے جائیں گے۔

(آیت نمبر ۵۰) پھر تمام ضرور اکٹھے کئے جائیں گے۔ ایک مقررہ میعاد کیلئے۔ وہ ایک ایسا وقت ہے۔ جس کی حد بندی اللہ تعالیٰ نے بہت پہلے فرمادی۔ وہ اسی کو معلوم ہے۔ اسی نے معین فرمائی ہے۔ یعنی ایسا دن جو دنیا کا آخری دن ہے اس سے مراد قیامت کا دن ہے۔ جیسے میقات حد بندی کو کہا گیا ہے۔ جہاں سے آگے بغیر احرام کے کوئی مسلمان نہیں جاسکتا۔ اس طرح یہاں بھی میقات سے مراد قیامت ہے۔ (اس سے آگے دنوں کا سلسلہ ختم ہو جائیگا)۔

ثُمَّ إِنَّكُمْ أَيُّهَا الضَّالُّونَ الْمُكَذِّبُونَ ۖ (۵۱) لَا تَكُلُونَ مِنْ شَجَرٍ مِنْ زُكُومٍ ۖ (۵۲)

پھر بے شک تم اے گمراہو جھٹلانے والو۔ ضرور کھاؤ گے درخت تھوہر سے۔

فَمَا لَثَوُونَ مِنْهَا الْبُطُونَ ۖ (۵۳) فَشَرِبُونَ عَلَيْهِ مِنَ الْحَمِيمِ ۖ (۵۴)

پھر بھرو گے اس سے پیٹ۔ پھر پیو گے اس پر کھولتا پانی۔

فَشَرِبُونَ شُرْبَ الْهِيمِ ۖ (۵۵)

تو پیو گے جیسے پیتا ہے سخت پیاسا اونٹ۔

(آیت نمبر ۵۱) پھر بے شک تم اے مکے والو گمراہو اور جھٹلانے والو۔ یہ خطاب مرنے کے بعد دوبارہ زندہ ہونے پر اعتراض کرنے والوں کو ہے اور اس کا عطف ”الاولون“ پر ہے۔ یعنی اے حق اور ہدایت سے دور قیامت کی تکذیب کرنے والو۔ اور نبی ﷺ کی ہر ہر بات پر اعتراض کرنے والو۔

(آیت نمبر ۵۲) تم مرنے کے بعد جب دوبارہ زندہ ہو گے۔ حشر کے بعد جہنم میں جاؤ گے تو ضرور کھاؤ گے۔ تھوہر کے درخت سے جو انتہائی کڑوا اور بد ذائقہ ہوگا۔ اور بدبودار ہوگا۔ جسے قرآن میں شجرہ ملعونہ کہا گیا ہے۔ وہ تمہیں کھانے کیلئے ملے گا۔ جو بادل نخواستہ کھانا ہوگا۔ اور پٹائی الگ ہوگی، سانپ بچھو الگ کاٹتے ہوں گے۔

(آیت نمبر ۵۳) اسی سے تم اپنے پیٹوں کو بھرنے والے ہو گے۔ یعنی اس بد مزہ کو بھی کھاؤ گے۔ یا تمہیں وہ زبردستی کھلایا جائیگا۔ یہ تمہیں عذاب پر عذاب ہوگا۔ یعنی اس آیت میں ان کے انتہائی سخت عذاب کا بیان ہے۔

(آیت نمبر ۵۴) تھوہر کا درخت کھانے کے بعد سخت پیاس جب ستائے گی تو فوراً پییں گے۔ انتہائی سخت گرم اور جوش مارتا پانی۔ یہ اس سے بھی بڑا عذاب بن جائے گا۔ نہ اس سے منہ لگ سکے۔ نہ پیٹ میں جا کر سکون دے گا۔

(آیت نمبر ۵۵) تو اس گرم پانی کو پیاس سے اونٹ کی طرح پییں گے۔ یعنی وہ پینا دنیوی پینے کی طرح نہیں ہوگا۔ جو مزے لے کر پیتے تھے۔ وہ اونٹ جو پانی پیتا جاتا ہے۔ مگر اس کی پیاس ختم نہیں ہوتی۔ یہاں تک کہ وہ مر جائے یا پیٹ پھٹ جائے۔ تو جہنمی بھی جب سخت گرم پانی پییں گے تو اس سے پیٹ کی آنتیں بھی ان کی کٹ کر باہر آجائیں گی اور وہ اسے رک رک کر پییں گے۔ جیسے گرم چاہے پیتے ہیں۔

هَذَا نُزُلُهُمْ يَوْمَ الدِّينِ ۝ (۵۶) نَحْنُ خَلَقْنَاكُمْ فَلَوْلَا تُصَدِّقُونَ ۝ (۵۷)

یہ ان کی مہمانی ہے بروز قیامت۔ ہم نے پیدا کیا تمہیں تو کیوں نہیں مانتے۔

أَفَرَأَيْتُمْ مَا تُمْنُونَ ۝ (۵۸) ءَأَنْتُمْ تَخْلُقُونَهُ أَمْ نَحْنُ الْخَالِقُونَ ۝ (۵۹)

بھلا دیکھو جو تم منی گراتے ہو۔ کیا تم پیدا کرتے ہو اسے یا ہم ہیں پیدا کرنے والے۔

(آیت نمبر ۵۶) یہ ان کی مہمانی ہے قیامت کے دن یعنی پہلے سے ہی ان کیلئے تیار کر دی گئی۔ جیسے مہمان کیلئے اس کے آنے سے پہلے ہی کھانا وغیرہ تیار کر کے پیش کیا جاتا ہے۔

سبق: یہ ان کی خاطر جاتے ہی ہوگی۔ آگے جو زمانہ ان کا گزرے گا۔ اس میں ان کا کیا برا حال ہوگا۔ کیونکہ دوزخ ہی ان کا ہمیشہ کیلئے ٹھکانہ ہے۔ دوسرے مقام پر فرمایا کہ انہیں دردناک عذاب کی خوشخبری سنادو۔ یہ کلام بطریق تذلیل کی گئی ہے۔ کہ ان کی ذلت رسوائی اور ہر وقت پٹائی ہوگی۔

(آیت نمبر ۵۷) ہم نے تمہیں پیدا کیا تو پھر اے کافرو۔ تم مانتے کیوں نہیں۔ یعنی جب تم عدم محض تھے تو ہم نے تمہیں اپنے کرم سے پیدا کر لیا۔ اب دوبارہ زندہ کرنا ہمارے لئے کیا مشکل ہے۔ پہلی دفعہ کو مانتے ہو تو دوبارہ زندہ ہونے کا کیوں انکار کرتے ہو۔ دوبارہ زندہ کرنا تو پہلی مرتبہ سے زیادہ آسان ہے۔

(آیت نمبر ۵۸) بھلا دیکھتے ہو جو منی گراتے ہو۔ یعنی اپنی عورتوں کے رحموں میں جو تم منی ڈالتے ہو۔ (اسے کون خون اور پھر لوتھڑا۔ پھر گوشت اور ہڈی بناتا ہے اور پھر کون اس میں روح ڈالتا ہے۔ آخر کوئی ذات ہے۔ جو اتنے مراحل کے بعد ایک مکمل انسان بنا کر ماں کے پیٹ سے باہر نکالتا ہے۔ وہی قیامت کے دن بھی سب کو زندہ فرمائے گا۔ اس میں کیوں شک کرتے ہو۔

(آیت نمبر ۵۹) کیا تم اسے پیدا کرتے ہو۔ یعنی اس منی کے بعد اس کی باڈی شکل و صورت تم بناتے ہو اور مکمل تیار کر کے ماں کے پیٹ سے تم باہر لاتے ہو یا زور مادہ تم بناتے ہو یا ہم پیدا کرنے والے ہیں۔

فائدہ: حقیقت یہی ہے کہ ہم ہی اسے پیدا کرنے والے ہیں اور ہم ہی اسے ماں کے پیٹ سے باہر لانے والے ہیں۔ مخلوق میں سے کسی میں یہ قدرت نہیں۔ تو پھر اس ہماری قدرت کو دنیا تک ہی کیوں محدود سمجھتے ہو۔

نَحْنُ قَدَرْنَا بَيْنَكُمْ الْمَوْتَ وَمَا نَحْنُ بِمَسْبُوقِينَ ﴿٦٠﴾ عَلَىٰ أَنْ تُبَدِّلَ أَمْثَالَكُمْ

ہم نے مقدر کیا تم میں موت کو اور نہیں ہم پہل کرنے والے۔ اس پر کہ ہم بدل کر تم جیسے

وَنُنَشِّئُكُمْ فِي مَا لَا تَعْلَمُونَ ﴿٦١﴾ وَلَقَدْ عَلِمْتُمُ النَّشْأَةَ الْأُولَىٰ

اور پیدا کریں اور تمہیں ایسا پیدا کریں جو نہیں تم جانتے۔ اور تحقیق جان لیا تم نے اٹھان پہلی کو

فَلَوْلَا تَذَكَّرُونَ ﴿٦٢﴾

پھر کیوں نہیں سوچتے۔

(آیت نمبر ۶۰) ہم نے ہی تمہارے درمیان موت مقدر فرمائی۔ یعنی ہر ایک کی موت کا وقت مقرر فرما دیا۔ جیسا کہ ہماری مشیت کا تقاضا تھا۔ جس میں کئی حکمتیں تھیں۔ کسی کی چھوٹی عمر میں کسی کو بڑی عمر میں موت دی۔ آگے فرمایا کہ ہم اس میں سبقت کرنے والے نہیں ہیں۔ یعنی وقت سے پہلے موت نہیں بھیجتے۔ موت اپنے پورے وقت پر آتی ہے۔ اس میں بھی امتحان ہے۔ حکایت: علامہ اسماعیل حقی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ مجھے ایک دن سحری کے وقت خواب میں کہا گیا۔ صبر کر۔ وہی ہوگا جو مقدر میں ہے۔ چند ہی دن بعد میری بچی بیمار ہو کر فوت ہو گئی۔ اللہ تعالیٰ اسے میرے لئے شافعہ مشفعہ بنائے۔

(آیت نمبر ۶۱) اس بات پر کہ ہم تبدیل کر دیں تمہارے جیسے اور لوگ یعنی اگر ہم تمہیں لے جائیں اور تمہاری جگہ تم جیسے اور لوگ لے آئیں۔ اس بات کی ہمیں قدرت ہے۔ ہم پر کوئی غالب نہیں۔ ہمیں سب پر غلبہ حاصل ہے۔ آگے فرمایا۔ ہم تمہاری طرح کی تخلیق و اطوار میں وہ پیدا کر سکتے ہیں۔ جنہیں تم نہیں جانتے۔ فائدہ: حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے ارشاد کا مطلب یہ ہے کہ ہم تمہیں پہلی قوموں کی طرح شکل مسخ کر کے بندر خنزیر بنا دیں اور دوسرے لوگوں کو لے آئیں۔ جنہیں تم نہیں جانتے۔ ہم ایسا کرنے پر قادر ہیں، لہذا ایسا کرنے سے ہم عاجز نہیں ہیں۔ فائدہ: یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس آیت میں وعید ہو کہ لوگ اللہ تعالیٰ کی قدرت کو نہیں جانتے یا وہ ان اشیاء کی صفات سے آگاہ نہیں ہیں۔

(آیت نمبر ۶۲) اور البتہ تحقیق نشاۃ اولیٰ کا تو تمہیں علم ہے ہی کہ تم نطفہ سے علقہ پھر مضغ بنے۔ پھر بچہ بن گیا۔ بعض بزرگوں نے فرمایا کہ نشاۃ اولیٰ سے مراد خلقت آدم علیہ السلام ہے۔ اس میں ان کی تخلیق جو مٹی سے ہوئی۔ اس کی طرف اشارہ ہے۔ لہذا ہمیں تقدیر الہی پر ایمان رکھنا چاہئے۔

أَفَرَأَيْتُمْ مَا تَحْرُثُونَ ۚ ﴿٣٣﴾ ءَأَنْتُمْ تَزْرَعُونَهُٗٓ أَمْ نَحْنُ الزَّارِعُونَ ۚ ﴿٣٤﴾

کیا دیکھا تم نے جو تم بیج ڈالتے ہو۔ کیا تم کھیتی اگاتے ہو یا ہم ہیں کھیتی تیار کرنے والے

(بقیہ آیت نمبر ۶۲) آگے فرمایا۔ تو تم اس میں کیوں نہیں سوچتے۔ یا اس سے تم کیوں نصیحت حاصل نہیں کرتے۔ یعنی جو ذات پہلی تخلیق پر قادر ہے۔ وہ دوسری تخلیق (اس کے اعادے) پر بھی قادر ہے کیونکہ دوسری بہ نسبت پہلی کے زیادہ آسان ہے۔ حدیث شریف میں ہے کہ اس کی تکذیب پر تعجب ہے۔ جو نشاۃ اولیٰ کو مانتا ہے۔ لیکن نشاۃ ثانیہ کا منکر ہے اور اس پر بھی تعجب ہے۔ جو نشاۃ ثانیہ یعنی آخرت کی تصدیق کرتا ہے لیکن اس کی ساری جدوجہد دارالغور یعنی دنیا ہی کیلئے ہے (تفسیر قرطبی)۔ فائدہ: اس آیت میں قیاس پر بھی دلیل ہے۔ یعنی جو نشاۃ اولیٰ کا قائل ہے۔ اسے نشاۃ ثانیہ بھی ماننی چاہئے۔ لیکن افسوس ہے کہ ایک کا قائل ہے اور دوسری سے جاہل اس کے لئے لازم ہے کہ جس کا قائل ہے اس سے جہالت کو دور کرے (اسی کو قیاس کہتے ہیں)۔

(آیت نمبر ۶۳) بھلا بتاؤ کہ جو تم زمین میں کھیتی باڑی کرتے ہو۔ یعنی زمین میں بیج ڈالتے ہو پھر پانی پلاتے ہو۔ حرث کا معنی ہے۔ زمین کو بیج ڈالنے سے پہلے فصل پکانے کیلئے تیار کرنا۔ یعنی غور کرو کہ فصل کیسے تیار ہوتی ہے۔

(آیت نمبر ۶۴) کیا تم کھیتی اگاتے اور اسے بڑھاتے ہو اور اس کو آخری منزل تک پہنچاتے ہو۔ یا ہم اسے اگانے والے ہیں۔ تم اگانے والے نہیں ہو۔ نہ اگا سکتے ہو نہ بڑھا سکتے ہو۔ یہ سب اللہ تعالیٰ کی کاریگری ہے کہ وہ کس طرح تمہارے لئے اور تمہارے جانوروں کیلئے غذا زمین سے نکالتا ہے۔ یعنی انسان تو صرف زمین کو نرم کر کے بیج ڈال دیتا ہے۔ آگے سارے کام اللہ تعالیٰ کے ہیں۔

فائدہ: یہ سب خدائی کام ہیں۔ بندوں میں یہ قدرت کہاں ہے۔ کہ وہ کچھ بھی پیدا کر سکے۔

حدیث شریف: تم میں کوئی یہ نہ کہے میں نے کھیتی اگائی کیونکہ کھیتی اگانے والا اللہ تعالیٰ ہے (سنن الکبریٰ)۔ اگرچہ کھیتی باڑی ہل وغیرہ چلانا بندوں کا کام ہے لیکن اس میں خوشہ یادانہ اگانا یہ اللہ تعالیٰ کا کام ہے۔

کھیتی بڑھانے کا وظیفہ: تعوذ اور تسمیہ کے بعد یہی آیات پڑھے اور کہے ”اللہ زارع والمنبت والمبلغ اللهم صل علی محمد وعلی آل محمد ورزقنا ثمرہ الخ“ یہ دعا اس کھیتی کیلئے امان ہوگی۔ آفات۔ کیڑوں۔ مکوڑوں اور مٹیوں سے نجات ملے گی۔ یہ بھی قیاس کی دوسری قسم ہے کہ جو ذات خشک زمین سے فصل اگا سکتا ہے۔ وہ انسانوں کو بھی دوبارہ زندہ کر سکتا ہے۔

لَوْ نَشَاءُ لَجَعَلْنَاهُ حُطَامًا فَظَلْتُمْ تَفَكَّهُونَ ﴿٦٥﴾ إِنَّا لَمَغْرُمُونَ ﴿٦٦﴾

اگر ہم چاہیں تو ضرور کر دیں اسے روندنا ہوا پھر تم باتیں ہی بناتے رہ جاؤ۔ کہ ہم پر چٹی پڑ گئی۔

بَلْ نَحْنُ مَحْرُومُونَ ﴿٦٧﴾ أَفَرَأَيْتُمُ الْمَاءَ الَّذِي تَشْرَبُونَ ﴿٦٨﴾

بلکہ ہم محروم ہو گئے۔ کیا دیکھا تم پانی جو تم پیتے ہو۔

ءَأَنْتُمْ أَنْزَلْتُمُوهُ مِنَ الْمُزْنِ أَمْ نَحْنُ الْمُنْزِلُونَ ﴿٦٩﴾

کیا تم نے اتارا اسے بدلیوں سے یا ہم ہیں اتارنے والے۔

(آیت نمبر ۶۵) اگر ہم چاہیں تو تمہاری نافرمانیوں کی وجہ سے ہم تمہاری اگی ہوئی کھیتی کا بھوسہ بنانا چاہیں اور یاریزہ ریزہ کرنا چاہیں تو ہم کر سکتے ہیں۔ یعنی جس کھیتی کے فصل سے تم غلہ کی امید رکھتے تھے۔ ہم اسے چورہ چورہ کر کے ضائع کر دیں اور تم باتیں ہی کرتے اور تعجب کرتے رہ جاؤ یا اپنے کئے پر نادام و پشیمان ہو جاؤ۔

(آیت نمبر ۶۶) اور تم یہ کہو کہ ہم پر تو چٹی پڑ گئی۔ یعنی جو اس پر خرچ کیا تھا۔ وہ بھی ہمیں نمل سکا۔ ہماری سال بھر کی محنت کا صلہ ملنا تو درکنار اس میں جو ہم نے بیج وغیرہ ڈالا تھا۔ وہ بھی ہمیں وصول نہ ہو سکا۔

(آیت نمبر ۶۷) بلکہ ہم تو محروم ہو گئے۔ اپنے رزق سے ہم بے نصیب ہو گئے۔ ہمیں خوشحالی نصیب نہ ہو سکی۔ حدیث میں ہے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ حضور ﷺ ایک انصاری کے کھیت کے پاس سے گزرے تو فرمایا۔ اس میں بیج کیوں نہیں ڈالتے۔ انہوں نے کہا یہ قحط زدہ ہے۔ تو فرمایا۔ کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ کھیتی میں اگانا ہوں۔ چاہے تو پانی سے اگائے یا ہوا سے اگائے۔ بیج ڈالنا تمہارا کام ہے اور کھیتی اگانا رب کا کام ہے۔ (تفسیر العنسی)

(آیت نمبر ۶۸) کیا تم نے دیکھا ہے جو تم پانی پیتے ہو بلکہ ہر ذی روح چیز کی زندگی پانی سے واسطہ ہے۔ بیٹھا۔ ستر اصف۔ اگرچہ پانی اور بھی کاموں میں استعمال ہوتا ہے۔ لیکن اس کے اہم مقاصد میں انسان کا اسے پینا ہے کیونکہ تمام ذی روح چیزوں کا پانی کے بغیر تو جینا محال ہو جائے۔

(آیت نمبر ۶۹) کیا یہ پانی تم نے بدلیوں سے اتارا ہے۔ یا ہم اسے اپنی قدرت سے اتارنے والے ہیں۔ یعنی یہ سب کچھ ہماری قدرت سے ہو رہا ہے۔ کہ ہم بدلیوں کو چلا کر وہاں لے جاتے ہیں۔ جہاں ہم بارش برساتا چاہتے ہیں۔ یہ کام ہمارے بغیر کوئی نہیں کر سکتا۔

لَوْ نَشَاءُ جَعَلْنَاهُ أَجَاغًا فَلَوْلَا تَشْكُرُونَ ﴿٤٠﴾ أَفَرَأَيْتُمُ النَّارَ الَّتِي تُورُونَ ﴿٤١﴾

اگر ہم چاہیں کر دیں اسے کھاری تو پھر کیوں نہیں شکر کرتے۔ کیا تم نے دیکھی آگ جسے تم روشن کرتے ہو

ءَ أَنْتُمْ أَنْشَأْتُمْ شَجَرَتَهَا أَمْ نَحْنُ الْمُنْشِئُونَ ﴿٤٢﴾ نَحْنُ جَعَلْنَاهَا تَذْكِرَةً

کیا تم نے پیدا کیا اس کا درخت یا ہم ہیں پیدا کرنے والے۔ ہم نے ہی بنایا اسے یادگار

وَمَتَاعًا لِلْمُقْوِينَ ﴿٤٣﴾

اور نفع مسافروں کیلئے۔

(آیت نمبر ۴۰) اگر ہم چاہتے تو اسے کھاری بنا دیتے۔ یعنی ایسا کڑوا اور بے مزہ کہ اس کا پینا محال ہوتا۔ کھانے والی چیز کی وعید سخت تھی بہ نسبت پینے کی چیز کے چونکہ کھانے کی حاجت پینے کی نسبت زیادہ ہوتی ہے۔ آگے فرمایا تو پھر تم شکر کیوں نہیں ادا کرتے۔ یعنی جن کھانے اور پینے کی نعمتوں کا ذکر ہوا ہے۔ وہ ہم نے تمہیں وافر دیا۔ تو اس پر تمہارا حق ہے کہ تم نعمتیں دینے والے کا شکریہ ادا کر کے اس کی توحید کا اقرار کرو اور اس کے حکموں پر چلو۔ اس کی ہر کام میں اطاعت کر کے شکر گزار بنو۔ تاکہ تمہیں مزید عطا کیا جائے۔

(آیت نمبر ۴۱) بھلا یہ بتاؤ کہ جو آگ تم روشن کرتے ہو۔ اہل عرب بلکہ پرانے دور میں چقماق وغیرہ سے آگ روشن کرتے تھے۔ یعنی دو لکڑیوں کو ملا کر آپس میں رگڑتے تو اس سے آگ پیدا ہو جاتی تھی۔

(آیت نمبر ۴۲) کیا تم نے اس کا درخت پیدا کیا ہے۔ ظاہر ہے کہ اس درخت کو بھی اللہ تعالیٰ نے ہی پیدا فرمایا ہے۔ جس طرح باقی درختوں اور پودوں کو اس نے پیدا کیا۔ اس کے علاوہ کسی میں یہ قدرت نہیں ہے۔

(آیت نمبر ۴۳) ہم نے اسے یادگار بنایا تاکہ لوگوں کو اس کے فوائد معلوم ہوں اور وہ اس کے ذریعے اسباب معاش تیار کریں۔ یا یہ مطلب ہے۔ اس کی وجہ سے جہنم کی یاد دلائی کہ جہنم میں بھی اس طرح کی آگ ہوگی تاکہ لوگ اس سے نصیحت حاصل کریں۔ حدیث شریف: حضور ﷺ نے فرمایا کہ جہنم کی آگ تمہاری اس آگ سے ستر گنا زیادہ سخت ہے۔ (بخاری، باب کیف بدء الخلق)

مکرمین عذاب قبر پر حجت: عین المعانی میں ہے کہ یہ آیت مکرمین عذاب قبر کیلئے حجت ہے۔ وہ اس طرح کہ جیسے لکڑی کے باہر آگ نظر نہیں آتی مگر اس کے اندر آگ موجود ہے۔ اسی طرح کسی کافر مردہ کو عذاب ہوتا ہوا ہم نہ دیکھ سکیں۔ تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ اسے عذاب نہیں ہو رہا۔ عالم برزخ میں اسے ضرور عذاب ہو رہا ہے۔

فَسَبِّحْ بِاسْمِ رَبِّكَ الْعَظِيمِ ۝ (۷۴) فَلَا أُقْسِمُ بِمَوَاقِعِ النُّجُومِ ۝ (۷۵)

پھر تسبیح پڑھ ساتھ نام رب اپنے کے جو بڑا ہے۔ مجھے قسم ہے ان جگہوں کی جہاں ستارے ڈوبتے ہیں

وَأَنَّهُ لَقَسَمٌ لِّوُ تَعْلَمُونَ عَظِيمٌ ۝ (۷۶)

بے شک یہ ضرور قسم ہے اگر جانو تو بہت بڑی۔

(بقیہ آیت نمبر ۷۳) اسی طرح قبر میں ظاہر آگ نظر نہیں آتی مگر حقیقتاً کفار و مشرکین آگ میں جل رہے ہیں۔ آگے فرمایا کہ اس درخت میں مسافروں کیلئے بھی نفع ہے۔ اس لئے کہ ہر وقت آگ اٹھانا مشکل کام تھا۔ مسافروں کا ذکر بھی اس لئے کیا کہ ان کو اس کی زیادہ ضرورت تھی کہ سردی میں آگ سے گرم ہو سکیں۔ کھانا وغیرہ پکا سکیں۔ گویا یہ بھی اللہ تعالیٰ کی نعمتوں میں سے ایک نعمت ہے۔

(آیت نمبر ۷۴) اے محبوب اپنے رب عظیم کی پاکی بیان کریں۔

فائدہ: یہ تسبیح رب تعالیٰ کی نعمتوں کے شکرانہ میں ہے اور ذکر رب سے مراد تلاوت قرآن مجید ہے۔ عظیم رب تعالیٰ کی صفات میں سے ہے۔ کہ اس رب کی تسبیح کرو۔ کیونکہ وہ اعظم ہے۔ اسے کسی کی حاجت نہیں سب اس کے محتاج ہیں۔ وہ ذات پاک ہے بندوں کو تسبیح پڑھنے کا حکم دیا تاکہ وہ بھی پاک ہو جائیں۔

(آیت نمبر ۷۵) مجھے قسم ہے ان مقامات کی جہاں جہاں ستارے ڈوبتے ہیں۔ یعنی وہ جہاں بھی ہیں۔ غروب آفتاب کے بعد ظاہر ہوتے ہیں اور طلوع آفتاب کے بعد غائب ہو جاتے ہیں۔ یا تہجد گزاروں اور اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں عاجزی والوں کا وقت سحری کا ہے اور یہی وقت نزول رحمت کا ہے۔ جب ستارے ڈوبنے کے قریب ہوتے ہیں۔ **فائدہ:** ابن عباس رضی اللہ عنہما کے مذہب کے مطابق نجوم سے مراد نجوم القرآن ہے اور بعض بزرگ فرماتے ہیں کہ اس سے مراد اصحابی کا نجوم ہے۔ کیونکہ ہر صحابی چمکتا ستارہ ہے۔ اور ہدایت کے متلاشی ان سے روشنی حاصل کر سکتے ہیں۔ یعنی تمام صحابہ ستارے ہیں۔ بعض نے اس سے مراد علماء یا اولیاء یا ان کے مزارات لئے ہیں۔

(آیت نمبر ۷۶) بے شک یہ قسم اگر تم جانو تو بہت بڑی ہے۔ اس لئے کہ جس کی قسم دی گئی وہ بڑی عظمت و قدرت و حکمت والا ہے کہ اس نے بندوں کو عظیم الشان کتاب عطا کی۔ اگر انہیں سمجھ ہوتی تو وہ اس کتاب کو عظیم سمجھتے اور اس کے مطابق عمل کرتے۔ گویا اس امر عظیم میں مخاطب کی کوتاہی کا ذکر ہے۔

إِنَّهُ لَقُرْآنٌ كَرِيمٌ ۝ (۷۷) فِي كِتَابٍ مَّكْنُونٍ ۝ (۷۸) لَا يَمَسُّهُ إِلَّا الْمُطَهَّرُونَ ۝ (۷۹)

بے شک یہ قرآن ہے عزت والا۔ کتاب محفوظ میں۔ نہیں چھوتے اسے مگر بہت پاک۔

تَنْزِيلُ مِّن رَّبِّ الْعَالَمِينَ ۝ (۸۰)

اتارا ہوا ہے رب العالمین کی طرف سے۔

(آیت نمبر ۷۷) بے شک یہ تو عزت والا قرآن ہے۔ اور اس میں بے شمار منافع ہیں۔ کیونکہ اس میں دنیا و آخرت کے مقاصد کا بیان ہے۔ کریم اس لئے کہ باقی کتب کی نسبت یہ زیادہ احسن اور پسندیدہ ہے۔ اس لئے کہ اس میں مکارم اخلاق اور بڑے بلند امور اور اعلیٰ افعال کا بیان ہے۔ بعض نے فرمایا کہ کریم اس لئے ہے کہ بھیجنے والا بھی کریم اور جن کے پاس آیا وہ بھی کریم ہے۔

(آیت نمبر ۷۸) وہ محفوظ لکھے ہوئے میں ہے۔ یعنی اس پر فرشتوں کے سوا کوئی بھی مطلع نہیں۔ وہ لوح محفوظ میں ہے۔ علماء ظاہر کے لئے تو وہ پردہ اخفاء میں ہے۔ اگر انہوں نے کچھ سمجھا ہے تو صرف اس کے ظاہر کو۔ حقائق کو وہ نہیں جان سکے۔ البتہ علماء باطن کے سامنے اس کا عقدہ کھلا اور انہیں اس کی حقیقت معلوم ہوئی کیونکہ قرآن مجید کے عجائب و غرائب کی کوئی انتہاء نہیں۔

(آیت نمبر ۷۹) اسے ہاتھ نہیں لگاتے مگر پاک۔ اس سے مراد فرشتے ہیں۔ جو ہر طرح کی جسمانی گندگیوں سے پاک ہیں اور گناہوں سے معصوم ہیں۔ قرآن کو مصحف بھی کہا جاتا ہے۔ حدیث: بے وضو قرآن کو ہاتھ نہ لگائے۔ (رواہ مالک) مسئلہ: بے وضو قرآن کو ہاتھ نہ لگائے۔ البتہ اگر اس پر پکڑے کا الگ غلاف ہو تو جائز ہے۔ اگر زبانی پڑھے تو اس میں کوئی حرج نہیں۔ (بعض لوگ جو کہتے ہیں کہ قرآن کو بے وضو آدمی بھی ہاتھ لگا سکتا ہے وہ غلط کہتے ہیں۔ جس آیت کا ترجمہ یا تفسیر حضور نے بیان کر دی۔ پھر دنیا کا کوئی مولوی مفتی اپنی رائے اس میں نہیں دے سکتا۔) مسئلہ: جنبی حالت میں نہ پڑھ سکتا ہے نہ قرآن پکڑ سکتا ہے۔ خالی دیکھ سکتا ہے۔ فائدہ: جس کاغذ پر آیات لکھی ہوں یا درہم وغیرہ پر لکھی ہوں تو بے وضو اسے بھی نہیں پکڑ سکتے۔ (ان مسائل پر مزید تفصیل فیوض الرحمن میں دیکھ لیں)۔

(آیت نمبر ۸۰) قرآن پاک کا اترنا رب العالمین کی طرف سے ہے۔ یہاں تنزیل بمعنی منزل ہے۔ یعنی یہ علت ہے بے وضو ہاتھ نہ لگانے کی کہ یہ کتاب اللہ تعالیٰ کی طرف سے آئی ہے۔ لہذا اس کی تعظیم یہی ہے کہ اسے کوئی بھی جن و انس بے وضو حالت میں ہاتھ نہ لگائے۔

أَفَبِهَذَا الْحَدِيثِ أَنْتُمْ مُذْهِبُونَ ۖ (۸۱) وَتَجْعَلُونَ رِزْقَكُمْ أَنْكُمْ تُكَذِّبُونَ ۖ (۸۲)

تو کیا اس بات میں تم سستی کرتے ہو۔ اور کرتے ہو اپنا حصہ یہ کہ تم اسے جھٹلاتے ہو۔

فَلَوْلَا إِذَا بَلَغَتِ الْحُلُقُومَ ۖ (۸۳) وَأَنْتُمْ حِينِيذٍ تَنْظُرُونَ ۖ (۸۴)

تو کیوں نہیں جب نکل کر جان گلے تک پہنچے گی اور تم اس وقت دیکھتے رہو۔

(آیت نمبر ۸۱) تو کیا ایسی حدیث یعنی وہ کتاب جس کی صفات بیان کی گئیں۔ جو اس کے عظیم ہونے اور بزرگ ہونے پر دلالت کرتی ہیں۔ مفادہ: قرآن مجید کو حدیث اس لئے کہا گیا ہے کہ اس میں بڑے بڑے حوادث کا بیان ہے تو فرمایا اے اہل مکہ تم اس قرآن پاک کے معاملے میں سستی برتنے والے ہو یا اس کو ہلکا جانتے ہو۔ جیسے کوئی شخص کسی کام کو حقیر جان کر اس کی کوئی پرواہ نہیں کرتا۔ یا کوئی کسی کیلئے نرم گوشہ رکھتا ہے۔

مداہنت اور مدارات میں فرق: الاحیاء میں ہے۔ مداہنت کا مطلب یہ ہے کہ بندہ اپنی نفسانی خواہش اور دنیوی نفع کیلئے کسی کی عزت کرتا ہے تو یہ مداہنت ہے اور اگر دوسرے کی اصلاح کیلئے اس کی عزت کرے تو یہ مدارات ہے۔ مسلمان کو کبھی بھی کسی کافر کی مداہنت نہیں کرنی چاہئے۔

(آیت نمبر ۸۲) اور تم اپنے حصہ کو یوں حاصل کرتے ہو کہ تم اسے جھٹلاتے ہو یا تم اپنے رزق کا شکر یوں کرتے ہو کہ اللہ تعالیٰ کا شکر کرنے کے بجائے یوں کہتے ہو یہ فلاں ستارے کی وجہ سے بارش ہوتی ہے۔ اور ہمیں رزق فلاں بت کی وجہ سے ملتا ہے۔ حدیث شریف: حضور ﷺ نے فرمایا۔ مجھے امت کی طرف سے تین باتوں کا بہت خطرہ ہے: (۱) خلیفوں کا ظلم و ستم۔ (۲) تقدیر کو جھٹلانا۔ (۳) ستاروں پر ایمان رکھنا۔ (رواہ ابن حبان فی الصحیح الجامع)

(آیت نمبر ۸۳) تو کیا جب سانس حلقوم تک پہنچے گا۔ یعنی روح گلے تک آ جائے گی۔ عزرائیل علیہ السلام اور ان کے ساتھی مددگار جب جان نکال کر گلے تک لے آئیں گے۔ کیا تم اس وقت مانو گے۔

(آیت نمبر ۸۴) تم اس وقت دیکھتے ہی رہ جاؤ گے۔ جیسے میت کے ارد گرد کھڑے لوگ میت کو دیکھتے ہی رہ جاتے ہیں اور موت اسے جھٹکے مار رہی ہوتی ہے اور تم اس پر لطف و کرم کرنے کے خواہاں ہوتے ہو اور تم یہ چاہتے ہو کہ اسے ہلاکت اور تکلیف سے جلد نجات ملے لیکن اس وقت تم کچھ بھی نہیں کر سکتے نہ موت سے بچا سکتے ہو۔ نہ جھٹکے ختم کر سکتے ہو۔ (موت کی سختی سے ایمان اور عمل صالح والا ہی بچ سکتا ہے)۔

وَنَحْنُ أَقْرَبُ إِلَيْهِ مِنْكُمْ وَلَكِنْ لَا تُبْصِرُونَ ﴿۸۵﴾ فَلَوْلَا إِنْ كُنْتُمْ غَيْرَ

اور ہم بہت قریب ہیں اس کی طرف تم سے لیکن تم نہیں دیکھتے۔ تو کیوں نہیں اگر نہ ہو

مَدِينِينَ ﴿۸۶﴾ تَرْجِعُونَهَا إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ ﴿۸۷﴾ فَأَمَّا إِنْ كَانَ مِنَ الْمُقَرَّبِينَ ﴿۸۸﴾

تم کو بدلا ملنے والا۔ تم لوٹا لاؤ اسے اگر ہو تم سچے۔ پھر اگر ہے وہ مقربوں سے۔

(آیت نمبر ۸۵) اور ہم اس کے زیادہ قریب ہیں۔ یعنی جس پر اب موت طاری ہے۔ علم و قدرت و تصرف کے لحاظ سے اس کے بالکل قریب ہیں۔ تم سے بھی زیادہ قریب ہیں۔ تم تو صرف ظاہر طور پر قریب ہو اور ظاہر حال کو دیکھ رہے ہو مگر اس کی کنہ اور حقیقت کو نہیں جان رہے۔ نہ ہی تمہیں کوئی قدرت ہے کہ تم اس کے دکھ یا تکلیف کو دور کر سکو۔ چونکہ اس کی تمام تفصیلات سے ہم آگاہ ہیں اور اس سے بہت قریب ہیں لیکن تم نہیں دیکھ سکتے کہ اب اس پر کیا گذر رہی ہے اور نہ تمہیں ہماری شان کا علم ہے۔ کہ ہم تمہارے کتنے قریب ہیں۔

(آیت نمبر ۸۶) تو یہ کیوں نہ ہوا اگر تم بدلہ نہیں لیتے۔ یعنی تم مارنے والے اور موت دینے والے سے بدلہ لے کر روح واپس بدن میں لوٹا لیتے۔ اور نفس اپنے مقام پر ٹھہرا لیتے۔ یعنی تم جو قیامت کی جزاء و سزا کو نہیں مانتے اور کہتے ہو کچھ نہیں ہوگا۔ نہ مرنے کے بعد اٹھنا ہے نہ قیامت ہے تو پھر اتنا تو کرو۔ کہ فرشتے سے روح چھین کر اپنے مردے کو پھر زندہ کر لو۔ جب تم سے اتنا بھی نہیں ہو سکتا تو سمجھ لو اس سے آگے بھی کوئی کچھ نہیں سکے گا۔

(آیت نمبر ۸۷) کہ مرنے والے کی روح کو واپس کر کے بدن میں ڈال دو۔ اگر تم اپنے اعتقاد میں سچے ہو۔ تمہیں اگر اس کی قدرت نہیں تو پھر یقین کر لو کہ تمہارا ہر کام کسی اور ذات کے قبضہ میں ہے۔ لہذا اس پر ایمان لے آؤ۔

(آیت نمبر ۸۸) پھر اگر وہ مقربین میں سے ہے تو یہ درجات میں عرش کے قریب ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ تو جہات وغیرہ سے بالکل منزہ اور پاک ہے۔ مقرب کا معنی ہے۔ کہ وہ اللہ تعالیٰ کے قرب میں ہے۔

نافذہ: خشوۃ (فرقہ) والے اللہ تعالیٰ کیلئے جہات وغیرہ مانتے ہیں (جیسے آج کل نجدی فرقہ)۔ کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ زمین پر نہیں وہ آسمان پر ہے اور وہ کرسی پر بیٹھا ہوا سب کچھ دیکھ رہا ہے۔

فَرَوْحٌ وَرَيْحَانٌ ۖ وَجَنَّةٌ نَعِيمٌ ﴿۸۹﴾ وَأَمَّا إِنْ كَانَ مِنْ أَصْحَابِ الْيَمِينِ ﴿۹۰﴾

تو راحت و پھول ہیں اور باغ ہیں نعمتوں والے۔ اور اگر ہو دائیں طرف والوں سے۔

فَسَلَامٌ لَّكَ مِنْ أَصْحَابِ الْيَمِينِ ﴿۹۱﴾ وَأَمَّا إِنْ كَانَ مِنَ الْمُكَذِّبِينَ الضَّالِّينَ ﴿۹۲﴾

لو سلام ہو آپ پر دائیں طرف والوں کا۔ اور اگر ہے جھٹلانے والے گمراہوں سے۔

(آیت نمبر ۸۹) ان کے لئے راحت و آرام ہے۔ یا ان کیلئے رحمت ہی رحمت ہے۔ اس سے حیات دائمی مراد ہے۔ جس کے بعد کوئی موت نہیں۔ **فائدہ:** روح کی راء پر ضمیمہ ہو تو نفس کی حیات مراد ہے جو بقاء کا سبب ہے اور اگر راء پر فتح ہو تو اس سے مراد راحت و رحمت ہوتی ہے (القاموس)۔ اور ریحان وہ چیز ہے جسے سونگھا جائے۔

فائدہ: ابوالعالیہ نے فرمایا۔ ہر نیک مومن کو موت کے وقت جنت سے پھول لا کر سونگھایا جاتا ہے۔ اس کے دوران اس کی روح قبض کر لی جاتی ہے۔ ایک حدیث میں ہے۔ فرشتے جنت سے خوشبو لا کر سنکھاتے ہیں۔ آگے فرمایا کہ اس نیک مومن کیلئے نعمتوں والے باغ ہیں۔ یعنی جنت میں ہر طرح کی نعمتیں ہیں۔

(آیت نمبر ۹۰) اور اگر وہ اپنی دائیں طرف والوں سے ہے۔ یعنی سابقین اور مقربین جو بہت بڑی اوصاف کے مالک ہیں۔ ان کی ایک صفت اصحاب الیمین ہے۔ جو آدم علیہ السلام کے دائیں جانب تھے۔ یا جنہیں دائیں ہاتھ میں اعمال نامہ ملے گا۔ یمین الیمین اور سعادت سے استعارہ ہے۔

(آیت نمبر ۹۱) تو اے محبوب آپ کو دائیں طرف والوں کا سلام ہو۔ یعنی جو مسلمان موت کے وقت یا موت سے پہلے یا بعد آپ کو سلام بھیجتے ہیں۔ (بائیں جانب والے تو ویسے ہی نبی پر سلام پڑھنے کے قائل نہیں ہیں)۔

فائدہ: اس میں اشارہ ہے کہ حضور ﷺ پر سلام بھیجنے والے جنتی ہیں۔ **فائدہ:** حضرت سہل رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اصحاب الیمین وہ ہیں جو اللہ تعالیٰ کو وحدہ لا شریک مانتے ہیں۔ ان کا انجام سلامتی ہے۔

(آیت نمبر ۹۲) اور البتہ اگر وہ جھٹلانے والے گمراہوں میں ہے۔ یعنی اصحاب الشمال بائیں جانب والوں میں ہیں۔ یہ ان کی گویا انتہائی مذمت ہے۔ اس میں اشارہ اس طرف بھی ہے کہ ان کے لئے عذاب الیم ہے۔ اس لئے کہ وہ ہدایت و حق کو چھوڑ کر گمراہی میں مبتلا ہوئے۔ اور اپنے لئے جہنم کو لازم کر لیا۔

فَنُزِّلْ مِّنْ حَمِيمٍ ۝۹۳ وَتَصْلِيَةً جَحِيمٍ ۝۹۴ اِنَّ هَذَا لَهُوَ حَقُّ الْيَقِيْنِ ۝۹۵

تو مہمانی اس کی کھولتے پانی سے۔ اور داخلہ جہنم کی آگ میں بے شک یہ وہ اعلیٰ درجے کی یقینی بات ہے

فَسَبِّحْ بِاسْمِ رَبِّكَ الْعَظِيْمِ ۝۹۶

تو تسبیح پڑھیں ساتھ نام اپنے رب بڑے کے۔

(آیت نمبر ۹۳) تو ان کی مہمانی کھولتے ہوئے پانی سے کی جائے گی۔ پہلے تھوہر کے کڑوے پتے کھلائے جائیں گے۔ یا انہیں قبر میں جاتے ہی پہلی خاطر کھولتے پانی سے کی جائے گی۔ آگے جہنم میں تو اس کے علاوہ بھی کئی طرح کے عذاب ہوں گے۔

(آیت نمبر ۹۴) اور بھڑکتی ہوئی جہنم کی آگ میں داخلہ اور اسی میں ٹھہرنا اور ہمیشہ کا ٹھکانہ ہوگا اور طرح طرح کے عذابوں میں مبتلا ہونا۔ **فائدہ:** بعض بزرگوں نے فرمایا کہ قبر کا عذاب جہنم کے دھوکے سے دیا جائیگا۔

(آیت نمبر ۹۵) بے شک یہ جو کچھ پیچھے مذکور ہوا اس سورۃ میں ضرور وہ اعلیٰ درجے کی یقینی بات ہے۔ یعنی وہ ایسی حق اور سچ بات ہے کہ اس میں کسی قسم کا شک نہیں تغیر و تبدل نہیں ہے۔

فائدہ: ابواللیث سمرقندی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ یہ یقین حق الیقین کے درجے کا ہے۔

یقین کی تعریف: یقین وہ علم ہے کہ جس سے نفس کو اطمینان حاصل ہو اور شک و اضطراب دور ہو گیا ہو۔ اور یہ کہا جاسکے کہ یہ بات انتہائی یقینی ہے اور مبنی بر صواب ہے۔ مولیٰ علی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ اگر تمام حجاب میرے آگے سے ہٹ جائیں تو بھی میرے یقین میں کوئی اضافہ نہیں ہوگا۔ یعنی آخرت کے سب احوال مجھ پر منکشف ہو جائیں اور سب کچھ میں اپنی آنکھوں سے دیکھ لوں تو بھی میرے یقین میں ذرہ بھر اضافہ نہیں ہوگا۔

دعائے نبوی صلی اللہ علیہ وسلم: اے اللہ میں تجھ سے اس ایمان کا سوال کرتا ہوں جو میرے دل میں بس جائے اور اس یقین کا سوال کرتا ہوں جس کے بعد کفر کے بارے میں سوچ ہی نہ ہو۔

(آیت نمبر ۹۶) پھر اے محبوب اپنے اس رب کے نام کی تسبیح پڑھیں جو بہت بڑا ہے۔ یعنی اس سورۃ میں جن انعامات کا ذکر ہے۔ ان کا حق ہے کہ ان پر اللہ تعالیٰ کی تسبیح پڑھی جائے۔ اور اللہ تعالیٰ کی شان عظیم کے لائق اس کی تزیینہ بیان کی جائے کہ نہ اس کی بیوی ہے۔ نہ اولاد ہے۔ نہ اس کا کوئی بھی شریک ہے۔

حدیث شریف میں ہے۔ جب یہ آیت نازل ہوئی۔ تو حضور ﷺ نے فرمایا کہ اس آیت کو رکوع میں ”سبحان ربی العظیم“ کہا کرو (متدرک و مسند احمد بن حنبل) اور جب ”سبح اسم ربك الاعلیٰ“ اتری تو آپ نے فرمایا۔ سجدے میں ”سبحان ربی الاعلیٰ“ کہا کرو۔ چونکہ بندہ بندگی میں ہے۔ جب نماز شروع کرتا ہے۔ تو اپنی عجز و انکساری ظاہر کرتے ہوئے وہ اپنے ہاتھ ناف پر باندھ کر کھڑا ہوتا ہے۔ پھر دیکھتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی شایان شان عاجزی نہیں ہوئی پھر وہ رکوع میں جا کر مزید اپنی عجز و انکساری ظاہر کرتا ہے۔ پھر دیکھتا ہے۔ کہ ابھی بھی کماحقہ انکساری نہیں ہوئی پھر وہ سجدے میں جا کر اپنی جبین نیاز زمین پر رکھ کر کہتا ہے۔ غرور و تکبر تیرا کام ہے۔ رہی عاجزی وہ میرا کام ہے۔ یعنی بندہ سجدے میں جا کر اپنی طرف سے عاجزی کی انتہاء کر دیتا ہے۔

ائمہ کرام کے ارشادات: امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ رکوع اور سجدے کی تسبیحات پڑھنا ان کے نزدیک کم از کم ایک دفعہ پڑھنا واجب ہے۔ امام ابو حنیفہ اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہما فرماتے ہیں۔ کہ یہ تسبیحات پڑھنا سنت ہیں۔ اور یہ تاک پڑھی جائیں۔ تین پانچ یا سات مرتبہ گیارہ مرتبہ تک۔

بھوک کا بہترین علاج: عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ جب سخت بیمار ہو گئے تو حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ ان کی بیمار پرسی کیلئے تشریف لائے۔ تو عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ آگے رو رہے تھے۔ عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے پوچھا۔ کیوں رو رہے ہو تو فرمایا کہ میں اپنے گناہوں پر رو رہا ہوں۔ عثمان غنی نے فرمایا۔ کوئی آرزو ہے تو بتاؤ۔ تو انہوں نے فرمایا۔ میں چاہتا ہوں۔ میرا رب مجھ پر رحم فرمائے۔ اور میرے بڑھاپے اور عاجزی کو دیکھ کر مجھے بخش دے۔ عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔ اگر کہو تو کسی طبیب ڈاکٹر کو بلا لیں۔ تاکہ آپ کی یہ تکلیف ختم ہو جائے۔ فرمایا کہ طبیب نے ہی تو بیمار کیا ہے۔ پھر عثمان غنی نے فرمایا کہ اگر کہو تو تمہیں کچھ عطیہ دے دوں۔ تاکہ آپ اپنی ضروریات پر خرچ کریں تو فرمایا۔ کہ اس وقت میری کوئی ایسی ضرورت نہیں ہے۔ پھر انہوں نے کہا۔ کہو تو تمہاری بچیوں کو کچھ عطیہ دے دوں۔ تو فرمایا۔ کہ میں نے انہیں وہ چیز دی ہے۔ کہ جس کی وجہ سے اب انہیں کسی عطیہ کی کوئی ضرورت نہیں۔ میں نے انہیں بتایا۔

حدیث شریف: جو سورہ واقعہ پڑھے۔ اسے کبھی فاقہ نہیں آتا۔ امام غزالی رحمہ اللہ نے منہاج العابدین میں فرمایا رزق اور مصیبت کے وقت سورہ واقعہ سے بڑھ کر کوئی درد نہیں ہے۔

فضیلت سورہ واقعہ: حضور ﷺ نے فرمایا۔ جو ہمیشہ سورہ واقعہ پڑھے گا۔ وہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کا محتاج نہیں ہوگا۔ اس سورہ کے مزید فضائل دیکھنے کیلئے فیوض الرحمن کا مطالعہ کریں۔

سورہ واقعہ کا اختتام مورخہ ۱۵ مئی ۲۰۱۷ء بمطابق ۱۴ جمادی الثانی ۱۴۳۸ھ بروز منگل

سورۃ المؤمنین
بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ
آیتھا ۲۹ ذلکھا ۲۹

سَبَّحَ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ وَهُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِیْمُ ①

تسبیح کہتا ہے اللہ کی جو بھی آسمانوں اور زمین میں ہے اور وہ عزت و حکمت والا ہے۔

لَهُ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ يُحْيِ وَيُمِیْتُ ۚ وَهُوَ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ②

اسی کی بادشاہی آسمانوں اور زمین پر ہے زندہ کرتا ہے اور مارتا ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔

(آیت نمبر ۱) اللہ تعالیٰ کیلئے ہی تسبیح کہتے ہیں جو آسمانوں اور زمینوں میں ہیں۔ تسبیح سے مراد یہ ہے کہ جو امور اللہ تعالیٰ کی شان کے لائق نہیں۔ اعتقاداً۔ قولاً۔ فعلاً۔ ان سے نفی کرتے ہیں۔ فائدہ: قرآن مجید میں تسبیح کیلئے سارے صیغے ماضی حال اور مستقبل کے استعمال ہوئے۔ تاکہ ہر حال اور ہر زمانے میں اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنا چاہئے۔

سب سے اعلیٰ ذکر: (۱) سبحان اللہ۔ (۲) الحمد للہ۔ (۳) لا الہ الا اللہ۔ (۴) اللہ اکبر ہے۔ انہیں اللہ تعالیٰ نے بہت پسند فرمایا۔ آگے فرمایا جو بھی چیز آسمانوں یا زمینوں میں ہے۔ خواہ عقل والی ہے یا بغیر عقل کے۔ سب اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتے ہیں۔ بلکہ انہیں اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنا چاہئے۔

مسئلہ: تمام مخلوق پیدا ہی اس لئے ہوئی کہ وہ اللہ تعالیٰ کا ذکر کرے۔ لہذا ہر چیز تسبیح تو کہتی ہے خواہ ہمیں سمجھ آئے یا نہ آئے۔ آگے فرمایا۔ وہ غالب ہے۔ یعنی نہ اسے کوئی روکنے والا ہے۔ نہ اس سے کوئی چیز چھین سکتا ہے۔ نہ اس سے کوئی چھپ سکتا ہے۔ اور ایسا حکیم ہے کہ اس کا ہر کام حکمت و مصلحت کے تحت کار فرما ہے۔

(آیت نمبر ۲) اسی کا تصرف کلی ہے آسمانوں اور زمینوں میں اور اس کا حکم نافذ ہے اور یہاں ملک سے مراد حقیقی ملکیت ہے ورنہ مجازاً تو ہر بندہ کسی نہ کسی چیز کا مالک ہے۔ آگے فرمایا وہی زندہ کرتا اور مارتا ہے۔ یعنی مردوں کو زندہ کرتا ہے اور زندوں کو موت دیتا ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔ جو بھی کرتا ہے اپنی حکمت کے تقاضا کے مطابق کرتا ہے۔ اور اس نے تمام کاموں کے فیصلے کر کے لوح محفوظ میں لکھ دیئے حتیٰ کہ جنت میں جانے والوں کا بھی فیصلہ کر دیا۔

هُوَ الْأَوَّلُ وَالْآخِرُ وَالظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ ۚ وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ ﴿۳﴾ هُوَ الَّذِي

وہی اول وہی آخر وہی ظاہر وہی باطن ہے اور وہ ہر چیز کو جاننے والا ہے۔ اسی نے

خَلَقَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ فِي سِتَّةِ أَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوَىٰ عَلَى الْعَرْشِ ۚ يَعْلَمُ مَا يَلْجُ

بنائے آسمان اور زمین چھ دنوں میں پھر استویٰ فرمایا عرش پر۔ جانتا ہے جو داخل ہوتا ہے

فِي الْأَرْضِ وَمَا يَخْرُجُ مِنْهَا وَمَا يَنْزِلُ مِنَ السَّمَاءِ وَمَا يَعْرُجُ فِيهَا ۚ وَهُوَ مَعَكُمْ

زمین میں اور جو نکلتا ہے اس سے اور جو اترتا ہے آسمان سے اور جو چڑھتا ہے اس میں اور وہ تمہارے ساتھ ہے

إِنَّ مَا كُنْتُمْ ۚ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ ﴿۴﴾

جہاں ہو تم۔ اور اللہ جو تم کرتے ہو دیکھتا ہے۔

(آیت نمبر ۳) وہی اول ہے۔ یعنی ذات و صفات میں وہی مبدا ہے۔ اس سے اولیت بھی ذاتی مراد ہے نہ کہ زمانی اور وہی آخر ہے۔ یعنی جب سب کچھ فنا ہو جائیگا تو پھر اسی کی ذات باقی رہ جائیگی اور وہی ظاہر بھی ہے۔ پوری کائنات کا ذرہ ذرہ اس کے ظہور پر دلیل ہے اور وہی باطن ہے۔ یعنی اس کی کنہ تک کسی کی رسائی نہیں ہے بلکہ عقل بھی وہاں تک نہیں پہنچ سکتی۔ آگے فرمایا کہ وہ ہر چیز کو جاننے والا ہے۔ یعنی اس سے کوئی چیز مخفی نہیں۔ **فائدہ:** وہ اول ہے ہیبت میں آخر ہے رحمت میں۔ ظاہر ہے حجت میں اور باطن ہے نعمت میں۔ **فائدہ:** اول ہے عطا میں آخر ہے جزاء میں ظاہر ہے ثناء میں اور باطن ہے وفا میں۔ **فائدہ:** اول ہے ہدایت میں، آخر ہے کفایت میں، ظاہر ہے ولایت میں اور باطن ہے رعایت میں۔ (اس کی شرح میں اور بھی علماء نے کئی تفسیریں کی ہیں)۔

(آیت نمبر ۴) وہی ذات ہے جس نے آسمانوں اور زمینوں کو پیدا کیا چھ دنوں میں یعنی ہفتہ کے دن سے جمعہ تک۔ تاکہ لوگ ہر کام سوچ سمجھ کر آرام کے ساتھ کریں۔ اس کے بعد اس نے اپنی شان کے مطابق عرش پر استویٰ فرمایا۔ وہ تمام اجسام پر محیط ہے اپنی رحمانیت کے ساتھ۔ آگے فرمایا۔ وہ جو کچھ زمین کے اندر ہے اسے بھی جانتا ہے۔ یعنی جتنے خزانے دھنیں یا موتی اور بیج یا جو بھی بارش کے قطرے گرتے ہیں۔ جو کچھ زمین سے نکلتا ہے۔ یعنی سونا چاندی اور تانبہ وغیرہ کھیتوں سے دانے اور گھاس وغیرہ یا کیڑے مکوڑے اور چشمے وغیرہ وہ ان سب کو وہ جانتا ہے۔ اور آج کل کے حساب سے تیل پیٹرول گیس وغیرہ اور ان اشیاء کو بھی جانتا ہے۔ جو ابھی ہمارے علم میں نہیں۔

لَهُ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ وَاِلٰى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُورُ ۝۵ يُولٰٓئِ الَّذِيْنَ

اسی کی بادشاہی آسمانوں اور زمین میں۔ اور طرف اللہ کے لوٹائے جائیں گے سب کام۔ داخل کرتا ہے رات کو

فِي النَّهَارِ وَيُولٰٓئِ النَّهَارِ فِي الْيَلِّ ۚ وَهُوَ عَلِيْمٌ بِذٰتِ الصُّدُوْرِ ۝۶

دن میں اور داخل کرتا ہے دن کو رات میں۔ اور وہ جاننے والا ہے دلوں کے راز۔

(بقیہ آیت نمبر ۴) اور جو کچھ آسمان سے اترتا ہے۔ یعنی کتابیں۔ صحیفے یا فرشتے یا بارشیں یا احکام فرشتے لے کر آتے ہیں اور جو کچھ آسمان کی طرف چڑھتا ہے۔ جیسے فرشتے یا لوگوں کے اعمال وغیرہ یا نیک ارواح اور دھوئیں وغیرہ وہ سب کچھ جانتا ہے۔ آگے فرمایا۔ اللہ تعالیٰ تو ہر وقت تمہارے ساتھ ساتھ ہے۔ تم جہاں بھی ہو (ذات کے لحاظ سے) یا علم کے لحاظ سے۔ (اس سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ ہر جگہ موجود ہے)۔ حدیث شریف میں ہے کہ فضل ایمان یہ ہے کہ انسان یہ یقین رکھے کہ اللہ تعالیٰ ہر وقت اس کے ساتھ ہے وہ جہاں بھی ہو (کنز العمال و شعب الایمان)۔ موسیٰ علیہ السلام نے پوچھا۔ اے اللہ تو کہاں ملے گا۔ فرمایا۔ اے موسیٰ تو جہاں ملنے کا ارادہ کرے گا۔ میں وہاں ہی ہوں گا۔ فائدہ: اس سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ صرف آسمانوں پر نہیں۔ بلکہ وہ کائنات کے ذرے ذرے میں ہے اور ہر جگہ موجود ہے۔ فائدہ: مشائخ فرماتے ہیں۔ یہ ساتھ ہونا وہ نہیں جو عقل تصور یا خیال یا ذہن میں آئے اس کی حقیقت کو اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے اور اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال کو دیکھتا ہے۔ وہی ان پر بدلہ بھی دے گا۔ فائدہ: یہ آیت عقل والوں کو بیدار کرتی ہے اور بیداروں کو اللہ تعالیٰ کا حیا اور خوف کا درس دیتی ہے۔

(آیت نمبر ۵) اسی کی بادشاہی آسمانوں اور زمینوں میں ہے اور سب کام اللہ تعالیٰ کی طرف ہی لوٹائے جاتے ہیں۔ یا سب لوگ لوٹ کر اللہ تعالیٰ کی طرف لے جائے جائیں گے۔ لہذا اس کی ملاقات کیلئے تیار رہو۔ یعنی وہ کام اور عمل کرو جو اسے پسند ہوں۔ فائدہ: اس آیت کا پچھلی آیت سے تکرار نہیں کیونکہ پچھلی آیت کا تعلق دنیا سے اور اس آیت کا تعلق آخرت سے ہے۔

(آیت نمبر ۶) وہ داخل کرتا ہے رات کو دن میں یعنی رات کا کچھ حصہ دن میں شامل کر دیتا ہے جیسے انگلینڈ وغیرہ میں دن بڑھ کر کہیں پندرہ کہیں اٹھارہ گھنٹے تک چلا جاتا ہے اور دن کو رات میں داخل فرماتا ہے۔ پھر اگلے موسم میں رات بڑی ہو جاتی ہے۔ بعض جگہ دن رات برابر بھی ہوتے ہیں بہر حال دن اور رات چوبیس گھنٹے کے ہو جاتے ہیں۔ اس میں اللہ تعالیٰ کی قدرت کو بیان کیا گیا ہے تاکہ کفار اس میں خوب غور و فکر کریں اور اللہ تعالیٰ سینوں کے بھید کو بھی خوب جانتا ہے۔

اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهِ وَاَنْفِقُوْا مِمَّا جَعَلَكُمْ مُّسْتَخْلِفِيْنَ فِيْهِ ؕ فَاَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا

ایمان لاؤ اللہ اور اس کے رسول پر اور خرچ کرو اس میں سے جو بنایا تمہیں جانشین اس میں پھر جو ایمان لائے

مِنْكُمْ وَاَنْفِقُوْا لَهُمْ اَجْرٌ كَبِيْرٌ ۝۶

تم میں اور خرچ کیا ان کیلئے اجر ہے بڑا۔

(بقیہ آیت نمبر ۶) یعنی وہ پوشیدہ اسرار و رموز اور عقائد جو لازم ہیں جو سینے میں بہت زیادہ چھپے ہوئے ہیں۔ انہیں بھی جانتا ہے۔ فائدہ: اس آیت میں اللہ تعالیٰ کے علم کو بیان کیا گیا ہے کہ وہ بندوں کی نیتوں کو بھی جانتا ہے جو وہ دلوں میں چھپاتے ہیں۔ فائدہ: ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ سورہ حدید کی پہلی چھ آیات کو اگر مجاہد لکھ کر اپنے پاس رکھے تو اس پر کسی دشمن کا کوئی دار اثر نہیں کرے گا۔ گویا یہ آیات اسم اعظم کا کام کرتی ہیں۔

(آیت نمبر ۷) ایمان لاؤ اللہ اور اس کے رسول پر اور خرچ کرو اس میں سے جس کا اللہ تعالیٰ نے تمہیں جانشین بنایا پہلوں کا۔ (یعنی جو مال وراثت کا تم نے باپ دادا سے پایا۔ اس میں سے اللہ تعالیٰ کی راہ میں دو۔ تاکہ تمہیں بھی ثواب ملے۔ اور تمہارے مسلمان باپ دادا کو بھی)۔ شان نزول: یہ آیت غزوہ ذات العشرہ یعنی غزوہ تبوک کے موقع پر نازل ہوئی۔ مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں اوروں کا جانشین بنایا ہے تو تم اپنے آپ کو ان کے مال کا حقیقی مالک نہ سمجھو کیونکہ جو پچھلوں سے لیکر تمہیں دے سکتا ہے۔ وہ تم سے لیکر اوروں کو بھی دے سکتا ہے۔ اس میں سبق ہے اور خرچ کرنے کی ترغیب دی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں اس مال میں تصرف کرنے کا حق دیا ہے تو تم اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرو اور جب تمہیں یہ معلوم ہے کہ عنقریب یہ مال دوسروں کو منتقل ہونے والا ہے تو اس کو خرچ کر کے اللہ تعالیٰ سے اجر حاصل کرو۔ پھر وہ لوگ جو ایمان لائے تم میں سے اور جنہوں نے اللہ تعالیٰ کے حکم پر مال خرچ کیا۔ یعنی زکوٰۃ ادا کی اور جہاد میں خرچ کیا یا نقلی صدقات و خیرات وغیرہ ادا کئے۔ ان کے لئے بہت بڑا اجر اور ثواب عظیم ہے۔ یعنی جنت بھی ملے گی اور اور اس میں طرح طرح کی نعمتیں بھی۔ اللہ تعالیٰ انہیں عطا فرمائے گا۔

فائدہ: فتح الرحمن میں ہے کہ اس آیت میں حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے مال خرچ کرنے کا ذکر ہے۔ (کہ انہوں نے اس موقع پر بہت مال خرچ کیا اور حضور ﷺ کا دل خوش کر دیا اسی موقع پر حضور ﷺ نے فرمایا تھا کہ آج کے بعد عثمان جو بھی کرے۔ کوئی چیز عثمان کا کچھ نہیں بگاڑ سکے گی)۔ لیکن اب یہ حکم عام ہے کہ جو بھی ایسا کرے گا۔ اسے بہت بڑا اجر و ثواب ملے گا۔

وَمَا لَكُمْ لَا تُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ ۚ وَالرَّسُولُ يَدْعُوكُمْ لِتُؤْمِنُوا بِرَبِّكُمْ وَقَدْ أَخَذَ

اور کیا ہے تمہیں کہ نہیں ایمان لاتے اللہ پر حالانکہ رسول بلا تے ہیں تمہیں کہ ایمان لاؤ اپنے رب پر اور تحقیق لیا اس نے

مِيثَاقَكُمْ إِن كُنتُمْ مُؤْمِنِينَ ﴿٨﴾ هُوَ الَّذِي يُنَزِّلُ عَلَى عَبْدِهِ آيَاتٍ بَيِّنَاتٍ

وعدہ تم سے اگر ہو تم ایمان والے۔ وہی ہے جو اتارتا ہے اپنے بندے پر آیتیں واضح

لِيُخْرِجَكُمْ مِنَ الظُّلُمَاتِ إِلَى النُّورِ ۚ وَإِنَّ اللَّهَ بِكُمْ لَرَءُوفٌ رَّحِيمٌ ﴿٩﴾

تاکہ وہ نکالے تمہیں اندھیروں سے روشنی کی طرف۔ اور بے شک اللہ تم پر شفقت و رحم کرنے والا ہے۔

(آیت نمبر ۸) تمہیں کیا ہوا کہ تم ایمان نہیں لاتے اللہ تعالیٰ پر۔

فائدہ: حقیقت یہ ہے کہ تمہارا ایمان نہ لانا صرف انکار نہیں بلکہ تمہاری ازلی بدبختی کی دلیل ہے۔

آگے فرمایا۔ حالانکہ رسول اللہ ﷺ تمہیں بلا تے ہیں کہ تم آؤ اور اپنے پروردگار پر ایمان لاؤ۔ گویا یہاں ان کے کفر پر توجہ کی جارہی ہے۔ یعنی کہا جا رہا ہے کہ اے کافر و تمہیں کیا عذر مانع ہے۔ جب رسول اللہ ﷺ تمہیں ایمان لانے کی طرف بلا رہے ہیں اور ہر قسم کے دلائل قاہرہ سے تم پر واضح کیا جا رہا ہے۔ **فائدہ:** کیونکہ محض دعوت اس وقت تک فائدہ نہیں دیتی جب تک ان پر مضبوط قسم کے دلائل نہ ہوں۔ سادہ دعوت کو کوئی قبول نہیں کرتا۔ بلکہ ملامت ہوتی ہے۔ **فائدہ:** ”لتؤمنوا“ میں لام تعلیلیہ ہے۔ جس کا معنی یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ تمہیں ایمان لانے کیلئے بلا تے ہیں اور تم نے رسول اللہ ﷺ پر ایمان لانے کا وعدہ بھی کیا تھا۔ لہذا اب اس وعدے کو پورا کرو اور ایمان لاؤ اگر تم مومن ہو۔ یا اگر تم اس میثاق پر قائم ہو۔ اس میثاق سے مراد وہ ہے جو صلب آدم سے روح نکال کر وعدہ لیا گیا تھا۔

(آیت نمبر ۹) وہ وہی ذات ہے۔ جو اتارتا ہے۔ بواسطہ جبریل امین کے اپنے بندہ خاص حضرت محمد رسول اللہ ﷺ پر واضح آیات جن میں امر اور نہی ہے حلال و حرام کا بیان ہے تاکہ ان واضح آیات کے ذریعے تمہیں محمد ﷺ نکالیں اندھیروں سے نور کی طرف۔ **فائدہ:** یہاں اندھیروں سے مراد کفر و شرک۔ جہالت و مخالفت ہے اور نور سے مراد ایمان۔ توحید اور یقین و علم کا نور ہے۔ آگے فرمایا۔ اور بے شک اللہ تعالیٰ تم پر بڑی شفقت فرمانے والا مہربان ہے کہ وہ تمہیں سعادت داریں کی طرف ہدایت دیتا ہے۔ اپنے پیارے محبوب کو بھیج کر اور واضح آیات اتار کر جن میں دلائل عقلیہ بھی ہیں۔ تمہیں ایمان عطا کرنا چاہتا ہے۔ یہی اس کا کمال شفقت و رحمت ہے۔

وَمَا لَكُمْ أَلَّا تُنْفِقُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَلِلَّهِ مِيرَاثُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ ۚ لَا يَسْتَوِي

اور کیا ہے تمہیں کہ نہیں خرچ کرتے راہ خدا میں اللہ ہی وارث ہے آسمانوں اور زمین میں۔ نہیں برابر

مِنْكُمْ مَنْ أَنْفَقَ مِنْ قَبْلِ الْفَتْحِ وَقَاتَلَ ۚ أُولَٰئِكَ أَعْظَمُ دَرَجَةً مِنَ الَّذِينَ أَنْفَقُوا

تم میں جنہوں نے خرچ کیا فتح مکہ سے پہلے اور جہاد کیا۔ وہی بڑے درجے والے ہیں ان سے جنہوں نے خرچ کیا

مِنْ بَعْدُ وَقَاتَلُوا ۚ وَكُلًّا وَعَدَ اللَّهُ الْحُسْنَى ۚ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرٌ ۝ ۱۰

اس کے بعد اور جہاد کئے۔ سب سے وعدہ اللہ کا جنت ہے اور اللہ تمہارے عمل سے خبردار ہے

(بقیہ آیت نمبر ۹) فائدہ: بعض بزرگوں نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ رؤف اس لحاظ سے ہے کہ وہ نوروحی کا فیض اپنے نبی کے ذریعے تمہیں عطا فرماتا ہے اور رحیم اس لحاظ سے کہ وہ اپنے فضل سے تمہاری نفوس کو ایمان کے نور سے اندھیرا دور کر دیتا ہے۔ یعنی یہ اس کی رحمت و شفقت ہے۔ کہ وہ تمہیں اپنی رحمت میں لینا چاہتا ہے۔

(آیت نمبر ۱۰) کیا ہے تمہیں کہ خرچ نہیں کر رہے اللہ تعالیٰ کی راہ میں۔ یعنی اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرنے سے تمہیں کون سی چیز مانع ہے۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرنا قربت الہی کا ذریعہ ہے اور اللہ تعالیٰ کیلئے ہے زمین و آسمان کی ملکیت حقیقی۔ مطلب یہ ہے کہ جب تم سب پر فنا آتی ہے۔ بقا تو صرف اللہ تعالیٰ کے لئے ہے۔ لہذا تم خود خرچ کرو تا کہ تم اللہ تعالیٰ کے ہاں جا کر اسے حاصل کر لو۔ لہذا بہتر چیز اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کر کے بہتر ثواب حاصل کر لو۔ فائدہ: مال تو بہر حال تمہارے ہاتھوں سے ایک نہ ایک دن نکل جائیگا۔ لہذا بہتر یہی ہے کہ اپنے ہاتھوں سے اللہ تعالیٰ کی راہ میں دے دو۔ تاکہ آخرت میں وہ تمہارے کام آئے۔ فائدہ: امام راغب رحمہ اللہ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے لئے میراث کا لفظ اس لئے فرمایا کہ بلا آخر تمام دنیا جب فنا ہو جائیگی تو تمام اشیاء پھر اللہ تعالیٰ کے قبضہ میں آ جائیں گی۔ اس معنی میں وہ وارث ہے۔

جناب عیسیٰ علیہ السلام کا خوبصورت کلام: فرمایا ہر انسان کا دل وہاں ہے۔ جہاں اس کا مال ہے۔ لہذا اے مومنو۔ اپنے مال آسمان پر رکھ دو۔ دلوں نے بھی وہاں ہی آنا ہے تاکہ دونوں اکٹھے ہی رہیں۔

مال کو مال کہنے کی وجہ یہ ہے کہ انسان کے دل اس کی طرف بہت مائل ہوتے ہیں۔ چونکہ انسان ذاتی طور پر فقیر ہے۔ اس لئے وہ مال کی طرف ایسا مائل ہے کہ اس کے بغیر نہیں رہ سکتا۔ آگے فرمایا کہ تم سب برابر نہیں۔

شان نزول : صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے کچھ حضرات نے اللہ تعالیٰ کی راہ میں بہت مال خرچ کیا۔ تو لوگوں نے کہا کہ انہیں تو بہت بڑا اجر ملے گا۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت اتار کر فرمایا کہ جن لوگوں نے فتح مکہ سے پہلے مال خرچ کیا۔ اصل اجر عظیم کے وہ لوگ مستحق ہیں۔ کیونکہ اس کے بعد تو ہجرت کا مسئلہ بھی ختم ہو گیا اور مالی طور پر بھی مسلمان خوش حال ہو گئے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ فتح مکہ سے پہلے جن لوگوں نے مال خرچ کیا اور جہاد کیا۔ بعد فتح کے خرچ کرنے اور جہاد کرنے والے دونوں برابر نہیں۔ اس لئے کہ جنہوں نے فتح مکہ سے پہلے مال و جان خرچ کئے جو سابقون الاولون ہیں۔ یعنی مہاجرین و انصار۔ یہ لوگ بہت بڑے درجات والے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے ہاں انتہائی بلند درجات اور مراتب پائیں گے۔ اور وہ لوگ جنہوں نے فتح مکہ کے بعد خرچ کیا اور اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کیا۔ یہ پہلوں کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔ اس لئے کہ ان سابقین نے اسلام کے ابتدائی دور میں مال و جان اس وقت خرچ کیا۔ جب اسلام کو اس کی اشد ضرورت تھی۔ فتح مکہ کے بعد اسلام کو غلبہ حاصل ہو چکا تھا اور لوگ جوق در جوق اور فوج در فوج اسلام میں داخل ہو رہے تھے۔ حدیث شریف : حضور ﷺ نے سابقین اولین کی فضیلت بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ بعد والے اگر احد پہاڑ کے برابر بھی سونا خرچ کریں۔ تب بھی وہ پہلوں کے ایک مٹھ جو کے دانوں برابر نہیں ہو سکتا۔ (بخاری، مسلم و ترمذی)۔ آگے فرمایا۔ ہر ایک سے اللہ تعالیٰ نے حسنی کا وعدہ کیا ہے۔ یعنی اچھے ثواب یا جنت کا۔ یعنی جنت تو سب کو ملے گی۔ مگر فضیلت اور درجات الگ الگ ہوں گے۔

افضلیت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ : امام کلبی فرماتے ہیں۔ یہ آیت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے حق میں نازل ہوئی۔ یہ آیت کریمہ ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی فضیلت اور خلافت بلا فصل پر دلالت ظاہرہ اور حجت باہرہ ہے۔ اول ایمان لانے والوں میں صدیق اکبر ہیں : (۱) آپ کی وجہ سے بہت سارے لوگ ایمان لائے۔ جن میں بلال۔ عمار۔ صہیب اور فہیرہ وغیرہ رضی اللہ عنہم ہیں۔ (۲) کفار سے پہلی جنگ اور لڑائی (مسجد حرام میں) ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے لڑی ہے۔ (۳) ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کفار نے ایک دفعہ اتنا مارا کہ آپ خون و خون ہو گئے اور بے ہوش ہو گئے۔ (۴) سب سے پہلے اسلام کی خاطر ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے مالی قربانی دی۔ (۵) سب کچھ راہ خدا میں لٹا کر بورے کا لباس پہنا۔ (۶) اس پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے جبریل امین سلام لے کر آئے۔

اجماع صحابہ : صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے ہر معاملہ میں ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو مقدم جانا۔ مولیٰ علی کا فرمان ہے جو شخص مجھے ابو بکر اور عمر رضی اللہ عنہما پر فضیلت دے گا۔ میں اسے کوڑے ماروں گا۔ آگے فرمایا۔ اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال سے خبردار ہے۔ یعنی ہر ایک کے عمل کو بھی جانتا ہے، اور اس کے مرتبے کو بھی جانتا ہے۔

مَنْ ذَا الَّذِي يُقْرِضُ اللَّهَ قَرْضًا حَسَنًا فَيُضِعْفَهُ لَهُ وَلَهُ أَجْرٌ كَرِيمٌ ⑪

کون ہے جو قرض دے اللہ کو قرض حسن پھر وہ اسے کئی گنا کرے اور اس کیلئے اجر ہے عزت والا۔

يَوْمَ تَرَى الْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ يَسْعَى نُورُهُمْ بَيْنَ أَيْدِيهِمْ وَبِأَيْمَانِهِمْ بُشْرًا لَكُمْ

اس دن تم مسلمان مردوں اور عورتوں کو دیکھو گے کہ ان کا نور ان کے آگے اور دائیں ان کے بے خوشی ہے تمہیں

الْيَوْمَ جَنَّاتٌ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا ذَلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ ⑫

آج باغات کی جاری ہیں اس کے نیچے نہریں ہمیشہ رہیں گے اس میں یہ ہی کامیابی ہے بڑی۔

(آیت نمبر ۱۱) کون ہے وہ جو قرض دے اللہ تعالیٰ کو قرض حسن۔ قرض حسن: اخلاص فی الانفاق یعنی

رضا الہی کیلئے دینا اور اچھے سے اچھا مال دینا اور اچھی جگہ دینا۔ یعنی وہ لوگ جو اپنا مال راہ خدا میں اس امید پر دیتے

ہیں کہ اللہ تعالیٰ اس کا اسے اچھا بدلا اور کئی گنا زیادہ عطا فرمائے۔ جیسے کوئی قرض دار قرض دے کر اس کے عوض کی

امید رکھتا ہے۔ فائدہ: کشف الاسرار میں ہے کہ ہر نیکی قرض حسن میں داخل ہے۔ مگر یہاں قرض سے صدقہ مراد ہے

جو حلال اور طیب ہو کیونکہ اللہ تعالیٰ صرف حلال اور طیب کو ہی قبول کرتا ہے۔ جب مال ایسی صفت والا ہو تو اللہ تعالیٰ

اس کو کئی گنا بڑھا کر اپنے فضل و کرم سے اجر و ثواب عطا فرماتا ہے اور فرمایا کہ اس کیلئے عزت والا اجر ہے۔ انتہائی

احسن اور پسندیدہ ہے۔ حکایت: حضرت ابوالدخدا روزانہ جتنی کمائی کرتے نصف اللہ تعالیٰ کی راہ میں صدقہ

کر دیتے۔ تو حضور ﷺ نے انہیں جنت کی خوشخبری دی اور فرمایا کہ جنت میں کھجوریں جن کے خوشے لٹک رہے ہیں وہ

ابوالدخدا کیلئے ہیں۔ فائدہ: ایک بزرگ فرماتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے بندوں سے قرض مانگا ہے۔ حق تو یہ تھا کہ

مانگنے سے پہلے ہی دیتے۔ اس لئے کہ دیا ہوا ہی اس کا ہے۔ بندے کا اس میں کیا ہے بلکہ میں تو کہتا ہوں کہ رب

تبارک و تعالیٰ نے مال مانگا ہے۔ بندے کا حق تھا کہ جان پیش کرتا۔ پھر دیکھتا کہ رب تعالیٰ اس کو کیا اعزاز بخشا ہے۔

(آیت نمبر ۱۲) تم اس دن مومن مردوں اور عورتوں کو دیکھو گے۔ جب محشر سے جنت کی طرف جارہے ہوں

گے۔ تو ان کے ایمان اور نیک اعمال کا نور ان کے دائیں بائیں ہوگا۔ جس میں وہ دوڑ رہا ہوگا۔ یا ایمان والے اس نور

میں تیز تیز جارہے ہوں گے۔ ابواللیث فرماتے ہیں۔ اگرچہ یہاں (شمال) یعنی بائیں جانب کا ذکر نہیں۔ لیکن نور ان

کے چاروں طرف ہوگا۔

يَوْمَ يَقُولُ الْمُنْفِقُونَ وَالْمُنَافِقَتُ لِلَّذِينَ آمَنُوا انْظُرُونَا نَقْتَبِسْ مِنْ نُورِكُمْ

جس دن کہیں گے منافق مرد اور عورتیں ایمان والوں سے ہماری طرف دیکھو کہ ہم لیں کچھ تمہارے نور سے

قِيلَ ارْجِعُوا وَرَاءَكُمْ فَالْتَمِسُوا نُورًا فَضُرِبَ بَيْنَهُم بِسُورٍ لَهُ بَابٌ

کہا جائیگا لو تو تم اپنے پیچھے پھر تلاش کرو نور۔ پھر کھڑی کی جائیگی ان میں دیوار اس کا درازہ ہے۔

بَاطِنُهُ فِيهِ الرَّحْمَةُ وَظَاهِرُهُ مِنْ قِبَلِهِ الْعَذَابُ

اندر اس کے رحمت ہے اور باہر کی طرف اس کے عذاب ہے۔

(بقیہ آیت نمبر ۱۲) فائدہ: فتح الرحمن میں ہے۔ نور کا آگے ہونا انسانی ضرورت کے تحت ہوگا۔ ورنہ نور مومن کی ہر جانب میں ہوگا۔ علامہ اسماعیل حقی مرحوم فرماتے ہیں۔ اس میں مقررین کی طرف اشارہ ہے کہ ان کا نور ہر طرف چمک رہا ہوگا۔ فائدہ: ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ہر مومن کا نور اس کے عمل کے مطابق ہوگا۔ اور میلوں تک پھیلا ہوا ہوگا۔ ہر مومن کا نور اس کے مقبول عملوں کے مطابق ہوگا۔

انہیں کہا جائیگا۔ آج تمہیں باغات کی خوشخبری ہے۔ یہ بات انہیں فرشتے کہیں گے کہ خوش جاؤ ان باغات سے جن میں نہریں جاری ہیں۔ جن میں تم ہمیشہ ہمیشہ رہو گے۔ یہ عظیم الشان کامیابی ہے۔

فائدہ: کاشفی فرماتے ہیں۔ یہ کامیابی بڑی اس لئے ہے کہ وہ قیامت کی ہولناکیوں سے بچ گئے۔ اعلیٰ مقام مل گیا اور دیدار الہی نصیب ہو گیا۔ اتنی بڑی کامیابی کسی خوش نصیب کو ہی مل سکتی ہے۔

(آیت نمبر ۱۳) جس دن منافق مرد اور عورتیں ایمان والوں سے کہیں گے۔ یعنی جو خالص مومن ہیں (ان سے کھوٹے مومن کہیں گے)۔ فائدہ: جب ایمان والے جنت کی طرف تیزی سے جا رہے ہوں گے اور منافق چل نہیں سکیں گے اور پیچھے رہ جائیں گے تو اس وقت خالص ایمان والوں سے کہیں گے کہ ٹھہر جاؤ ہمارا انتظار کرو تا کہ ہم بھی تمہارے ساتھ جنت تک چل سکیں اور ہم تمہارے نور سے کچھ فائدہ حاصل کر سکیں۔ لیکن ایمان والے اتنی دیر میں بہت آگے نکل جائیں گے اور منافقین اندھیرے میں رہ جائیں گے تو اس وقت انہیں کہا جائیگا۔ واپس چلے جاؤ۔ وہاں سے نور لے آؤ۔ جہاں سے ہمیں نور ملا۔ اہل ایمان کا مطلب یہ ہوگا۔ کہ یہ نور۔ یہاں سے نہیں ملتا۔ ہم دنیا سے یہ نور لیکر آئے۔ تم بھی پیچھے دنیا میں جاؤ وہاں سے یہ نور لے آؤ۔

يَنَادُونَهُمْ أَلَمْ نَكُنْ مَعَكُمْ ؕ قَالُوا بَلَىٰ وَلَكِنَّكُمْ فَتَنْتُمْ أَنْفُسَكُمْ

کہیں گے انہیں کیا نہیں تھے دنیا میں تمہارے ساتھ کہیں گے ہاں لیکن تم نے فتنے میں ڈالا اپنے آپ کو۔

وَتَرَبَّصْتُمْ وَارْتَبْتُمْ وَغَرَّتْكُمُ الْأَمَانِيُّ حَتَّىٰ جَاءَ أَمْرُ اللَّهِ

مسلمانوں کے لئے برائی کے منتظر اور شک کرتے اور فریب دیا تمہیں آرزوں نے یہاں تک آگیا حکم الہی۔

وَعَرَّيْكُمْ بِاللَّهِ الْغُرُورُ ۝۱۳

اور فریب دیا تمہیں اللہ کے مقابل بڑے دھوکے باز نے

(بقیہ آیت نمبر ۱۳) نکتہ: یہ بھی انہیں ذلیل و خوار کرنے کیلئے کہا جائیگا۔ ورنہ نور وہاں کیسے مل سکتا ہے۔ جب وہ پیچھے دیکھ کر پھر مسلمانوں کو دیکھیں گے۔ مسلمان تو جنت میں پہنچ چکے ہوں گے۔ پھر ان کے درمیان یعنی مومنوں اور منافقوں کے درمیان ایک دیوار کھڑی کر دی جائیگی۔ اب وہ بالکل ظلمت میں ہو جائیں گے۔ اور اس دیوار کے درمیان ایک دروازہ ہوگا۔ فائدہ: بعض بزرگوں کا خیال ہے کہ وہ دیوار مسجد اقصیٰ کے قریب بیت المقدس کے شرقی جانب ہوگی۔ حضرت کعب فرماتے ہیں۔ اس دروازے کو باب الرحمة کہا جاتا ہے۔ اس بارے میں بزرگوں کے مختلف اقوال ہیں۔ آگے فرمایا کہ اس دیوار کی اگلی جانب عذاب ہے۔

(آیت نمبر ۱۴) اب منافقین ایمان والوں کو پیچھے سے آواز دے کر کہیں گے۔ کیا دنیا میں ہم تمہارے ساتھی نہ تھے۔ یعنی ظاہری امور میں نماز روزہ بیاہ شادی غمی خوشی میں ہم اکٹھے رہتے تھے۔ تو اس وقت مومنین ان کو جواب میں کہیں گے۔ ہاں ضرور تم ہمارے ساتھ رہتے تھے۔ لیکن تم نے اپنے آپ کو فتنے میں ڈالا۔ یعنی منافقت کرتے تھے۔ اور زیادہ تر تم اپنی خواہشات میں پڑے رہے اور تمہیں مسلمانوں کے مصیبت میں پڑھنے اور ان کی ہلاکت کا انتظار تھا۔ فائدہ: انام مقابل نے فرمایا کہ وہ حضور ﷺ کی موت کے انتظار میں تھے اور سوچتے تھے کہ یہ عنقریب فوت ہو گئے تو ہماری جان چھوٹ جائیگی۔ یہ ان کا انتہائی قبیح خیال تھا۔ آگے فرمایا کہ تم دین اسلام اور نبوت میں شک کیا کرتے تھے اور تمہاری تمناؤں نے تمہیں دھوکے میں ڈال رکھا تھا اور دل میں یہی خیال کرتے تھے کہ عنقریب یہ دین ختم ہو جائیگا۔ یہی سوچتے سوچتے تم پر اللہ تعالیٰ کا حکم یعنی موت آگئی تو زندگی بھر تمہیں اس نے دھوکے میں رکھا جو سب سے بڑے دھوکے دیتا ہے۔ مال میں خواہشات و شہوات میں۔ جاہ و مرتبہ وغیرہ میں۔ لہذا مسلمان کو چاہئے کہ وہ اس خبیث کے دھوکے میں نہ آئے۔

فَالْيَوْمَ لَا يُوْخَذُ مِنْكُمْ فِدْيَةٌ وَلَا مِنَ الَّذِينَ كَفَرُوا ؕ اَمَّاوَا لَكُمْ النَّارُ هِيَ مَوْلَاكُمْ ؕ

تو آج نہیں لیا جائیگا تم سے فدیہ اور نہ کفار سے ٹھکانہ تمہارا آگ ہے وہی تمہاری دوست ہے

وَبَشِّرِ الْمَصِیْرُ ۝۱۵ اَلَمْ یَأْنِ لِلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اَنْ تَخْشَعَ قُلُوْبُهُمْ لِذِكْرِ اللّٰهِ وَمَا نَزَلَ

اور برا ٹھکانہ۔ کیا نہیں آیا وہ وقت مومنوں پر کہ جھک جائیں ان کے دل یاد الہی کیلئے اور جو اترا

مِنَ الْحَقِّ ؕ وَلَا یَكُوْنُوْا كَالَّذِیْنَ اُوْتُوْا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلُ فَطَالَ عَلَیْهِمُ الْاَمَدُ

حق اور نہ ہوں ان کی طرح جنہیں دی گئی کتاب اس سے پہلے۔ پھر دراز ہوئی ان پر مدت

فَقَسَتْ قُلُوْبُهُمْ ؕ وَكَثِیْرٌ مِنْهُمْ فٰسِقُوْنَ ۝۱۶

پھر سخت ہو گئے ان کے دل بہت ان میں فاسق ہیں۔

(آیت نمبر ۱۵) اے منافقو آج تم سے کوئی فدیہ وغیرہ نہیں لیا جائیگا کہ تم سے فدیہ لیکر تمہارے عذاب کو ختم کر دیا جائے۔ فدیہ کہتے ہیں کہ کوئی شیء خرچ کر کے اپنے آپ کو مصیبت سے بچانا۔ اس لئے فرمایا کہ اس قسم کا کوئی سودا بروز قیامت نہیں ہوگا۔ نہ منافقوں سے اور نہ کافروں سے۔ مومن وہ ہے جس کا زبان سے اقرار اور دل سے تصدیق ہو۔ کافروہ ہے جس کا زبان سے انکار اور دل سے تکذیب ہو۔ منافق وہ ہے جس کے زبان پر اقرار اور دل میں تکذیب ہو۔ آگے فرمایا۔ اب تمہارا ٹھکانہ جہنم ہے۔ جہاں تم ہمیشہ رہو گے کیونکہ تم نے جو جو کثرت کئے۔ اس کے لائق یہی ہے کہ اب تم اسی جہنم میں رہو۔ اور یہ جہنم کا ٹھکانہ بہت برا ہے۔

فائدہ: یہاں مولیٰ بمعنی اولیٰ کے ہے۔ ویسے مولیٰ کے کئی معانی ہیں۔ قرہی۔ مددگار۔ متولی۔ رشتہ دار۔ آقا۔ غلام وغیرہ لیکن یہاں مناسب معنی ٹھکانہ ہے۔

(آیت نمبر ۱۶) کیا اہل ایمان کیلئے وہ وقت نہیں آیا کہ ان کے دل ذکر الہی کیلئے جھک جاتے اور وہ مطمئن ہو کر طاعت الہی کی طرف جھک جاتے اور اللہ تعالیٰ کے حکموں کی تعمیل کرے اور منہیات سے باز آجائے۔

فائدہ: بعض بزرگ فرماتے ہیں کہ ذکر اللہ سے مراد اگر قرآن کے علاوہ ہو تو مراد ہے کہ دل ذکر الہی سن کر نرم ہو جائیں اور خشوع حاصل ہو اور اگر ذکر سے مراد قرآن ہو تو اس سے مراد مواظپ ہیں۔ جو قرآن میں بیان ہوئے۔

اعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ يُحْيِي الْأَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا قَدْ بَيَّنَّا لَكُمُ الْآيَاتِ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُونَ ﴿١٤﴾

جان لو بے شک اللہ زندہ کرتا ہے زمین کو بعد اس کے مرنے کے۔ تحقیق بیان کر دیں ہم نے آیات تاکہ تم سمجھو

(بقیہ آیت نمبر ۱۶) یعنی وعظ و نصیحت کو قرآن پاک میں بیان فرمایا۔ یا وہ آیات جن کی تلاوت کی جاتی ہے۔ اب معنی یہ ہوگا کہ ایمان والوں کے لئے کیا ابھی وقت نہیں آیا۔ کہ ان کے دل ذکر الہی سے نرم اور موم ہو جاتے اور جان لیتے کہ وہ حق کی طرف سے نازل ہوا۔ یعنی قرآن پاک جو آسمان سے نازل ہوا۔

شان نزول : مکہ مکرمہ میں بعض مسلمان مالی لحاظ سے بڑے تنگدست تھے۔ پھر جب ہجرت کی۔ جہادوں میں بے حساب مال دولت ملا اور نعمتوں سے نوازے گئے تو ان کے خشوع خضوع میں سستی آ گئی۔ دوسرا شان نزول یہ ہے کہ بعض صحابہ میں خوش طبعی ہنسی مزاح شروع ہو گئی۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ آگے فرمایا۔ نہ ہو ان لوگوں کی طرح جنہیں کتاب دی گئی اس سے پہلے۔ پھر ان پر مدت دراز ہو گئی۔ یعنی ان کے اور انبیاء کرام علیہم السلام کے درمیان کا زمانہ لمبا ہو گیا۔ لہذا جو توراۃ یا انجیل سے ان کے دلوں کو نرمی حاصل ہوئی تھی۔ وہ ختم ہو گئی۔ اور ان کے دل سخت ہو گئے پھر کی طرح یا اس سے بھی زیادہ سخت۔ جن پر نہ وعظ اثر کرتا۔ نہ انبیاء کرام کی تقریریں۔

فائدہ : یاد رہے دل کی سختی خواہشات و شہوات کے پورا کرنے سے ہوتی ہے۔ آگے فرمایا کہ زیادہ تر ان میں فاسق ہیں۔ یعنی وہ دین کی حدود سے ہی باہر ہو گئے ہیں۔ اس کی بنیادی وجہ ان کی جفا اور دل کی سختی ہے۔ اس لئے کہ انہوں نے اپنی کتابوں کے احکام پر عمل کرنا چھوڑ دیا تھا۔ قاعدہ ہے کہ جب آدمی میں خشوع و خضوع نہیں رہتا۔ اور وہ فسق و فجور میں پڑ جاتا ہے۔ صوفیاء کرام فرماتے ہیں۔ طاعات میں دل کو نرمی حاصل ہوتی ہے اور غفلت سے دل میں سختی پیدا ہوتی ہے۔ عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا۔ ذکر کے سوا کچھ نہ بولو۔ ورنہ دل سخت ہو جائیں گے۔

(آیت نمبر ۱۷) اس بات کو اچھی طرح جان لو کہ بے شک اللہ تعالیٰ ہی زمین کو مرنے کے بعد زندہ فرماتا ہے۔ یہ تمثیل ہے کہ جس طرح مردہ زمین بارش سے زندہ ہوتی ہے۔ اسی طرح سخت دل ذکر الہی سے نرم ہوتے ہیں۔

فائدہ : پیام کاشفی فرماتے ہیں۔ اے منکرو۔ اس بات کو جان لو کہ اللہ تعالیٰ جس طرح مردہ زمین کو مرنے کے بعد زندہ کر لیتا ہے۔ اسی طرح قیامت کے دن مردوں کو وہ زندہ فرمائے گا۔ (یہ ایک بہت بڑی واضح دلیل ہے مردے زندہ کرنے کی)۔ آگے فرمایا کہ تحقیق ہم نے تمہارے لئے آیات کو واضح کر کے بیان کر دیا تاکہ تم سمجھ جاؤ اور جو کچھ ان آیات میں ہے اس کے مطابق عمل کرو۔ تاکہ دارین کی سعادت اور کامیابی حاصل ہو۔

إِنَّ الْمُصَّدِّقِينَ وَالْمُصَّدِّقَاتِ وَأَقْرَضُوا اللَّهَ قَرْضًا حَسَنًا يُضَعَّفُ لَهُمْ

بے شک صدقہ دینے والے مرد اور عورتیں اور جنہوں نے قرض دیا اللہ کو قرض حسن دگنا کیا جائے گا ان

وَلَهُمْ أَجْرٌ كَرِيمٌ ۝۱۸

ان کیلئے اجر ہے عزت والا

(بقیہ آیت نمبر ۱۷) فضیل بن عیاض کی توبہ کا سبب: آپ ابتداء میں غلط کاموں میں پڑ گئے زیادہ تر ڈاکے مارنے کا شغل ہوتا تھا۔ ایک دفعہ برائی کی نیت سے کہیں جا رہے تھے کہ اچانک آواز آئی۔ کوئی اسی سابقہ آیت (السم یسان الخ) کی تلاوت کر رہا تھا۔ سنتے ہی دل کی دنیا بدل گئی۔ ادھر توفیق ایزدی شامل حال ہو گئی۔ آپ فوراً بلی واللہ کہتے ہوئے فوراً واپس ہو گئے اور اپنے آپ کو ملامت کر کے کہہ رہے تھے کہ تو کتنا بد بخت انسان ہے کہ مخلوق تجھ سے گھبراتی ہے۔ فوراً بارگاہ الہی میں سجدہ ریز ہو کر سچے دل سے توبہ کی اور وعدہ کیا کہ آئندہ ہر گناہ سے دور رہوں گا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی توبہ قبول فرمائی۔ پھر وہ خانہ کعبہ کو چلے گئے۔ عرصہ دراز تک وہیں وقت گزارا۔ اولیاء اللہ میں بڑا مقام پایا۔

(آیت نمبر ۱۸) بے شک صدقہ دینے والے مرد اور عورتیں اور جنہوں نے اللہ تعالیٰ کو قرض حسن دیا۔ یعنی مردوں اور عورتوں میں سے جس نے بھی صدقہ دیا یا اللہ تعالیٰ کو قرض حسن دیا۔ قرض حسنہ وہ صدقہ ہے۔ جو مال پاک ہو۔ دل کی خوشی سے دیا جائے۔ نیت بھی خالص ہو اور مستحق آدمی کو دیا جائے۔ حدیث شریف میں ہے۔ حضور ﷺ نے عورتوں کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ میں نے جہنم میں کثرت سے عورتوں کو دیکھا لہذا اے عورتو تم صدقہ دیا کرو۔ ایک اور لمبی حدیث شریف میں ہے کہ آپ نے عورتوں کو مخاطب کر کے فرمایا۔ تم صدقہ کیا کرو تم جہنم کا ایندھن ہو کیونکہ تمہارا عمل بھی کم ہے۔ اور عقل بھی کم ہے۔ انہوں نے پوچھا وہ کیسے تو فرمایا۔ کیا مہینے میں تمہارے دس دن تک نماز روزے مردوں کے مقابلے میں کم نہیں ہو جاتے اور عقل کے لحاظ سے اس لئے۔ کہ کیا تمہاری گواہی مرد کے مقابلے میں آدھی نہیں ہے۔ اور تم کثرت سے لعنت کرتی ہو اور شوہر کی ناشکری کرتی ہو تو عورتوں نے اپنے زیورات تک اتار کر دے دیئے اور حضرت بلال رضی اللہ عنہ کے کپڑے میں ڈالتی رہیں۔ یہاں تک کہ بہت سارا مال جمع ہو گیا تو حضور ﷺ نے فقراء میں وہ تقسیم فرما دیا۔ آگے فرمایا کہ دگنا کیا جائے گا۔ ان کا اجر و ثواب اور ان کیلئے جنت میں عزت والا اجر ہے۔ (مسلم شریف کتاب الایمان)

وَالَّذِينَ آمَنُوا بِاللَّهِ وَرُسُلِهِ أُولَٰئِكَ هُمُ الصَّادِقُونَ ۝ وَالشَّهَادَةُ عِنْدَ رَبِّهِمْ لَهُمْ

اور جو ایمان لائے اللہ پر اور اس کے رسولوں پر وہی کامل سچے ہیں اور گواہ اپنے رب کے ہاں۔ ان کیلئے

أَجْرُهُمْ وَنُورُهُمْ وَالَّذِينَ كَفَرُوا وَكَذَّبُوا بِآيَاتِنَا أُولَٰئِكَ أَصْحَابُ الْجَحِيمِ ۝ (۱۹)

ان کا اجر اور نور ہے۔ اور جنہوں نے کفر کیا اور جھٹلایا ہماری آیتوں کو وہی جہنم والے ہیں۔

(آیت نمبر ۱۹) اور وہ لوگ جو اللہ تعالیٰ پر اور تمام رسولوں پر ایمان لائے۔ وہی لوگ صدیق ہیں۔ یعنی بہت

زیادہ سچے ہیں اور گواہ ہیں۔ یعنی وہ اپنے رب تعالیٰ کے ہاں صدیقین کے بلند مرتبہ پر ہیں اور شہداء کے مراتب پر

ہوں گے۔ فائدہ: فتح الرحمن میں ہے۔ صدیق وہ ہوتا ہے۔ جس سے کثرت کے ساتھ سچ ظاہر ہو۔ تو وہ حضرات

اس مرتبہ پر فائز ہوئے جو باقیوں پر سبقت لے گئے: (۱) ابوبکر۔ (۲) عمر فاروق۔ (۳) عثمان غنی۔ (۴) مولیٰ علی۔

(۵) سعد۔ (۶) زبیر۔ (۷) طلحہ۔ (۸) حمزہ۔ (۹) زید۔ (۱۰) سعید وغیرہ

شہداء کے تین درجے: پہلا درجہ یہ ہے کہ کفار سے جنگ کرتے ہوئے مارا جائے۔ یہ سب سے اعلیٰ درجہ

ہے۔ دوسرا درجہ یہ کہ کسی حادثہ یا مصیبت میں مبتلا ہو کر مر جائے۔ جیسے پانی میں غرق ہو کر یا آگ میں جل کر۔ دیوار

کے نیچے دب کر۔ طاعون میں یا پیٹ کی بیماری میں اور گھر سے باہر سفر وغیرہ میں۔ تیسرا درجہ: صدیقین بھی شہداء کے

درجے میں ہوں گے۔ جن کا ذکر اس آیت کریمہ میں کیا گیا یا اس سے مراد وہ شہداء جو سابقہ امتوں پر گواہی دیں گے۔

فائدہ: الصدیق وہ جس نے سچائی حد سے زیادہ کی۔ یعنی ایمان لائے۔ اور پھر اللہ تعالیٰ کی وحدانیت پر ڈٹ گئے اور

رسول اللہ ﷺ کے تمام حکموں کی تصدیق کی اور تاحیات اسی پر قائم رہے۔ آگے فرمایا کہ ان ہی کیلئے اجر بھی ہے اور

ان ہی کو اس دن نور ملے گا۔ فائدہ: بعض بزرگوں نے فرمایا کہ اجر عمل صالح کے بغیر نہیں ملے گا اور نور اللہ تعالیٰ کی

طرف سے ہے جو اللہ تعالیٰ جسے چاہے عطا فرمائے گا۔ اگرچہ اجر میں بھی عطا الہی کا تعلق ہے لیکن پھر بھی اس میں

بندے کی محنت کا بھی احتلاط ہے۔ یعنی ایک اجر ہے جو اعمال صالحہ کا بدلہ اور ایک نور ہے۔ جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے

بندے پر منت و احسان ہے۔

آگے فرمایا اور وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا اور ہماری آیتوں کو جھٹلایا۔ وہی لوگ جہنمی ہیں جو ہمیشہ جہنم میں

رہیں گے۔ فائدہ: معلوم ہوا ہمیشہ دوزخ میں رہنا خاصہ کفار ہے اور آیات کو جھٹلانے کا معنی یہ ہے کہ انہوں نے انبیاء

کرام علیہم السلام کے معجزات کو جادو وغیرہ کہہ کر ٹھکرا دیا۔

اعْلَمُوا أَنَّمَا الْحَيَاةُ الدُّنْيَا لَعِبٌ وَلَهُمْ وَزِينَةٌ وَتَفَاخُرٌ بَيْنَكُمْ وَتَكَاثُرٌ

جان لو بے شک زندگی دنیا کی کھیل اور تماشا ہے اور زینت اور آپس میں ایک دوسرے پر فخر اور ایک دوسرے پر زیادتی چاہنا

فِي الْأَمْوَالِ وَالْأَوْلَادِ ۚ كَمَثَلِ غَيْثٍ أَعْجَبَ الْكُفَّارَ نَبَاتُهُ ثُمَّ يَهِيْجُ فَتَرَاهُ

مال و اولاد میں۔ جیسے مثال بارش کی بھایا کسانوں کو اس کا سبزا پھر خشک ہوا تو تو نے اسے دیکھا

مُصْفَرًّا ثُمَّ يَكُونُ حُطَامًا ۚ وَفِي الْآخِرَةِ عَذَابٌ شَدِيدٌ ۚ وَمَغْفِرَةٌ مِّنَ اللَّهِ

زرد پھر ہو گیا پامال اور آخرت میں عذاب ہے سخت اور بخشش ہے اللہ کی طرف سے

وَرِضْوَانٌ ۚ وَمَا الْحَيَاةُ الدُّنْيَا إِلَّا مَتَاعُ الْغُرُورِ ﴿۲۰﴾

اور رضا۔ اور نہیں زندگی دنیا کی مگر سامان دھوکے کا

(آیت نمبر ۲۰) جان لو دنیا کی زندگی محض ایک کھیل اور تماشا ہے۔ لعب کا معنی کھیل ہے۔ یعنی باطل اور لغو کام جس کا نہ دنیوی فائدہ نہ اخروی۔ خواہ مخواہ اپنے آپ کو تھکانا اور لہوا اپنے نفوس کو بے کار کاموں کی طرف مشغول کرنا۔ اور اس میں زیب و زینت۔ آسائش و آرائش ہے۔ لباس و سواری اور مکانات کی آزمائش اور تفاخر ہے کہ ایک دوسرے پر بڑھائی۔ حسب و نسب پر فخر اسی طرح مال پر یا مرتبے اپنی بڑھائی ظاہر کرنا اور مال و اولاد میں ایک دوسرے پر زیادتی چاہنا اور غرور کرنا خصوصاً اللہ والوں کو گھٹیا سمجھنا اس وجہ سے کہ ان کے پاس دنیوی مال و دولت نہیں ہے۔

فائدہ: لیکن یہ سب غرور تکبر مال و دولت یہ زیب و زینت چند دن کیلئے ہے۔ سب کچھ ایک نہ ایک دن نیست و نابود ہو جائے گا۔ مولیٰ علی نے فرمایا۔ (کرم اللہ وجہہ الکریم)۔ اے عمار اس دنیا کا غم نہ کھا (نہ اس دنیا سے محبت کر) کیونکہ دنیا چند چیزوں کا نام ہے: (۱) کھانا۔ (۲) پینا۔ (۳) پہننا۔ (۴) سونا۔ (۵) سواری۔ (۶) نکاح کرنا۔ لیکن یاد رکھ کھانے کی لذیذ ترین چیز شہد ہے۔ جو کبھی کی تھوک ہے۔ پینے کی لازمی چیز پانی وہ جیسے انسان پی رہا ہے۔ ایسے ہی حیوان بھی پی رہا ہے اور لباس میں اعلیٰ کپڑا ریشم کا ہے وہ ایک کیڑے کے پیٹ سے نکلتا ہے۔ اسی طرح سوکنے کی اعلیٰ چیز مشک ہے وہ ہرنی کے پیٹ سے نکلتا ہے۔ علیٰ ہذا القیاس یہ سب فانی چیزیں ہیں۔ کیا فخر کرنا ان پر؟

سَابِقُوا إِلَىٰ مَغْفِرَةٍ مِّن رَّبِّكُمْ وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا كَعَرْضِ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ ۖ أُعِدَّتْ

آگے بڑھو بخشش کی طرف جو تمہارے رب کی طرف سے اور جنت جس کی چوڑائی مثل پھیلاؤ آسمان و زمین کے تیار ہوئی

لِّلَّذِينَ آمَنُوا بِاللَّهِ وَرُسُلِهِ ۚ ذَٰلِكَ فَضْلُ اللَّهِ يُؤْتِيهِ مَن يَشَاءُ ۚ وَاللَّهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيمِ ﴿۲۱﴾

ان کیلئے جو ایمان لائے اللہ اور اس کے رسولوں پر یہ ہے فضل اللہ کا دیتا ہے وہ جسے چاہے اور اللہ بڑے فضل والا ہے

(بقیہ آیت نمبر ۲۰) آگے فرمایا کہ اس کی مثال ایسے ہے کہ جیسے بارش برتی ہے۔ جس سے لوگوں کو فائدہ پہنچتا ہے۔ کھیتی ہری بھری ہوتی ہے۔ جس کو دیکھ کر زمیندار انتہائی خوش ہوتا ہے۔

فائدہ: زمیندار کو کافر کہا جاتا ہے اس لئے کہ وہ بیج کو زمین میں چھپاتا ہے۔ جیسے مذہب کا کافر حق کو باطل میں چھپاتا ہے۔ جیسے کہا گیا اہل کفر اور اہل قبور ہیں۔ آگے فرمایا کہ پھر جب فصل پک کر سوکھ جاتی ہے تو تو اسے زرد رنگ دیکھتا ہے۔ یعنی پہلے سرسبز و شاداب دیکھا تھا اور اب اس کی رونق ختم ہوئی اور تو اسے خشک ہونے پر زرد دیکھتا ہے۔ پھر وہ ٹوٹ پھوٹ کر ٹکڑے ٹکڑے دیکھتا اور پھر وہ ریزہ ریزہ ہو جاتا ہے۔

فائدہ: اس آیت کریمہ میں دنیوی امور کی طرف اشارہ ہے اور اس کی حقارت کا بیان ہے اور بتایا گیا کہ ان میں کوئی کامیاب نہیں ہے اور اس کی دی ہوئی مثال سے بھی حقارت ہی ظاہر ہو رہی ہے اور یہ بھی واضح کیا کہ دنیوی امور باطل ہیں۔ آگے فرمایا کہ آخرت میں سخت عذاب ہے۔ یعنی جو آخرت کو چھوڑ کر صرف دنیا میں مشغول ہوا۔ گویا عذاب نتیجہ ہے دنیا میں انہماک کا۔ جس کی وجہ سے بندہ یاد الہی سے غافل ہو گیا۔ لیکن جو بندہ دنیا میں رہتے ہوئے یاد الہی سے غافل نہیں ہوا۔ اس کے لئے بخشش ہے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اور بہت بڑی رضا جس کا کوئی انداز نہیں لگا سکتا۔ اور یہ صرف اس کے لئے ہے۔ جس نے دنیا سے منہ موڑا اور آخرت کی طرف متوجہ ہوا۔ آگے فرمایا۔ نہیں دنیا کی زندگی مگر دھوکے کا سامان۔ اس لئے کہ جو اس پر اطمینان کرتا ہے۔ اسے آخرت کا ذریعہ نہیں بناتا۔ اس کے لئے یہ دھوکا ہی ہے اور جو آدمی اس دنیا میں رہتے ہوئے آخرت کا طلبگار ہے۔ اس کیلئے یہ دنیا جنت کی طرف جانے کا بہترین ذریعہ ہے۔ گویا دنیا مقصود بالذات نہیں ہے بلکہ آخرت کے اجر کیلئے واسطہ ہے۔

(آیت نمبر ۲۱) بڑھو مغفرت کی طرف جو بہت عظیم الشان ہے۔ جو تمہیں اپنے رب کی طرف سے ملنے والی

ہے۔ یعنی استغفار اور اعمال صالحہ کر کے اپنے گناہوں سے مغفرت طلب کرو۔ **مسئلہ:** علماء فرماتے ہیں کہ نماز

باجماعت جس کی شرکت تکبیر اولیٰ کے ساتھ ہو۔ یہی مغفرت کا موجب ہے۔

مَا أَصَابَ مِنْ مُصِيبَةٍ فِي الْأَرْضِ وَلَا فِي أَنْفُسِكُمْ إِلَّا فِي كِتَابٍ مِنْ قَبْلِ

نہیں پہنچتی کوئی مصیبت زمین میں اور نہ تمہاری جانوں میں مگر وہ کتاب میں۔ اس سے پہلے

أَنْ نَّبْرَأَهَا ۚ إِنَّ ذَلِكَ عَلَى اللَّهِ يَسِيرٌ ۝ (۳۲)

کہ پیدا کریں اسے ہم۔ بے شک یہ اوپر اللہ کے آسان ہے

(بقیہ آیت نمبر ۲۱) وسیلہ مصطفیٰ ﷺ: سلسلی ﷺ فرماتے ہیں کہ مغفرت کیلئے اگر کوئی بہترین وسیلہ ہے تو ذات مصطفیٰ ﷺ کا وسیلہ ہے۔ لہذا ان کی اتباع کر کے اللہ تعالیٰ سے جلد بخشش مل سکتی ہے۔

آگے فرمایا جلدی کرو اس جنت کیلئے جس کا پھیلاؤ زمینوں آسمانوں کے برابر ہے۔ یعنی ساتوں زمینوں اور ساتوں آسمانوں تک اس کا عرض۔ فائدہ: جنت کے عرض کا حال یہ ہے تو لمبائی کا حال کیا ہوگا۔ (پھر یہ تو ایک جنت کا ذکر ہے۔ باقی سات جنتوں کی شان کیا ہوگی)۔ اور وہ جنت تیار کی گئی ہے۔ ان لوگوں کیلئے جو اللہ اور اس کے رسولوں پر ایمان لاتے ہیں۔ فائدہ: اس سے ایک تو معلوم ہوا کہ جنت مخلوق ہے اور اس وقت موجود ہے۔ یہی اہل سنت کا مسلک ہے اور جنت کے درجات اعمال کے مطابق ہوں گے اور رسولوں پر ایمان لانے کا مطلب یہ ہے۔ وہ جو کتابیں لائے اور انہوں نے جو جو حکم دیئے ان کو مانا جائے اور ان پر عمل کیا جائے۔

آگے فرمایا کہ یہ جو جنت کا وعدہ دیا گیا ہے۔ یہ محض اللہ تعالیٰ کا فضل ہے وہ جسے چاہتا ہے۔ عطا فرماتا ہے۔ اس کی عطا بھی اس کی اپنی مرضی پر ہے۔ اس پر کوئی بات واجب نہیں ہے۔ جیسا کہ معتزلہ کا گمان ہے کہ اللہ تعالیٰ پر نیک عمل والے کی جزاء واجب ہے۔ آگے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ بہت بڑے فضل والا ہے۔ جس کی کوئی انتہاء نہیں کیونکہ اس کی ذات عظیم ہے۔ عظیم ذات کا ہر کام ہی عظیم ہوتا ہے۔

فائدہ: اس سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم کے بغیر کوئی بھی جنت میں نہیں جائیگا۔ حتیٰ کہ انبیاء و اولیاء بھی اس کے فضل سے جنت میں جائیں گے۔

(آیت نمبر ۲۲) کوئی مصیبت نہیں پہنچتی زمین میں۔ (یعنی کوئی حادثہ یا قحط یا تباہی وغیرہ) اور نہ تمہاری جانوں میں یعنی کوئی بیماری۔ آفت و مصیبت خوف دشمن یا بھوک۔ مگر وہ سب لکھا ہوا ہے کتاب میں۔ یعنی لوح محفوظ میں یا اللہ تعالیٰ کے علم میں۔ مخلوق کو پیدا کرنے سے پہلے۔ یعنی اس نفس سے یا مصیبت وغیرہ سے پہلے۔

لَکُمۡلَا تَنسَوۡا عَلٰی مَا فَاتَکُمۡ وَلَا تَفْرَحُوۡا بِمَاۤ اَتَکُمۡ وَاللّٰهُ لَا یُحِبُّ کُلَّ مُخْتَالٍ فَخُوۡرٍ ۝۳۳

تاکہ نہ غم کھاؤ اس پر جو ضائع ہوا تم سے اور نہ خوش ہو اس پر جو دیا تم کو اور اللہ نہیں پسند کرتا ہر اکڑنے والے فخر کرنے والے کو

(بقیہ آیت نمبر ۲۲) حکایت: ربیع بن سالم فرماتے ہیں کہ جب سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ کو حجاج کے پاس لایا گیا۔ تو میں اس وقت موجود تھا۔ جب حجاج نے ان کے قتل کا حکم دیا تو ان کا ایک رشتے دار رونے لگا۔ انہوں نے پوچھا کیوں روتے ہو۔ کہا آپ کی اس مصیبت کی وجہ سے آپ نے فرمایا۔ مت رو۔ یہ معاملہ تو میری پیدائش سے بھی پہلے کا لکھا ہوا ہے۔ پھر یہی آیت تلاوت فرمائی۔ حجاج کے مرنے کے بعد کسی نے خواب میں دیکھ کر پوچھا۔ کیا حال ہے۔ تو اس نے بتایا کہ اوروں کے قتل پر ایک بار اور سعید بن جبیر کی وجہ سے مجھے ستر بار قتل کیا جاتا ہے۔

فائدہ: معلوم ہوا جملہ اعمال تمام تفصیلات کے ساتھ لوح محفوظ میں موجود ہیں تاکہ ملائکہ اس سے معلوم کر سکیں۔ **فائدہ:** اس سے اللہ تعالیٰ کے علم کی وسعت کا بھی علم حاصل ہوا کہ ابھی کائنات بھی معرض وجود میں نہ آئی تھی کہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کو معلوم تھا۔ آگے فرمایا کہ یہ سب کچھ بنانا کرنا اور جاننا اللہ تعالیٰ کیلئے آسان ہے۔ اس کیلئے کوئی کام مشکل نہیں ہے۔ اس کا علم ہر چیز پر محیط ہے۔

(آیت نمبر ۲۳) تاکہ تم نہ غم کھاؤ اس پر جو تمہارے ہاتھ سے نکل گیا۔ یعنی دنیوی نعمتوں میں سے کوئی اگر ضائع ہو جائے۔ جیسے مال۔ خوشحالی یا صحت و عافیت پر آفت آگئی۔ تو تم غمزدہ نہ ہو جانا کہ یہ کیوں ہوا۔ جب تمہیں یہ معلوم ہو گیا کہ ہر مصیبت ہماری پیدائش سے پہلے ہی ہمارے مقدر میں کر دی گئی ہے تو اس کے آنے پر کوئی گھبراہٹ نہیں ہونی چاہئے۔ آگے فرمایا کہ جو اللہ تعالیٰ نے تمہیں دیا ہے۔ اس پر نہ اترنا کیونکہ دینے والا لے بھی سکتا ہے۔ اس لئے مل جائے تو اترنا نہیں اور ہاتھ سے نکل جائے تو گھبراؤ نہیں۔ یہ سب فیصلے پیدائش سے پہلے ہو چکے ہیں۔

حکایت: بزرگمہر سے کسی نے پوچھا کہ اے دانش روزگار آپ بڑی سے بڑی نعمت کے ملنے پر کبھی خوش نہیں ہوئے۔ نہ اترائے اور اس کے ہاتھ سے نکل جانے پر مغموم نہیں ہوئے تو فرمایا کہ جوشی ہاتھ سے نکل گئی۔ وہ غم کرنے سے واپس نہیں آئیگی۔ اس لئے مغموم ہونے کا کیا فائدہ اور جو نعمت عطا ہوئی وہ ہمیشہ نہیں رہے گی۔ لہذا اس پر کیا اترنا۔ خلاصہ یہ کہ افسوس کرنے سے چیز واپس نہیں آتی۔ خوشی کرنے سے ہمیشہ نہیں رہتی۔

فائدہ: کاشفی مرحوم نے فرمایا کہ اے دنیا والو۔ دنیا کے مصائب و آلام سے غمزدہ نہ ہو اور اس کے حصول سے اتنے خوش نہ ہو۔ اس لئے کہ اسے نہ قرار ہے نہ اس کا اعتبار ہے۔

الَّذِينَ يَخْلُونُ وَيَأْمُرُونَ النَّاسَ بِالْبُخْلِ، وَمَنْ يَتَوَلَّ فَإِنَّ اللَّهَ هُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيدُ ۝ (۳۳)

جو بخل کرتے ہیں اور حکم دیتے ہیں لوگوں کو بخل کا اور جو منہ پھیرے تو بے شک اللہ بے پرواہ تعریفوں والا ہے

(بقیہ آیت نمبر ۲۳) آگے فرمایا کہ اور اللہ تعالیٰ اترانے اور بڑکیں مارنے والے کو پسند نہیں فرماتا۔ یعنی جو لوگ دنیوی نعمتوں کے حصول پر دوسروں کو کمتر سمجھتے ہیں اور دوسروں پر فخر و ناز کرتے ہیں۔ ایسے لوگوں کو اللہ تعالیٰ ہرگز پسند نہیں فرماتا۔

(آیت نمبر ۲۴) وہ لوگ جو خود بھی بخل کرتے ہیں اور لوگوں کو بھی بخل کرنے کا حکم دیتے ہیں۔

فائدہ: کیونکہ جو شخص مال سے بہت پیار کرتا ہے وہ مال میں اکثر بخل کرتا ہے بلکہ دوسروں کو بھی بخل کی ہی تلقین کرتا ہے۔ بخیلی انتہائی مذموم فعل ہے۔ اور دوسروں کو بھی اس کا حکم دینا۔ یہ اس سے بھی زیادہ مذموم ہے۔ معلوم ہوا۔ محال اور فحور جن کا پچھلی آیت میں ذکر ہوا۔ وہ لوگ ہیں جو کثرت دنیا و مال کے باوجود بخل کرتے ہیں۔ اور اپنے مال اللہ تعالیٰ کی راہ میں نہیں دیتے خود تو بخیل تھے ہی۔ وہ اور لوگوں کو بھی بخل کا ہی درس دیتے ہیں۔

حدیث شریف: حضور ﷺ نے فرمایا کہ چار شخص جنت کی خوشبو تک نہیں پاسکیں گے: (۱) بخیل۔

(۲) احسان کر کے جتانے والا۔ (۳) شراب خور۔ (۴) تکبر کرنے والا۔ (۵) ماں باپ کا نافرمان۔ حالانکہ جنت کی خوشبو تو پانچ سو سال کی راہ سے بھی آنا شروع ہو جائے گی (تہذیب الآثار، للطبری)۔ ایک حدیث میں ہے۔ بخیل اللہ تعالیٰ کا دشمن ہے۔ خواہ کتنا ہی پرہیزگار ہو۔

آگے فرمایا اور جو راہ خدا میں خرچ کرنے سے منہ پھیرے گا تو بے شک اللہ تعالیٰ اس سے بھی اور اس کے خرچ کرنے سے بھی بے نیاز ہے اور وہ تعریفوں والا ہے۔ کہ نہ کسی کے اعراض سے اس کا نقصان ہوتا ہے نہ کسی کے شکر کرنے سے اسے نفع ہوتا ہے۔

فائدہ: اس میں اشارہ ہے کہ راہ خدا میں خرچ کرنے کا خرچ کرنے والے ہی کو فائدہ پہنچتا ہے۔ اگر کوئی اس خرچ کرنے سے منہ پھیرے اس نے اپنا ہی نقصان کیا۔ اللہ تعالیٰ کی ذات تو بذات خود ہی محمود ہے۔

لَقَدْ أَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَيِّنَاتِ وَأَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتَابَ وَالْمِيزَانَ لِيَقُومَ النَّاسُ

تحقیق بھیجے ہم نے رسول واضح دلائل کے ساتھ اور اتاری ان کے ساتھ کتاب اور ترازو تاکہ قائم رہیں لوگ

بِالْقِسْطِ ۚ وَأَنْزَلْنَا الْحَدِيدَ فِيهِ بَأْسٌ شَدِيدٌ وَمَنْفَعُ لِلنَّاسِ وَلِيَعْلَمَ اللَّهُ

انصاف پر۔ اور ہم نے اتارا لوہا اس میں آئچ ہے سخت۔ اور نفع ہے لوگوں کیلئے تاکہ دیکھے اللہ کہ

مَنْ يَنْصُرُهُ وَرُسُلَهُ بِالْغَيْبِ ۚ إِنَّ اللَّهَ قَوِيٌّ عَزِيزٌ ۝ (۲۵)

کون مدد کرتا ہے اس کے رسولوں کی بن دیکھے۔ بے شک اللہ طاقتور عزت والا ہے

(آیت نمبر ۲۵) البتہ تحقیق بھیجا ہم نے رسولوں کو واضح دلائل و معجزات کے ساتھ یا واضح شریعتیں دے کر اور ان انبیاء کرام علیہم السلام کے ساتھ کتاب بھی نازل کی۔ یہاں جنس کتاب مراد ہے۔ یعنی اس سے تمام کتابیں مراد ہیں تاکہ حق واضح ہو جائے۔ اور عمل بھی درست ہو۔ یہاں معہم بمعنی الیہم ہے۔ یعنی وہ نبی کتاب کے ساتھ نہیں آئے۔ بلکہ کتاب ان کو دی گئی یا ان کی طرف کتاب نازل کی گئی اور دوسری چیز ترازو اتارا تاکہ وہ لوگ انصاف قائم رکھیں۔ کہ کوئی ایک دوسرے سے زیادتی نہ کرے۔

فائدہ: امام غزالی رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔ اس سے مراد وہ ترازو نہیں کہ جس سے گندم جو یا سونا چاندی تولتے ہیں کہ جس کے دو پلڑے اور اوپر زنجیر ہوتی ہے۔ بلکہ اس سے مراد معرفت کا وہ ترازو ہے کہ جس سے اللہ تعالیٰ اور فرشتوں اور کتابوں اور رسولوں کی پہچان نصیب ہوتی ہے۔ علامہ اسماعیل حقی رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔ ممکن ہے اس سے مراد وہ گواہی ہے جو اللہ نے دی کہ اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ فرشتے اور اہل علم حضرات اسی انصاف کے ساتھ قائم ہیں۔ یعنی اس سے مراد عدل ہے تو جب اللہ تعالیٰ عدل پر قائم ہے تو بندوں پر بھی لازم ہے کہ وہ بھی عدل پر قائم ہوں۔ یہی میزان ہے اور یہی معرفت ہے۔ آگے فرمایا کہ ہم نے لوہا اتارا۔

حدیث شریف میں ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ نے چار برکت والی اشیاء بھی اتاریں: (۱) لوہا۔ (۲) آگ۔

(۳) پانی۔ (۴) نمک (اخرجہ الدیلمی فی مسند الفردوس)۔ **فائدہ:** ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ آدم علیہ السلام تین

چیزیں لے کر آئے: (۱) حجر اسود جو سفید تھا۔ (۲) عصائے موسیٰ۔ (۳) اور لوہا۔ **فائدہ:** حسن بصری رحمہ اللہ فرماتے

ہیں۔ انزلنا بمعنی خلقنا ہے۔ بعض علماء نے انزلنا کا معنی اخرجنا کیا ہے۔

وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا نُوحًا وَإِبْرَاهِيمَ وَجَعَلْنَا فِي ذُرِّيَّتِهِمَا النُّبُوَّةَ وَالْكِتَابَ فَمِنْهُمْ

اور تحقیق بھیجا ہم نے نوح اور ابراہیم کو اور رکھی ہم نے ان کی اولاد میں نبوۃ اور کتاب تو رہا ان میں

مُهِتَدٍ ۚ وَكَثِيرٌ مِنْهُمْ فَسِقُونَ ﴿٢٦﴾

کوئی سیدھی راہ پر اور زیادہ ان میں فاسق ہیں

(بقیہ آیت نمبر ۲۵) آگے فرمایا کہ اس میں اور بھی لوگوں کے بہت فوائد ہیں۔ یا کئی اور چیزیں بھی بنتی ہیں۔ جن سے لوگ نفع اٹھاتے ہیں۔ جیسے چھری۔ چاقو۔ درانتی۔ کلہاڑی وغیرہ اس میں یہ بھی اشارہ ہے کہ اگر تلوار نہ ہو تو انصاف بھی نہ ہو۔ آگے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ دیکھنا چاہتا ہے کہ کون ہے جو اس کی اور اس کے رسولوں کی بن دیکھے مدد کرتا ہے۔ تلوار سے اور تیروں سے یا اس اسلحہ سے جو مجاہدین دشمنوں پر چلاتے ہیں۔ جنگ کے وقت اور اللہ تعالیٰ کو دیکھا نہیں پھر بھی اس کے احکام پر عمل کرتے ہیں۔ آگے فرمایا بے شک اللہ تعالیٰ دشمنوں کو ہلاک کرنے کی قوت رکھتا ہے۔ اور بذات خود وہ غالب ہے۔ کسی کی مدد سے نہیں چاہے نہ وہ کسی کا محتاج ہے۔ ساری دنیا اسی کی محتاج ہے۔

(آیت نمبر ۲۶) اور البتہ تحقیق ہم نے نوح علیہ السلام کو ان کی قوم کے پاس بھیجا۔ جو قاتیل کی اولاد سے تھے۔ اسی طرح ابراہیم علیہ السلام کو نمرود اور اس کی قوم کی طرف بھیجا۔ یہی دونوں سب سے پہلے رسول بن کر تشریف لائے۔ آگے ان کی اولاد میں بھی نبوۃ رکھی۔ اور انہیں کتاب بھی دی۔ یعنی ابراہیم علیہ السلام کی بعض اولاد کو نبوت اور بعض کو کتاب عنایت فرمائی تو ان کی اولاد میں بعض وہ ہیں جن کے پاس رسول تشریف لائے تو وہ ہدایت پا گئے۔ نبی اور کتاب پر ایمان لائے وہی ہدایت پاتا ہے۔ لیکن اکثر ان میں فاسق تھے۔ یعنی سیدھی راہ سے ہٹ کر گمراہ ہو گئے۔

ثُمَّ قَفَّيْنَا عَلَى آثَارِهِم بِرُسُلِنَا وَقَفَّيْنَا بِعِيسَى ابْنِ مَرْيَمَ وَآتَيْنَاهُ الْإِنجِيلَ ۖ

پھر ان کے پیچھے ان کے نشانوں پر رسول بھیجے اور پیچھے بھیجے عیسیٰ بیٹے مریم اور دی اس کو انجیل

وَجَعَلْنَا فِي قُلُوبِ الَّذِينَ اتَّبَعُوهُ رَأْفَةً وَرَحْمَةً ۚ وَرَهْبَانِيَّةً ابْتَدَعُوهَا

اور کر دی ہم نے دلوں میں ان کے جنہوں نے پیروی کی اس کی نرمی اور رحمت اور راہب بننا یہ اپنی طرف سے بنالی

مَا كَتَبْنَاهَا عَلَيْهِمْ إِلَّا ابْتِغَاءَ رِضْوَانِ اللَّهِ فَمَا رَعَوْهَا حَقَّ رِعَايَتِهَا ۚ

نہیں فرض کی ہم نے ان پر مگر تلاش کرتے ہوئے رضا الہی پھر نہ نباہ سکے اسے جیسے حق تھا اس کے نباحنے کا

فَاتَيْنَا الَّذِينَ آمَنُوا مِنْهُمْ أَجْرَهُمْ ۚ وَكَثِيرٌ مِنْهُمْ فَاسِقُونَ ﴿٢٤﴾

پھر دیا ہم نے ایمان والوں کو ان سے اجر ان کا اور زیادہ ان میں فاسق ہیں

(آیت نمبر ۲۴) پھر ہم نے ان ہی کے نشان پر ان کے بعد اور کئی رسولان گرامی بھیجے۔ اور وہ صرف ابراہیم

علیہ السلام کی اولاد نہ تھے۔ اب معنی یہ ہوگا۔ کہ ہم نے نوح اور ابراہیم علیہ السلام کے بعد لگا تار پے در پے رسول بھیجے۔ جن سب

کے بعد جناب عیسیٰ علیہ السلام تشریف لائے۔ آگے فرمایا کہ ہم نے ان کے اہل ایمان پیروکاروں کے دلوں میں نرمی اور

شفقت رکھ دی کہ وہ ایک دوسرے سے شفقت اور پیار کرتے تھے۔ جیسے صحابہ کرام علیہم السلام کے متعلق فرمایا۔ ”رحماء بينهم“

کہ وہ آپس میں ایک دوسرے پر بہت مہربان تھے۔ ایک اور مقام پر فرمایا۔ مومنوں پر نرم اور کفار کیلئے سخت ہیں۔ آگے

فرمایا کہ انہوں نے اپنے دین میں اپنی طرف سے رہبانیت نکال لی۔ یعنی دین عیسیٰ علیہ السلام میں ایک بدعت نکال لی۔

جس پر ان کے نفوس نے انہیں ابھارا۔

فائدہ: رہبانیت کا مطلب ہے۔ کسی عمل کو عادت بنا کر سختی سے اس پر عمل کرنا۔ جیسے مسلسل روزے رکھنا۔

اچھے لباس اور اچھے کھانے پینے کو ترک کرنا نکاح نہ کرنا وغیرہ۔ واقعہ یہ ہے۔ عیسیٰ علیہ السلام کے آسمان پر تشریف لے

جانے کے بعد جب جبارہ نے مسلمانوں پر حملہ کیا۔ تین دن تک مسلسل جنگ ہوتی رہی۔ اکثریت ان کی شہید ہو گئی۔

ان کی تعداد بہت تھوڑی رہ گئی تو انہیں خطرہ محسوس ہوا کہ ہو سکتا ہے یہ کفار ہمیں دین سے منحرف کر دیں تو وہ بھاگ کر

پھاڑوں کی چوٹیوں پر غاروں میں جا چھپے اور وہیں عبادت شروع کر دی۔ حضور ﷺ کی تشریف آوری کا انتظار کرنے

لگے کیونکہ ان سے عیسیٰ علیہ السلام نے وعدہ کیا تھا کہ میرے بعد وہ تشریف لائیں گے۔ ان پر ایمان لے آنا تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ رہبانیت ہم نے تو ان پر فرض نہیں کی تھی۔ نہ ان کی کتاب میں حکم دیا۔ نہ رسولوں نے انہیں حکم دیا۔ یہ انہوں نے از خود بنالی۔ محض اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل کرنے کیلئے اس کام کو شروع کیا لیکن پھر اسے نباہ نہ سکے۔ جیسے اس کے نباہنے کا حق تھا۔ یعنی اس میں انہوں نے الحاد۔ ریاکاری۔ جناب عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق غلط عقائد بھی عبادت میں شامل کر لئے۔ شراب اور خنزیر جو ان پر حرام تھا۔ وہ بھی انہوں نے کھاپی لیا۔ **فائدہ:** معلوم ہوا۔ عمل اچھا شرع کے مطابق ہو۔ خواہ انبیاء کرام علیہم السلام کے بعد کیا جائے۔ اس کا اجر ملتا ہے۔ اگرچہ اسے نبی کے بعد ہونے کی وجہ سے بدعت کہیں گے، لیکن وہ بدعت حسنہ ہے۔ آگے فرمایا۔ پھر ہم نے ان میں سے ایمان والوں کو جو اپنے ایمان پر قائم رہے۔ یا عیسیٰ علیہ السلام کے حکم پر عمل کرتے ہوئے حضور ﷺ پر ایمان لائے انہیں اجر دیا۔

حدیث شریف: حضور ﷺ نے فرمایا جو مجھ پر ایمان لایا اور میری تصدیق بھی کی تو اس سے نبھانے کا حق ادا کیا اور جو ایمان نہیں لایا اور میرے ساتھ کفر کیا۔ وہ ہلاک ہونے والوں میں سے ہے۔ حاشیہ محی الدین شیخ زادہ علی بیضاوی۔

فائدہ: تمام انبیاء کرام علیہم السلام کے بعد یہی ہوا کہ لوگوں کے اعمال اور کمال میں کمی آتی رہی۔ لوگ بادشاہوں کے دین پر چلنا شروع ہو گئے۔ اسی طرح عیسیٰ علیہ السلام کے بعد لوگ دین پر قائم نہ رہے۔ سوائے چند ایک کے۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے ان کی مذمت فرمائی۔

آگے فرمایا کہ پھر ہم نے ان میں سے جو کامل ایمان والے تھے۔ ان کو ثواب عطا کیا۔ یعنی جو جناب عیسیٰ علیہ السلام کے دین پر قائم تھے۔ یا بعد میں حضور ﷺ پر ایمان لائے۔

فائدہ: حضور ﷺ کی تشریف آوری کے بعد اور بعثت کے بعد رہبانیت وغیرہ سب عبث ہو گئیں۔ پھر حضور ﷺ کی اتباع کے بغیر نہ کوئی ایمان قبول نہ عمل مقبول۔ لہذا جو بھی حضور ﷺ پر ایمان لایا۔ انہیں ان کے نیک اعمال پر اجر ملا۔ جس کے وہ لائق تھے۔ لیکن ان نصاریٰ کی اکثریت نے اس اعزاز کو ضائع کر دیا اور فاسقوں میں سے ہو گئے۔ یعنی کفر اختیار کر لیا۔

فائدہ: تفسیر المناہات میں ہے کہ حضور ﷺ کے بعد خلفاء راشدین کے دور میں اور اس کے بعد کئی قسم کے فتنے اٹھ کھڑے ہوئے۔ خلفاء راشدین نے تو اپنے دور میں تمام فتنوں کو دبا دیا تھا۔ مگر خلفاء راشدین کے بعد جو فتنے اٹھے۔ جن کی خبر نبی کریم ﷺ نے سال ہا سال پہلے دی تھی کہ مضبوط ایمان والوں پر مصائب و آلام کے پہاڑ گریں

گئے۔ خانہ کعبہ پر سنگ باری کی گئی۔ (اولاد رسول کو شہید کیا گیا)۔ عبد اللہ بن زبیر کو مکہ مکرمہ میں شہید کیا گیا۔ مدینہ منورہ تین دن کیلئے حلال کیا گیا۔ (مسجد نبوی میں گھوڑے باندھے گئے۔ یزید کے کارندوں نے عورتوں سے زنا کئے۔ جس کی وجہ سے ہزار بچہ حرام سے پیدا ہوا)۔ بے شمار برگزیدہ ہستیوں کو شہید کیا گیا تو ایسے وقت میں مسلمانوں نے علیحدگی کو لازم سمجھا۔ اکثریت تو گوشہ نشین ہو گئے۔ یا مساجد میں ہی عبادت گزاری پر لگ گئے۔ کچھ مختلف علاقوں میں چلے گئے۔ کچھ جہاد میں مشغول ہو گئے اور کچھ نے اہل صفہ کی طرح فقر اختیار کر لیا۔ صوفیاء کا لفظ اسی سے مشہور ہوا۔ اس میں بھی بعد میں آ کر لوگوں نے کئی خرابیاں پیدا کر دیں۔ (جیسے آج کل کے پیروں نے سابقہ صوفیاء کرام کو بھی بدنام کر دیا۔ صرف پیسے بٹورنے کا نام فقیری رکھ لیا)۔

حدیث شریف: حضور ﷺ نے فرمایا۔ اے ابن ام عبد (عبد اللہ بن مسعود) کیا تمہیں معلوم ہے کہ میری امت کی رہبانیت کیا ہے۔ عرض اللہ اور رسول بہتر جانتے ہیں۔ تو فرمایا۔ ہجرت۔ جہاد۔ نماز۔ روزہ اور حج و عمرہ اور ہر بلندی پر اللہ اکبر کی صدا بلند کرنا۔ (معالم التنزیل) **حافظہ:** صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں کچھ لوگوں نے رہبانیت اختیار کرنا چاہی تو حضور ﷺ نے فرمایا۔ اسلام میں رہبانیت نہیں۔ میری امت کی رہبانیت اعتکاف بیٹھنا ہے۔

بدعت حسنہ کا ثبوت:

علامہ اسماعیل حقی رحمہ اللہ نے صدیوں پہلے بدعت حسنہ کو واضح فرمایا۔ وہ فرماتے ہیں کہ بعض بزرگوں نے فرمایا کہ جو بھی نیا طریقہ احادیث سے نکال کر اللہ تعالیٰ کی قربت حاصل کرے۔ وہ اسی شریعت میں داخل ہے۔ جس کو رسولان عظام امر الہی سے لے کر آئے۔ اللہ تعالیٰ نے رہبانیت کا ذکر کر کے اس پر عیب نہیں لگایا۔ البتہ مذمت بھی کی تو اس بات کی کہ وہ اسے نبھانہ سکے۔ یا اس پر قائم نہ رہ سکے۔ **حدیث شریف** میں ہے جو کوئی اسلام میں نیا طریقہ نکالے۔ اس جاری کرنے والے کو ثواب ملے گا۔ (مسلم شریف) بلکہ اسے دیکھ کر کوئی اور بھی اس طریقہ پر چلے گا تو اس کے ثواب کے برابر اسے بھی ثواب ملے گا۔ بدعت بری اس وقت ہے۔ جب اس کی نظیر قرآن اور حدیث میں نہ ہو۔ آگے جا کر لکھتے ہیں۔ وہ تمام امور جن کو علماء و عارفین نے شروع کیا۔ جس کی تصریح شروع میں نہیں ہے تو وہ بدعت نہیں۔ ہاں اگر وہ سنت صریح کے خلاف ہو تو وہ ضرور بدعت سیدہ ہے۔ ورنہ بدعت محمودہ ہے۔ جیسے بعض صوفیاء سرمنڈوا دیتے ہیں۔ یا گڈزیاں پہن لیتے۔ ریاضتیں کرتے ہیں۔ تھوڑا کھانا۔ تھوڑا سونا۔ یا ذکر جہر بہ طریقہ مشہورہ کرنا یا اوراد و طائف پڑھنا یہ سب جائز باتیں ہیں۔ رسول پاک ﷺ کی طرف سے حکم نہیں آیا۔ یہ مخصوص لوگوں کا طریقہ ہے جو صرف اولیاء اللہ کو نصیب ہوا ہے۔ لیکن وہ صحیح ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَآمِنُوا بِرَسُولِهِ يُؤْتِكُمْ كِفْلَيْنِ مِنْ رَحْمَتِهِ

اے ایمان والو! اللہ سے اور ایمان لاؤ اس کے رسول پر دے گا تمہیں دو حصے اپنی رحمت کے۔

وَيَجْعَلْ لَكُمْ نُورًا تَمْشُونَ بِهِ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ۚ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَحِيمٌ ﴿٢٨﴾

اور کرے گا تمہارے لئے نور چلتے ہو اس کے ساتھ اور بخشے گا تمہیں اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔

(آیت نمبر ۲۸) اے ایمان والو۔ اللہ تعالیٰ سے ڈرو۔ یعنی جن کاموں سے منع کیا ان سے باز آؤ۔ اور رسول پاک ﷺ پر ایمان لاؤ تو اللہ تعالیٰ تمہیں دو گنا اجر دے گا۔ اکفل وہ حصہ جس میں کفالت ہو تو فرمایا وہ اپنی رحمت سے تمہیں دو گنا اجر دے گا۔ فائدہ: یعنی جو پہلے رسولوں میں سے کسی رسول پر ایمان لایا۔ پھر نبی آخر زمان پر ایمان لایا تو اسے ڈبل اجر ملے گا۔ لیکن یہ حضور ﷺ کے زمانہ ظاہری کی بات ہے۔ اب نہیں۔

حدیث شریف میں ہے۔ تین شخصوں کو دو ہر اجر ملے گا۔ (۱) ایک وہ مرد جس کی لونڈی ہو۔ وہ اسے بہتر تعلیم دے اور اچھا ادب سکھائے۔ پھر آزاد کر کے اس سے نکاح کرے۔ (۲) وہ اہل کتاب مومن جو پہلے اپنے رسول پر ایمان لایا۔ پھر حضور ﷺ پر ایمان لایا۔ (۳) وہ غلام جو اپنے مالک کی حق خدمت بھی ادا کرے پھر اللہ تعالیٰ کے حقوق بھی ادا کرے۔ (مسلم حدیث ۱۵۴، بخاری کتاب العلم) انہیں ہر نیک عمل پر ڈل ثواب ملے گا۔

آگے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ تمہیں وہ نور دے گا۔ جس سے تم چلو گے۔ اس سے یا تو قیامت کا نور مراد ہے۔ جس سے آدمی پلصراط پر آسانی کے ساتھ چلے گا۔ اور جنت میں پہنچ جائیگا۔ کیونکہ جہنم میں ظلمت ہی ظلمت ہے۔ یا اس سے ایمان و تقویٰ کا نور مراد ہے۔ جس سے نفس امارہ کی ظلمت ختم ہوتی ہے۔ آگے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ تمہارے سب گناہ اور معاصی بخش دے گا کیونکہ اللہ تعالیٰ بخشنے والا مہربان ہے۔ یعنی بہت بڑا بخشہارا اور رحمت کرنے والا ہے۔

لَسَّالَا يَعْلَمَ أَهْلُ الْكِتَابِ إِلَّا يَقْدِرُونَ عَلَى شَيْءٍ مِّنْ فَضْلِ اللَّهِ وَأَنَّ الْفَضْلَ

تاکہ جان لیں اہل کتاب کہ وہ نہیں قدرت رکھتے کسی چیز پر اللہ کے فضل سے اور بے شک فضل اللہ کے

بِيَدِ اللَّهِ يُؤْتِيهِ مَن يَشَاءُ ۚ وَاللَّهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيمِ ۝ (۲۹)

ہاتھ میں ہے دیتا ہے جسے چاہے اور اللہ بہت بڑے فضل والا ہے

(آیت نمبر ۲۹) تاکہ اہل کتاب نہ جانیں۔ یعنی جب اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو بخشش اور اجر دے گا اور ان پر رحمت فرمائے گا۔ تو کافر اور مشرک جو ایمان نہیں لائے۔ انہیں پتہ چلے کہ اب وہ اللہ تعالیٰ کے فضل پر قدرت نہیں رکھ سکتے۔ یعنی جو اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو دوہرا اجر دیا۔ وہ بد نصیب رہے۔ انہیں ایک تو ملا ہی کچھ نہیں۔ دوسرا یہ کہ وہ کچھ انہیں حاصل کرنے کی قدرت بھی نہیں رہی۔ کیونکہ ان میں وہ شرائط نہیں پائی گئیں۔ جن کی وجہ سے اجر ان کو ملتا۔

فائدہ: اس سے معلوم ہوا غیر اہل کتاب کو ایمان و تقویٰ کا حکم دینا جائز ہے۔ آیت کا مفہوم یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور رسول اللہ ﷺ پر ایمان لاؤ تو اللہ تعالیٰ تمہیں وہ کچھ دے گا۔ جس کا اہل کتاب سے وعدہ فرمایا ہے۔ یعنی انہیں ہر نیک عمل پر ڈبل ثواب ہوگا اور دوسرے مقام پر فرمایا۔ وہ اجر دیئے جائیں دو مرتبہ۔ اور تمہارے اجر میں کوئی کمی نہیں کی جائیگی۔ کیونکہ تم نے رسولوں میں جدائی نہیں کی۔ یعنی سب رسولوں پر ایمان لائے۔

شان نزول: مروی ہے کہ اہل کتاب اہل اسلام کو اپنا فخر جتانے لگے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں ڈبل اجر دینے کا وعدہ فرمایا ہے۔ لہذا ہم تم سے افضل ہیں اس وقت اللہ تعالیٰ نے یہ آیت کریمہ نازل فرمائی۔

حدیث شریف: حضور ﷺ نے فرمایا کہ ہماری اور اہل کتاب کی مثال ایسے ہے کہ جیسے کسی نے مزدور کام پے لگائے اور کہا کہ جو آخروقت تک کام کرے اسے ایک قیراط دوں گا۔ ان لوگوں نے دوپہر تک کام کیا۔ پھر اس نے دوسرے لوگوں کو کام پے لگادیا اور کہا جو آخروقت تک کام کرے۔ اسے ایک قیراط دوں گا۔ انہوں نے عصر تک کام کیا۔ پھر ایک اور جماعت کو کام پے لگایا۔ اور کہا جو مغرب تک کام کرے گا۔ اسے دو قیراط دوں گا۔ انہوں نے رات تک کام کیا تو انہیں دو قیراط ملے۔ اب آخر والوں پر مہربانی اور ڈبل دیا۔ پہلی امتوں کی عمریں زیادہ تھیں اجر کم رہا اور امت محمدیہ کی عمریں کم ہیں اور اجر زیادہ فضیلت اس سورۃ کی یہ ہے کہ یہ مسحات میں سے ہے۔ جن جن سورتوں کی ابتداء میں لفظ تسبیح آتا ہے۔ ان کی ایک آیت ہزار آیات سے افضل ہے۔ مسحات: (۱) حدید۔ (۲) حشر۔ (۳) الصف۔

الحمد لله جلد نہم ختم ہوئی

(۴) الجمعہ۔ (۵) التغابن۔

مکتبہ اسلامیہ
کراچی